# سلطان الہند

(عطائے رسول غریب نواز حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری قدس سرہٗ کی حیات وخدمات)



ترتیب

سید محمد اشرف مارہروی

البرکات اسلامک ریسرچ اینڈ ٹریننگ انسٹی ٹیوٹ، علی گڑھ

سلطان الہند
سید محمد اشرف مارہروی

# سلطان الہند

ترتیب

سید محمد اشرف مارہروی

ناشر

البرکات اسلامک ریسرچ اینڈ ٹریننگ انسٹی ٹیوٹ، علی گڑھ



| | | |
|---|---|---|
| نام کتاب | : | سلطان الہند |
| ترتیب | : | سید محمد اشرف قادری |
| سنۂ اشاعت | : | نومبر ۲۰۱۵ء |
| صفحات | : | 599 |
| تعداد | : | 500 |
| قیمت | : | |

ناشر

البرکات اسلامک ریسرچ اینڈ ٹریننگ انسٹی ٹیوٹ

پوسٹ ADF نزد جمال پور، ریلوے کراسنگ

انوپ شہر روڈ، علی گڑھ، PIN: 202122

abirtipublications@gmail.com

0571-6500603

تقسیم کار

مکتبہ جام نور

۴۲۲ مٹیا محل، جامع مسجد، دہلی-6

فون نمبر: 011-23281418

# انتساب

۱- جداعلیٰ سادات مارہرہ وبلگرام حضرت سید شاہ محمد صغریٰ (صاحب دعوۃ الصغریٰ)

۲- صاحب سبع سنابل حضرت سید شاہ میر عبدالواحد بلگرامی

۳- مقدام العارفین حضرت سید شاہ عبدالجلیل بلگرامی ثم مارہروی

۴- صاحب البرکات حضرت سید شاہ برکت اللہ عشقی مارہروی قدست اسرارہم

۵- حضرت امین ملت پروفیسر سید شاہ محمد امین میاں قادری برکاتی زیدت معالیہ

کے نام

اس شعر کے ساتھ

ہے قلم رو میں ترے ہند کی پوری اقلیم
ہند کے سارے ولی تیری رعایا خواجہ

سید محمد اشرف

# فہرست مضامین

# پیش لفظ

نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

''اہل سنت کی آواز'' کے خصوصی شمارے متعدد عناوین کے تحت شائع ہو چکے ہیں۔ اہل ذوق حضرات کی جانب سے یہ خواہش ظاہر ہوئی کہ ان کو کتابی شکل دی جائے۔ الحمدللہ گزشتہ سال ''عشرۂ مبشرہ'' اور ''تذکرۂ اہل بیت اطہار'' کے عنوان سے دو کتابیں البرکات اسلامک ریسرچ اینڈ ٹریننگ انسٹی ٹیوٹ کی جانب سے شائع ہوئیں اور ان کاوشوں کو اسلامی حلقوں میں ہاتھوں ہاتھ لیا گیا۔

اس سال خواجۂ بزرگ کی بارگاہ میں خراج عقیدت پیش کرنے کا عزم کیا ہے۔ جو ہمارا فرض بھی ہے اور حق بھی۔

الحمدللہ ہمیں جتنی اپنی قادریت عزیز ہے اتنا ہی ناز اپنی چشتیت پر بھی ہے۔ سلسلۂ چشتیہ سے خانوادۂ برکات کو براہ راست فیض حاصل ہے۔ خانقاہِ برکاتیہ پندرہ سلاسل تصوف کا حسین سنگم ہے جس میں تصوف کے چار بڑے دریا قادریت، چشتیت، سہروردیت اور نقش بندیت شامل ہیں۔ ہمارے جد اعلیٰ میر سید محمد صغری قدس سرہٗ المعروف ''صاحب دعوت صغریٰ'' جو فاتح بلگرام تھے، ان کو سلسلہ چشتیہ میں حضرت سیدنا قطب الدین بختیار کاکی علیہ الرحمہ سے خلافت واجازت حاصل تھی۔ جد کریم سیدنا شاہ عبد الجلیل بلگرامی قدس سرہٗ تک اور ان کے بعد سیدنا میر اویس بن شاہ عبد الجلیل قدس سرہما تک سلسلۂ چشتیہ نظامیہ میں بیعت کا سلسلہ رائج رہا۔ آج بھی کوئی طالب اگر خواہش ظاہر کرتا ہے کہ بیعت سلسلۂ چشتیہ میں ہو تو اس کی خواہش کے مطابق مشائخ مارہرہ سلسلۂ چشتیہ میں بیعت کرتے ہیں۔

# سیرتِ خواجہ غریب نوازرضی اللہ عنہ

سید العلما علامہ حکیم سید شاہ آل مصطفیٰ سیّد میاں،
مارہروی قدس سرہٗ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمده و نستعينه ونستغفره و نؤمن به ونتوكل عليه ونعوذ بالله من شرور انفسنا و من سيئات أعمالنا من يهده الله فلا مضل له و من يضلله فلا هادى له و نشهد أن لا إلٰه إلا الله وحده لاشريك له ونشهد أن سيدنا محمداً عبده ورسوله بالهدى ودين الحق أرسله وصلى الله تعالىٰ وسلم وبارك عليه وعلى آله وأصحابه أجمعين۔

أما بعد: صدق الله العلي العظيم وبلغنا رسوله ومولى النبى الكريم ونحن على ذلك لمن الشاهدين ۔ يا أيها الذين آمنوا صلوا عليه وسلموا تسليما۔ اللهم صل على سيدنا محمد وعلى اٰله وبارك وسلم۔

تیرے پائے کا کوئی ہم نے نہ پایا خواجہ — تو زمیں والوں پہ اللہ کا سایہ خواجہ
میری کشتی ابھی ساحل سے لگی جاتی ہے — اک ذرا تو نے اگر ہاتھ لگایا خواجہ
ہے قلم رو میں ترے ہند کی پوری اقلیم — ہند کے سارے ولی تیری رعایا خواجہ
لے چلیں گے جو فرشتے مجھے دوزخ کی طرف — میں پکاروں گا ذرا ٹھہرو وہ آیا خواجہ



جوشِ مستی میں کئی آئے ہیں ایسے لمحے — میں بہک جاتا مگر تم نے بچایا خواجہ
بیخودی میں میں خودی ہی کو خدا کہہ دیتا — شکر ہے تم نے مگر یاد دلایا خواجہ
مکرِ شیطاں سے مریدوں کو بچا لیتے ہو — اس لیے پیر تمھیں اپنا بنایا خواجہ
بربطِ عشق پہ توحید کا نغمہ بولے — صدقے جاؤں میں تیرے خوب سنایا خواجہ

(درود شریف)

ولایت پہ گفتگو کرتے ہوئے میں نے کل آپ کو یہ بتادیا تھا کہ ولایت اور ولا یہی دو مصدر ہیں ولی کے، ولایت کے معنی آتے ہیں قبضہ، تصرف، ملکیت اور مدد اور ولا کے معنی ہیں محبت، تو ولی اگر ولا سے لیا جاتا ہے تو اس کے معنی ہوتے ہیں محبت کرنے والا اور محبت کیا ہوا۔ یعنی محبّ اور محبوب، ولی اللہ کے معنی ہوں گے محبوب اللہ، ولی اللہ کے معنی ہوئے محبّ اللہ اور ولی جب ولایت سے لیا جاتا ہے تو ایک تو معنی ہوتے ہیں ناصر لدین اللہ اور منصور من اللہ، اللہ کے دین کی مدد کرنے والا اور اللہ کی طرف سے مدد کیا ہوا، تو اللہ تبارک وتعالیٰ عز شانہ وجل جلالہ نے اپنے اولیاء کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو اپنی عطا اور بخشش سے ایسی قوتیں اور نصرتیں عطا فرمائی ہیں کہ ان قوتوں اور نصرتوں کے ذریعہ سے بحکم ربانی وہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے کارخانۂ قدرت اور اس جہان نوع میں وہ تصرف بھی کرتے ہیں اور اللہ کے حکم سے وہ اس کے بندوں کی مدد بھی فرمایا کرتے ہیں، ابن حکیم کی حدیث ہے۔

سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: اور اس حدیث پاک کو ترمذی شریف نے کہا هذا حديث حسن صحيح ، یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ تو حدیث یہ ہے کہ:

"إذا ضل عنكم الدابة فى فلاة الأرض" جب تم میں سے کسی کا کوئی چوپایہ صحرا یا جنگل میں گم ہوجائے تو: "فقولوا يا عباداللہ أعينوني" (دومرتبہ) اس وقت تم پکارو اور یہ کہو اے اللہ کے بندوں میری مدد کرو اور اے اللہ کے بندوں میرے لیے اس چوپایہ کو روک کر رکھو، تو فرماتے ہیں محشی - کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو مقرر

فرمادیا ہے اور وہ صرف یہی کام کرتے ہیں کہ گمی ہوئی چیزوں کو واپس ان کے مالکوں کے پاس پہنچادیتے ہیں، تو یہاں سے اب یہ معلوم ہوگیا کہ اولیائے کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو اپنی حاجتوں اور اپنی مشکلوں میں اللہ تبارک وتعالیٰ کا مظہر قدرت سمجھتے ہوئے اللہ کا بندہ سمجھتے ہوئے ان کو پکارنا اور ان کا وسیلہ لینا نہ کہ صرف جائز ہے بلکہ حدیث شریف سے بھی ثابت ہے۔

سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وبارک وسلم کی خدمت میں ایک صاحب حاضر ہوئے اور انھوں نے عرض کی یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیک وسلم میری آنکھیں چلی گئیں ہیں، مجھے دونوں آنکھیں چاہیئے۔ حضور والا نے ارشاد فرمایا: جنت میں نعمتیں چاہتے ہو یا دنیا میں آنکھیں چاہتے ہو؟ انھوں نے کہا حضور! میں جنت بھی چاہتا ہوں اور دنیا میں اپنی دونوں آنکھیں بھی چاہتا ہوں۔ تو فرمایا اچھا تم جاؤ اور جانے کے بعد اچھی طرح سے وضو کرو اور وضو کرکے دو رکعت نفل نماز پڑھو اور دو رکعت نماز نفل پڑھنے کے بعد اللہ تبارک وتعالیٰ سے عرض کرو کہ الٰہ العالمین میں توجہ کرتا ہوں تیرے نبی محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا، پھر اس کے بعد ہمارا نام لے کر پکارو، یارسول اللہ "إنی أتوجه بك" میں آپ کے ذریعہ سے اپنے رب تبارک وتعالیٰ کو اپنی طرف متوجہ کرتا ہوں "لتقضی به حاجتی" تاکہ اللہ میری حاجت کو پورا فرمادے... اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کی آنکھیں واپس کردیں۔ اس حدیث نے بھی یہ بات ظاہر کی کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے محبوبوں کا وسیلہ لینا اور اس کے ساتھ ساتھ اللہ کے محبوبوں کو پکارنا جائز ہے، اس حدیث میں ہے کہ کہنا "یا محمد! إنی أتوجه بك" اے محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیک وسلم ہم آپ کے ذریعہ اور آپ کے وسیلے سے اللہ تبارک وتعالیٰ کو متوجہ کرتے ہیں۔ کہنے والا یہاں پر یہ کہہ دیا کرتا ہے کہ سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی حیات شریف کا یہ واقعہ ہے اور اب حضور ﷺ کے وصال کے بعد حضور ﷺ کو پکارنا یہ حرام ونا جائز ہے۔ تو میں آپ سے پھر سے کہہ رہا ہوں کہ حضرت



عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں پھر ایک اندھا آیا اور اس نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے عرض کیا کہ اے خلیفۂ سوم! میرے لیے دعا کیجئے کہ میری آنکھیں مجھے مل جائیں، آپ نے فرمایا دعا تو میں کروں گا لیکن جو آنکھیں تیری گئی ہوئی ہیں مجھے امید ہے کہ تیری آنکھیں شاید نہ ملیں گی، مایوس ہوکر وہ وہاں سے چلا تو راستے میں اسے عثمان بن حُنیف رضی اللہ تعالیٰ عنہ بوڑھے صحابی تھے، ملے جن کو آنکھیں مل چکی تھیں، تو انھوں نے پوچھا تم کہاں سے آرہے ہو؟ میں امیر المومنین کی خدمت سے آرہا ہوں، اس لیے گیا تھا۔ یہ ہے جواب، فرمایا جاؤ روضہ اقدس پر حاضر ہو، دو رکعت نماز پڑھنا اور جو دعا ان کو تعلیم دی گئی تھی، وہی دعا انھوں نے ان کو تعلیم فرمائی اور اس کے بعد اس نے وہ دعا پڑھی اور بفضلہٖ تعالیٰ انھیں بھی آنکھیں ملیں۔ اب بعد وصال رسول اللہ صلی اللہ تبارک وتعالیٰ وسلم ہے۔ اسی لیے علامہ ابن حجر مکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ "الصواعق المحرقة" میں صاف صاف لکھتے ہیں کہ "لا فرق بين حياته و مماته " صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ حضور والا کی اس زندگی، اور اس زندگی ان دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے جس طرح سے حضور والا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس زندگی میں تشریف فرما تھے حیات حسی کے ساتھ، ایسے ہی حضور والا حیات حسی کے ساتھ تشریف فرما ہیں۔ جو لوگ "نبی الله حی" کا ترجمہ کرتے ہیں کہ انبیاء کو برزخ کی زندگی ہے۔ برزخ کی زندگی تو ہر ایک کو حاصل ہے۔ کون ایسا مسلمان ہے، کون ایسا مردہ ہے، جس کو برزخ کی زندگی نہیں ملی ہے؟ برزخ ایک عالم ہے دنیا وعقبیٰ کے درمیان میں۔ قیامت آخرت ہے، دنیا، یہ دنیا ہے، ان دونوں کے بیچ میں عالم برزخ ہے۔ جب کوئی یہاں پر مرجاتا ہے تو اس کی مثال وہاں قائم رہتی ہے تو برزخ کی زندگی تو بہرحال سب کو ملی ہوئی ہے تو یہ کہنا کہ "نبی الله حی یرزق" اللہ کے نبی زندہ ہیں اور انھیں رزق دیا جاتا ہے۔ روزی دی جاتی ہے۔ معاذ اللہ یہ تو بیکار کلام ہوگیا، نہیں بلکہ علمائے اسلام کا اس بارے میں اتفاق ہے کہ سرور عالم صلی اللہ تبارک وتعالیٰ

وآلہ وسلم اور جملہ انبیائے کرام علیہم الصلاۃ والسلام اسی زندگی کے ساتھ زندہ ہیں جس زندگی کے ساتھ وہ امتوں کے سامنے تشریف فرما تھے، بات صرف اتنی ہوئی ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے چونکہ یہ فرما دیا ہے کہ ”کل نفس ذائقة الموت“ ہر جان کو موت کا مزہ چکھنا ہی ہے۔اس وعدہ کو سچا کرنے کے لیے ایک آن کے لیے ان پر موت طاری کی جاتی ہے، انبیائے کرام پر ایک آن کے لیے وفات آتی ہے اور اس آن کے بعد پھر وہ ویسے ہی زندہ کر دیے جاتے ہیں۔تو سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم ویسے ہی باحیات ہیں جیسے حضرت ابوبکر صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے سامنے باحیات تھے جیسے حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے سامنے باحیات تھے، جیسے کہ حضرات امہات المومنین کے حجروں میں اپنی بیویوں کے سامنے زندہ تھے، ویسے ہی آج بھی زندہ ہیں اور ویسے ہی قیامت تک زندہ رہیں گے۔اور حضور والا کی سماعت اللہ اکبر! ارشاد فرماتے ہیں علامہ محمد بن محمد غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کہ نبی کا عالم یہ ہوتا ہے کہ لوح کے اوپر قلم چلتا ہے تو قلم کے چلنے میں جو صراصراہٹ ہوتی ہے جس کو عربی میں کہتے ہیں ”صریر القلم“ اس کو نبی زمین پر بیٹھ کر سنتا ہے۔سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جبریل زمین سے جاتے ہیں آسمان کو اور آسمان سے آتے ہیں زمین کو، ان کے آنے اور جانے سے آسمانوں کے دروازے جب کھلتے ہیں تو ان دروازوں کی چر چراہٹ میں مدینہ میں بیٹھ کر سنتا ہوں، حالانکہ سرور عالم صلی اللہ تبارک وتعالیٰ وبارک وسلم کے جسم پاک سے حضرت جبریل علیہ السلام کے رہنے کی جگہ چودہ ہزار برس کا راستہ ہے۔ایک تیز گھوڑا اگر دوڑا دیا جائے اور وہ چوبیس گھنٹہ تک بغیر رکے ہوئے دن رات چلا کرے تو چودہ ہزار برس کے بعد وہ سدرۃ المنتہیٰ پر پہنچے گا، جہاں پر رہتے ہیں حضرت سیدنا جبریل علیہ الصلاۃ والسلام۔لیکن حضرات علماء فرماتے ہیں کہ جبریل وہاں سے چلنے کا ارادہ کرتے ہیں نبی کی طرف اور نبی کو جبریل کی خوشبو آجاتی ہے کہ اب جبریل چلے سدرہ سے ہمارے پاس، تو ظاہر بات ہے کہ جب قرآن مجید وفرقان



حمید نے ارشاد فرمادیا کہ ”ما اتاکم الرسول فخذوه وما نهاكم عنه فانتهوا ...“ جو نبی تمہیں دیں اسے لے لو اور جس سے نبی تمہیں روک دیں اس سے تم رک جاؤ۔بخاری ومسلم کی متفق علیہ حدیث ہے اور حدیث بھی معمولی نہیں، حدیث قدسی ہے۔حضرت سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما اس کے راوی ہیں۔ارشاد فرماتے ہیں مولا تبارک وتعالیٰ جل شانہ اپنے پیارے محبوب کو مخاطب فرمایا کہ آپ اعلان کر دیجئے ”ما من عبد يتقرب إلي بالنوافل“ بندہ نوافل کے ذریعہ سے مجھ سے قرب حاصل کرتا رہتا ہے۔مجھ سے قریب ہوتا رہتا ہے۔کتنا قریب ہوتا ہے؟ ”حتی کنت أحببته“ یہاں تک کہ میں اس کو اپنا محبوب بنالیتا ہوں۔”فإذا كنت أحببته فكنت سمعه الذي يسمع به“ پھر جب میں اسے اپنا محبوب بنالیتا ہوں تو میں اس کے کان ہو جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے،”کنت بصره الذي يبصر به“ میں اس کی آنکھ ہو جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے۔میں اس کے ہاتھ ہو جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے۔میں اس کی زبان ہو جاتا ہوں جس سے وہ بات کرتا ہے، یہاں تک کہ بکمال بے نیازی مولی نے ارشاد فرمادیا:”وکنت رجله التي يمشي بها“ میں اس کے پیر ہو جاتا ہوں جس سے وہ چلا کرتا ہے۔اس کو روایت کیا دونوں یعنی بخاری، مسلم نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے۔تو صحاح ستہ میں صرف دو وہ کتابیں ہیں جو قرآن عظیم کے بعد مسلمانوں میں سب سے زیادہ صحیح کتابیں ہیں۔تب مجھے آپ بتائیے کہ جب بندہ اتنے قرب کی منزل میں پہنچ گیا کہ اس کا کان، آنکھ، ہاتھ، پیر اور زبان مولا تبارک وتعالیٰ کا جلوہ بن گیا تو پھر مجھے بتائیے کہ اس سے کونسی چیز سننے سے رہ جائے گی؟ کون سی چیز دیکھنے سے رہ جائے گی؟ کہاں اس کا ہاتھ پہنچ نہیں سکے گا؟ اور کہاں اس کی زبان کام نہیں کر سکے گی؟ اسی لیے عاشق رسول مولانا روم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنی مثنوی شریف میں بڑے مزے میں عرض کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ:

اولیاء را ہست قدرت از الٰہ
تیر رفتہ باز گردانند ز راہ

فرماتے ہیں کہ اولیائے کرام کو مولا تعالیٰ نے وہ قدرت عطا فرمائی ہے کہ کمان میں سے تیر چھوڑ دیا جائے اور ہوا میں جارہا ہو اور اللہ کا ولی یہ کہے کہ کمان میں واپس آجا تو وہ کمان میں واپس آجایا کرتا ہے۔

فرماتے ہیں:

گفتۂ او گفتہ اللہ بود
گرچہ از حلقوم عبداللہ بود

فرماتے ہیں کہ اولیائے کرام جو کہتے ہیں وہ اللہ کا کہا ہوا ہوتا ہے، اگرچہ تمہاری آنکھوں کے سامنے وہ ایک بندے کی حلق سے نکل رہا ہوتا ہے۔لیکن حقیقت میں وہ قول ہوتا ہے مولا تبارک وتعالیٰ جل جلالہ وعم نوالہ کا۔اسی لیے کہتے ہیں کہ:

کار پاکاں بر قیاس خود مگیر
گرچہ یکساں در نوشتن شیر و شیر

اللہ اکبر!

کتنا بڑا رد کرتے ہیں ان بیوقوفوں اور نادانوں کا جو اللہ تبارک وتعالیٰ کے محبوب بندوں کو اپنا جیسا بشر سمجھ کر ان کا معاذ اللہ اپمان (بےعزتی) کرتے ہیں۔اپنا جیسا معمولی انسان سمجھ کر ان کی عزت وعظمت کو گھٹاتے ہیں۔تو مولائے روم ان کا رد فرماتے ہیں۔فرماتے ہیں کہ پاکوں کے معاملے کو اپنے اوپر مت قیاس کرو۔اس کی مثال دیتے ہیں دیکھو! کاغذ پر لکھنے میں شیر اور شیر دونوں ایک ہی طرح لکھے جاتے ہیں۔یعنی ش،ی،ر،مگر بڑا فرق ہے،ظاہر میں دونوں یکساں معلوم ہوتے ہیں،دونوں ایک ہی جیسے معلوم ہوتے ہیں،مگر ارشاد فرماتے ہیں:



آں یکے چیزے کہ مردم می خورد
واں یکے شیرے کہ مردم را درد

کہتے ہیں کہ ظاہر میں دیکھنے میں شیر و شیر ایک جیسے معلوم ہوتے ہیں مگر زمین وآسمان کا فرق ہے۔ایک شیر ہے،شیر کہتے ہیں فارسی میں دودھ کو جسے انسان کھاتا ہے اور ایک شیر ہے جو انسان کو کھاتا ہے تو تم یہ کہہ دو کہ دونوں چیزیں ظاہر میں ایک جیسی معلوم ہوتی ہیں۔لہٰذا دونوں کا کام بھی ایک ہی ہے،دونوں کی حقیقت بھی ایک ہی ہے۔یہ بڑی بھول ہے تمہاری،یہ انتہائی نادانی ہے تمہاری،اسی طرح سے اولیائے کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا ظاہری چولا،ظاہری بدن،آنکھ،ناک،کان بھلے وہ ایسا معلوم ہوں کہ وہ ہمارے جیسے ہیں مگر اولیائے کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی حقیقت ہم جیسے معمولی انسانوں سے کہیں بالاتر ہے۔اسی لیے آپ ملاحظہ فرمائیے کہ سرور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وبارک وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''اولیاء أمتي كأنبياء بني إسرائيل'' میرے اولیائے امت ایسے جیسے کہ بنی اسرائیل کے انبیاء۔اس امت میں ولی دیے ہی اس لیے گئے ہیں۔اگلی امتوں میں اتنے ولی نہیں ہوتے تھے کیوں؟ اس لیے کہ وہاں پر نبوت کا سلسلہ جاری تھا۔ایک نبی گیا پھر اس کے بعد ضرورت محسوس ہوئی،زمانے میں تاریکی اندھیاری پھیلنے لگی تو اللہ تبارک و تعالیٰ نے دوسرا نبی بھیج دیا۔اس واسطے ان کی امتوں میں ولی نہیں ہوا کرتے تھے،بہت کم ولی ہوتے تھے۔لیکن امت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا معاملہ یہ ہے کہ نبوت تو ہوگئی ختم اور سلسلہ انسانیت جاری ہے قیامت تک تو اب حضور سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہماری ظاہری آنکھوں سے پردہ فرما جانے کے بعد،گمراہ انسانوں کی ہدایت کے لیے کیا سامان ہونا چاہیے؟ یہ ہے History اور اسی کو سمجھ لیجئے۔پہلے زمانہ میں تو یہ ہوتا تھا کہ ایک کے بعد دوسرا نبی آتا تھا۔اب نبی تو آئے گا نہیں کیوں کہ حضور تو ہیں خاتم النبیین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔قیامت تک ان کے بعد

اب دوسرا نیا نبی ہر گز نہیں آ سکتا۔اس لیے اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے ہماری امت میں یہ انتظام کیا کہ انبیاء تو نہیں آئیں گے،مگر انبیاء کا کام انجام دینے کے لیے انبیاء کے فرماں بردار، مطیع ،متقی بندے بنام اولیاء تشریف لایا کریں گے اور جو کام انبیاء کیا کرتے تھے وہ انھیں کی فرماں برداری میں،خلافت میں،ان کے اتباع میں،ان کی نیابت میں وہ اولیاء کرام کیا کریں گے،رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین۔لہٰذا فرمایا:"اولیاء امتی کأنبیاء بنی اسرائیل"میری امت کے اولیاء جیسے کہ بنی اسرائیل کے انبیاء۔چنانچہ اسی ماتحت سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے سلطان الہند غریب نواز معین الدین حسن سجزی اجمیری رضی اللہ تعالیٰ عنہ وأرضاہ عنا کو ہندوستان کے اندر اپنا نائب بنا کر بھیجا۔حضرت خواجہ سلطان الہند غریب نواز عطائے رسول بھی ہیں اور ہند الولی بھی ہیں اور نائب نبی بھی ہیں محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے۔

حضرت خواجہ اصفہان میں ایک چھوٹا سا قصبہ ہے جس کا نام ہے سجز۔س ج ز "سجز" کے رہنے والے ہیں۔آپ نے عام طور سے سنا ہوگا کہ حضور خواجہ کے نام نامی اسم گرامی کے ساتھ لفظ "سنجری" لکھا ہوتا ہے۔لفظ "سنجری" غلط ہے۔سنجر اس کا نام نہیں ہے۔سنجر تو آپ کے ہندوستان کے ایک مقام کا نام ہے۔اس کا نام تو "سجز" ہے س ج ز تو ہوا اصل میں یہ کہ س ج ز کی "زا" کا نقطہ لوگوں نے غلطی سے اوپر پڑھ کر "س" "نون" بنا دیا اور اس کے بعد جب "ز" پر سے نقطہ ہٹ گیا تو وہ "ر" ہو گیا اب بن گیا "سنجر" حضور والا کاظمی سادات میں ہیں۔امام کاظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ وأرضاہ عنا کی اولاد امجاد میں سے ہیں۔آپ کی والدہ ماجدہ حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ان کی خلیری بہن ہیں۔خالہ زاد بہن ہیں حضرت فاطمہ ثانی حضرت عبد القادر جیلانی رضی اللہ عنہ کی والدہ ماجدہ کی،دونوں یہ آپس میں بہنیں ہوتی ہیں۔اسی لیے سرکار خواجہ اور سرکار غوث اعظم رضی اللہ عنہ آپس میں خالہ زاد بھائی ہیں۔حضرت خواجہ رضی اللہ عنہ کا بچپن ہی کا زمانہ تھا۔آپ ابھی قرآن مجید ہی حفظ کر پائے تھے کہ آپ کے والد ماجد کا



وصال ہو گیا۔آپ نے شاید سنا ہوگا کہ حضور غوث اعظم رضی اللہ عنہ بچپن ہی میں تھے کہ ان کے والد کا انتقال ہو گیا تھا اور ان کی والدہ نے پرورش کیا تو حضرت خواجہ کو بھی ان کی والدہ نے پرورش کیا۔ایک دن کا واقعہ ہے کہ آپ اپنے باغ،انگوروں کے باغ میں تھے،وہاں ایک پن چکی لگی تھی اور انگوروں کے باغ کی رکھوالی اور پن چکی میں آٹا پیسنا یہی ذریعہ معاش تھا،حضرت خواجہ کے والد ماجد خواجہ سید غیاث الدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا اور ان کے وصال کے بعد یہی ذریعہ معاش تھا،حضرت خواجہ غریب نواز رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا، باغ سے انگور بیچتے اور پن چکی میں شہر والوں کا آٹا پیستے،تو چوں کہ تنہا تھے لہذا باغ کے اندر رکھوالی بھی کر رہے تھے اور آٹا پیس پیس کر لوگوں کو بانٹ بھی رہے تھے۔یکا یک ایک مجذوب وارد ہوئے باغ میں،ابراہیم ان کا نام ہے،ایک مجذوب وارد ہوئے اور وہ باغ میں آئے تو دیکھا کہ ایک لڑکا تیرہ چودہ برس کا انگور کھا رہا ہے۔فرمانے لگے کہ بیٹا! اللہ کا ایک فقیر تمہارے سامنے آیا ہے اور بھوکا ہے کچھ اسے کھلاؤ،حضرت خواجہ نے بڑے ہی چاؤ کے ساتھ انگوروں کا ایک بڑا ہی پکا ہوا خوشہ پیڑ میں سے توڑا اور لا کر اس مجذوب کے سامنے حاضر کر دیا۔تو مجذوب نے اپنا دونوں ہاتھ اٹھا کر کہا کہ بیٹا! ہمارے ان ہاتھوں میں کوڑھ ہے، ہماری ساری انگلیاں سڑ گئیں ہیں اور ان میں سے پیپ اور خون ٹپکتا ہے، لہٰذا یہ اب آپ اپنے ہاتھ سے یہ ہمیں کھلا دیجیے۔خواجہ غریب نواز رضی اللہ عنہ نے ایک ایک کر کے وہ انگور اس فقیر کو کھلا دیا۔ابراہیم قندوزی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جب وہ انگور کھا چکے تو انھوں نے ارشاد فرمایا دیکھو ہم جو صدری پہنے ہیں اس کی جیب میں ہاتھ ڈالو تو اس کی جیب میں تمہیں کچھ ملے گا۔حضرت خواجہ نے ہاتھ ڈالا تو ملا وہاں سے کیا؟ کھلی کا ایک ٹکڑا۔کھلی کا ایک ٹکڑا ملا۔فرمایا کہ اسے میرے منھ میں رکھ دیجیے۔منھ میں رکھ دیا انھوں نے اسے چبایا جب وہ کھلی کا ٹکڑا چب کر ملائم ہو گیا تو فرمایا بیٹے! اب تم اپنا منھ کھولو اور انھوں نے وہ چبایا ہوا کھلی کا ٹکڑا حضرت خواجہ کے منھ میں ڈال دیا۔مجذوب تو اپنے راستے چلے

گئے، یہ کھلی کا ٹکڑا کھانا تھا کہ حضرت خواجہ کا عالم پلٹ گیا اور حضرت کے اوپر ایک وارفتگی اور مستی کا عالم طاری ہوا اور حضرت تشریف لے گئے اپنے گھر۔ ماں سے عرض کی اماں ہمارا وقت بہت ضائع ہو رہا ہے۔ یہاں پڑھنے، پڑھانے کا کوئی سلسلہ نہیں ہے۔ اب ہم راہ خدا میں دین خدا کی خدمت کی تیاری کرنا چاہتے ہیں اور دین خدا کی خدمت بغیر علم حاصل کیے نہیں ہوسکتی۔ لہٰذا اب آپ ہمیں اجازت دے دیجئے کہ ہم یہاں سے پڑھنے کے لیے چلے جائیں۔ ماں نے آپ کو اجازت عطا فرمائی اور حضرت خواجہ اپنے گھر سے نکل چلے، چنانچہ آپ وہاں سے نکل کر تحصیل علم کے اندر تقریباً آپ نے پورا وسط ایشیا چھانا اور قندھار، عراق، بلخ، بخارا میں حدیث، قرآن، تفسیر، فقہ کی تحصیل کرتے ہوئے آپ بغداد مقدس ایسے وقت میں پہنچے جب آپ فارغ التحصیل ہوچکے تھے اور حضور غوث اعظم رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا کا تیسرا سن کا زمانہ تھا۔ آدمی کے تین سن ہوتے ہیں بچپن، جوانی اور بڑھاپا۔ تو حضرت غوث اعظم اس وقت میں کبیر السن ہوچکے تھے، خبر ہوئی کہ سجز سے ہمارے خالہ زاد بھائی حسن سجزی آئے ہیں، چنانچہ آپ نے اپنے خدام کو بھیجا۔ کہا جاؤ اس نوجوان کو بڑے چاؤ و مان کے ساتھ لے آؤ اور ہمارے مدرسہ میں ہمارے خاص حجرے میں انھیں ٹھہرا دو چنانچہ حضرت خواجہ وہاں پر ٹھہرے اور تین دن تک حضور سرکار غوث اعظم نے آپ کی مہمانی کی۔ اور تیسرے دن تنہائی اور خلوت میں اپنے پیارے بھائی کو سینے سے لگایا اور آپ کو اسم اعظم تعلیم فرمایا، اس کے بعد میں ارشاد فرمایا کہ جاؤ، ہمیں امید ہے کہ بغداد پھر تم واپس آؤ گے لیکن اب جب واپس آؤ گے تو ہمیں تم زندہ نہیں پاؤ گے اس دنیا کے اندر، جاؤ میں نے سمجھ لیا ہے کہ تمہارا حصہ کہاں ملنے والا ہے۔ حضرت خواجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہاں سے واپس ہوکر حج کو گئے۔ یہ پہلا حج کیا حضور غریب نواز رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے، حج کرنے کے بعد جب وہاں سے واپس ہوئے گھومتے ہوئے اب پھر جب بغداد آئے تو معلوم ہوا کہ حضرت غوث اعظم رضی اللہ عنہ کا وصال ہوچکا ہے۔



خواجہ غریب نواز کے دل و دماغ میں یہ بات آئی کہ اب ہم حج بھی کر کے آچکے ہیں ماشاء اللہ ہم نے تو دینی علم بھی حاصل کرلیا ہے۔ لہٰذا اب ہمیں راہ طریقت میں کسی سے بیعت ہوجانا چاہیئے۔ چنانچہ آپ نے تلاش کرنے کے بعد بغداد کے قریب ایک چھوٹا سا قصبہ ہے ”ہرون“۔ ہرون میں جب آپ تھے تو وہاں پر نماز کے بعد آپ نے دیکھا کہ مرد بزرگ تشریف لا رہے ہیں۔ اور جیسے ہی ان کی نگاہ پڑی حضرت خواجہ پر، ارشاد فرمایا حسن تم آگئے؟ حضرت خواجہ کو بڑا تعجب ہوا کہ میں نے تو کبھی ان کو دیکھا نہیں، میں تو آج پہلی مرتبہ ملاقات کر رہا ہوں۔ مگر یہ تو مجھے پہچانتے ہیں۔ تو میں نے سلام کرنے کے بعد پوچھا، کیا حضرت آپ مجھے پہچانتے ہیں؟ ارشاد فرمایا: ہندوستان کے بادشاہ کو کون نہ پہچانے گا؟ میں تو تمہارا انتظار کر رہا تھا اور تمہارے انتظار میں ہی اب تک میں جی رہا ہوں، چنانچہ یہ ہیں حضرت خواجہ آدم عثمان ہارونی رضی اللہ تعالیٰ عنہ وأرضاہ عنا جو پیر و مرشد ہیں حضور خواجہ غریب نواز رضی اللہ عنہ کے۔ حضور نے کہا پھر مجھے بیعت کر لیجئے۔ فرمایا آج رات کو ہمارے حجرے میں رہو اور رات کو تم ایک ہزار مرتبہ سورہ قل ہو اللہ شریف کا ورد کرو، چنانچہ رات بھر حضرت خواجہ نے ایک ہزار بار سورہ قل ہو اللہ کا ورد تمام کیا اور صبح میں جب حاضر ہوئے فجر کی نماز پڑھنے کے بعد مرشد برحق نے پوچھا کہو رات کیسی گزری؟ ورد پورا کیا؟ کہا جی ہاں الحمد للہ، کہا آؤ ہمارے قریب آؤ۔ خواجہ قریب گئے، خواجہ اعظم نے اپنا ہاتھ سیدھا ان کی پیشانی پر ایسے رکھا کہ گویا کہ جالی بنا دی آنکھوں کے سامنے اور کہا کہ دیکھو اب تمہیں کیا دکھائی دیتا ہے؟ کہنے لگے حضور زمین کے اوپر کی ہر چیز میری آنکھ کے سامنے ہے، اب کوئی پہاڑ کوئی دیوار کوئی درخت میرے لیے پردہ نہیں ہے۔ میں مشرق، مغرب، دکھن، اتر، پورب سب ان آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں۔ فرمایا آج پھر تم رات رہنا اسی حجرہ میں اور آج سورہ بقرہ کا ورد کرنا اور صبح کو پھر آجانا۔ صبح کو پھر جب حاضر ہوئے، حضرت نے پوچھا کہو ورد تمام کیا؟ کہا ہاں بالکل صاحب رات بھر پڑھتا رہا۔ پھر آنکھوں پہ ہاتھ

رکھ کر فرمایا اچھا بتاؤ معین الدین اب تمہیں کیا دیکھائی دیتا ہے؟ حضرت نے ان انگلیوں میں سے بیچ سے کہا واللہ! حضرت اب تو مجھے یہ دیکھائی دے رہا ہے کہ زمین کے نچلے تلے سے لے کر عرش معلیٰ تک سب آنکھوں کے سامنے ہے۔ فرمایا الحمدللہ اب تمہارا کام پورا ہوگیا۔ تمہارا دماغ روشن ہوگیا۔ یہ کہہ کر ہاتھ میں ہاتھ دے کر بیعت کیا، قینچی نکال کر خواجہ برحق کے اگلے بالوں میں سے تھوڑے سے بال کترے اور اس کے بعد فرمایا اب ہمارے پاس تم رہو گے، انشاء اللہ تبارک وتعالیٰ تمہاری تعلیم و تربیت ہم اپنے ساتھ کریں گے۔ مرید اور مرشد یہ دونوں بارہ برس تک سفر کرتے رہے، خانہ خدا میں پہنچے، تیسرا حج کیا اور حج کرنے کے بعد جب مدینہ منورہ حاضر ہوئے تو خواجہ آدم حضرت عثمان ہارونی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ارشاد فرمایا کہ معین الدین آج ہمارا خیال یہ ہے کہ تم مسجد اقدس میں روضہ اقدس کے قریب اپنے داہنے ہاتھ پر اپنا رخسار رکھ کر اور قبلے کی طرف منھ کر کے سو جاؤ۔ کہتے ہیں حضرت خواجہ کہ میں سو گیا، رات کو میں نے خواب میں دیکھا کہ میرے جد کریم حضور سرکار محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم تشریف فرما ہوئے اور ارشاد فرمایا کہ بیٹا حسن! اٹھو ہم نے ہندوستان تم کو عطا فرمایا، ہندوستان کی روحانی تاجداری تمھیں دی جاتی ہے اور ہندوستانی گمراہوں کو جا کر راہ راست پر لانا، اب یہ کام تمہیں سپرد کیا جاتا ہے اور ہندوستان میں رہ، اب قیامت تک تمہاری روحانیت ہندوستان میں چلتی رہے گی۔
چنانچہ اس کے ساتھ ہی حضور نے فرمایا اس کی نشانی کے طور پر یہ انار ہم تمہیں دیتے ہیں اور یہ انار تم کھالو، اللہ تبارک وتعالیٰ تمہارے دل کو اپنے نور سے منور فرمادے گا۔
چنانچہ حضرت خواجہ جب اٹھے تو دیکھا کہ وہ انار آپ کے ہاتھ میں موجود ہے اور اس انار کے متعلق حضرت خواجہ کہتے ہیں کہ جب میں نے اسے چکھا اور کھایا تو حالانکہ عمر بھر میرا ملک ہی اناروں کا ملک تھا لیکن میں نے کبھی اس مزے اور اس لذت کا انار نہیں کھایا تھا۔ میں نے اپنے مرشد سے جب یہ واقعہ ذکر کیا تو انھوں نے کہا الحمدللہ معین



الدین اب تمہارا کام پورا ہوگیا ہے۔ لہذا اب ہم تمہیں رخصت کرتے ہیں۔ یہ کہہ کر آپ نے سر سے عمامہ شریف اتارا حضرت خواجہ کو عمامہ باندھا، اپنا خرقہ اتارا حضرت خواجہ کو وہ خرقہ پہنایا، اپنا عصا حضرت خواجہ کو دیا اور اس کے بعد کہا اب میں نے تمہیں خدا اور رسول کے سپرد کر دیا ہے، جاؤ جو تمہارا کام ہے جو تمہارے گھر والوں کا کام ہے تم اہل بیت میں سے ہو، تم آل عبا میں سے ہو، تم آل محمد میں سے ہو، تمہارا کام یہ ہے کہ گمراہوں کو راہ ضلالت سے نکال کر راہ ہدایت دکھانا، اب ہندوستان تمہیں دیا گیا ہے، جاؤ ہندوستان تمہیں مبارک ہو۔ حضرت خواجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے ساتھ اپنے پھوپھی زاد بھائی حضرت فخرالدین گردیزی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جو پیر بھائی بھی ہیں اور پھوپھی زاد بھائی بھی ہیں، انھیں لے کر اپنے ساتھیوں کے ساتھ نکل چلے ہندوستان کے ارادے سے۔ سفر تو بڑا طویل ہے اسے میں کہاں تک بیان کروں گا؟ مگر ایک بات یاد آرہی ہے کہ جب آپ وہاں سے نکل کر ایران کا ایک چھوٹا سا قصبہ ہے سبزوار، جب سبزوار میں اپنے مریدوں کے ساتھ پہنچے تو شہر کے کنارے ایک باغ میں یہ قافلہ درویشوں کا مقیم ہوگیا۔ باغ کے رکھوالے نے آکر کہا کہ جناب آپ لوگ شاید اجنبی ہیں۔ باہر سے آرہے ہیں؟ کہا ہاں، کہا تو پھر یہاں پر اب شام ہو رہی ہے اب آپ لوگ یہاں سے ہٹ جائیے۔ ہمارے نواب صاحب تشریف لانے والے ہیں، نواب یادگار محمد صاحب اور وہ بڑے تیز مزاج ہیں مذہب کے شیعہ ہیں اور بڑی جلدی ان کو غصہ آجاتا ہے وہ آپ کو گوارہ نہیں کریں گے، حضرت نے ارشاد فرمایا بھلے آدمی تیرا نواب آتا ہے آنے دو، ہم تو دراز زمین کے اوپر باہر سے تھکے مسافر آرہے ہیں ہم نے تھوڑی دیر کے لیے یہاں آرام کیا ہے اور ہم شکار کر کے لائے ہیں، ابھی ہم نے اپنا گوشت چڑھایا ہے پکانے کے لیے، یہ پک جائے گا کھائیں گے، نماز پڑھیں گے تب یہاں سے رخصت ہوں گے۔ اب اتنے میں یادگار محمد کی سواری آگئی، نواب یادگار محمد جو اس شہر کا نواب تھا اس نے پوچھا آج ہمارے باغ میں یہ بیٹھے

پرانے پہنے ہوئے یہ پیوند لگی گدڑیاں اوڑھے کون لوگ ہیں؟ نواب صاحب! کیا کیا جائے؟ بہت ان سے کہا لیکن وہ مانتے ہی نہیں، بڑے ضدی ہیں۔ نواب گھوڑا دوڑا کر سامنے آیا، کون ہو تم لوگ؟ کہا: اللہ کے بندے ہیں، جو تم ہو وہ میں ہوں۔ کہا، نہیں میں تو نواب ہوں، فرمایا ہم فقیر ہیں۔ تم نواب ہو اور ہم فقیر ہیں۔ اور اتنی زیادہ باتیں کیوں کرتا ہے؟ ذرا گھوڑے سے نیچے اتر کر آ۔ فقیروں کے ساتھ بیٹھ اور اس کے بعد دیکھ ہم تمھیں دعوت کرتے ہیں۔ لے ہمارے ہاتھ کے بنے ہوئے کباب کھا۔ کچھ ایسا اس پر رعب چلا کہ وہ اپنے گھوڑے سے اتر آیا اور زین بچھا کر بیٹھ گیا۔ حضرت خواجہ نے اپنے ہاتھ کے تلے ہوئے کباب کھلائے بس صاحب! اس کا دل کباب کر دیا۔ ایک مرتبہ اس نے خواجہ کے چہرے پر نظر ڈالی اور نظر ڈالنے کے بعد کہا کہ میں آپ سے بیعت ہونا چاہتا ہوں۔ فرمایا تم شیعہ ہو، ہم سنی ہیں۔ شیعہ سنی میں بیعت نہیں ہو سکتی۔ کہا میں توبہ کر کے بیعت کروں گا۔ کہا اچھا تو پھر توبہ کرو۔ حضرت نے ان سے توبہ لی اور توبہ لینے کے بعد ان سے بیعت لی۔ یہ وہی شیخ یادگار محمد ہیں جو حضور کے خلیفہ بھی ہیں، مرید بھی ہیں رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور ان کا مزار بھی اجمیر شریف میں ہے۔ بس ساری نوابی کے ٹھاٹ باٹ چھوڑ کر شیخ کے ہاتھ میں ہاتھ دیا تو ساتھ ہو گئے۔ اس وقت جو مجاور کہلاتے ہیں روضہ پاک کے ان کے دو گروہ ہیں۔ ایک شیخ زادگان کہلاتے ہیں اور ایک سید زادگان کہلاتے ہیں۔ جو شیخ زادگان کہلاتے ہیں، وہ انھیں شیخ یادگار محمد کی اولاد ہیں اور جو سید زادگان کہلاتے ہیں وہ حضرت سید فخر الدین گردیزی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ حضور خواجہ کے پھوپھی زاد بھائی کی اولاد ہیں۔ اور یہی تقریباً آٹھ نو سو برس سے حضرت خواجہ کے روضہ پاک کی خدمت کرتے ہیں۔ تو صاحب اب حضور والا پھر آگے چلے۔ ایران کے ایک شہر میں آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ مجوسیت کی ایک بہت بڑی اگیاری ہے، پارسیوں کی مجوسیوں کی بہت بڑی اگیاری ہے۔ حضرت کا وہاں پر خیمہ لگا اور فقیر سے کہا جاؤ اور وہاں سے تھوڑی آگ



مانگ لاؤ۔ گئے اس نے کہا یہ ہماری پوتر آگ ہے، یہ ہماری پاک آگ ہے۔ اس میں سے مسلمانوں کو نہیں دیا جا سکتا۔ انھوں نے جا کر عرض کیا کہ حضور وہ تو آگ کی پوجا کرتے ہیں آگ دینے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ فرمایا اچھا چلو ہم چلتے ہیں۔ خود تشریف لائے، ارشاد فرمایا اس سے آگ ہمیں نہیں دو گے؟ کہا نہیں صاحب! یہ آگ پوجا کی آگ ہے۔ پاک آگ ہے یہ مسلمان کو نہیں دی جا سکتی۔ فرمایا تو تم اس کو کب سے پوج رہے ہو؟ کہا صاحب! آپ کو کیا بتائیں یہ تو ایک ہزار برس سے پوج رہے ہیں۔ ہمارے باپ دادا نے کبھی اس اگیاری کو بجھنے نہیں دیا، ہماری اگیاریاں کبھی بجھا نہیں کرتیں۔ ہماری اگیاریوں میں ڈیڑھ ڈیڑھ ہزار برس کی آگ پڑی ہوئی ہے۔ فرمایا تو اچھا ڈیڑھ ہزار برس سے تمہارے باپ دادا اسے پوجتے آرہے ہیں۔ تو یہ تو خوب پہچانتی ہوگی تمہیں؟ کس طرح پہچانتی ہوگی؟ اگر تم اس کے اندر چلے جاؤ تو سوچ جاؤ۔ تو کیا یہ جلا دے گی تمہیں؟ کہا واہ! ڈیڑھ ہزار برس ہو گئے تمہیں اس کو پوجتے ہوئے اور یہ تمہیں پہچان نہیں پائی! یہ اپنے پجاریوں کو پھر بھی جلا دے گی؟ اور یہ کہہ کر وہاں پہ ایک پارسی عورت کھڑی ہوئی تھی مجوسن، اس کے پاس ایک ننھا سا بچہ تھا۔ آپ نے کہا مائی ذرا یہ بچہ تو مجھے دینا، یہ کہہ کر بچے کو لے لیا اور کہا

**"بسم اللہ الرحمن الرحیم، یا نار کونی بردا و سلاما علی إبراهیم"**

اور یہ آیت کریمہ پڑھ کر بسم اللہ کر کے حضرت خواجہ نے پیر ڈال دیا آگ میں۔ اب وہ عورت چلائی، ارے تو جاتا ہے تو جا، میرے بچے کو آگ میں لے جاتا ہے اور بچہ وہاں سے ہنس رہا تھا، کہہ رہا تھا ماں آگ کہاں ہے؟ یہاں تو مجھے ایسا آرام آتا ہے کہ بڑے میاں کے کاندھے پر سر رکھ کے سو جاؤں۔ یہاں پھول کھلے ہوئے ہیں۔ یہاں تو باغ کھلا ہوا ہے، خوشبو آرہی ہے۔ بس حضرت کی یہ کرامت باسعادت دیکھ کر وہ سارے مجوسی مع اپنے سردار کے مسلمان ہو گئے اور یہ جناب والا یہاں سے ایک تیسرے خلیفہ ہیں ان کا بھی مزار اجمیر مقدس میں ہے۔ وہ تو جس کو بھی ذرا سی چنتا مل

گیا پھر کہاں کا گھر؟ کہاں کا باغ؟ انھوں نے بھی سب اپنا گھر بار چھوڑ کر اپنے مرشد کی رفاقت اختیار کر لی۔ اس طرح سے حضرت خواجہ فائز وسائر اللہ کا راستہ صاف کرتے ہوئے، دین اسلام کی تبلیغ کرتے ہوئے اور اپنے ساتھ اپنے مریدین کا سکہ بڑھاتے ہوئے غزنی پہنچے اور غزنی سے جب آپ نے سفر کیا تو درہ خیبر اتر کر آپ تشریف لائے لاہور، اور لاہور میں حضرت داتا مخدوم علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کے روضہ مقدس میں آ کر آپ اپنے مریدوں سمیت ٹھہر گئے۔ چنانچہ لاہور میں مخدوم داتا علی ہجویری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے درگاہ شریف میں حضرت خواجہ کا چلہ ابھی تک مشہور ہے۔ اب وہاں سے داتا علی ہجویری رضی اللہ تعالیٰ عنہ وارضاہ عنا سے فیض لینے کے بعد لاہور سے چل کر دلی تشریف لائے اور دلی آنے کے بعد آپ کو یہ حکم دیا گیا کہ ہم آپ کو دلی دارالسلطنت نہیں دیں گے بلکہ اب آپ کو دارالسلطنت ایسا دیں گے جیسا آپ کے نانا جان کو ہم نے مکہ دیا تھا۔ آپ نائب رسول ہیں تو آپ کو دارالسلطنت بھی ایسا ہی دینا چاہیے جو مکہ کا نائب ہو۔ اب آپ دیکھئے ملاحظہ کیجئے بڑے تعجب کی بات! آپ جانتے ہیں کہ مکہ پوری زمین کے بیچوں بیچ میں ہے۔ اسی لیے ناک زمین کہلاتا ہے۔ مکہ مکرمہ زمین کے درمیان میں ہے جس کو Middle land کہتے ہیں۔ اس کو خط استوا کہتے ہیں۔ خط استوا کے بالکل قریب ہے مکہ مکرمہ تاکہ مولی تبارک وتعالیٰ نے چاہا کہ مکے سے جو دین اٹھے اور مکہ میں جو اللہ تبارک وتعالیٰ کی عبادت کا پہلا گھر بنے، اس کی نسبت ساری دنیا کے لیے یکساں ہو۔ نہ تو پورب والوں کا اس پر دعوی ہو نہ پچھّم والوں کا۔ نہ اتر والوں کا نہ دکھن والوں کا۔ وہ پورب، پچھّم، اتر، دکھن سب کے لیے یکساں ہو، تاکہ وہ بیچ زمین کے اوپر ہو اور وہاں پر اللہ تعالیٰ کے سارے بندے آئیں اور اس حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یاد کریں، جس نے سب کو چھوڑ کر اپنا رشتہ اللہ سے جوڑ لیا، تو یہ تو ہوا کعبہ! دیکھا آپ نے کہ وہ پوری زمین کے بیچ میں ہے۔ کعبہ (آپ کو اللہ مکے جانا نصیب کرے، تو آپ جا کے وہاں دیکھیں



گے کہ) چاروں طرف پہاڑیوں سے گھرا ہوا ہے، سوکھی، جھلسی خشک پہاڑیاں، ٹوٹی پہاڑیاں، وہاں پر سبزہ نہیں اُگتا، پانی وہاں نہیں برستا، لوگوں کا کہنا ہے کہ مکہ کے اندر پتھر باہر ریت۔ باہر تشریف لائیے تو آپ کو چاروں طرف ریت ملے گا اور اندر مکہ کے آپ کو کنکر پتھر ملے گا، وہاں پر بالکل سبزہ موجود نہیں ہے۔ گرم وہاں بہت زیادہ گرم، لوگ وہاں کے سخت، بڑے کھردرے، بڑے خشن۔ اب آئیے ذرا تو آپ دیکھئے کہ سرکار خواجہ کو دلی نہیں دی گئی بلکہ اجمیر دیا جا رہا ہے۔ اگر آپ نے ہندوستان کا نقشہ دیکھا ہے تو اجمیر ہندوستان کے بیچ میں ہے۔ مدھیہ پردیش اگر آپ سمجھیں تو کہنے کو مدھیہ پردیش سے وہ الگ ہے ورنہ حقیقت میں وہ مدھیہ پردیش میں ہے۔ اسی لیے برٹش کے زمانہ میں اجمیر Central India میں تھا۔ Central India میں ہے اجمیر بیچوں بیچ ہے ہندوستان کا، اگر آپ اجمیر گئے ہیں چاروں طرف پھر کے دیکھا ہے تو آپ کو وہی ٹوٹی ہوئی پہاڑیاں ملیں گی جھلسی ہوئی پہاڑیاں ملیں گی۔ آپ کو اجمیر کے اندر بھی کنکر ملے گا اجمیر کے باہر آپ کو ریت ملے گا اور اجمیر میں بھی آپ کو بارش نہیں ملے گی۔ وہاں بھی وہی سوکھا آپ کو ملے گا۔ اور وہاں کے لوگ بھی بڑے کٹھور، بڑے سخت دل، آج کے اجمیر پہ غور نہ کیجئے گا، آج کا اجمیر نہیں خواجہ کے زمانہ کا اجمیر، خواجہ کے زمانے سے اجمیر میں رائے پتھورا پرتھوی راج چوہان جو دلی اور اجمیر دونوں کا مشترک راجہ تھا اس کی سلطنت تھی۔ تارا گڑھ پہاڑ پر اس کا قلعہ تھا اور پورا اجمیر اس کی راجدھانی تھی۔ حضرت خواجہ اپنے مریدوں کے ساتھ جب ان کو معلوم ہوا کہ اجمیر ہماری راجدھانی ہے تو تاریخ کی کتابوں میں لکھا ہے کہ اس سفر میں حضرت خواجہ اور ان کے ساتھیوں کے جوتے جب ٹوٹ گئے تو انھوں نے تانت کے ٹکڑے باندھ لیے تھے۔ اور پاؤں تمام کے تمام لوگوں کے زخمی ہو گئے تھے، ناخن پیروں میں کے جھڑ گئے تھے۔ یوں کہ پیدل چلے نہ ان کے پاس کوئی ناشتہ تھا، نہ ان کے پاس کوئی کھانا تھا، لیکن ایک لگن تھی ان کے دل میں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا دین ہم

بے دینوں میں پہنچا کے رہیں گے۔ چنانچہ جب اجمیر مقدس آپ تشریف لائے تو اجمیر مقدس کی نکاسی پر آپ کو وہ تارا گڑھ کی پہاڑی نظر آئی اور اس کے نشیب میں تھوڑی زمین آپ کو صاف نظر آئی، وہیں پر اپنے ساتھیوں کے ساتھ اپنے خیمے لگائے۔ شام ہوئی، جب شام ہوئی تو یہاں پر کچھ شتربان آئے اور انھوں نے اپنے اونٹ بٹھائے، انھوں نے دیکھا، یا اللہ! یہاں اور کون لوگ آ گئے؟ تو پوچھا تم کون لوگ ہو؟ کہا مسافر ہیں۔ فقیر ہیں، باہر سے آئے ہیں۔ یہاں پہ کچھ دن آرام کرنے کے لیے ہم نے رہائش اختیار کی ہے۔ کہا تو پھر یہاں سے اٹھ جاؤ اس لیے کہ یہ باڑہ پرتھوی راج چوہان کے اونٹ بیٹھنے کی جگہ ہے۔ تو فرمایا اونٹ بیٹھنے کے لیے سارا میدان پڑا ہے۔ فقیروں نے تو اتنی سی جگہ گھیری ہے۔ مگر وہ کاہے کو ماننے والے تھے، کہنے لگے تم ملیچھ قسم کے لوگ ہماری پوتر بھومی کو تم لوگ ناپاک کرنے کے لیے آئے اور پھر ہم سے باتیں کرتے ہو، نکل جاؤ یہاں سے۔ حضور خواجہ اٹھ بیٹھے اور کہا سن بھئی "ملک خدا تنگ نیست وپائے کساں لنگ نیست" اللہ کا ملک تنگ نہیں ہے اور فقیر پیروں سے لنگڑے نہیں ہیں، لو بھئی ہم اٹھے جاتے ہیں اب تو اپنے اونٹوں کو بٹھا رکھ وہ بیٹھے ہی رہیں گے اور یہ کہہ کر حضرت خواجہ اپنے ساتھیوں کو لے کر تالاب انا ساگر کے کنارے جا کر آپ نے مقام اختیار کر لیا۔ رات ہو چکی صبح کو ساربانوں نے جب اونٹ اٹھائے تو تمھیں معلوم ہے کہ

گفتۂ او گفتۂ اللہ بود
گرچہ از حلقوم عبداللہ بود

ان کا کہنا تو اللہ کا کہنا ہوتا ہے۔ وہ نکلتا بندے کے حلق سے ہے مگر وہ ہوتا ہے خدا کا قول۔ فرما دیا تھا کہ تیرے اونٹ بیٹھے ہی رہیں گے، اب اونٹ بیٹھے ہوئے ہیں، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ جیسے کسی نے زمین کے ساتھ سی دیا ہے انھیں، ان کو نیزے مارے جاتے تھے وہ ادھر سے ادھر ہلتے تھے مگر اٹھ نہیں سکتے تھے، تب ساربانوں نے ایک دوسرے سے کہا میاں! وہ فقیر کل بد دعا دے گئے ہیں یہ سارا انھیں کا کرا ہے،



پہنچے جا کر بڑے روئے، گائے۔ کہا دیکھو فقیروں کو کبھی ستایا نہیں کرتے ہیں۔ فقیر کسی کو نہیں ستاتا ہے تو تم فقیروں کو کیوں ستاتے ہو۔ اچھا جاؤ تم نے توبہ کر لی ہے جا تیرے اونٹ اٹھ کھڑے ہوں گے، حضرت خواجہ کی ان باتوں کا شہرہ ہونا شروع ہوا اور ساتھ ہی ساتھ انا ساگر کے کنارے جو شیوالے اور مندر بنے ہوئے تھے وہاں کے پنڈتوں اور پجاریوں کی نظروں میں مسلمانوں کا یہ چھوٹا سا گروہ کھٹکنے لگا۔ آپ کا درویش ایک دن گیا ہوا تھا اس نے چاہا کہ انا ساگر میں سے ایک مشک پانی بھر لے، جبھی ایک پجاری نے یہ کہہ کر کہ دیکھو جی ہم تمہیں اب برداشت نہیں کر سکتے، تم نے بہت زہر پھیلائے ہیں اور یہ ہمارا پوتر ساگر ہے، اس میں سے ہم تمھیں پانی نہیں لینے دیں گے، ڈال دو واپس مشک اور چلے جاؤ یہاں سے، آ کے اس نے عرض کی کہ حضور آج تو وہ پانی نہیں لینے دیتے۔ فرمایا اچھا، حضور والا خود تشریف لے گئے، اپنی چھوٹی سی مشک کاندھے پہ ڈالی اور اس کے بعد انا ساگر کے کنارے پہنچ کر فرمایا ساگر! اللہ کا ایک بندہ تجھ سے کہہ رہا ہے کہ تو اس مشک میں آ جا اور اے اجمیر کے سارے پانیو! اس مشک میں سما جاؤ، اور یہ کہہ کر اپنے مشک کا دہانہ باندھا اور باندھنے کے بعد اپنے خیمہ میں آ گئے، تو تاریخ لکھتی ہے کہ اس دن اجمیر میں صرف انا ساگر ہی نہیں بلکہ جانوروں اور انسانوں تک کے تھن سوکھ گئے تھے، دودھ سوکھ گیا تھا، کنوؤں کا پانی سوکھ گیا تھا اور پورا شہر پیاسا ہو گیا۔ تب ان پجاریوں کے خیال میں آیا کہ یہ انا ساگر یکبارگی کیسے سوکھ گیا، ان میں سے ایک نے کہا یہ فقیر لوگ جو آئے ہوئے ہیں، یہ انھیں کے جادو کا کرشمہ معلوم ہوتا ہے۔ وہ بڑے جادوگر معلوم ہوتے ہیں، کہا اچھا جاؤ پہلے پانی تو نکلواؤ پھر ان کے جادو کو جادو سے ہم توڑ ڈالیں گے، آیا کوئی کہا کہ اچھا مان گئے اب تو پانی دو گے نا انا ساگر سے؟ کہا ہاں صاحب! پانی واپس کر دیجئے جتنا پانی چاہیے لے جایئے، کہا وہ پانی تمہارا ٹنگا ہوا ہے مشک میں، اسے لے جاؤ اور لے جا کر ساگر میں ڈال دو۔ اب وہ چھوٹی سی مشک تھی اسے اٹھانے لگا مگر انا ساگر اس کے اندر

بھرا ہوا تھا صاحب وہ ایسے تھوڑی اٹھ سکتی تھی۔ فرمایا تو نے دیکھ لیا، اپنے درویش کو حکم دیا لے جا یہ اللہ کے حکم سے ساگر کو واپس کر دے، ہم ظالم نہیں ہیں مگر ظالموں کو یہ بتا دیا کرتے ہیں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ جل جلالہ وعم نوالہ کی قدرت ساری قدرتوں سے اونچی ہے۔ اس کے آگے کسی کی قدرت وقوت وتصرف وغرور نہیں چلا کرتا ہے، یاد رکھ فقیروں اور درویشوں کو نہیں ستاتے۔ ہم تمہیں نہیں ستاتے تم ہمیں مت ستاؤ، اس بات کا شہرہ بڑھا اور بہت سے پجاری مسلمان ہو گئے اور حضور والا کے انفاس کریمہ کی برکت سے اسلام پھیلنا شروع ہو گیا۔ یہاں تک کہ مہاراج پرتھوی راج چوہان کے درباریوں کے اچھے اچھے لوگ مسلمان ہونا شروع ہو گئے تو رائے پتھورا کو بڑا اندیشہ ہوا اور اس نے اپنے استاد جوگی جیپال کو بلایا اور بلا کر یہ کہا کہ کیوں جی مہاراج! تم کانوں میں تیل ڈالے بیٹھے ہو؟ اور وہ مسلمان فقیر آ کر ہماری پوری بھومی کو لوٹنا چاہتا ہے۔ دیکھو تو سہی تم میں کے کتنے مسلمان ہو چکے ہیں، اور اگر یہی حالت رہی تو ایک دن وہ تمہارا تختہ الٹ دے گا۔ جیپال نے کہا: مہاراج! میں سب دیکھ چکا ہوں، سب سن چکا ہوں، ساری چیزیں میری نظروں میں ہیں، لیکن میں کیا کروں مہاراج؟ ایک بات مجھے اس سے مقابلہ سے روکتی ہے، کیا بات روکتی تمہیں اس سے مقابلہ سے؟ کہا شاید مہاراج کو یاد نہیں کہ راج ماتا نجوم جاننے والی تھیں اور انھوں نے اپنے نجوم سے جان کر ایک تصویر کھینچی ہے اور وہ تصویر آپ کے خزانے کے اندر محفوظ ہے۔ اس تصویر میں انھوں نے لکھا تھا کہ جب ولایت قندھار کی طرف سے یہ فقیر سرزمین اجمیر پر واقع ہوگا تو ہمارے بیٹے چوہان کو چاہیے کہ اس سے مقابلہ نہ کریں، اور اسے اپنے حال پر چھوڑ دیں، میں وہ تصویر دیکھ چکا ہوں مہاراج، اور وہ تصویر بعینہ اس فقیر کی صورت سے ملتی ہے۔ اس لیے اس سے مقابلہ کر کے میں اپنا مان کھونا نہیں چاہتا، میں اجمیر کی تباہی نہیں چاہتا، لیکن آپ جانتے ہیں کہ تین ہٹیں ہوتی ہیں ان میں سے ایک راج ہٹ بھی کہلاتی ہے۔

بادشاہ نے اپنی ضد کے آگے نہیں سنا، یہ سب تم باتیں بناتے ہو، اپنے سر



سے بار ہلکا کرتے ہو۔ تمہیں حکم دیتا ہوں گرو مہاراج کہ جا کر تم اس کا مقابلہ کرو، جیپال مقابلہ کے لیے آتا ہے، بہت بڑا ریاضت والا ہے، بڑی عبادت کیے ہوئے ہے، بڑا امکتان ہے۔ بڑے استدراجات، بڑے شعبدے اپنے ہاتھ میں لگائے رکھے ہیں۔ حضرت خواجہ کے سامنے آتا ہے، حضور والا جب دیکھتے ہیں، مقابلہ میں آیا تو اپنا عصا لیتے ہیں، اپنے درویشوں سے کہتے ہیں، سب سمٹ آؤ اور جلدی سے ان کے گرد ایک دائرہ کھینچ دیتے ہیں۔ ارشاد فرماتے ہیں جانتے ہو یہ دائرہ کاہے کا ہے؟ حدیث پاک میں ہے لا إله إلا الله حصني من قالها دخل حصني و من دخل حصني فقد أمن من عذابي" لاالہ إلا الله محمد رسول الله کا یہ کلمۂ طیبہ ہمارا قلعہ ہے۔ اللہ فرماتا ہے، جو اسے سچے دل سے پڑھ لے گا اور اس کے حقوق ادا کرے گا وہ ہمارے قلعہ میں داخل ہو جائے گا اور جو ہمارے قلعہ میں داخل ہو جائے گا وہ ہمارے عذاب سے محفوظ رہے گا۔ لہٰذا یہ میں نے قلعہ تیار کر دیا ہے اس کے باہر قدم مت ڈالنا، انشاء اللہ تمہیں کسی قسم کا نقصان نہیں پہنچے گا اور جناب والا اس وقت حضرت خواجہ غریب نواز پر تو بنے ہوئے تھے حضرت موسی علیہ السلام کے اور مقابل میں گویا آئے ہوئے تھے فرعون والے جادوگر۔ آپ کے سامنے اپنا پورا علم، وہ سفلی علم جو اسے آتا تھا جھونک مارا اس نے، کبھی اژدہے بن کر چلتی، کبھی آگ بن کر چلتی، کبھی شیر نکلتے لیکن جب اس لکیر کے پاس پہنچتے نیست و نابود ہو جاتے۔ آخر کار جب وہ حیران ہو گیا، تو کہنے لگا کہ دیکھو میں ایک آخری کمال اور دکھاتا ہوں اور ایسا معلوم ہو رہا ہے جیسے آسمان کی جانب اڑ رہا ہے، ارشاد فرمایا کہ ڈیڑھ سو برس میں تو نے بس اتنا ہی کمال حاصل کیا ہے؟ یہ کمال تو ہمارے کھڑاؤں کو بھی حاصل ہے۔ یہ کہہ کر اپنے پیر کی کھڑاؤں سے ارشاد فرمایا: اے اسلام کے راستہ میں تبلیغ کے راستے میں ہدایت کے راستے میں چلنے والی لکڑی کی کھڑاؤں! اللہ کے حکم سے اس دشمن خدا کو زمین کی طرف لے آؤ، حضور کی کھڑاؤں بھی اڑ رہی تھی اور ایسے اڑ رہی تھیں کہ جیپال کے سر کے اوپر

جیسے نقارہ پہ چوٹ پڑتی ہے ایسے خواجہ کی کھڑاؤں جیپال کے سر پر بول رہی تھیں اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جیپال زمین پر آیا اور آتے آتے اس نے پڑھا: ''أشهد أن لا إله إلا الله و أشهد أن محمدا عبده و رسوله'' اور حضور والا نے ان کا نام رکھا عبداللہ بیابانی، جیپال کا نام رکھا گیا عبداللہ بیابانی، یہ بات بھی راجہ کو پہنچ گئی۔ وہ اپنی جگہ پر بہت زیادہ ملول ہوا، بڑا رنجیدہ ہوا کہ میں نے گرو مہاراج کو بھیجا تھا اس کو ہرانے کے لیے، بجائے ہرانے کے وہ تو خود ہی ہار کر بیٹھ گئے، وہ تو خود ہی مسلمان ہو گئے۔ بہر حال آخر کار اس نے ایک خط لکھا، حضرت خواجہ کو ایک خط لکھا اور اس میں لکھا کہ میں یہاں کا بادشاہ ہوں، میں تمہیں حکم دیتا ہوں کہ تمہاری بات بہت بڑھ گئی ہے چوبیس گھنٹہ کے اندر ہماری راجدھانی کو تم خالی کر کے کہیں بھی تم چلے جاؤ اور تمہارے جتنے ساتھی ہیں سب کو یہاں سے نکال لے جاؤ، حضرت خواجہ نے جواب میں اس کو لکھا کہ ہم فقیر تیرا کچھ نہیں لیتے، تیرے راج پاٹ سے ہمیں کوئی غرض نہیں ہے، مگر سن یا تو تو کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو جا، ہمارا بھائی بن جا اور نہیں تو پھر ایسا کر کہ سلطنت خلافت اسلامیہ عباسیہ کو تو جزیہ دے اور آرام و چین سے رہ۔ ورنہ یاد رکھنا کہ فیصلہ اس کا اسی طرح کیا جائے گا۔ وہ تو اپنے غرور کے اندر مست تھا، وہاں سے کہلا بھیجا کہ اس فقیر سے کہہ دینا کہ جب تک میں خاموش رہا تم سر چڑھتے چلے جا رہے ہو؟ خالی کرتے ہو تو کرو، نہیں تو میں اپنی فوج بھیج کر اپنی راجدھانی تم سے خالی کرا لوں گا۔ حضور خواجہ کو یہ بات پہنچی، ارشاد فرمایا: ما پتھورا را اگرفتیم بہ لشکر اسلام دادیم'' ہم نے پتھورا کو پکڑا اور لشکر اسلام کو دے دیا، اللہ اکبر! یہ بات حضور خواجہ نے فرمائی...لوگ تعجب میں تھے کب پکڑا؟ کہاں پکڑا؟ اور کون پکڑے گا؟ لیکن آپ دیکھئے کہ ''گفتۂ او گفتۂ اللہ بود'' ان کا کہنا اللہ کا کہنا ہوتا ہے۔ وہ لوح محفوظ سے دیکھ کر کہا کرتے ہیں۔ وہ جو کہتے ہیں وہ پتھر کی لکیر ہوتی ہے۔ انمٹ ہوتی ہے۔ وہ مٹا نہیں کرتا ان کا قول۔ یہ بات ایک طرف رکھ دیجیے دوسری بات سن لیجئے۔ رائے پتھورا، پرتھوی راج اور جے چند راجہ قنوج یہ آپس میں



خالہ زاد بھائی ہیں۔ ان دونوں کا نانا دلی کا بادشاہ تھا۔ جب وہ بوڑھا ہو گیا تو چوں کہ اس کے کوئی لڑکا نہیں تھا یہی دو لڑکیاں تھیں ایک پتھورا کی ماں اور ایک جے چند کی ماں۔ لہٰذا اس نے اپنا راج پاٹ سوچا کہ دلی کا راج ان دونوں نوابوں میں سے کسی کو دے دینا چاہیے۔ پتھورا ذہین بہت تھا۔ بہادر بہت تھا۔ لہٰذا نانا نے بجائے جے چند نواسے کے پتھورا نواسے کو منظور کیا اور دلی کا راج بھی اس کے نام لکھ دیا۔ جے چند نے جب یہ بات سنی تو اس کو بڑا غصہ آیا۔ نانا کو ایسے ہی راج دینا تھا تو بانٹ کر دیتے، آخر میں بھی تو ان کی لڑکی کا بیٹا ہوں۔ یہ کیا کیا؟ کہ انھوں نے ایک ہی طرف سارا بانٹ دیا۔ دل میں اس کے دشمنی بیٹھ گئی اور اسی زمانے میں اس کی بیٹی ''سنجو گیتا'' راج کماری سیانی، بالغ ہوئی۔ راجپوتوں میں قاعدہ یہ تھا کہ جب لڑکیاں بالغ ہو جاتیں تو ان کی شادی کے واسطے ایک تقریب منائی جاتی جس کو کہتے تھے سویمبر، سویمبر میں تمام راجاؤں کو دعوت دیتے تھے۔ اور اس دعوت میں سارے راجہ جمع ہوتے تھے۔ اس کے بعد کنواری لڑکی اپنے ہاتھ میں ورمالا لے کر نکلتی اور ان میں سے جس کو پسند کرتی اس کے گلے میں وہ ہار ڈال دیتی، اس کے ساتھ اس کی شادی ہو جاتی۔ یہ راجپوتوں کا پرانا قاعدہ تھا، سوئمبر رچایا تھا دیوتا کے لیے لیکن چوں کہ دل میں دشمنی بیٹھ گئی تھی۔ پتھورا کو اس نے دعوت نہیں دی بلکہ پتھورا کی صورت کی سونے کی مورتی بنوا کر اپنے دربار کے دربان، جہاں پر چپراسی کھڑے ہوتے وہاں پہ کھڑی کر دی نیزہ ہاتھ میں دے کر، گویا کہ لوگوں کو یہ بتایا کہ پتھورا کا میرے یہاں مان بس اتنا ہے کہ وہ میرے دربار کا چپراسی ہے۔ یہ بات پہنچی پتھورا کو اور وہ اپنے سپاہیوں کو لے کر قنوج کے جنگل میں آ کر پوشیدہ ہو گیا۔ ''سنجو گیتا'' ورمالا لے کر نکلی اور اس نے سارے راجپوتوں اور راجاؤں کا جائزہ لیا۔ جس راجہ کے پاس پہنچتی اس کا بھانڈ اس کی تعریف کرتا ہمارے راجکمار ایسے، ہمارے مہاراج ایسے۔ وہ سنتی، سن کر آگے چلی جاتی مگر کسی کے گلے میں اس نے ورمالا نہیں ڈالی، سب راجا حیران تھے کہ کسی ایک کو پسند نہیں کیا۔ سنجو گیتا

باہر نکلی اور باہر نکل کر دربان کی جگہ پر پتھورا کی جو مورتی تھی سونے کی اس کے گلے میں ور مالا ڈال دیا۔ جیسے اس کے گلے میں ور مالا ڈالا، پتھورا وہاں چھپا کھڑا تھا وہاں سے نکل کر آیا سنجوگیتا کی کمر میں ہاتھ ڈالا، گھوڑے پر بٹھایا اور اس کے بعد اجمیر پہنچا دیا۔ یہ گویا کہ جے چند کے سینہ پر اس نے دوسرا داغ دیا۔ پہلے تو سلطنت لی اس کے نانا سے اور دوسرا داغ یہ دیا کہ لڑکی کو لے کر بھاگ گیا۔ اس سے زیادہ بے عزتی جے چند کے لیے کیا ہوگی؟ جے چند نے ایک خط لکھا، کسے لکھا؟ جانتے ہو؟ کسی ہندوستان والے کو نہیں لکھا، سلطان شہاب الدین غوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سپہ سالار رسول کو لکھا۔ اسی لیے تو کہہ دیا کرتا ہوں کہ ہم تو بلائے ہوئے آئے ہیں، مہمان آئے ہیں تمہاری لجا بچانے کے لیے آئے تھے۔ اب اپنی لجا کو بچانے والوں کو چاہے ذبح کرو، چاہے جلا ڈالو، جو چاہو کرو مگر آئے تھے تمہاری لاج بچانے کے لیے، خط لکھا ہے شہاب الدین غوری کو، سپہ سالار غزنی کو کہ آپ کچھ سال پہلے راوڑی کے میدان میں ہار کے گئے تھے پتھورا سے، لیکن میں اب آپ کا ساتھ دوں گا آیئے میں آپ کا ساتھ دوں گا، میرے ساتھ پتھورا نے بڑا برا برتاؤ کیا ہے، لڑکی میری لے بھاگا ہے جس کی وجہ سے میری بدنامی بڑھ گئی ہے۔ آیئے اور آنے کے بعد میری طرف سے لڑیئے میں آپ کی مدد کروں گا، میں آپ کا معاون بنوں گا۔ سلطان شہاب الدین غوری سپہ سالار لشکر غزنی اپنے چچیرے بھائی حضرت سلطان غیاث الدین شہنشاہ غزنی کے پاس یہ خط لے کر پہنچے، شہنشاہ غزنی نے کہا دیکھو بھائی شہاب الدین تم پہلے سال جا چکے ہو، ہندوستان ہمارے یہاں سے بہت دور ہے۔ وہاں کی آب و ہوا ہمارے یہاں کی آب و ہوا میں فرق ہے، وہاں وقت پڑنے پر ہم مدد نہیں بہم پہنچا سکتے۔ لہٰذا بری طرح تم ہار کے وہاں سے آئے اور تمہارے سپاہی وہاں سے پیٹھ پھیر کر بھاگے تو میں نے ان نامردوں کے منھ کے اوپر گھوڑے کے دانہ چرنے کے توبڑے چڑھوا دیئے تھے، لہٰذا میں تو رائے نہیں دوں گا اس کی اور معلوم نہیں یہ سب



وفاداری کریں یا غداری کریں؟ لہٰذا یہیں بیٹھے رہیے اللہ نے ہماری وسعت سے زیادہ ہمارے اوپر کوئی فریضہ نہیں ڈالا ہے۔ رات کو شہاب الدین غوری خواب دیکھتے ہیں۔ دیکھتے ہیں کہ ایک صاحب تشریف لائے ارشاد فرمایا شہاب الدین اپنی کمر کس اور اپنے ساتھیوں کو لے کر ہندوستان پہنچ، اس دفعہ ہندوستان میں تخت تیرے قدم چومنے کے لیے بے چین ہو رہا ہے۔ شہاب الدین اٹھے اور عرض کی حضور یہ خواب میرا جھوٹا نہیں ہوسکتا اور میں نے ان صاحب کو اچھی طرح پہچان لیا ہے ان کی صورت میں نے اپنی نظروں میں بھر لی ہے۔ وہ صورت بھی کسی جھوٹے کی صورت نہیں تھی، چنانچہ یہ لشکر پھر آتا ہے اور دلی سے اسّی میل اوپر تھانیسر کے میدان میں راوڑی کی پہاڑیوں کے درمیان میں پھر ایک مرتبہ خاک چھانتا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ پتھورا اپنا پورا لشکر لے کر خود کمان کرتا ہے۔ جے چند شہاب الدین غوری کو دھوکہ دیتا ہے اور اپنی فوجیں لے کر قنوج کو واپس ہو جاتا ہے۔ پورے میدان کے اندر مسلمانوں کو راجپوتوں میں گھرا ہوا چھوڑ دیتا ہے۔ سچ یہ ہے کہ غداروں سے غداری کے سوا اور کچھ بن نہیں پڑتا۔ آج ہم کو غدار کہنے والے اپنے گریبان میں جھانک کر دیکھیں کہ حقیقت میں غدار کون ہے؟ اچھا جناب والا شہاب الدین غوری پر قریب ہے کہ شکست وارد ہو جائے جو پہلے ہوئی تھی اس سے زیادہ شکست وارد ہو۔ یکایک ایک مرد سبز پوش وارد ہوتے ہیں اور وہ گھوڑا دوڑاتے ہوئے سیدھے جاتے ہیں پتھورا کے پاس، پتھورا جھنڈا لیے ہوئے کھڑا ہے اور اس کے بعد ایک کمند پھینکتے ہیں اسے گرفتار کر کے لاتے ہیں اور لا کر شہاب الدین کے سپرد کر دیتے ہیں کہ یہ پتھورا ہے۔ شہاب الدین کہتے ہیں ذرا اپنے چہرے سے نقاب تو اٹھایئے۔ میں آپ کو دیکھوں کہ آپ کون ہیں؟ چہرے سے نقاب اٹھا لیتے ہیں۔ کہا پہچانا غزنی کے خواب میں آنے والے تو آپ ہی تھے، غزنی سے مجھے یہاں بھیجنے والے بھی تو آپ ہی تھے۔ فرماتے ہیں خاموش! سامنے سے چلے جاتے ہیں، پتھورا زندہ گرفتار ہو جاتا ہے اور تخت دہلی

کے اوپر سلطان شہاب الدین کا قبضہ ہو جاتا ہے۔ یہاں کا معاملہ ٹھیک کرنے کے بعد اب وہ پہنچتا ہے اجمیر پاک جو راجدھانی ہے پتھورا کی۔ پتھورا ختم کر دیا جاتا ہے۔ جب اجمیر میں پہنچتا ہے تو وہاں پوچھتا ہے کیوں جی اس کا کوئی شہزادہ موجود ہے؟ کہاں ہاں راجکمار ہیں، شہزادے کو اجمیر میں بلایا، کہا دیکھو بیٹا تمہارا باپ حد سے آگے بڑھ گیا تھا۔ نمرود، شداد اور فرعون نے جو طریقے اختیار کیے تھے انسانیت کو ستانے کے لیے وہ راستے اس نے اختیار کیے تھے۔ اپنی سزا کو پہنچا۔ لیکن ہم غاصب نہیں ہیں۔ تخت دہلی تو تمہارا تھا ہی نہیں وہ تو خواہ مخواہ تمہیں ملا تھا۔ یہ تمہارا تخت ہے میں تمہیں واپس کرنے کے لیے تیار ہوں۔ مگر ایک شرط ہے کہ عہد کرو کہ مسلمانوں کو نہیں ستاؤ گے، مسلمانوں کو اپنے حال پہ رہنے دو تو میں تم کو دیتا ہوں۔ راجکمار نے اقرار کیا پتھورا کی تلوار شہاب الدین نے جو اتاری تھی وہ اپنے ہاتھ سے اس کے شہزادے کی کمر میں باندھ کر اسے اجمیر کے تخت پر بٹھا دیا۔ جب یہ کام کر چکے تو کہا بتاؤ لوگو تمہارے اجمیر کے اندر کوئی اللہ والا ہے؟ لوگوں نے کہا لیجئے آپ پوچھتے ہیں ارے صاحب؟ ایک یہاں درویش بڑے دنوں سے آئے ہوئے ہیں اور جو یہ آپ دیکھتے ہیں کبھی کبھی یہاں "حی علی الصلاۃ" کی آواز آ جاتی ہے۔ یہ انھیں کے دم قدم کا صدقہ ہے۔ میں ان سے ملنا چاہتا ہوں جاؤ اور ان سے کہو کہ غزنی کا سپہ سالار شہاب الدین غوری آپ سے ملنے کے لیے آ رہا ہے۔ حکم دیا وہاں سے کہ شہاب الدین سے کہنا کہ ملنے کو آ سکتے ہو مگر تنہا آنا، اکیلے آنا، دوسرا ساتھ نہ ہو۔ شہاب الدین جھونپڑے میں پہنچتے ہیں۔ غریب نواز اندر تشریف فرما ہیں۔ شہاب الدین جیسے آگے بڑھتا ہے نظر پڑتی ہے کہتے ہیں سبحان اللہ! خواب میں ایک دفعہ آئے، راوڑی کے میدان میں دوسری مرتبہ آئے اور اب تیسری مرتبہ میں حاضر ہوں۔ میں نے آپ کو پہچان لیا ہے۔ مجھے غزنی سے بھیجنے والے بھی آپ، پتھورا کو گرفتار کرانے والے بھی آپ۔ ارشاد فرماتے ہیں: شہاب الدین سن جب تک ہم



زندہ رہیں، اس وقت تک یہ واقعہ تیری زبان سے کسی کے سامنے نہ آنے پائے، ہم اپنی شہرت نہیں چاہتے۔ ہم نے جو کیا ہے اللہ کے لیے کیا ہے۔ کسی بندے کے واسطے نہیں کیا ہے۔ حضور خواجہ غریب نواز رضی اللہ عنہ اب آرام و اطمینان کے ساتھ ہیں اور ان کے شاگرد رشید مرید نے یعنی جیپال نے اپنے گھر لا کر ان کے لیے گھر بنا دیا ہے۔ جہاں پر ان کا مزار پاک ہے یہ جیپال کا گھر تھا، یہاں پر لا کر اس نے جھونپڑے تیار کیے ہیں اور حضرت اپنے مریدین کے ساتھ یہاں پر تشریف فرما ہوئے، اسلام کا راستہ صاف کر رہے ہیں۔ اور اپنے مریدین و متوسلین کو ہندوستان کے اندر بھیج رہے ہیں۔ چنانچہ حضرت شیخ قدوہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ان کو بھیجتے ہیں یوپی کے خطے میں وہ آپ کے خلیفہ ہیں۔ ان کی اولاد قدوائی مشہور ہے۔ رفیع احمد قدوائی بھی انھیں میں سے تھے اور جناب والا حضرت فخر الدین گردیزی کو اپنے ساتھ رکھتے ہیں، اپنے مرید خاص و خلیفہ خاص قطب الدین بختیار کاکی رضی اللہ عنہ کو دلی دی جاتی ہے۔ اسی طرح سے ہندوستان کے پورے خطے میں حضور خواجہ اپنے خلفا کو جگہ جگہ بانٹ چکے ہیں اور اسلام کا راستہ صاف ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ یہ ہیں میرے خواجہ غریب نواز معین الدین چشتی حسن سجزی اجمیری ہند الولی عطائے رسول رضی اللہ تعالیٰ عنہ وارضاہ عنا۔ الحمد للہ رب العالمین کہ آج انھیں اس دنیا سے تشریف لے گئے بھی تقریباً سات آٹھ سو برس ہو چکے ہیں۔ لیکن بقول ایک انگریز مورخ کہ میں ہندوستان گیا اور میں نے جا کے دیکھا تو مجھے جہاں اور بہت سی چیزیں نظر آئیں ہندوستان میں، وہاں یہ بھی نظر آیا کہ وہاں ایک قبر بادشاہت کرتی ہے۔ ہندوستان میں ایک قبر بادشاہت کرتی ہے۔ تو حقیقت بات یہ ہے کہ اجمیر مقدس میں آپ چلے جائیے، آج کا اجمیر جو ثانی سندھ بن چکا ہے سوائے درگاہ بازار کے عام مسلمان آپ کو اجمیر میں دکھائی نہیں دیں گے، کا کوار مہاراج بڑودا آتے ہیں، یہاں پر ملکہ وکٹوریہ پہنچتی ہے، ملکہ وکٹوریہ نے اپنا نشان بنوایا درگاہ معلیٰ اجمیر پاک کے اندر۔ جہاں سر یوک پہنچے دیکھنے کے لیے یہ وہ

درگاہ پاک ہے، کیا بات ہے کہ قبولیت ”إن الذین آمنوا وعملوا الصالحات سیجعل لهم الرحمن وُدّا“ جو لوگ ایمان لائے اور جنھوں نے عمل صالح کیا اللہ تبارک وتعالیٰ ان کی محبتیں دلوں کے اندر رکھ دیتا ہے۔ تو ان کی محبتوں کو اللہ تعالیٰ نے مخلوق کے دلوں میں رکھ دیا ہے۔ یہ صلہ ہے ان کی اس خدمت کا جو انھوں نے اللہ تبارک وتعالیٰ کے دین کے راستے صاف کرنے میں کیں۔ ورنہ یاد رکھئے کہ کوئی کام کو چاہتا ہے چام کو نہیں چاہتا ہے۔ کام سب کو پیارا ہوتا ہے۔ میاں چام کسی کو پیارا نہیں ہوتا۔ تو یہ کام خواجہ غریب نواز رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا کہ انھوں نے اپنے نانا جان محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دین پاک کے لیے اپنے اوپر ہزاروں قسم کے کسٹ (تکلیف) اٹھائے اور کسٹ اٹھا کر ایسی جگہ کو جو اوسر اور بنجر تھی نہایت غیر آباد بے آب وگیاہ تھی مگر الحمد للہ رب العالمین آج اجمیر، اجمیر مقدس سارے عالم میں مشہور ہے۔ بڑے بڑے انگریز آتے ہیں خواجہ اجمیر کے آگے آ کر وہ اپنے سر سے ٹوپ اتار لیتے ہیں، پریڈ کرتے ہیں خواجہ اجمیر رضی اللہ عنہ وارضاہ عنا کو اور سچ بات یہ ہے کہ ہندوستان کے اندر اسلام کی نمود حضرت خواجہ اجمیر سے ہے۔ اگر آپ ملاحظہ فرمائیں تو چشتی سلسلے میں، اجمیر مقدس سے جو چشتی سلسلہ نکلا، اسی نے سارے ہندوستان میں اسلام پھیلایا، حضرت قطب الاقطاب مخدوم بختیار کاکی، حضرت بابا فریدالدین گنج شکر رضی اللہ عنہ، حضرت خواجہ مخدوم علاء الدین صابر کلیری، حضرت سلطان الاولیاء نظام الدین دہلوی، حضرت سلطان نصیر الدین محمود چراغ دہلوی، حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت، حضرت شیخ سراج الدین کپتان، حضرت شیخ سارنگ، حضرت شیخ ذکی، حضرت شاہ مینا، شیخ شاہ مظہر جان جاناں، میر واحد بلگرامی، حضرت میر عبدالجلیل بلگرامی یہ تمام سلسلے مخدوم جہانگیر اشرف سمنانی کچھوچھہ، کہاں کہاں یہ سلسلہ ہے۔ اور چشتیت کے سلسلہ میں سارے ہندوستان کو چھاپ رکھا۔ حضرت مرشدنا احمد فاروقی سرہندی، مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ سرہند شریف والے، یہ ایسی ہستیاں ہیں کہ جنھوں نے



اسلام کو بڑھاوا دینے میں اور اسلام کی جڑوں کو ہندوستان میں مضبوط کرنے میں اپنا تن من دھن سب قربان کر دیا۔ الحمد للہ کہ ہم لوگ بھی خواجہ غریب نواز کے ماننے والے ہیں۔ مگر ایک بات یہاں پر یاد رکھیئے گا۔ درود شریف۔

حضرت خواجہ غریب نواز رضی اللہ عنہ نے چالیس سال تک عشا کے وضو سے فجر کی نماز پڑھی، تو چالیس سال تک عشا کے وضو سے فجر کی نماز پڑھنے کا مطلب کیا ہوا؟ کہ سونے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ عشا سے لے کر اور فجر تک حضرت خواجہ نے اپنی پیٹھ زمین سے نہیں لگائی۔ تو مجھے آپ بتائیے کہ خواجہ نے چالیس برس تک عشا کے وضو سے فجر پڑھی اور ہم تو عشا کے وضو سے عشا نہیں پڑھتے، فجر کے وضو سے ہم فجر نہیں پڑھتے تو میں عرض کرتا ہوں کہ حضرت خواجہ کا نام لینا تو بڑا آسان ہے، لیکن کبھی آپ نے سوچا کہ حضور خواجہ رضی اللہ عنہ نے آپ کو تعلیم کیا کیا تھا؟ آپ کو بتایا کیا تھا؟ جو خواجہ پاک عبادات وریاضات میں اللہ اکبر! حضرت خواجہ پاک کا جب جبہ اتارا گیا نہلانے کے لیے حضرت کے وصال کے بعد تو بارہ سیر کا تھا، تولا گیا تو بہت بھاری تھا، لوگوں نے کہا کہ تولو، تو تولا گیا تو اس وقت کے سیر سے بارہ سیر کا تھا، آپ سوچتے ہوں گے کہ کون سا کپڑا تھا؟ جو بارہ سیر کا تھا، بات اصل میں یہ تھی کہ وہ کرتا، بس ایک ہی تو کرتا تھا حضرت خواجہ کے پاس جب وہ پھٹ جاتا تھا تو اس پر پیوند پہ پیوند چڑھا لیتے تھے، تو اس پر بوری کے پیوند لگے ہوئے تھے، کمبل کے پیوند اس میں لگے ہوئے تھے، اگر کہیں پر چمڑا مل گیا تو چمڑا اس میں ٹانک لیا۔ کپڑا مل گیا تو اسے ملا لیا، جس قسم کا کپڑا مل گیا اور جبہ پھٹا ہوا ہے اپنے ہاتھ سے اسے ٹانک لیا، تو کپڑا در کپڑا، پیوند در پیوند ہوتے ہوئے وہ بارہ سیر کا ہو گیا تھا۔ وہ خواجہ اجمیر رضی اللہ عنہ کہ جن کے مرید کے مرید تھے شہنشاہ دہلی سلطان شمس الدین التمش رحمۃ اللہ علیہ رضیہ سلطانہ کے باپ، رضیہ سلطانہ جو خود بھی ملکۂ ہندوستان ہوئی ہے۔ اس کے والد ماجد سلطان شمس الدین التمش رحمۃ اللہ علیہ شہنشاہ دہلی حضور کے

مرید کے مرید تھے، حضور کے مرید قطب الاقطاب بختیار کاکی اور ان کے مرید ہیں حضرت سلطان شمس الدین التمش رحمۃ اللہ علیہ، مرید بھی ہیں خلیفہ بھی ہیں۔ اللہ اکبر! میں آپ کو بتا رہا ہوں حضرت خواجہ کے فیض کا عالم تو دیکھئے کہ دیندار تو دیندار، درویش تو درویش، فقیر تو فقیر ایک بادشاہِ دنیا، اللہ اللہ! قطب الاقطاب کا جب وصال ہونے لگا تو آپ نے فرمایا کہ ہماری نماز جنازہ وہ پڑھائے گا جس کی نماز تہجد قضا نہ ہوئی ہو، قطب الاقطاب کا وصال ہوگیا۔ بڑے بڑے علما، بڑے بڑے اولیا موجود تھے، لیکن جس سے یہ کہا جاتا کہ حضرت یہ وصیت کر گئے ہیں کہ نماز تو وہ پڑھائے گا جس کا تہجد بھی قضا نہ ہوا ہو۔ پیچھے ہٹ جاتے کہ ایک آدھ تو قضا ہی ہوگیا ہوگا۔ اب نماز میں دیر ہونا شروع ہوئی، جب کوئی آگے نہ بڑھا تو سلطان شمس الدین آگے بڑھے اور کہنے لگے پیر! آج تم نے میرا راز کھول دیا۔ میں جس بھید کو چھپائے ہوئے تھا، جس کو میں نے آج تک نہیں ظاہر کیا، آج وہ راز آپ نے کھول دیا اور یہ کہہ کر سلطان شمس الدین التمش نے نماز پڑھائی حضرت بختیار کاکی کی۔ آپ دیکھئے آپ سوچئے، کہ جو لوگ دین کا دعویٰ کرتے ہیں وہ کہاں؟ اور دنیا کا ایک بادشاہ کہاں؟ دنیا کے یہ بادشاہ تھے، تو میرے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ ہم خواجہ خواجہ پکارتے ہیں، غریب نواز غریب نواز کے ہم نعرے لگاتے ہیں، لیکن کبھی ہم نے سیدھے سے یہ سوچا ہے کہ خواجہ غریب نواز کا جو کردار ہے، حضور والا کا جو اسوۂ حسنہ ہے، ان کی جو عادات کریمہ ہیں، اس کی بھی کبھی پیروی کرنے کی ہم نے کوشش کی ہے؟ نہیں، ہم نے تو صاحب یہ دیکھا ہے معاف کیجئے شراب بیچیں، شراب بنائیں، شرابیں پئیں اور اس کے بعد شراب کی کمائی سے بنام خواجہ آج قوالی ہو رہی ہے۔ ہم لوگ چشتی ہیں اور آج قوالی ہو رہی ہے۔ کاہے ہو رہی ہے صاحب؟ ہم لوگ چشتی ہیں، خواجہ کے یہاں قوالی ہے، لہٰذا ہم بھی قوالی کر رہے ہیں۔ اور دو بوتلیں آج زیادہ بکی تھیں ان کے پیسوں سے قوالی ہو رہی ہے، تو بات یہ سمجھ میں نہیں آئی، سب سمجھ میں آیا مگر یہ چشتیت میری سمجھ میں نہیں آئی



اور یہ تو چشتیت کے نام پہ دھبّہ ہے۔ چشتیت کے نام پر داغ ہے۔ اگر ہم خواجہ کا نام لیتے ہیں تو ہمیں چاہیے کہ ہم خواجہ کے اسوۂ حسنہ کو اپنائیں۔ اللہ اکبر۔

پانچویں رجب المرجب کو حضور اپنے حجرے میں تشریف لے گئے تو رات بھر آپ کے ذکر الٰہی کی آواز آتی تھی۔ خدام باہر بیٹھ کر ذکر کرتے تھے، حضور اندر بیٹھ کر ذکر کرتے تھے۔ خدام نے سوچا کہ رات بھر تو ذکر کی آواز آتی رہی، صبح کے قریب آواز آنا بند ہوگئی۔ خلاف معمول تھا یہ۔ کبھی ایسا نہیں ہوتا تھا تو فجر جب طلوع ہوئی تو نماز با جماعت کے لیے خدام نے آواز دی ورنہ خود تشریف لاتے تھے۔ آواز نہیں آئی اندر سے، جب دروازہ توڑ کر اندر گئے تو ملاحظہ کیا کہ حضرت خواجہ قبلہ کے رخ لیٹے ہوئے ہیں اور آپ کی پیشانی پہ لکھا ہوا ہے ”**مات حبیب الله فی حب الله**“ اللہ کا دوست اللہ کی یاد اور محبت میں دنیا سے رخصت ہوا۔ ساتویں رجب المرجب کا دن گزار کر تقریباً ستانوے برس کی عمر میں حضرت خواجہ غریب نواز نے اپنے اسی حجرہ میں وصال کیا جس حجرہ میں آج حضور کا مزار مبارک ہے۔ یہی آپ کی جگہ تھی اور یہی آپ کی آخری قیام گاہ، قیامت تک کے لیے ہے۔

اللہ تعالیٰ ایسا کرے کہ حضرت خواجہ کے فیض و کرم سے ہمیں بھی حصہ عطا فرمائے، سب سے بڑی بات یہ کہ ہمیں ان کے اسوہ حسنہ کی اطاعت کی توفیق عنایت فرمائے اور الہٰ العالمین ہماری عبادتوں، ریاضتوں اور ہمارے نیک کاموں کو قبول کرے، برائیوں سے ہمیں دور کرے اور ہمارے گناہوں کو معاف کرے اور ہمیں توبہ کی توفیق عطا فرمائے، سچے دل سے ہم توبہ نصوح کریں۔

اللھم ربنا تقبل منا انك انت السمیع العلیم وتب علینا انك انت التواب الرحیم۔ اللھم ربنا آتنا فی الدنیا حسنة وفی الآخرة حسنة وقنا عذاب النار۔ وصلی الله تعالیٰ علیٰ خیر خلقه ونور عرشه سیدنا محمد وآله و أصحابه أجمعین (آمین)۔

# حضرت خواجہ غریب نواز رضی اللہ عنہ

## حیات وافکار، درگاہ شریف-ایک تاریخی تجزیہ

پروفیسر سید لیاقت حسین معینی
شعبۂ تاریخ، اے. ایم. یو، علی گڑھ
گدی نشین درگاہِ سلطان الہند

حبیب اللہ، نائب رسول اللہ، معین الاولیا، قطب المشائخ بحر و بر، خواجۂ خواجگان حضرت سید خواجہ معین الدین حسن چشتی سنجری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی پیدائش عام روایت کے مطابق ۱۴؍ رجب المرجب ۵۳۰ھ میں بمقام سنجر (ایران) میں ایک معزز باوقارِ ذی حشم، علمی اور نجیب الطرفین سادات گھرانہ میں ہوئی۔ والد محترم حضرت خواجہ سید غیاث الدین ایک معروف علمی اور روحانی شخصیت کے حامل تھے۔ آپ کا اصلی نام حسن، کنیت معین الدین ہے۔ منگولوں کی ریشہ دوانیوں اور ان کے مظالم کے سبب آپ کا خاندان خراسان کی جانب منتقل ہوگیا، جہاں آپ نے نشو ونما پائی۔

اوائل عمر میں یتیمی کا داغ حضرت خواجہ کو اپنے جد امجد کے طریقہ وسنت پر ملا۔ اسی دوران حضرت ابراہیم قندوزی مجذوب وقت کی کیمیائی نظر نے زندگی کا رخ موڑ دیا اور تمام علائق دنیا کو راہ خدا میں خیرات کر کے آپ تلاش حق میں نکل پڑے اور اس وقت کے عالمی شہرت یافتہ دینی مراکز سمرقند و بخارا و بغداد میں حصول علم کر کے بالآخر چشتی سلسلہ کے نامور و جید بزرگ حضرت خواجہ عثمان ہارونی قدس سرہٗ کے در دولت پر حاضر ہو کے خود کو ان سے پیوستہ کر دیا۔ سالہا سال مجاہدے کیے۔ خدمت پیر



اس طرح ادا کی کہ سفر میں پیر کے بوریہ بستر و دیگر سامان کو سر پر رکھ کر چلتے تھے۔ اکثر فرماتے تھے کہ جو بھی نعمتیں حاصل ہوئیں، وہ خدمت پیر کی بدولت پائیں۔

پیر بزرگ کی معیت میں دوران سفر کعبۃ اللہ اور روضہ سرکار رحمت للعالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زیارت کی اور اسناد مقبولیت بھی حاصل کی۔ کعبۃ اللہ میں بارگاہ الٰہی سے اعلان ہوا کہ ''ہم نے معین الدین کو قبول کیا'' یہ بھی پیر کی دعا کا جواب واثر تھا۔ مدینہ منورہ میں ''قطب المشائخ بحر و بر'' کے لقب سے نوازے گئے اور برصغیر ہند کی ولایت وسلطانی عطا کی گئی۔

تربیت وخلافت واجازت، روحانی تصرفات پیر سے حاصل کر کے سرزمین ہند کی طرف رخ کیا اور عرب وعجم وسطی ایشیا افغانستان کے مشہور مقامات پر ہوتے ہوئے لاہور آ پہنچے۔ دوران سفر ہم عصر تمام صوفیائے کرام سے ملاقاتیں کیں۔ حضرت غوث اعظم شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ملاقات کے امکانات تاریخی شواہد کی بنا پر کم نظر آتے ہیں اور عالم ارواح میں ملاقات اور روحانی تصرفات کے متعلق ہر کس و ناکس کو مجال نہیں کہ تبصرہ کرے۔ اور پردہ فرما چکے اہل اللہ، اولیا اللہ کے مزارات پر حاضری دے کر جہاں سے جو فیض ملا، حاصل کرتے رہے تاکہ آنے والے سخت ترین معرکہ ہند میں نصرت وفتح حاصل ہو۔ لاہور میں حضرت شیخ علی ہجویری کے روضہ پر اعتکاف کیا اور معاملات کی کشادگی کا اظہار اس شعر سے کیا ؎

گنج بخش فیض عالم مظہر نور خدا
ناقصاں را پیر کامل کاملاں را رہنما

حضرت خواجہ کی ہند میں آمد سے قبل مالابار کے ساحلی علاقہ پر، سندھ کے تپتے ریگزاروں میں اور شمال ہند کے مختلف مقامات پر اسلام کی ہلکی ہلکی روشنی بذریعہ تجار، فوجی دستوں و دیگر اہل اللہ پہنچ چکی تھی مگر جس ''مرد مومن'' کی اس دیار میں ضرورت تھی، اس کی آمد اب ہوئی تھی۔

ہندوستان کی سرزمین اس وقت کشت وخون کا ایک خطہ بنی ہوئی تھی ۔ جہاں ایک طرف اس ملک کے راجاؤں نے آپسی رنجشوں اور جنگوں سے ماحول کو ہیبت ناک بنا دیا تھا، وہاں محمود غزنوی جیسے جری سپہ سالار نے ۱۷ کامیاب حملے کر کے اس علاقہ میں اسلام اور مسلمانوں کے خلاف نفرت وکینہ کے دفاتر کھول دیے تھے۔ سرزمین ہند اس وقت سیاسی، سماجی، ثقافتی اعتبار سے اپنے تاریخ کے نازک ترین موڑ پر تھی اور خانہ جنگی اور سیاسی اتھل پتھل کے اس عالم میں سماج میں چھوا چھوت، ذات برادری، اونچ نیچ غلامی جیسی مہلک بیماریاں موجود تھیں۔ نفرت اور تعصب کے اس دور میں آپ کی آمد اور تکمیل مقاصد آپ کے عزائم اور قوت ارادی کا ایک تاریخی بے مثال ونادر نمونہ پیش کرتے ہیں ۔

کیا تھا ہند کو تاریک جب باطل پرستی نے
اجالا کر دیا آ کر معین الدین چشتی نے

ایسے ماحول میں حضرت خواجہ اعظم کا اس سرزمین میں قدم رکھنا اور سونے پر سہاگہ یہ کہ چوہان حکومت کے دار الخلافہ اجمیر القدس میں مستقل قیام پذیر ہونا، آپ کے اعلیٰ ترین مقام روحانیت کی دلیل ہے ۔ بلا شک وشبہ اور بحث ومباحثہ عقلی بقول حضرت نظام الدین اولیا محبوب الٰہی آپ پتھورا کے دور میں اجمیر تشریف لائے ۔ فرمان محبوب الٰہی تمام تر تاریخی وعقلی دلائل، الٹ پھیر پر فوقیت رکھتا ہے اور اس کے بعد کسی قسم کی کوئی گنجائش نہیں ہے ۔ دوسرے آپ اجمیر تشریف لا کر خدانخواستہ کسی حاکم کے زور زبردستی یا کسی اور وجہ سے واپس نہ ہوئے بلکہ جب رائے پتھورا (پرتھوی راج) نے آپ کو تکلیف دینی چاہی تو بقول حضرت محبوب الٰہی فرمایا کہ:

''مارائے پتھورا را زندہ گرفتیم ودادیم بہ لشکر اسلام''

چونکہ اجمیر اس وقت سیاسی، سماجی اور مذہبی تہذیب وتمدن کا ایک عظیم مرکز تھا، اسی لیے آپ کی آمد اجمیر میں ہوئی ۔ گو چند مرتبہ دہلی ضرور تشریف لے گئے ۔

یہاں تشریف فرما ہو کر جن نامساعد حالات میں خندہ پیشانی اور اخلاق حسنہ سے



خلق اللہ میں اسلام، تصوف اور چشتیہ سلسلہ کی آبیاری کی ہے، اس کا سوچنا بھی آج کے دور میں محال ہے۔ تقریباً ۴۰ سال سے زائد اس عطائے رسول نے عوام کو یہ پیغام دیا کہ اسلام یہی پیغام دیتا ہے کہ انسانیت سے محبت درحقیقت اللہ کے قرب کا ایک راستہ ہے۔

فرماتے ہیں کہ ''درماندگان را فریا درسیدن وحاجت بے چارگان روا کردن وگرسنگان را سیر کردانیدن'' اعلیٰ ترین اطاعت خداوندی یہ ہے کہ بھوکوں کو کھانا کھلایا جائے، فریاد کرنے والوں کی مدد کی جائے اور پریشان حال کی پریشانی کا ازالہ کیا جائے۔

یہی وہ اعلان عام تھا جس پر آج تک آپ کار بند ہیں اور آپ کے آستانہ پر حاضر ہونے والے لاکھوں زائرین اس فرمان معین کے تحت فیضیاب ہوتے ہیں اور اپنے دکھ درد کا درماں پاتے ہیں۔

**تعلیمات وملفوظات وارشادات:**

فرماتے ہیں کہ خداوند عالم اس شخص کو دوست (ولی) رکھتا ہے جس میں ''اول سخاوت چوں سخاوت دریا دویم شفقت چوں شفقت آفتاب سویم تواضع چوں تواضع زمین'' موجود ہو۔ ہندوستان کے مذہبی اور معاشرتی ماحول میں دریا (گنگا جمنا) آفتاب (سوریہ) اور زمین (ماتر بھومی) تینوں واجب التعظیم ہیں۔ لہٰذا عوام کے جذبات کو نظر میں رکھ کر یہ تلقین کی کہ ان میں موجود خوبیوں کو اپنی روز مرہ زندگی میں اپنایا جائے۔

فرماتے ہیں کسی گناہ سے اتنا بڑا نقصان نہیں پہنچتا، جتنا کسی کو ذلیل وگری نظر سے دیکھنے سے۔ یہ سب ارشادات ہندوستانی معاشرہ میں پھیلی مہلک بیماریوں کا سدباب بنے اور ایک روحانی وسماجی انقلاب کے بانی ہوئے۔

اہل اللہ کے لیے فرماتے ہیں کہ ''نماز مومن کی معراج ہے۔'' بدبختی اور شقاوت کی علامت، معصیت میں آلودہ رہنا اور اس بات کا امیدوار ہونا کہ میں دربار خداوندی میں قبول ہوں گا۔ حقیقت میں متوکل وہ ہے جو اپنے رنج ومحنت کو خلق سے وابستہ نہ جانے۔

حاجت روائی کے لیے الحمد شریف کا ورد کثرت سے کرنا چاہیے۔ جس نے

جونعمت حاصل کی ،وہ سخاوت سے پائی ۔عارف وہ ہے جو دنیا کے غم سہے اور اف نہ کرے ۔وحدت الوجود کو گو شیخ اکبر نے ایک جامع شکل دی مگر یہ نظریہ قدیم صوفیائے کرام کا منظور نظر رہا۔حضرت خواجہ اعظم کا ارشاد گرامی ہے:

''چو ما از پوست بیرون آمدیم و نگاہ کردیم ،عاشق و معشوق و عشق یکی دیدیم یعنی در عالم توحید ہمہ یکیست'' آپ کے اکثر ارشادات و ملفوظات دلیل العارفین سرور الصدور میں پائے جاتے ہیں جو اس بات کی غمازی کرتے ہیں کہ آپ ایک لا ثانی عالم،لافانی صوفی،انسان کامل و مکمل مرشد تھے۔

اجمیر القدس میں آپ کی موجودگی نے جب حکمراں کو پریشان کیا اور آپ نے اس کے مستقبل کے بارے میں جو ارشاد فرمایا وہ بالکل ویسا ہی ہوا۔دراصل یہ تنازعہ ایک ہندو راجہ اور مسلم درویش کے مابین نہ ہو کر ایک فرعون حکمران اور ایک اہل اللہ کے درمیان تھا،اس لیے کہ آنے والے دور میں اسی قسم کے تنازعات مسلم حکمرانوں اور بزرگوں خاص کر چشتیہ سلسلہ کے صوفیائے کرام کے ساتھ دہلی میں اکثر ہوتے رہے۔لہٰذا اس کو فرقہ وارانہ نظریہ سے نہیں دیکھنا چاہیے۔بہرحال اجمیر القدس کو اپنے سلسلہ کے رشد و ہدایت کا مرکز بنا کر آپ نے لاتعداد خلفا کو دیار ہند کے کونے کونے میں بھیجا،جس روش کو چودھویں صدی میں حضرت محبوب الٰہی نے بھی اپنایا۔

دہلی،ناگور،نارنول،مانڈل،سانبھر،نندوبار،بلگرام،لکھنؤ،بارہ بنکی،بدایوں، ایرج و جنوب ہند وغیرہ میں آج بھی آپ کے رفقا خلفا اور پیروکار کے معروف مزارات اور روشن خانقاہیں اس کی واضح دلیل ہیں۔

## عائلی زندگی:

قیام اجمیر میں آپ نے دو عقد کیے۔اول عقد حضرت خواجہ وجیہ الدین مشہدی (عم حضرت میراں سید حسین خنگ سوار داروغہ گڑھ بٹھیلی (تاراگڑھ) شہید ۱۲۰۶ء کی صاحبزادی سے اور دوسرا ملک خطاب حاکم اجمیر کی پیش کردہ دختر مقامی راجہ سے کیا۔



من جملہ تین صاحبزادگان اور ایک صاحبزادی تولد ہوئیں ۔فرزند اکبر خواجہ سید فخر الدین نے سرواڑ شریف (علاقہ باندن/مانڈل) کو اپنا مرکز رشد و ہدایت بنایا۔ دوسرے صاحبزادے خواجہ سید ابوسعید نے اجمیر میں سکونت اختیار کی۔سوئم صاحبزادہ خواجہ حسام الدین اوائل عمر میں ابدالوں کے زمرہ میں شامل ہو گئے اور گمان غالب یہ ہے کہ شاید پونہ میں جو مزار خواجہ حسام الدین کا ہے،وہ ان کا ہی ہو۔صاحبزادی بی بی حافظہ جمال نے بھی اجمیر میں رہائش رکھی۔تمام اولادوں نے اپنے والد محترم کے زیر سایہ تعلیم و تربیت،خلافت اور اجازت پائی۔

بی بی حافظہ جمال صاحبزادی ایک ولیہ کاملہ تھیں اور خواتین کے درس و تربیت کا کام ان کے سپرد تھا۔خواجہ سید فخر الدین سرواری ایک عظیم المرتبت ولی تھے۔ ان کے صاحبزادے خواجہ سید حسام الدین سوختہ نے سانبھر (Sanbher Lake) کو اپنا مسکن چنا۔دراصل یہ تمام مقامات عام شاہراہوں پر اس جگہ تھے جہاں سے جنوب/گجرات/دہلی/آگرہ/ملتان وغیرہ کو راستے جاتے تھے۔ایسے مقامات پر رشد و ہدایت کی خانقاہیں بنانا ضروری تھا۔ناگور سے سندھ،گجرات اور اس کے آگے کے علاقہ کے لیے راستے میں تھا۔اس کے بعد آپ کی اولاد چودھویں صدی کے آخر اور پندرھویں صدی کے اوائل میں حالات کے پیش نظر اور سلسلہ کی ترویج و اشاعت کی غرض سے گجرات مانڈو و دیگر مقامات پر منتقل ہو گئی اس کے بعد سے مستند تذکرہ اولاد امجاد کا خاص کر اجمیر میں موجودگی یا واپسی کا تاریخ میں نہیں ملتا۔

تاریخی مواد کی کمی نے ہمیشہ متعصب اور کم علم لوگوں کو موقع دیا کہ آپ کی شخصیت پر انگلی اٹھائی جائے۔حال ہی میں پی ایم کیوری (P.M.Currie) نے آکسفورڈ یونیورسٹی میں ایک ڈی فل مقالہ حضرت خواجہ صاحب اور ان کے روضہ پر پیش کیا اور بعد میں اس کو کتابی شکل دی،جس میں حضرت کو ایک گمنام درویش (معاذ اللہ) کی حیثیت دی،جن کو ان کے معتقدین نے اتنا عظیم کر دیا۔اس پر ایک تنقیدی

مضمون تاریخی پس منظر میں راقم الحروف نے تحریر کیا جو موصوف کی کتاب ''دی چشتی شرائن آف اجمیر'' میں چھپ چکا ہے۔ اس قسم کے تنگ نظر متعصب، اصول تصوف سے ناواقف جہلا حضرات نے اس ''رشک محبوبان الٰہی'' کی شخصیت کو مسخ کرنے کی ناکام کوشش کی ہے، جس کا تدارک کرنا ازحد ضروری ہے۔

آپ کے لاتعداد خلفا تھے۔ ان میں سے بالخصوص خلیفہ اول (۱) حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی، دوسرے خلیفہ حضرت شیخ حمید الدین ناگوری سوالی صوفی تھے (۳) تیسرے فرزند اکبر خواجہ سید فخر الدین سرواڑی (۴) سیدہ بی بی حافظہ جمال (۵) خواجہ سید فخر الدین گردیزی برادر طریقت عم زاد برادر خادم خاص جد موجودہ (جماعت خدام سید زادگان) شیخ مجد الدین سنجری، شیخ محمد ترک نارنولی، شیخ قدوۃ وغیرہ شامل ہیں۔ ان میں کئی آپ کے برادر طریقت تھے۔

حضرت خواجہ فخر الدین گردیزی سے آپ کی محبت کا یہ عالم تھا کہ اپنے بڑے صاحبزادے کا نام ان کے نام نامی پر رکھا۔ اکثر فرماتے تھے ''فخر الدین فخر ما است''۔ آپ ہی خانقاہ کے منتظم اعلیٰ، خادم خاص تھے جن کی قربت کی نشانی آپ کا مع اہلیہ مزار مبارک اندرون آستانہ نزد مزار خواجہ توشک خانہ میں ہے، جہاں مزار شریف کے غلاف چھنور، فراشہ و دیگر اشیاء مزار رکھے جاتے ہیں۔ ان کی ہی اولاد آج تک مزار شریف پر جملہ خدمات ادائیگی رسومات عرس وکلید برداری کرتی ہے اور انکساری کے طور ''خادم'' کہلانا پسند کرتے ہیں۔ گو کہ بقول مشہور و معروف محقق مرحوم پروفیسر کے.اے.نظامی ان کے تمام مراعات خدمات کلید برداری نذر و نیاز وصولی اس بات کی غمازی کرتی ہے کہ یہ درحقیقت سجادہ/گدی نشین ہیں، مگر ان کی انکساری کہ ''خادم'' کہلانے پر فخر کرتے ہیں۔

**وصال:**

روایات مستند کے مطابق ۶ رجب المرجب ۶۳۲ھ/ ۱۲۳۶ء میں حضرت خواجہ اجمیری رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے مالک حقیقی سے جا ملے۔ بوقت وصال خط نوری سے



پیشانی مبارک پر نمایاں تھا۔ ''ہٰذا حبیب اللہ مات فی حب اللہ''۔

سنت پیغمبران کی روش کو اپناتے ہوئے اسی حجرہ مبارک میں آپ کی تدفین عمل میں آئی جس میں آپ نے برسہا برس مجاہدہ و ریاضت کی۔ گو کہ تاریخی مواد کی کمی کی وجہ سے آپ کے کارنامے کی ایک مکمل تصویر بنا مشکل ہوتی ہے مگر عقلی دلائل و حالات و معاملات کے مدنظر اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ اس ''مرد مجاہد'' نے انسانیت سازی اور مردم گیری کا کام اس پر آشوب اور پر فتن دور میں کیا، جب کہ مسلمانوں کا وجود اس علاقہ میں ممکن نہیں تھا۔ اپنی سادہ مگر دلکش انداز زندگی، گفتگو اور کردار نے ان کو دیار ہند میں سب سے بڑے اور ایک عظیم روحانی و سماجی انقلاب کا بانی بنا دیا۔ ایک چھٹی دو تہی اور پانچ مثقال کی روٹی کی افطاری والا یہ انسان جب کسی پر نظر اٹھا دیتا تو اس فاسق کی زندگی میں گناہ سوکھے کی مانند ختم ہو جاتے۔

**نگاہ مرد مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں:**

صوفی حمید الدین ناگوری سوالی سلطان التارکین اس نظر کیمیا کے شکار ہوئے رواداری اور وسیع القلبی کا عالم یہ تھا کہ ان کے ہم عصر خلفا کے ناموں میں شیخ فقیہ مادھو امام جامع مسجد شیخ مٹھا کے نام ملتے ہیں، جن کی علمیت کا اندازہ فقیہ و عالم و امام کے ٹائٹل سے معلوم ہوتا ہے۔ اندازہ ہوتا ہے کہ یہاں ایک عظیم الشان مدرسہ اجمیر القدس میں موجود تھا جہاں تشنگان علم و معرفت کی سیرابی کے لیے فقہ و حدیث کی تعلیم بھی دی جاتی تھی۔

آپ کے ارشادات وملفوظات بڑے معنی خیز اور پر مغز ہیں۔ یہ اس دور کی سماجی صورت حال کی عکاسی کرتے ہیں جس کا لب لباب غریبوں کی مدد، انسانیت کی سرخ روئی اور برادرانہ روش و سماجی برابری اخوت ہے۔ پریشان حال کی مدد، بھوکوں کو کھانا کھلانا وغیرہ۔ اسی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ انسانی زندگی کا نصب العین اور سماجی اصلاحات کا مظہر ہیں۔ آپ کے ملفوظات، اقوال و افکار نظریات و خیالات اور چشتیہ

سلسلہ کی اساس انیس الارواح/ دلیل العارفین/ گنج الاسرار/ سرور الصدور/ دیوان/ مکتوبات وغیرہ میں ملتے ہیں۔ جس کو صاحب سیر الاولیا امیر خورد اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی/ شرف اللہ یحییٰ منیری تاج المحققین وغیرہ نے مستند مانا ہے مگر شومئ قسمت سے موجودہ دور کے کچھ کمیونزم زدہ نام نہاد تنقیدی محققان نے اکثر کو جعلی وفرضی مانا جس کے پیچھے کوئی سازش نظر آتی ہے۔

سب سے اول علامہ صباح الدین عبدالرحمٰن صاحب نے پھر راقم الحروف نے محققانہ طور پر اس خیال بد کی تردید کی اور ان نام نہاد خام خیال تنقید اور سائنٹفک نظریہ رکھنے والے مورخین کی عقلی دلائل کی پول کھول دی ہے۔ آپ کے اکثر کلمات جنید، شبلی، بسطامی، ابوسعید، ابوالخیر وغیرہ جیسے تصوف شناور کے ارشادات سے ملتے ہیں۔ سرور الصدور (ملفوظات خواجہ اجمیری وصوفی حمیدالدین ناگوری) میں جس انداز سے شریعت، طریقت، حقیقت ومعرفت پر مفصل ومکمل بحث کی ہے اور مسلۂ ترک دنیا پر حضرت صوفی حمیدالدین ناگوری کو فرمایا: یہ ارشادات قلم بند کردیں تاکہ عوام اس سے فیضیاب ہوسکیں''۔ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ ملفوظات قلم بند کرنے کا سلسلہ جاری تھا اور چشتی بزرگوں میں عام بھی تھا۔

ہندوستان کے مشہور شاعر جمالی، جن کا موازنہ جامی وسعدی سے ہوتا ہے، سلسلہ سہروردی سے وابستہ تھے۔ وہ فرماتے ہیں کہ میں جب اپنے پیرزادہ کے ساتھ حاضر دربار خواجہ میں ہوا تو ہاں مولانا مسعود مجاور عظیم القدر سے ملاقات ہوئی جن کی عمر ۸۰ سال کی تھی اور جو مولانا احمد (فخرالدین گردیزی) کی اولاد میں تھے، ان کے پاس میں ان کے (جد مولانا فخرالدین علی احمد) کے؟ قلم بند کیے۔ حضرت خواجہ اجمیری کے حالات وملفوظات دونوں دیکھے اور مستفیض ہوئے۔

گلزار ابرار کے مؤلف مولانا غوثی شطاری لکھتے ہیں کہ ''فخرالدین علی احمد خادم خاص اور پرستار خواجہ تھے اور پیر کے ناصحانہ کلام کو قلم بند کرتے تھے۔ یہ چند



مثالیں ملفوظات مکتوب/ دیوان/ کے مستند ہونے کے لیے کافی ہیں۔ شاعری کا ذوق و شوق حضرت خواجہ اجمیری کو تھا اور ہونا بھی چاہیے تھا کہ تصوف، حکمت اور شاعری کا ہمیشہ چولی دامن کا ساتھ رہا ہے۔ اس دور کا طرۂ امتیاز بھی رہا۔ اکثر آپ کی زبان مبارک پر بقول حضرت صوفی حمیدالدین ناگوری کے یہ اشعار ورد میں رہتے تھے ؎

یاں اے دل گرم بہ دم سرد بساز　　با دیدۂ لعل و با رخ زرد بساز
ریاد رسے چوں نیست فریاد مکن　　درماں چوں نمی بینی بادرد بساز

اور

اے دل غم آن مخور کہ فردا چہ شود　　زیرا کہ ہمہ خوشی دراں پے بشود
حکمے کہ بکر داست خداوند جہاں　　دانم چہ شود و اگر ندانم چہ شود؟

ہاں حال ہی میں چند مناقب بزرگان دین کی شان میں آپ سے منسوب کئے گئے ہیں جن کی تاریخی شواہد کی موجودگی نہ ہونے پر اور کلام کی پستی کے سبب ان کو فرضی قرار دیا گیا ہے۔ یہ دور حاضر کے چند فوقیت پسند عناصر کی دین، نیز اختراع ہے۔

بہر کیف! آپ کے وصال کے تقریباً ۱۵۰/سال بعد آپ کی اولاد امجاد نے اجمیر القدس کو خیر باد کہا اور آستانہ عالیہ کی ذمہ داری خادمین خواجہ کو سونپ دی۔ خادم کے یوں لغوی معنی خدمت کرنے والے کے ہیں مگر صوفی اصطلاح میں اس لفظ کے معنی کوزہ میں سمندر بھر دینے کے مترادف ہے۔ ایچ۔ جی۔ لیمنسن کا خیال ہے کہ جب سلاسل کی تدوین ''نام'' کے ساتھ نہیں ہوئی تھی، تب طالب و مریدین کو گروہ ''خدام'' کہا جاتا تھا۔ ادھر لفظ ''صوفی'' کے مادہ اشتقاق میں ایک لفظ ''صوفہ'' آیا ہے جو ایک قدیم قبیلہ کا نام تھا۔ قبل از اسلام جو کعبہ کا خادم تھا، اس کے اکثر حضرات خاموشی سے بیت اللہ میں حاضر ہوکر عبادت کرتے تھے اور اکثر صفائی وغیرہ کیا کرتے تھے۔ انہیں حضرات کو قبل از اسلام صوفی کہا جاتا تھا۔

مولانا ابوالکلام آزاد نے اپنی شہرۂ آفاق ترجمان القرآن میں عبد بمعنی ''خادم''

کے لیا ہے۔ بہرحال عجز وانکسار کی علامت کے طور پر یہ لفظ اجمیر کے گردیزی سادات اولاد خواجہ فخر الدین گردیزی نے اپنایا۔ (بعض خدام کی یہ بھی رائے ہے کہ بی بی حافظہ جمال بنت خواجہ معین الدین چشتی کا عقد جن حضرت رضی الدین صاحب سے ہوا، وہ فرزند فخر الدین گردیزی تھے۔ واللہ اعلم بالصواب) بہرمجملہ یہ گروہ ۸ سو سال سے اس بارگاہ سے وابستہ ہے اور مذہبی، قانونی، تاریخی اور رواجی حیثیت سے منجملہ مراسم کی ادائیگی، زائرین کی وکالت، دعا گوئی، مزار شریف کی کلید برداری ان کا ہی پشتینی حق رہا اور اسی کے تحت جملہ نذر و نیاز بھی ان کے ہی حصہ وحق میں آتی ہیں۔

قبل از اکبری دور میں جب یہ پورا علاقہ سیاسی خانہ جنگیوں میں الجھا تھا اور افراتفری کا عالم تھا، اس پر طرہ یہ کہ مقامی لوگوں میں کچھ کی نظر بد بھی ان پر تھی، اس کے باوجود جس پایہ استقلال، ہمت اور جذبہ خدمت وفاداری کے ساتھ اس قوم نے اسلام و حضرت خواجہ، ان کے مشن اور آستانہ کی خدمت کی ہے۔ تاریخ میں اس کی مثال شاذ و نادر ہی ملے گی۔ انہی حضرات نے ۱۴۵۵ء میں سلطان محمود خلجی فرمارواماں مانڈو (مالوہ) کو ترغیب دے کر اجمیر میں قبضہ کرایا مگر جب ان کے ایک فرد کو صوبہ کے حاکم کے عہدہ کے لیے کہا گیا تو صاف انکار کیا کہ امارت وحکومت سے ہمارا کیا کام۔ مغلیہ دور میں تمام شاہان مغلیہ ان کے امرا و عہدیداران نے جس عقیدت و عزت و تکریم کا اظہار اس جماعت سے کیا، وہ ان حضرات کی عظمت کی ایک داستان ہے۔

حضرت خواجہ اجمیری کے وصال کے بعد آستانہ عالیہ پر زائرین اور عقیدت مندوں کا سلسلہ جاری رہا، گوکہ وہی نام نہاد کمیونسٹ ذہن کے لوگوں کا یہ دعویٰ رہا کہ درگاہ شریف کو اکبر نے پروان چڑھایا جس کی تردید میں خاکسار نے ایک مضمون بعنوان ''درگاہ قبل از اکبر'' کے نام سے لکھا اور تاریخی شواہد کے ذروں کو جمع کر کے ثابت کر دیا کہ وصال خواجہ اعظم (۱۲۳۶ء) سے اکبر اعظم کی پہلی حاضری ۱۵۶۲ء تک یہ مقام روحانیت، انسانیت اور قومی یک جہتی کا منبع و مرکز رہا۔ جہاں ایک طرف علاء



الدین خلجی، محمد بن تغلق، سلطان مظفر شاہ گجراتی، بہلول لودھی، شیر شاہ سوری، بہادر شاہ گجراتی اور مقامی راجپوت سورماؤں نے حاضری دی، وہیں قطب الاقطاب خواجہ بختیار کاکی، بابا فرید، صوفی حمید الدین ناگوری، اور ان کی اولاد شیخ فخر الدین زرداری، بندہ نواز گیسو دراز، شیخ اسحٰق مغربی سلسلہ کے، شاہ بدیع الدین مداریہ سلسلہ، بزرگان شطاریہ سلسلہ، احمد مغربی، شیخ براہ احمد کھتو، شیخ حسین ناگوری، شیخ احمد مجدد الف ثانی، سید محمد کالپی وغیرہ مختلف سلسلوں کے نامی گرامی بزرگ و شیوخ نے حاضری دے کر اور کچھ نے سالہا سال اس در دولت پر ماتھا رگڑ کر اپنی ولایت پر مہر تصدیق ثبت کرا ڈالی اور بہ اشارہ باطنی خواجہ مختلف مقامات پر جا بسے۔ اس کے علاوہ عوام کی لاتعداد حاضری اور پیدل آمد نے بھی اس مرکز رشد و ہدایت سے فیض پایا۔ خود اکبر کی اول حاضری کا سبب مدھاکر گاؤں میں دیہاتی عورتوں کا حضرت خواجۂ اعظم کی شان میں منقبت پڑھنا بنا۔

مغلیہ دور میں بلاشبہ زائرین کی آمد میں اضافہ ہوا جس کی خالص وجہ بادشاہ کی متواتر حاضری سے راستوں میں سہولیات آرام خوشحالی اور حفاظت ہے، نہ کہ سیاسی معاملہ۔ شاہانہ مغلیہ نے جاگیریں عطا کی اور بالخصوص خدام کی خدمات کو مدنظر رکھتے ہوئے ان کی عزت و تکریم بھی کی۔

تقوی شعار شیخ فتح اللہ سید احمد متولی درگاہ رہے، شیخ دانیال مجاور کو نور کا تودہ کہا گیا مشیخت پناہ سید منصور مجاور، سید عالم زبدۃ الاقران وغیرہ کے نام دور اکبری کے ان خدامین/مخدومین کے ہیں جن کو اکبر نے سر آنکھوں پر رکھا۔ اسی زمانہ میں جھوٹے دعویدار اولاد خواجہ، شیخ حسین اجمیری کو سزا کے طور پر قلعہ بھکر میں قید کر دیا۔ اس مغلیہ دور کے شہنشاہوں نے خود کو غلام خواجہ اور حلقہ بگوش سمجھا اور اصلی سلطانی و حکومت کا مالک حضرت خواجہ اعظم کی ذات کو سمجھا۔ نوبت، چھتری، سکّوں پر یا معین، نعرہ جنگ یا معین، وغیرہ اسی کی دلالت کرتے ہیں۔ درگاہ شریف میں ادائیگی و رسم و تقسیم نذر و جاگیرات کے سلسلہ میں شاہی فرامین (آج بھی موجود ہیں) اکبر کی پا پیادہ حاضری،

جہانگیر کی حلقہ بگوشی، شاہجہاں کی مزار شریف پر قبلہ روئی، اورنگ زیب کی محفل سماع میں مسکراتی خاموشی، شہزادی جہاں آرا بیگم کی پلکوں سے آستانہ میں جاروب کشی، دیگر امرایان کی اسی طریقہ کی عقیدت وتمنائے مدفن بر آستانہ اس بات کو صاف واضح کرتا ہے کہ خواجہ اعظم کا مقام ایک صاحب کمال بزرگ کے ساتھ ولی الہند کے علاوہ سلطان الہند بھی تھا۔ کلید برداری، روشنی، خدمت، غسل، اعراس وبسنت محافل، سرپرستی ودستار بندی زائرین، دعا گوئی زیارت کے طریقہ وآداب سبھی کچھ خدام خواجہ کے زمرہ اثر میں رہا جس پر تنگ نظر ومتعصب حضرات کو ہمیشہ پریشانی رہی۔

سب سے اہم پہلو اس آستانہ وخدام کا اہل ہنود سے تعلق رہا ہے۔ ہر مسلمان کا اس بارگاہ سے ربط عقیدت فطری تھا مگر ہندو حضرات کے اس مقدس آستانہ سے خواجہ اعظم سے، چشتی تعلیمات سے، خدام سے لگاؤ اور عقیدت دراصل چشتی سلسلہ تعلیمات، فرمودات، رواداری، سخاوت، وسیع المشربی وقلبی کی علامت ہے۔ یہ پہلو آج کے دور میں اجاگر کرنے کی ضرورت ہے۔

## فرقہ وارانہ ہم آہنگی اور قومی یک جہتی:

حضرت خواجہ کی آمد ہند اور کارنامہ، دراصل بقول شاعران کو "پیغامبر ہند" کا مقام دیتی ہے۔ ایک مرتبہ راقم الحروف کی موجودگی میں ایک دیہاتی ہندو گنوار جس کے کپڑے بھی سلیقے کے نہ تھے، گردوغبار میں اٹا ہوا جب درگاہ میں حاضر ہوا اور کسی صاحبزادے نے اس کو سر ڈھکنے اور لانگ (گھٹنے کی دھوتی) کھولنے کے لیے ذرا تلخ انداز میں کہا تو نرا جاہل کہنے لگا کنور جی (شہزادہ) باپ جی (خواجہ جی) مارے لیے آئے تھے تھارے لیے نہیں (بیٹا خواجہ جی ہم لوگوں کے لیے آئے تھے، تمہارے لیے نہیں) میں حیرت زدہ اس تاریخی جملہ پر اس کو دیکھتا رہا کہ وہ نہ پروفیسر، نہ عقل و دانش کا علمبردار بلکہ نرادیہاتی مگر عقیدتاً کتنی گہری بات کہہ گیا۔ دراصل یہ اس عقیدت اور لگاؤ کی عکاسی کی تھی جو اہل ہند کو حضرت خواجہ اعظم سے خاص تھی اور ہے۔ یہ



اپنائیت کا اظہار ان کا دین وایمان تھا۔ اس لیے حضرت خواجہ اعظم نے:

پاپی جنم جنم کا دامن میں لے چھپایا
رحمت خدا کی لایا ہریالہ بنا آیا

جیسا کہ اوپر تحریر ہو چکا ہے کہ آپ کے دور میں ایک نازک مسئلہ اور موجودہ دور کے مورخوں نے اٹھایا کہ آیا صوفی حضرات بالخصوص ایک بزرگ چشتی فقیہ امام بزرگان دین ہندوستانی عوام میں تبلیغ اسلام میں کوشاں تھے یا نہیں۔ ایک گروہ ان میں صاف طور پر تبدیلی مذہب یا تبلیغ اسلام کا منکر ہے۔ جب کہ دوسرا گروہ علما اس بات پر اتفاق کرتا ہے کہ آپ نے تبلیغ دین کی، حقیقتاً خواجہ اعظم کا عظیم کارنامہ یہ ہے کہ آپ نے اس وقت اسلام کی صحیح تصویر اور رخ پیش کیا، جب کہ سلاطین امرا کی سیاسی اور حکومتی نقطہ نظر سے اس ملک میں تشدد اور قتل وغارت گری کا بازار گرم تھا۔ ایسے تعصب زدہ اور نفرت کے ماحول میں آپ نے اس تناؤ کو دور کیا اور اسلامی تصوف کے ذریعہ وہ اصل اور حقیقی تصویر پیش کی کہ لوگ جوق در جوق آپ کے زمرہ میں داخل ہو گئے۔ اپنے گفتار وکردار اور اخلاق حسنہ سے اس ملک کے عوام کو گرویدہ بنایا اور وہ لوگ بھی جو دائرہ اسلام میں داخل نہیں ہوئے، آپ کی عظمت اور اعلیٰ ظرفی کے قائل تھے اور آج بھی ہیں۔ دراصل ہندوستانی قوم پر کسی کے کہنے سننے کا اثر مذہبی معاملات میں نہیں ہوتا۔ ہاں اگر کسی مرد صالح کو ہمت میسر ہو جاتی ہے تو یہ لوگ راہ راست پر آ جاتے ہیں۔ یہ نظریہ چشتیہ بزرگان دین کا تھا جہاں زبردستی نام کی کوئی چیز نہیں تھی۔ شیخ مادھو تھے جو جامع مسجد اجمیر کے امام تھے، دیگر شیخ مٹھا وغیرہ اسی قسم کے نام ملتے ہیں جس سے آپ کی رواداری کا اظہار ہوتا ہے۔ آپ کے عزیز ترین خلیفہ سلطان التارکین نے ناگور کے اطراف میں بشنوئی اور جینی فرقہ کے لوگوں کے جذبات کے مدنظر گوشت ترک کر دیا اور اس حد تک وصیت فرمائی کہ میرے ایصال ثواب وفاتحہ میں بھی گوشت نہ ہو۔ اس رواداری نے چشتیہ سلسلہ کو اس ملک میں مرغوب ومحبوب بنایا۔

شیخ جمالی رقم طراز ہیں کہ جب وہ ۱۵ویں صدی کے آخر میں حاضری کو آئے تو دیکھا اس بزرگ کی (حضرت ایشان) کی موجودگی نے اس علاقہ کے کئی نامور حضرات کو دائرہ اسلام میں داخل کر دیا اور جو لوگ مشرف بہ ایمان نہ ہوئے، وہ اور ان کی اولادیں آج تک اس مقدس چوکھٹ پر اپنا سر رگڑتی ہیں اور جملہ نذر و نیاز مجاورین کے حوالے کرتی ہیں۔ حیرت کی بات تو یہ ہے کہ محمد غوری کی فتح میں اس ''پیر مرد'' کا ہاتھ تھا تو رائے پتھورا کی کئی فتوحات (میوات) کی لڑائیوں میں بقول چندر پردائی اس پیر کا کرم شامل حال تھا جو اس کی سلطنت میں موجود تھے۔ واضح ہو کہ یہ شروع کے دور میں رائے پتھورا کا حضرت سے اعتقادی رابطہ تھا۔

اسی طرح جب اکبر نے چتوڑ پر حملہ کیا تو فتح کے لیے بھیک مانگی، ادھر ''رانا راسو'' میں یہ دوہا موجود ہے کہ مہارانا پرتاب نے بھی التجا کی ''مودین اس وقت میری مدد کی جیئے آپ ہندو مسلم دونوں کے مددگار رہے ہیں۔'' اہل ہنود کا خواجہ اعظم کو اس طرح اپنانا، ان کی مقبولیت کی علامت ہے۔ ''میرابائی اور مالودیوکی رانی روٹھی'' کے عقیدتِ خواجہ کی داستانیں آج بھی عوام میں عام ہیں اور ان کے محلات آج بھی زیر تاراگڑھ موجود ہیں۔

۱۸ویں صدی میں جب زوال سلطنت مغلیہ کے دور میں کئی نامور ہندو امرا ابھی اپنا رول ٹھیک طور پر ادا نہیں کر سکے بلکہ مراٹھوں نے تو سلطنت مغلیہ و راجپوتانہ کی اینٹ سے اینٹ بجا دی تب بھی ان اہل ہنود اور امرایان نے اس بارگاہ سے وہی تعلق عقیدت رکھا جو صدیوں سے تھا۔

شیوا جی کے پوتے راجہ ساہو نے سالانہ ایک ہزار روپے اور ایک گاؤں اپنے علاقہ میں نذر درگاہ کیا۔ پیشوا بالا جی، باجی راؤ، رگو ناتھ راؤ، راؤ تمبالکر، ملہار راؤ ہولکر، سندھیا وغیرہ نے تحریری طور پر خود کو عقیدتمند ظاہر کیا اور نذر و نیاز گزاری۔ مشہور گورنر جھیلا رام ناگر، گردھر بہادر، آنند رام اوجھا، جگ جیون داس، راجہ رتن چند، آیا مل، غیر مسلم دیوان نظام الملک، عبدالصمد خاں، محکم سنگھ، منشا رام،



چترامن کایستھ وغیرہ کے وکالت نامے اور خطوط تو آج بھی خدام خواجہ کے پاس ہیں۔ جس میں زیادہ تر بنام سید جعفر والد سید مراد والد سید مسعود (جد سید مغیث احمد وکیل مارہرہ کے نام ہیں، کے پاس محفوظ ہیں)۔ مہاراجگان جے پور، جودھ پور، کوٹہ، بوندی، ڈونگر پور، رتلام، اجمیر ا، موہان، بیکانیر، اودے پور کے دستاویز فارسی و راجستھانی میں چشتی مسلک کے پھیلاؤ اور اثرات کے ضامن ہیں۔ جودھ پور کے راجہ اجیت سنگھ جب اپنی گدی اور حق کے لیے مغلوں سے برسر پیکار تھے، اس دوران ایک متولی درگاہ نے ان کو تبرکات آستانۂ عالیہ بھیجنے پر پابندی لگا دی، جس کے جواب میں اجیت سنگھ نے دعویٰ پیش کیا۔ حضرت خواجہ چونکہ ہندو مسلم دونوں کے مسیحا ہیں، لہٰذا یہ پابندی نہیں چل سکتی ہے۔ سیاست الگ عقیدت الگ۔ ان حضرات کی اس عقیدت کے مدنظر خدام خواجہ نے بھی ہندو حضرات سے برادرانہ سلوک رکھا اور درگاہ روزینہ سے ۱۳۳ حضرات کو جو وظیفے ملتے تھے ان میں سے ۳۳ غیر مسلم تھے۔ ان میں برہمن، زناردار، بیراگی و دیگر مذہبی شخصیات تھیں۔ اک ہنومان کے مندر میں لوگوں کے کھانا کھلانے کے لیے ایک روپیہ یومیہ مقرر کیا جو قومی یک جہتی کی روشن مثال ہے۔ درگاہ وقف میں نائب متولی، قانون گو، پٹیل، خزانچی، فوطہ دار وغیرہ کے عہدوں پر اکثر پشتینی ہندو حضرات نے خدمات انجام دیں اور اپنی اس پوزیشن کے تحت درگاہ کے مراسم میں شریک ہوتے تھے اور درگاہ وقف سے غمی و شادی کے موقع پر دستار یا اس کی رقم پاتے تھے۔ اکثر ہندو کاروباری حضرات نے مٹھائی، موم بتی، شامیانہ، لنگر کی جنس کے لیے سالہا سال درگاہ وقف کو قرضہ کے طور پر سامان مہیا کیا اور کئی نے بغیر سود کے مدد کی۔ خدام کی اس رواداری، فراخ دلی کی روش نے ان ہندو مسلم امراء وسلاطین کی نگاہ میں ''یگانگت دستگاہ''، ''مسیحائے وقت''، ''علمبردار اتحاد'' جیسے القاب سے خطوط میں یاد کیا۔ یہ وہ پیغام تھا جس نے ہندوستانی عوام و خواص کو اس ڈگر پر ڈالا اور اس چمنستان کی آبیاری کی، جس نے گزشتہ ۸۰۰ سال سے قومی اتحاد قائم رکھا، جس

کو وقتاً فوقتاً نام نہاد سیاسی مطلبی خود پرست حضرات نے چھیڑنے کی کوشش کی لیکن ہمیشہ نا کامیاب رہے۔ آج کے اس پر فتن دور میں اس استحکام کی سخت ضرورت ہے تا کہ فرقہ وارانہ ذہنیت رکھنے والے اور آتنک وادی مزاج کے لوگوں پر کمند کسی جائے۔ خانقاہوں، مزارات، آستانوں، پیروں سجادوں کے لیے یہ دور سخت آزمائش کا ہے۔ اسی صورت حال میں ہمت مردانہ سے ان کو اپنا رول ادا کرنا ہے تا کہ ملک وقوم کو بربادی سے بچایا جائے۔ یہی پیغام چشتیہ سلسلہ کے اکابرین کا تھا ''جیو اور جینے دو''۔

اس لیے کہ ہر آنے والے زائر آستانہ عقیدت مند خواجہ کی زبان پر یہ شعر عام ہوتا کہ ؎

ہر درد کی دوا ملی ان کے نام سے    دیتا ہے ہر مراد خدا ان کے نام سے

حکمرانوں واہلیان ریاست ہندو مسلم دونوں نے ازراہ عقیدت درگاہ شریف کی توسیع، مرمت اور خوبصورتی کے لیے متعدد عمارتیں تعمیر کرائیں، یہی نہیں شہر اجمیر میں بھی انہی حضرات کی تعمیر شدہ عمارت ان کی عقیدت کا مظہر ہیں۔ دراصل شہر اجمیر جو ہندوستان کی قدیم ترین راجدھانی تھا اور خوبصورت اور پر فضا مقام و ماحول کا شہر ہے، اس میں وقتاً فوقتاً بالخصوص دور مغلیہ کے لاتعداد آثار موجود ہیں۔ جس پر راقم الحروف ایک ''سروے'' کر رہا ہے۔ حضرت خواجہ کے شہر ہونے کی بنا پر اس کی عظمت ہمیشہ رہی۔ جغرافیائی اور strategic اعتبار سے اس کو قبضہ میں رکھنے کی ہر سلطان دہلی، مانڈو، گجرات ومقامی راجپوت راجگان کی خواہش رہی۔ مگر ساتھ ساتھ آستانہ عالیہ کی موجودگی نے اس کی توسیع خوبصورتی کے لیے ان حکمرانوں کو توجہ دلائی۔ اس کو مغلیہ دور میں صوبہ ''دارالخیر'' کا نام دیا گیا تھا اور اس کے صوبیدار اعلیٰ افسران احتراماً اعلیٰ خاندان بالخصوص سادات یا مذہبی رنگ کے لوگوں کو مقرر کیا گیا اور اکثر شہزادگان سلطنت کا بھی تعین کیا گیا۔

درگاہ شریف کی قدیم عمارتوں میں مزار شریف وگنبد کا سلاطین خلجی والی مالوہ کے زمانہ (۱۵۰۰-۱۴۵۵ء) بتایا جاتا ہے۔ غالباً مزار شریف پر عمارت اس سے قبل



تعمیر ہو چکی تھی۔ تعویذ مزار وغیرہ سلطان التمش کے دور کی یاد دلاتے ہیں۔ بلند دروازہ بھی خلجی فرماں رواؤں کی عقیدت کا مظہر ہے۔ مسجد نزد مزار شریف بھی انہیں سلاطین کی دین ہے۔ تعمیر مغلیہ سے قبل کی عمارتیں کم ہی ہیں۔ لیکن دور اکبری سے تعمیرات کا سلسلہ جاری ہوا۔ مسجد اکبری، دراصل فتح پور سیکری سے قبل کا تجربہ ہے۔ دیگ بھی اکبری عہد کا نمونہ ہے اور صحن چراغ (دیگ کے نزدیک) جس پر حال ہی میں کچھ اشعار نمودار ہوئے ہیں (جو سفیدی کی وجہ سے دب گئے تھے) اکبر کی عقیدت کی نشانیاں ہیں۔ مسلسل اجمیر آمد کی وجہ سے اکبر نے شہر میں فصیل بند، قلعہ دولت خانہ جس کو آج کل میگزین کہتے ہیں، بنوایا۔ اسی طرح تاراگڑھ پر بھی اس کے امرا میں سے اسمٰعیل قلعی خاں نے بلند دروازہ نزد ڈھائی دن کا جھونپڑا، قلندری مسجد وغیرہ تعمیر کی۔ جہانگیری دور میں مسجد محمودی (خلجی) کی مرمت اور توسیع ہوئی۔ درگاہ شریف کی سب سے خوب صورت عمارت مسجد شاہجہانی ہے جو سفید سنگ مرمر کی ہے۔ اسی کے ساتھ قلمی دروازہ نقار خانہ بھی شاہ جہاں کا کتبہ لیے ہوئے ہے۔ اسی طرح کچھ شمع دان نزد دیگ ودیگر مقامات آستانہ چند دروازے ودیگر عمارات ۱۷ ویں صدی کے مغلیہ دور کی یاد دلاتے ہیں۔ جہاں آرا بیگم کا تعمیر کردہ بیگمی دالان جہاں خدام خواجہ کی نشست رہتی ہے شہزادی کی والہانہ عقیدت کا اظہار کرتے ہیں اپنے جملہ شاگرد پیشہ ملازمین کو وقف درگاہ اسی شہزادی نے کیا۔ اورنگ زیب نے مسجد محمودی نزد مزار مبارک کی توسیع کی تھی درگاہ میں جابجا مقامات پر راجپوت مراٹھہ سرداروں کی تعمیر شدہ عمارتیں ہیں۔ مزار شریف کے گرد اول طلائی کٹرہ جہانگیر نے نذر کیا پھر نقرئی کٹرہ شاہ جہاں نے پیش کیا۔ اس میں بارہ کنول شمع دان مہا راجہ کشن پرشاد وزیر اعظم حیدرآباد نے دئے۔ جھجھری مہاراجہ راجہ سوائی جے سنگھ والئ جے پور کی نذر کردہ ہے۔ موجودہ محل خانہ آصف الدولہ نواب نے تعمیر کرایا۔ نظام گیٹ/ مین دروازہ نظام حیدرآباد امیر عثمان علی خاں کا بنوایا ہوا ہے۔ نواب آرکاٹ کا دالان پائنتی مزار آج بھی زائرین کو سہولت دے رہا ہے۔ کیوئن میری مہارانی انگلینڈ کے حوض میں لاکھوں

زائرین وضو بنا کر اس کا ثواب ملکہ کو دیتے ہیں۔ لنگر خانہ، چراغ دان، توشک خانہ، لا تعداد حجرہ اندرون آستانہ اور بے حساب نامور اور گمنام مزارات خدامین خواجہ (چہار یار) حضرت خواجہ اعظم سے سماج کے ہر طبقہ کی عقیدت کا حوالہ دیتے ہیں۔ امرا، فقرا خدامین (خواجہ صاحب) ہیں۔ غرض یہ کہ درگاہ شریف گزشتہ آٹھ صدیوں سے ہندو مسلم اتحاد، قومی یک جہتی، رواداری، روحانیت کا مرکز رہا جس سے کروڑ ہا انسان مستفیض ہوئے اور ہمیشہ ہوں گے۔

دراصل چشتیہ سلسلہ کی کچھ اہم خصوصیات رہیں جس نے اس کو ہندوستانی عوام میں دوسرے سلسلوں کے مقابلہ زیادہ مقبول بنایا۔ ہندوستانی سرزمین پر اس کے نامور بزرگ اور تعلیمات یہاں کے عوام کے مزاج کے لیے موزوں رہے یہاں کی فضا اور عوام کی ذہنیت کو قابل قبول تھا۔ چشتیہ سلسلہ اس کے قبل بھی ابو اسحٰق شامی (چشتی) کے دور میں ان کے خلفاء کے زمانہ میں چشت (افغانستان میں ہرات سے ۱۰۰ کلومیٹر کی دوری پر واقع ہے)، میں پھلا پھولا۔ یہ سلسلہ تمام سلاسل سے اس معنی میں قدیم ہے کہ ابو اسحٰق شامی ۹۴۰ء میں چشت میں آ کے چشتی کہلائے اور سلسلہ کا نام اس دور میں پڑا جب کہ دوسرے سلاسل نام کے اعتبار سے ابھی مشہور نہ تھے۔ ان کے مشہور خلفا بالترتیب خواجہ ابدال احمد، خواجہ ابو محمد، خواجہ ابو یوسف، خواجہ ودود چشتی نے مقام چشت کو اپنا دار المستقر بنا کر اس علاقہ میں جہاں بودھ مذہب کے پیرو کار تھے اسلامی شمع روشن رکھی۔ یہ علاقہ بھی اسی طرح قدامت پسندی، سخت روی اور شدت پسندی کے لیے مشہور تھا۔ چشتیہ سلسلہ کی قدامت انہیں قدیم بزرگان کی مرہون منت ہے۔

دوسری خوبی اس سلسلہ کی انسانیت سوزی عوامی جذبات کا احترام ان کے دکھ درد کا درماں، ان کی مشکلات کا حل پیش کرنا تھا اور یہی اپنائیت ان کو عوام کے نزدیک لے گئی اور مقبولیت کا سبب بنی۔ شاہی دربار اور حکمرانوں سے ایک لاتعلقی اور ادائے بے نیازی نے جاگیرات، عطیات وغیرہ سے گریز نے عوام کو یہ پیغام دیا کہ وہ ان کے ہر دل عزیز اور نزدیک ہیں۔



تیسری خصوصیت قوالی/سماع تھا جس نے ہر خاص و عام میں اس سلسلہ کے پیروں کے نام نامی کو پہنچایا۔ شجرہ طریقت چونکہ مخصوص تھا مریدین و خلفا تک لیکن قوالی کے ذریعہ حمد و نعت، منقبت نے اللہ، اس کے رسول کے پیغام کو عام کیا اور ان کے پیران عظام کے نام و کام سے دل کو منور کر دیا۔ یہ محافل سماع اس وقت کا سب سے عظیم میڈیا تھے۔ خواجہ نقشبندی رحمۃ اللہ علیہ کا اشارہ لطیفی اسی جانب ہے کہ چشتیاں خدارا بے منت یافتند۔

فارسی اشعار کے علاوہ مقامی و علاقائی زبانوں میں بھی منقبت پڑھی جانے لگی۔ رنگ/کرپا کر مہاراج معین الدین تو بڑا غریب نواز ہے/مورے انگنا معین الدین آئے رے، کی بلند بانگ صداؤں نے موسیقی کے ساتھ اس ملک کی فضا میں نغمہ سرائی کے ذریعہ عوام کو جوڑا۔ دوران عرس ''بھداوا'' اور معمول آستانہ کے وقت ''کڑکا'' جیسی منقبتیں مقامی زبان میں مقبول ہوئیں جو ملک کی یک جہتی، فرقہ وارانہ ہم آہنگی کا پیغام لیے ہوتی تھیں۔

اسی طرح درگاہ میں رسم صندل پوشی/روشنی/تقسیم لنگر میں دلیا جو کا یا میٹھا کھانا دیگ میں خانقاہوں اور آستانوں پر بنایا جانا ایک خاموش پیغام ہندوستان کی عوام کو دیتا رہا کہ وہ بھی اپنے ہیں، اسی اپنائیت اور اخوت کی فضا نے اس سلسلہ کو منظور نظر بنا دیا عوام میں اور کیوں نہ ہو جب رحمۃ اللعالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سند ولایت و معرفت و حکومت اس برصغیر کی معین الدین چشتی کو سونپ دی تو پھر ان کی مقبولیت اور بندہ نوازی کا کون انکار کر سکتا ہے۔

رواداری کا عالم یہ ہے مزار مبارک پر جو صندل پیش ہوتا تھا، اس کی ذمہ داری ایک ہندو برہمن پر تھی جو تمام آداب کے تحت اس کو تیار کرتا تھا۔ دیگ کا کھانا صرف میٹھا بنایا جاتا ہے لنگر دو وقت تقسیم ہوتا ہے وہ صرف جو کا دلیا ہوتا یہی سب کھلا دل اور ذہن لے کر چشتی خانقاہ اور آستانے کے دروازے، عوام کے لیے کھلے تھے جنہوں نے خواجہ پیر ''غریب نواز''، ''خواجہ جی'' اور ''ہندالولی'' کے نام نامی سے ان کو یاد کیا اور

اکثر اہل ہنود نے اپنے بچوں کے نام خواجہ لال، خواجہ مل وغیرہ رکھے۔

سلاسل چشتیہ کے حلقۂ مریدین وعقیدت منداب نہ صرف ہندوستان کے کونے کونے میں موجود ہیں بلکہ دنیا کے ہر گوشے میں مل جائیں گے۔ آپسی معاملات کا یہ عالم رہا کہ سلسلہ قادریہ، سہروردیہ، نقشبندیہ کے اکثر بزرگان وخانقاہیں جماعت خانے بھی اس رنگ چشتی میں رنگے نظر آئے اور مزے کی بات یہ ہے کہ اکثر مقامات پر قوالی، محفل سماع عرس کا ایک مخصوص حصہ بن گئی ہے جو بلا شبہ چشتی اثرات اور پیغام محبت واخوت کا نتیجہ نظر آتی ہے۔

الٰہی تا بود خورشید و ماہی　　چراغِ چشتیاں را روشنائی

## ماخذ


| | | |
|---|---|---|
| ۱ | خواجہ اجمیری | انیس الارواح |
| ۲- | گنج السرار | |
| ۳- | حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی | دلیل العارفین |
| ۴- | حمید الدین فرید الدین ناگوری | سرور الصدور |
| ۵- | امیر خورد | سیر الاولیا |
| ۶- | عصامی | فتوح السلاطین |
| ۷- | منہاج السراج | طبقات ناصری |
| ۸- | رزق اللہ مشتاقی | واقعات مشتاقی |
| ۹- | شیخ الجمالی | سیر العارفین |
| ۱۰- | ............ | ............ |
| ۱۱- | جہاں گیر | تزک جہاں گیری |
| ۱۲- | عبدالحق محدث دہلوی | اخبار الاخیار |
| ۱۳- | غوثی شطاری | گلزار دبیری |
| ۱۴- | شہزادی جہاں آرا بیگم | مونس الارواح |
| ۱۵- | ابوالفضل | اکبر نامہ |
| ۱۶- | منشی اکبر جہاں مشنی | احسان اسیر |
| ۱۷- | علامہ اخلاق حسین قاسمی | آیۂ ملفوظات |
| ۱۸- | نثار احمد فاروقی | نقد ملفوظات |
| ۱۹- | حافظ محمد حسین | تحقیقات اولاد خواجہ |
| ۲۰- | امین الدین خاں مفتوں | کتاب التحقیق |
| ۲۱- | عبدالباری مغنی | جواب نامہ، تاریخ السلف |
| ۲۲- | صباح الدین عبدالرحمٰن | بزم صوفیہ |

1. Some Aspects of Politics and Religion in India During Thirteenth Century, K. A. Nizami
2. History of Sufism in India 2nd Vol. A. A. Rizvi
3. The Chishti Shrine of Ajmer, Dr.S.Liaqat Husain Muini
4. Pirs Practices and Pligrim Dr. S.L.K. Lawrance B. Bruce,
5. The Martyrs of Love Chishti Order in South Asia and Beyond, C.W.Troll(ed)
6. Muslim Shrines in India, Tirmizi S.A.D.
7. Ajmer Through Inception, M. Habib Chishti
8. Mystic Record of the Sultanat Period, S. Liaqat Muini Akbar and Ajmer Shrine
9. The Teaching of Khuwaja Moinuddin Chishti in Social Context

## حضرت خواجہ غریب نوازؓ کی بیعت وخلافت

مفتی محمد مطیع الرحمٰن رضوی مضطرؔ، پورنیہ

تذکرہ وتاریخ کی جن قابل اعتماد واستناد کتابوں تک اپنی دسترس ہوسکی، ان میں عطائے رسول، ہندالولی حضرت خواجہ غریب نواز رحمتہ اللہ علیہ کے ابتدائی حالات تفصیل کے ساتھ موجود نہیں ہیں۔ مشہور علی الالسنہ کے مطابق بعض حضرات نے لکھا ہے کہ حضرت خواجہ غریب نواز سیستان کے قصبہ سنجر میں خواجہ غیاث الدین حسن نامی ایک صاحب ورع وتقویٰ اور عابد وزاہد سید بزرگ کے گھر ۵۳۰ھ یا ۵۳۶ یا ۵۳۷ھ میں پیدا ہوئے۔ والد ماجد ملکی وسیاسی حالات کے تحت سیستان سے ہجرت کر کے خراسان آ گئے، جس کی وجہ سے نشوونما خراسان میں ہوئی۔ ۵۵۱ھ میں والد کا سایہ سر سے اٹھ جانے پر ترکہ میں ایک باغ اور چکّی ملی جن سے آپ کا گزارا ہونے لگا۔ ایک دن باغ کی دیکھ بھال میں مصروف تھے کہ ابراہیم قندوزی نامی ایک مجذوب تشریف لائے۔ آپ نے نہایت ہی تعظیم وتکریم کے ساتھ ان کا استقبال کیا۔ ایک سایہ دار درخت کے نیچے بٹھا کر تازہ انگوروں کے خوشے توڑ لائے اور سامنے رکھ کر کھانے کی گزارش کی۔ ابراہیم مجذوب باغ کے نوجوان مالک کے حسن اخلاق، مہمان نوازی اور ادب وتہذیب سے متاثر ہوئے اور تلوں کی بنی ہوئی کوئی چیز جوٹھی کر کے آپ کو کھلائی۔ اس جوٹھے کا حلق سے اترنا تھا کہ قلب ونظر میں انقلاب آ گیا۔ دنیا کی وقعت تو دل سے گئی ہی، اپنی طاعت وبندگی بھی بے خلوص نظر آنے لگی۔ باغ اور چکّی



بیچ ڈالی اور قیمت راہ خدا میں صدقہ کر کے سمرقند وبخارا کی راہ لی۔ وہاں آپ نے قرآن مجید حفظ کیا اور دوسرے علوم مروجہ کی تکمیل فرمائی۔ جب ظاہری علوم کی تحصیل سے فراغت پالی تو صفائے باطن کے لئے بے قراری بڑھ گئی اور پیر کی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے۔ قدم جدھر بھی پڑتا رحمت خداوندی درِ ہارونی کی طرف کھینچتی۔ اس طرح کشاں کشاں بہ فیض ربّانی حضرت عثمان ہارونی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں پہنچے۔ پھر کیا تھا جنم کے پیاسے کو دریا مل گیا، ایک چکور تھا جو چاند تک پہونچ گیا۔ سر قدموں پر رکھا اور حلقۂ ارادت میں داخل ہو گئے۔ رسم بیعت کی تقریب کس مقام پر اور کیسے ادا ہوئی؟ اس سلسلے میں مولانا ڈاکٹر محمد عاصم اعظمی نے اپنی کتاب ''سلطان الہند خواجہ غریب نواز'' کے ص ۸۲ میں لکھا ہے کہ:

''مرشد کامل کی تلاش میں مشرق کا رخ کیا اور قصبۂ ہارون علاقہ نیشا پور میں وارد ہوئے جہاں ہادئ طریق ولایت، واقف رموز ہدایت، مقتدائے مسلک اسلام، موردِ فیض ومہبط الہام، شہر یار ممالک عرفان، مظہر جود ومنبع احسان، حضرت خواجہ عثمان ہارونی قدس سرہ کے میخانۂ معرفت میں داخل ہوئے۔ خانقاہ عثمانی کی جلوہ بار فضاؤں نے یقین وآگہی کے مقام سے روشناس کر دیا۔ آپ مرشد کامل کے حلقۂ ارادت میں داخل ہو گئے اور ان کے دست حق پرست پر بیعت ہوئے''۔

پھر ارقام فرمایا ہے کہ:

''حضرت خواجہ غریب نواز واقعۂ بیعت کو اس طرح بیان فرماتے ہیں:.......
ایسی صحبت میں جس میں بڑے بڑے معظم ومحترم مشائخ کبار جمع تھے، میں ادب سے حاضر ہوا اور روئے نیاز زمین پر رکھ دیا۔ حضرت مرشد نے فرمایا: دو رکعت نماز ادا کر۔ میں نے فوراً تکمیل کی۔ رو بقبلہ ارشاد ہوا: سورۂ بقرہ پڑھ۔ میں نے خلوص وعقیدت سے پوری سورت پڑھی۔ تب فرمایا: ساٹھ بار کلمۂ سبحان اللہ کہو۔ میں نے اس کی بھی تعمیل کی۔ ان مدارج کے بعد حضرت مرشد قبلہ خود اٹھ کر کھڑے ہوئے، میرا ہاتھ اپنے

دست مبارک میں لیا، آسمان کی طرف نظر اٹھا کے دیکھا اور فرمایا: میں نے تجھے خدا تک پہونچا دیا۔ ان جملہ امور کے بعد حضرت مرشد قبلہ نے ایک خاص وضع کی تر کی ٹوپی جو کلاہ چار تر کی کہلاتی ہے، میرے سر پر رکھی۔ اپنی خاص کملی مجھے اوڑھائی اور فرمایا: بیٹھ۔ میں فوراً بیٹھ گیا۔ اب ارشاد ہوا: ہزار بار سورۂ اخلاص پڑھ۔ میں اس کو بھی ختم کر چکا تو فرمایا: ہمارے مشائخ کے طبقات میں بس یہی ایک شب و روز کا مجاہدہ ہے، لہٰذا جا اور کامل ایک شب و روز کا مجاہدہ کر۔ اس حکم کے بموجب میں نے پورا دن اور پوری رات عبادت الٰہی اور نماز و طاعت میں بسر کی۔ دوسرے دن حاضر ہو کر روئے نیاز زمین پر رکھا تو ارشاد ہوا: بیٹھ جا: میں بیٹھ گیا۔ پھر ارشاد ہوا: اوپر دیکھ۔ میں نے آسمان کی طرف نظر اٹھائی تو دریافت فرمایا: کہاں تک دیکھتا ہے؟ عرض کیا: عرش معلیٰ تک۔ تب ارشاد ہوا: نیچے دیکھ۔ میں نے آنکھیں زمین کی طرف پھیریں تو پھر وہی سوال کیا: کہاں تک دیکھتا ہے؟ عرض کیا: تحت الثریٰ تک۔ حکم ہوا: ہزار بار سورۂ اخلاص پڑھ۔ جب اس حکم کی بھی تعمیل ہو چکی تو ارشاد ہوا: آسمان کی طرف دیکھ اور بتا کہاں تک دیکھتا ہے؟ میں نے دیکھ کر عرض کی: حجاب عظمت تک۔ اب فرمایا: آنکھیں بند کر۔ میں نے بند کر لی۔ ارشاد فرمایا: اب کھول دے۔ میں نے کھول دی۔ تب حضرت نے اپنی دونوں انگلیاں میری نظر کے سامنے کیں اور پوچھا: کیا دیکھتا ہے؟ عرض کیا: اٹھارہ ہزار عالم دیکھ رہا ہوں۔ جب میری زبان سے یہ کلمہ سنا تو ارشاد فرمایا: بس تیرا کام پورا ہو گیا۔ پھر ایک اینٹ کی طرف دیکھ کر فرمایا: اسے اٹھا۔ میں نے اٹھایا تو اس کے نیچے سے کچھ دینار نکلے۔ فرمایا: انہیں لے جا کے درویشوں میں خیرات کر۔ چنانچہ میں نے ایسا ہی کیا''۔ (انیس الارواح ص ۱،۲)''

جبکہ انیس الارواح کے حوالہ سے حضرت غریب نواز کا جو بیان مولانا موصوف نے نقل کیا ہے، اس بیان کی ابتدا ہی اس بات سے ہوئی ہے کہ یہ رسم بغداد میں ادا ہوئی۔ چنانچہ انیس الارواح فارسی مطبوعہ نسیم سحر بدایوں مملوکہ خدابخش لائبریری پٹنہ نمبر



۸۹۵۲۷ میں ہے۔

''دعا گوئے مسلماناں فقیر اضعف عباد اللہ معین حسن سنجری کہ در شہر بغداد در مسجد خواجۂ جنید بغدادی قدس اللہ سرہ العزیز دولت پابوسِ خواجہ عثمان ہرونی حاصل آمد مشائخ کبار بخدمت شیخ حاضر بودند۔ ہمیں کہ ایں درویش روئے بر زمین نہادہ بایستاد فرمود کہ دوگانہ نماز بگذار۔ بگذارم مستقبل قبلہ بنشیں، بنشستم، فرمود کہ سورۃ البقر بخواں، بخواندم، فرمود کہ بیست بار کلمۂ سبحان اللہ بگو۔ بگفتم۔ آنگاہ خود بایستاد و روسوئے آسمان کرد و دست من بگرفت کہ بیا ترا بخدائے تعالی رسانیدم۔ ہمیں کہ ایں سخن بگفت بدست مبارک خود مقراض بر سر ایں درویش براند و کلاہ بر سر ایں کمینہ نہاد و گلیمے خاص عطا کرد الخ''۔

خواجگان چشت مجموعۂ ملفوظات کا جو ترجمہ مکتبۂ جام نور نے چھاپا ہے، اس میں شامل انیس الارواح کے ترجمہ میں ہے:

''مسلمانوں کے دعا گو فقیر حقیر کمترین بندگان معین حسن سنجری کو شہر بغداد میں خواجۂ جنید بغدای کی مسجد میں حضرت خواجہ عثمان ہارونی کی پائے بوسی کی دولت نصیب ہوئی؛ اور اس وقت معزز مشائخ بھی خدمت میں حاضر تھے۔ جونہی بندہ نے سر زمین پر رکھا آپ نے فرمایا کہ دوگانہ ادا کر۔ میں نے ادا کیا۔ پھر فرمایا: قبلہ کی طرف مُنھ کر کے بیٹھ۔ میں بیٹھ گیا فرمایا کہ سورۃ البقرہ پڑھ۔ میں نے پڑھی۔ پھر فرمایا: اکیس دفعہ کلمۂ سبحان پڑھ۔ میں نے پڑھا۔ بعد میں خود کھڑے ہو کر منھ آسمان کی طرف کیا اور میرا ہاتھ پکڑ کر فرمایا کہ میں نے تجھے خدا تک پہونچا دیا۔ جونہی یہ فرمایا، قینچی اپنے دست مبارک میں لے کر میرے سر پر چلائی اور چار تر کی کلاہ اس عقیدت مند کے سر پر رکھی اور خاص گدڑی عنایت فرمائی الخ''۔

ترجمہ انیس الارواح از غلام احمد خان متوطن قصبہ جھجھر از مضافات شاہجہاں آباد دہلی میں ہے:

یہ دعا گوئے مسلمانان فقیر حقیر اضعف عباداللہ معین حسن سنجری شہر بغداد میں بمسجد خواجہ بغدادی رحمۃ اللہ علیہ زیارت قدمبوسی حضرت خواجہ عثمان ہارونی سے مشرف ہوا۔ اس وقت بہت سے مشائخ کبار خدمت مرشدی میں حاضر تھے۔ جونہی میں نے زمین ادب چومی آپ نے ارشاد فرمایا: دو رکعت نماز پڑھو۔ میں نے حکم کی تعمیل کی۔ آپ کھڑے ہوگئے اور میرا ہاتھ پکڑا، آسمان کی جانب منہ کیا اور زبان مبارک سے یہ الفاظ ادا کئے: الٰہی! میں اسے ترے سپرد کرتا ہوں۔

ہاں! مراۃ الاسرار مترجم مطبوعہ مکتبۂ جام نور ص۵۹۴ میں ہے:

آپ مرشد کی تلاش میں عراق تشریف لے گئے۔ جب آپ قصبہ ہارون جو نیشا پور کے نواح میں ہے، پہنچے تو حضرت خواجہ عثمان ہارونی قدس سرہ کی زیارت نصیب ہوئی الخ۔

مگر مرآۃ الاسرار مترجم کی جو استنادی حیثیت داخلی و خارجی دونوں ہی اعتبار سے ہے، وہ اس کے مقدمہ اور کتاب کے مندرجات سے واضح ہے۔ پھر بھی اس میں ہے کہ:

لیکن خواجۂ بزرگ خود انیس الارواح میں تحریر فرماتے ہیں کہ: حضرت عثمان ہارونی کی زیارت کے لئے میں بغداد پہونچا الخ۔

اس کے بعد بیس سال تک سفر وحضر میں پیرومرشد حضرت ہارونی رضی اللہ عنہ کے ساتھ رہ کر شب وروز اس طرح خدمت انجام دی کہ حضرت ہارونی نے فیوض و برکات کا دریا انڈیل دیا اور انعام واکرام کی انتہا کردی۔ عصا، خرقہ اور مصلّی عطا فرما کر خلافت سے نوازا۔ خود خواجہ صاحب انیس الارواح کے پیش لفظ میں اپنی بیس سالہ خدمات کا تذکرہ ان لفظوں میں فرماتے ہیں:

''ہمچنیں تامدت دہ سال بخدمت خواجہ (ہارونی) بودم۔ بعدازاں چوں از عالم مسافرت باز بہ بغداد آمدیم خواجہ معتکف شد۔ بعدازاں چندگاہ باز مسافر شدہ تادہ



سال دیگر ابریق وجامۂ خواب خواجہ برسر کردہ برابر برفتے، ہمیں کہ بست سال راست شد۔ آنگاہ چوں خواجہ بازگشت در بغداد حجرہ گرفت۔ ایں درویش را فرمان شد کہ دریں روز ہا بیروں نخواہم آمد۔ اما شمارا می باید کہ ہر روز وقت چاشت برمن بیائید، ترغیب فقر شمارا بگویم، تابعد ازمن ترا یادگار باشد۔ درویش نیز برحکم فرمان ہمچناں می کرد۔ ہرروز بخدمت خواجہ درمقام عزلت حاضر شدو آنچہ اززبان مبارک ایشاں شنیدہ می شد آنرا در قلم آوردہ مشتمل بربست وہشت مجلس کردہ کہ آخر آید۔''

اس کے اردو ترجمہ مطبوعہ مکتبہ جام نور میں ہے:

اس طرح دس سال تک میں خواجہ صاحب کی خدمت میں سفر کرتا رہا۔ اس کے بعد آپ سفر سے واپس آئے اور بغداد میں گوشہ نشین ہوئے۔ اس کے بعد پھر دس سال تک لوٹا اور سونے کا کپڑا سر پر لپیٹ کر سفر کرتا رہا الخ۔

اسی طرح غلام محمد خان کا ترجمہ ہے:

''ہمرکابی حضرت خواجہ عثمان قدس اللہ روحہ میں مسافر تھا۔ بعد اس کے پھر بغداد پہنچے۔ چندروز قیام کیا پھر مسافر ہوئے۔ دس برس اور مسافرت کی۔ میں اسباب زادراہ حضرت پیرومرشد قدس سرہ سر پر لے کر چلتا تھا الخ''۔

اور عطائے خلافت کا تذکرہ ان لفظوں میں فرماتے ہیں:

فرمود کہ معین الدین ایں ہمہ از برائے کمالیت حال ترا بود کہ چندیں تربیت کردم۔ باید کہ ہرچہ گفتم ایں ہمہ را بگیر درسانی تافردائے قیامت میان حشر شرمندہ نمانی۔ ہمیں کہ ایں بگفت عصا پیش بود دعا گو را داد و مصلّے وخرقہ نیز۔ وبعدازاں فرمود کہ ایں کار خواجگان ماست ایں را بستاں وہر کرا بعد از خود مرد یابی ایں درگردن او کنی و بدہی۔ (مجلس بست وہشتم ص۴۰)

اس کے اردو ترجمہ مطبوعہ مکتبہ ''جام نور'' میں ہے:

''فرمایا کہ اے معین الدین! میں نے تیری کمالیت کے لئے ان باتوں کی

ترغیب دی ہے۔ پس چاہئے کہ جو کچھ میں نے کہا ہے تو دل و جان سے اسے بجالائے۔ تاکہ قیامت کو شرمندہ نہ ہو۔ پھر فرمایا کہ لائق فرزند وہ ہے کہ کچھ اپنی پیر کی زبانی سنے، تو ہوش کے کانوں سے سنے اور اس میں مشغول ہوجائے اور اسے بجالائے۔ پھر فرمایا کہ لائق فرزند وہ ہے کہ جو کچھ اپنی پیر کی زبانی سنے، اپنے شجرہ میں لکھ لے تاکہ شرمندہ نہ ہو۔ جونہی خواجہ ادام اللہ بقاہ اس بات پر پہنچے، عصا پاس پڑا تھا، اٹھایا اور دعا گو کو عطا فرمایا؛ اور خرقہ اور لکڑی کی پاپوش یعنی کھڑاویں اور مصلّی مرحمت کر کے فرمایا کہ یہ تمام چیزیں ہمارے پیروں کی یادگار ہیں، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہم تک پہونچی ہیں، ہم نے تجھے دیں۔ مناسب ہے کہ جیسا ہم نے ان چیزوں کو رکھا ہے، ویسا ہی تو بھی رکھے، اور جس شخص کو مرد خدا معلوم کرے، یہ یادگار اسے دیدے۔ جب یہ فرما چکے تو بندہ سے بغلگیر ہو کر فرمایا کہ تجھے خدا کو سونپا۔ جونہی یہ فرمایا، عالم تحیر میں مشغول ہوگئے''۔

ترجمۂ غلام محمد خان مطبوعہ مطبع سلیم پریس جھجر میں ہے:

''ارشاد فرمایا کہ یہ سب مذاکرے جو معرض گفتگو میں آئے، تیری کمالیت کے واسطے تھے۔ لازم ہے کہ جو کچھ میں نے کہا ہے تم اسے بجالاؤ گے کہ فردائے قیامت شرمندہ نہ ہو۔ اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ مرید خلف وہ ہے کہ جو کچھ اپنے پیر کی زبان سے سنے، اس کا خیال رکھے۔ دل وجان سے اس کی تعمیل کرے۔ جب آپ یہ فرما چکے مصلا اور خرقہ وعصا دعا گو کو لطف فرمایا۔ اس کے بعد فرمایا کہ یہ امانت خواجگان چشت سے مجھے پہونچی ہے، میں نے تمہیں پہونچائی اور تمہارے حوالے کی۔ اب تم کو لازم ہے کہ جس کو اپنے بعد مرد دیکھو، اس کے حوالے کرنا۔ جب آپ یہ فرما چکے بندہ نے سر زمین پر رکھا۔ آپ نے ازراہ نوازش مجھے اٹھایا اور بغلگیر فرمایا۔ دعا گو مرخص ہوا۔ الحمد للہ علی ذالک''۔

دلیل العارفین ملفوظات خواجہ غریب نواز مرتبہ حضرت قطب الدین بختیار



کاکی مطبوعہ مطبع نامی منشی نول کشور واقع کانپور مملوکہ خدا بخش لائبریری، پٹنہ میں ہے:

''فرمود در آنچہ من بخدمت شیخ الاسلام، سلطان المشائخ، خواجہ عثمان ہارونی نور اللہ مرقدہ پیوستم و بارادت بیعت قبول افتادم مدت ہشت ( ) سال در خدمت کردن ایشاں یک زمانے نفس را آسودگی ندادم۔ چنانچہ نہ روز دانستم و نہ شب، ہر جا کہ خدمت خواجہ مسافری شدند دعا گو برابر ابودے و جامۂ خواب و توشۂ خواجہ بر سر کردہ رفتے۔ چوں پیر خدمت ایں درویش بدید نعمت بمن رواں کرد کہ آن نعمت را حدّے و نہایتے نبود۔ (مجلس اول)

اس کے اردو ترجمہ مطبوعہ مکتبہ ''جام نور'' میں ہے:

مجھ سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ جب شیخ الاسلام سلطان المشائخ خواجہ عثمان ہارونی نور اللہ مرقدہ کا مرید ہوتو آٹھ سال تک آپ کی خدمت میں ایک دم بھی آرام نہ کیا۔ نہ دن دیکھتا نہ رات، جہاں آپ سفر کو جاتے سونے کے کپڑے اور توشہ اٹھا کر ہمراہ ہوتا۔ جب میری خدمت دیکھی تو ایسی نعمت عطا فرمائی جس کی کوئی انتہا نہیں۔

ترجمۂ غلام احمد خاں مطبع سلیم پریس جھجر میں ہے:

''فرمایا کہ جب سے میں حضرت عثمان ہارونی قدس سرہ کی خدمت میں آیا بیس سال تک اس طرح خدمت کی کہ نہ دن کو جانا اور نہ رات کو رات۔ شب وروز دست بستہ خدمت میں حاضر رہتا۔ جب کہیں آپ تشریف لے جاتے میں ہمراہ جناب جاتا اور زاد راہ خواجہ اپنے سر پر رکھ کر لے چلتا۔ جب آپ نے میری خدمت ملاحظہ فرمائی دروازہ عطا وکرم کا مجھ پر کھول دیا الخ۔

(☆) گمان غالب یہ ہے کہ یہاں کتابت کی غلطی سے ''بیست'' کی جگہ ''ہشت''، ہوگیا ہوگا اور مترجم نے غور کئے بغیر لفظ کا ترجمہ کردیا۔

# حضرت خواجہ غریب نواز رضی اللہ عنہ کی دعوت توحید

مفتی محمد آل مصطفیٰ مصباحی
جامعہ امجدیہ رضویہ، گھوسی

سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو سرکار نبوت کے تین فرض عطا ہوئے: (۱) آیات کی تلاوت، (۲) کتاب وحکمت کی تعلیم (۳) تزکیۂ نفوس۔ ارشاد ہے: **اذ بعث فیھم رسولاً من انفسھم یتلو علیھم آیٰتہ و یز کیھم و یعلمھم الکتاب و الحکمۃ** (آل عمران– ١٦٤)

’’انہیں میں سے ایک رسول بھیجا جوان پر اس کی آیتیں پڑھتا ہے، اور انہیں پاک کرتا ہے اور انہیں کتاب وحکمت سکھاتا ہے۔‘‘ ان تینوں فرائض کو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس حسن وخوبی کے ساتھ انجام دیا کہ پوری دنیا فیض و برکت سے بھر گئی۔

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حیات ظاہری کے بعد یہ فرائض ہر زمانہ میں ان کے حقیقی وارثین پر عائد ہوتے رہے، تاکہ لوگ خدا کی وحدانیت کا اقرار واذعان حاصل کر کے معروف پر عمل کریں اور منکر سے بچیں۔ بلکہ امت محمدیہ کی بعثت کا مقصد ہی یہ بتایا گیا: **کنتم خیر امۃ اخرجت للناس تامرون بالمعروف و تنھون عن المنکر** (آل عمران–۱۱۰)

’’تم بہتر ہو ان سب امتوں میں جو لوگوں میں ظاہر ہوئیں، بھلائی کا حکم



دیتے ہو، اور برائی سے منع کرتے ہو۔‘‘ (کنز الایمان) مگر اللہ عزوجل نے خیر کی دعوت، معروف کی اشاعت اور منکر کی ممانعت کا فرض بھی بطور کفایہ رکھا، ہر فرد امت پر لازم نہ فرمایا۔ چنانچہ ارشاد ہے: **ولتکن منکم امۃ ید عون الی الخیر ویا مرون با لمعروف وینھون عن المنکر و اولئک ھم المفلحون** (آل عمران:۱۰۴) ’’اور تم میں ایک گروہ ایسا ہونا چاہے کہ بھلائی کی طرف بلائیں اور اچھی بات کا حکم دیں، اور بری بات سے منع کریں۔‘‘ نیز ارشاد ہے: **فلو لا نفر من کل فرقۃ منھم طائفۃ لیتفقھوا فی الدین و لینذرو ا قومھم اذار جعوا الیھم** (توبۃ:۱۲۲)

’’تو کیوں نہ ہو کہ ان کے ہر گروہ میں سے ایک جماعت نکلے، کہ دین کی سمجھ حاصل کریں اور واپس آ کر اپنی قوم کو ڈر سنائیں، اس امید پر کہ وہ بچیں‘‘ (کنز الایمان)

دعوت توحید سب سے بہترین دعوت، اور یہی سب معروفوں میں بہترین معروف، تو اس کا امر بہترین امر، اور شرک وکفر سے بڑھ کر کوئی منکر نہیں تو اس کی ممانعت ونہی بھی سب سے اہم۔

دعوت خواہ قولی ہو یا فعلی۔ حقیقی دعوت یہ ہے کہ اللہ عزوجل کی توحید اور اس کی بندگی وعبادت کی طرف لوگوں کو بلانے اور ان کی رہنمائی کرنے میں داعی کا مقصود ومطلوب کسی طرح کی ذاتی ودنیاوی منفعت کی تحصیل نہ ہو۔ محض اللہ ورسول جلّ وعلا وصلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی رضا وخوشنودی ہو۔

طلب شہرت، اونچے مقام ومنصب کی خواہش، دادو تحسین کی آرزو، حصول زر کی طمع، اپنے کو داعی باور کرانے کی تمنا، یہ تمام چیزیں نفسانیت کے دائرے میں آتی ہیں، جو داعی، اس کی دعوت اور طریق دعوت کے لیے سخت مضر بلکہ زہر ہلاہل ہیں۔ یہ ایسی آرزو، تمنا اور طلب ہے جس سے دعوت کا فساد شروع ہوتا ہے اور داعی کی دعوت غیر مؤثر ہو کر رہ جاتی ہے۔ بلکہ داعی کے قلب ونظر اور اس کے تحت الشعور میں یہ بات

بڑی پختگی کے ساتھ جمع ہونی چاہیے جو اسے انبیائے کرام علیہم السلام کے منہاج دعوت اور مقصد دعوت سے قریب کر دے، وہ ہر مشکل، پریشانی، کلفت اور جہد و مشقت کے باوجود آخری دم تک یہی کہتا رہے۔

ان اجری الّا علیٰ الله (ہود،۲۹) 'میرا اجر تو اللہ ہی کے ذمۂ کرم پر ہے'۔

**لا اسئلکم علیه اجرا ان اجری الا علی الذی فطرنی (ہود،۵۱)**

''میں اس پر تم سے کچھ اجرت نہیں مانگتا، میری مزدوری تو اسی کے ذمہ ہے جس نے مجھے پیدا کیا۔'' (کنزالایمان)

''لا نطلب ثمنه الامن الله'' (بخاری، باب دوم المدینۃ: ج۲) ''اس کی قیمت تو ہم صرف اللہ عزوجل سے لیں گے''۔

مگر اس منہاج دعوت پر کھرا اترنا ہر ایک کے بس کا روگ نہیں۔ اللہ عزوجل جس کے ہاتھوں امت کی صلاح وخیر کا ارادہ فرماتا ہے، اس کے سینے میں ایسا دھڑکتا ہوا دل دے دیتا ہے جو علم وحکمت، اور اخلاص وللّٰہیت سے مملو ہوتا ہے۔

خیر القرون کے بعد طویل تاریخی حقائق کا جائزہ لیں تو واضح ہوگا کہ مذکورہ اوصاف کے حامل داعی ہر دور میں کم یاب رہے۔ مگر ہر زمانہ وقرن میں انہیں چند نفوس قدسیہ کے دم قدم سے انسانیت کے گلشن میں بہار آئی۔ فلاح وہدایت کا عظیم کارنامہ انہیں صوفیا، صلحا سے انجام پایا جن میں حضرت خواجہ معین الدین چشتی غریب نواز رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اسم گرامی ہندوستان میں دینی خدمات اور دعوت توحید کے حوالے سے سب سے نمایاں ہے۔

ہندوستان کی اپنی مذہبی تاریخ رہی ہے۔ یہاں کفر وشرک اور اوہام پرستی کی جڑیں کافی ٹھوس اور مضبوط تھیں، جنہیں بیخ وبن سے اکھاڑ پھینکنا تو بہت مشکل تھا ہی، لیکن ان شرکیہ جڑوں کو متزلزل یا کمزور کرنا بھی دشوار گزار تھا۔ شمشیر وسنان سے بھی انہیں ختم کرنا جوہے جوئے شیر لانے کے مرادف تھا، یہی وجہ ہے کہ مسلم فاتحین و



سلاطین نے اسلام کی اشاعت وفروغ کے مقصد کے تحت زور آزمائی تو فرمائی، خصوصاً سلطان محمود غزنوی، شہاب الدین غوری اور محمد بن قاسم جیسے مخلص مسلم سلاطین نے، لیکن خود جب ان تمام عہدوں کا جائزہ لیجیے تو واضح ہوگا کہ جس سطح پر بھی اسلام کی اشاعت ہوئی، توحید کی امانت لوگوں کے سینوں تک پہنچی، اس کے لیے بڑا ذریعہ صوفیائے کرام وصلحائے عظام ہی رہے اور خود مسلم حکمرانوں نے صوفیا وصلحا کی آمد ہند کی راہیں ہموار کیں، کیونکہ وہ یہ اچھی طرح جانتے تھے کہ شمشیر وسنان کے زور پر کسی ملک وخطہ کو تو فتح کیا جاسکتا ہے، لیکن دلوں کی سرزمین کو فتح کرنا آسان نہیں۔ یہ کام ان روحانیت کے علم برداروں کا ہے جو اسلام کے حقیقی داعی ہیں اور تہذیب نفس اور تربیت اخلاق کے مربی ومعلم ہیں۔ لیکن بعد کی صدیوں میں جب سلاطین نے اس عظیم مقصد کو فراموش کر دیا اور ان کا مقصد عیش وآرام اور جاہ وزر بن گیا تو یہ کام صرف ان علما ومشائخ طریقت کے ہاتھوں انجام پاتا رہا، جو ''طمع، جمع، منع'' کے صوفیانہ فارمولے پر عمل پیرا تھے۔

ہندوستان کی سرزمین میں اسلام کی تبلیغ واشاعت والے، لوگوں کو توحید کی دعوت دینے والے ان صوفیائے کرام میں سب سے بڑے مبلغ ومصلح قطب الاقطاب، معین الملۃ والدین خواجۂ خواجگان حضرت خواجہ معین الدین چشتی علیہ الرحمہ و الرضوان تھے، جن کے قدم میمونت لزوم نے کفر وشرک کے تاریک ماحول میں اسلام کا اجالا پھیلایا، جس کے نتیجے میں دلوں سے کفر وشرک کے زنگ دور ہوئے، ظلمت کدۂ ہند میں اسلام وتوحید کی سحر طلوع ہوئی، اور اسلام کی صداقت وحقانیت کا چراغ روشن ہوتا گیا۔ یہ انہیں صوفیائے کرام خصوصاً حضرت خواجہ غریب نواز قدس سرہٗ کے فیضان نظر کا اثر ہے کہ برصغیر ہند میں مسلمانوں کی تعداد عالم اسلام میں مسلمانوں کی مجموعی تعداد سے بڑھ کر ہے۔

حضرت خواجہ معین الدین چشتی قدس سرہٗ ہندوستان میں اسلام وتوحید کے

سب سے بڑے مبلغ تھے، اور کیوں نہ ہو کہ خود حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے آپ کو ہندوستان کی ولایت عطا فرمائی۔ چنانچہ جب آپ مدینہ منورہ میں عبادت و ریاضت میں مصروف و مشغول تھے، اسی دوران ایک دن بارگاہ رسالت علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام سے آپ کو یہ بشارت ملی:

"اے معین الدین! تو میرے دین کا معین ہے، میں نے تجھے ہندوستان کی ولایت عطا کی، وہاں کفر وظلمت پھیلی ہوئی ہے۔ تو اجمیر جا، تیرے وجود سے ظلمت کفر دور ہوگی اور اسلام کی رونق بڑھ جائے گی۔" (سیر الاقطاب، ص۱۲۴)

اس ارشاد رسول کے بعد ہی آپ نے چالیس اولیائے کرام کی معیت میں ہندوستان کا سفر کیا، یہ فیض و برکت آپ کو آپ کے پیر و مرشد حضرت خواجہ عثمان ہارونی قدس سرہٗ کی دعائے سحر گاہی کے نتیجے میں ملی۔ آپ کے پیر و مرشد نے کعبۃ اللہ میں میزاب رحمت کے نیچے اپنے چہیتے مرید کے لیے دعا کی تھی، اور ان کا ہاتھ پکڑ کر خدا کے سپرد کیا تھا، غیب سے آواز آئی: "میں نے معین الدین کو قبول کیا"۔

پھر جب حضرت خواجہ، روضۂ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زیارت کے لیے تشریف لے گئے اور سلام کا نذرانہ پیش کیا تو جواب ملا۔ "وعلیکم السلام اے جنگل و سمندر کے قطب المشائخ۔"

اسی طرح حج کے دوران حرم کعبہ میں جب حضرت خواجہ یادالٰہی میں مشغول تھے تو آپ نے ایک غیبی آواز سنی:

"اے معین الدین ہم تجھ سے خوش ہیں۔ ہم نے تجھے بخش دیا، جو کچھ چاہے مانگ تا کہ عطا کروں۔"

ان سب واقعات سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت خواجہ معین الدین اجمیری قدس سرہٗ، اللہ و رسول جل و علا و صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں مقبول تھے اور بلا شبہ ایسی مقبولیت ایک داعیٔ حق و داعیٔ توحید کی کامیابی کی ضمانت ہے۔



## ہندوستان میں آمد:

سرکار رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے محبوب شہر مدینہ طیبہ سے حضرت خواجہ پہلے بغداد تشریف لائے۔ پھر وہاں سے ۵۸۶ھ/۱۱۹۰ء میں اجمیر کے ارادے سے عازم سفر ہوئے اور چشت، خرقان، جہنہ، کرمان وغیرہ ہوتے ہوئے بخارا پہنچے۔ بخاریٰ سے تبریز، اصفہان، ہرات ہوتے ہوئے سبزوار پہنچے، جہاں آپ نے اپنا تبلیغی مشن جاری رکھا۔ صاحب خزینۃ الاصفیا اور صاحب مونس الارواح نے آپ کے ان اسفار کے دوران کے چند ایسے واقعات تحریر کیے ہیں جن سے حضرت خواجہ کی انقلابی نگاہ، تبلیغ دین اور دعوت توحید کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ ان اسفار کے دوران کتنے گمراہوں نے آپ کے دست حق پرست پر گمرہی سے توبہ کی، کتنے دین سے منحرف دین دار بلکہ ظاہری و باطنی سلطنت کے تاجدار بن گئے۔ پھر وہاں سے بلخ، بلخ سے سمرقند وہاں سے غزنین پہنچے، وہاں کچھ دنوں شمس العارفین شیخ عبدالواحد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے روحانی صحبت رہی۔ پھر آپ اپنے قافلہ کے ساتھ لاہور پہنچے، جہاں مشہور بزرگ حضرت ابوالحسن علی بن عثمان ہجویری داتا گنج بخش قدس سرہٗ کے مزار مقدس پر حاضری دی اور وہیں ایک حجرے میں چلہ کیا، لاہور سے آپ پنجاب کے علاقے سمانا پہنچے، سمانا میں راجہ پرتھوی راج کے آدمیوں نے آپ کو مکر و حیلہ سے گرفتار کرنے کی کوشش کی، مگر ناکام رہے۔ دراصل پرتھوی راج اپنی ماں کی پیشین گوئی کی وجہ سے بڑا فکر مند تھا۔ اس کی ماں جانوروں کی بولی سمجھتی تھی۔ ایک دن رانی کے محل پر ایک مرغ نے آ کر بانگ دی، مرغ کہہ رہا تھا:

"اب اس سر زمین پر اسلام کا دور دورہ ہوگا، اور تمہارا راج ختم ہو جائے گا، یہاں ایک مرد کامل آئے گا جس کی بدولت تیری سلطنت زوال پذیر ہو جائے گی۔"
(خواجہ غریب نواز ص۲۷، ملخصاً)

سمانا سے آپ دہلی پہنچے، راج محل کے قریب قیام فرمایا، اور یہیں قیام

بہتیرے مشرکین کے حلقہ بگوش اسلام ہونے کا سبب بنا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ راج محل کے پاس ایک بڑا بت خانہ تھا، اس کے پجاریوں نے جب آپ کو اور آپ کے ہمراہی درویشوں کو دیکھا تو دہلی کے حکمراں سے انہیں نکال باہر کرنے کی درخواست کی، اور وجہ یہ بتائی کہ دیوتا ناراض ہورہے ہیں، ان درویشوں کو جلد از جلد شہر بدر نہ کیا گیا تو دیوتاؤں کی ناراضگی کے سبب پورا شہر تباہ و برباد ہو جائے گا اور تخت سلطنت پلٹ جائے گا۔ حکمرانوں نے پجاریوں کی بات سن کر حضرت خواجہ کے پاس اپنے کارندے بھیجے، کارندوں نے حضرت خواجہ کے پاس پہنچ کر ابھی ان کو شہر چھوڑنے کی بات کہی بھی نہ تھی، کہ حضرت خواجہ کی زبان سے چند دعوتی جملے اور ارشاد و ہدایت کی بات سن کر سب کے سب حلقہ بگوش اسلام ہو گئے، جس کا اثر یہ ہوا کہ بہت سے راجپوت بھی مشرف بہ اسلام ہو گئے۔ (مونس الارواح، ص ۲۱)

حضرت خواجہ اجمیری قدس سرہٗ کا اجمیر میں ورود مسعود ایسے ماحول میں ہوا، جب ہندوستان میں ہر طرف کفر و شرک کا دور دورہ تھا، اللہ عزوجل کو ایک جاننے ماننے والے ناپید تھے، سلطان محمود غزنوی کی جنگی تدبیروں کی وجہ سے راجپوت سلطنتیں تو کافی کمزور ہو چکی تھیں، مگر سلطان کے جانشین صرف پنجاب تک محدود رہنے کی وجہ سے دوبارہ راجاؤں نے اپنی کھوئی ہوئی طاقت اور شان و شوکت حاصل کر لی تھی، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بت پرستی عام ہو گئی اور کفر و شرک نے اپنے پنجے گاڑ دیئے۔

حضرت خواجہ غریب نواز قدس سرہٗ جب ۵۸۷ھ/۱۱۹۱ء میں اجمیر میں وارد ہوئے تو اس وقت وہاں کا راجہ پرتھوی راج تھا، یہ شمالی مغربی ہند کے ایک وسیع و عریض خطہ کا فرماں روا تھا، پایہ تخت تو اس کا اجمیر تھا، مگر اس کی عملداری میں دہلی بھی تھا، یہ زمانہ شہاب الدین غوری کی فتح دہلی و اجمیر سے پہلے کا ہے۔

حضرت خواجہ غریب نواز رضی اللہ تعالیٰ عنہ دعوت توحید کے لیے یہاں تشریف لائے تھے۔ گمرہی کو دور کرنے اور لوگوں کو تہذیب و اخلاق سے آراستہ کرنے



کے لیے آئے تھے، جس کے لیے زبردست روحانی قوت کی ضرورت تھی، اس لیے شروع شروع میں دعوت توحید کے لیے آپ کرامتیں بھی دکھاتے رہے۔

حضرت خواجہ غریب نواز قدس سرہٗ کی دعوت تبلیغ قولی و عملی دونوں طریقے پر جاری رہی۔ قدرت نے آپ کے چہرہ پر وہ زیبائی اور بشاشت عطا فرمائی تھی کہ بہت سے کفار و مشرکین آپ کے چہرے کی زیبائی سے حقانیت کا اجالا دیکھ کر مشرف بہ اسلام ہو گئے، اجمیر میں مندروں کے مہنتوں کے سردار رام دیو مہنت کا قبول اسلام آپ کی پرخلوص قولی و فعلی دعوت توحید کا ایک نمونہ ہے۔

## حضرت خواجہ کا تصور توحید اور پرتھوی راج:

جب حضرت خواجہ غریب نواز علیہ الرحمہ والرضوان نے خدا کی وحدانیت کا تصور پیش کیا۔ پرتھوی راج اور اس کے ہم نواؤں کو اپنے باطل اوہام و تصورات کی بنیادیں کمزور ہوتی ہوئی محسوس ہونے لگیں، اور ہزاروں سال پرانی ذہنیت کے بت ٹوٹتے محسوس ہونے لگے، کیونکہ پرتھوی راج نے آپ کی بعض ایسی کرامتیں دیکھ لی تھیں اور ان کے مشاہدین سے ان کے اثرات سن رکھے تھے جو باطل شکن تھے۔ اسے سب سے بڑا خطرہ اپنے اقتدار اور جاہ و حشمت کے زائل ہونے کا تھا۔ اس لیے اس نے وہی حربہ استعمال کیا جو فرعون مصر نے کیا تھا، اور اس بات کی تشہیر کی کہ یہ بہت بڑا جادوگر ہے۔ سلطنت کی حفاظت کے لیے جوگی جے پال کی ساحرانہ مقابلے میں شکست فاش، اناساگر کا ایک کٹورے میں سمٹ آنا، اور جوگیوں، کافروں کا اسلام کی بالادستی کو قبول کرتے ہوئے خودی سرِخم کر دینا، خواجۂ معظم کی دعوت توحید کا روشن پہلو ہے۔

واضح رہے کہ پانی کا اپنی ظاہری حقیقی مقدار اور طول و عرض و عمق میں ہوتے ہوئے، پورے کٹورے کا اپنی ظاہری اصلی حالت پر ہوتے ہوئے اس میں اناساگر کا پورے پانی کا سماجانا تو محال عقلی ہے۔ لیکن کرامتوں اور معجزوں سے پانی کے حجم و مقدار کا اتنا کم ہونا کہ کٹورے میں سما جانا یا کٹورے کا اتنا بڑا ہو جانا کہ پورا پانی اس

میں آجائے یہ ممکن ہے، بلکہ واقع بھی۔

المعتقد المنتقد میں ہے: ومن مثال المستحیل العقلی ولوج الجمل فی سم الخیاط ، و ان قیل لم لم یوصف الحق تعالیٰ بالاقتدار علی ذلك و عدم القول به یؤدی الی قصر القدرة و قصورها، قلتُ : ذلك لا یودی الیه فان الله تعالیٰ قادر علی تصغیر الجمل الی ان یصیر بحیث یلج فی سم الخیاط ،و علیٰ توسیع سم الخیاط الی ان یسع الجمل ، واماولوجه فیه و کل منهما علی صورته فذلك من المستحیل العلقی الذی نص علی انه لا تعلق للقدرة به، بخلاف المستحیل فی العادة (المعتقدالمنتقد ص ۳۰ رضا اکیڈیمی)

شہراجمیر میں جب حضرت خواجہ رونق افروز ہوئے تو آپ نے دعوت توحید کے سلسلہ کو آگے بڑھاتے ہوئے پرتھوی راج کو اسلام کی دعوت پیش کی۔ دعوت نامہ کے الفاظ یہ تھے:

پرتھوی راجہ! جن جن لوگوں پہ تیرا اعتماد تھا، وہ خدا کے حکم سے مسلمان ہو چکے ہیں، اگر بھلائی چاہتا ہے تو تو بھی مسلمان ہوجا ورنہ ذلیل وخوار ہوگا۔ مگر پرتھوی راج نے اس دعوت توحید کو قبول نہ کیا۔ حضرت خواجہ نے مراقبہ کیا۔ کچھ دیر کے بعد سر اٹھا کر فرمایا کہ اگر یہ بد بخت ایمان نہ لایا تو میں اس کو اسلامی لشکر کے حوالے زندہ گرفتار کرادوں گا۔'' (سیر الاقطاب ص ۱۳۲)

اجمیر شریف و گردونواح میں حضرت خواجہ کی دعوت توحید کے اثرات بڑھتے رہے اور حضرت خواجہ کے مریدین کا حلقہ وسیع ہوتا گیا۔ جس کی وجہ سے رائے پتھورا سخت گہری تشویش میں مبتلا تھا۔ اس لیے وہ آپ کو شہر اجمیر سے نکالنے کے لیے خفیہ منصوبے بنانے لگا اور آپ کے مریدین پر ظلم وتشدد برپا کرنے لگا۔ آپ کے مریدین نے شکایت کی تو آپ نے فرمایا۔



" پتھورا زندہ گرفتیم و دادیم"

(ہم نے پتھورا کو زندہ گرفتار کر کے لشکر اسلام کے حوالے کیا)

(فوائد السالکین، ص ۲۴)

شہاب الدین غوری کی تاریخی فتح حضرت خواجہ غریب نواز قدس سرہٗ کے اسی کرامت آثار جملے کی برکت تھی۔ مختصر یہ کہ حضرت خواجہ غریب نواز نے اپنے روحانی مرکز اجمیر کو ہیڈ کوارٹر بنا کر دعوت توحید اور فروغ اسلام کا ایسا عظیم کارنامہ انجام دیا، جس کی مثال کم از کم تاریخ ہند میں نہیں ملتی۔ ہندوستان کے مختلف علاقوں میں اپنے مریدین کو رشد و ہدایت کے لیے مقرر فرما کر دعوت توحید اور دعوت حق کا شاندار اہتمام فرمایا۔

کہتے ہیں کہ حضرت خواجہ کی دعوت توحید کے زیر اثر نوے لاکھ سے زیادہ کفار و مشرکین مشرف بہ اسلام ہوئے۔ یہ حضرت غریب نواز کا ایسا لازوال کارنامہ ہے کہ تاریخ جس کی نظیر پیش کرنے سے قاصر ہے۔

آج ہندوستان میں اسلام کا جو نور نظر آرہا ہے، اس میں سب سے بڑا دخل حضرت خواجہ غریب نواز رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہے۔ آپ نے تقریباً ۴۵ رسال تک ہندوستان کی سرزمین پر دعوت توحید اور تبلیغ دین فرمائی اور اوہام باطلہ کی جڑوں کو کھوکھلا کر کے ظلمت کدۂ ہند میں اسلام کا اُجالا پھیلایا۔

فجزاه الله تعالیٰ عناوعن المسلمین خیر الجزاء

# حضرت خواجہ غریب نوازؓ اور اتباع سنت

مولانا محمد عبدالمبین نعمانی

دارالعلوم قادریہ، چریا کوٹ

اولیاءاللہ یقیناً اللہ کے دوست ہوتے ہیں۔ ولی کے معنی ہی ہیں دوست، لہٰذا جو اللہ کا ولی ہوگا، وہ یقیناً اللہ سے محبت کرے گا۔ ولایت محبت کے کمال کا نام ہے اور جتنے اولیاء اللہ ہیں سب کامل الایمان ہوتے ہیں اور اللہ سے محبت کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ حکم دے رہا ہے: قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ ۔(اٰل عمران:۳/۳۱)

اے محبوب تم فرما دو کہ لوگو! اگر تم اللہ کو دوست رکھتے ہو تو میرے فرماں بردار ہو جاؤ، اللہ تمہیں دوست رکھے گا۔ (کنزالایمان)

اس آیت سے معلوم ہوا کہ سچی محبت کا تقاضا اور دلیل یہ ہے کہ اللہ کے محبوب سے بھی محبت کی جائے اور ان سے محبت کا معنی ہی یہ ہے کہ ان کے نقش قدم پر چلا جائے، ان کی اتباع کی جائے، ان کی سنتوں پر عمل کیا جائے۔ بظاہر اس آیت میں صرف اتباع رسول کا مطالبہ ہے لیکن غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ اتباع، محض اتباع کے معنی میں نہیں جیسا کہ کبھی کوئی طوعاً و کرہاً اور جبراً کسی کے پیچھے چل پڑتا ہے یا اس کی کسی بات کو مان لیتا ہے لیکن دل میں اس کی کچھ عقیدت و محبت نہیں ہوتی محض کسی دنیاوی غرض یا خوف کی وجہ سے اتباع کا صدور ہوتا ہے۔ ظاہر ہے حضور محبوب خدا جناب مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اتباع اس معنی میں بے سود ہوگی۔ کیوں کہ محبت رسول کے بغیر ایمان ہی مکمل نہیں ہوتا، ارشاد رسول ہے۔ عن انس لا یومن احدکم حتی اکون احب الیہ من والدہ وولدہ و الناس اجمعین۔



(بخاری شریف:۱/۷، کتاب الایمان)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:

تم میں کا کوئی اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا، جب تک کہ میں اس کے نزدیک اس کے والد، بیٹے اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔

گویا رسول اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اتباع کے دو تقاضے ہیں۔ ایک تو یہ کہ بندۂ مومن، رسول سے محبت کرتا ہے اور محبت کا تقاضا اتباع محبوب ہوتا ہے۔ دوسرے یہ کہ جو اللہ کا محبوب بننا چاہے، اس کے لیے بھی ضروری ہے کہ وہ اللہ کے رسول کی اتباع کرے، جیسا کہ آیت مذکورہ سے ثابت ہے۔ لہٰذا جو اللہ کا ولی اور محبوب ہوگا، وہ ضرور اللہ تعالیٰ کے رسول کی اتباع کرے گا اور سرکار خواجہ غریب نواز رضی اللہ تعالیٰ عنہ تو بالاتفاق اللہ کے محبوب اور ولی تھے اور آپ کی شان محبوبی کا تو یہ عالم تھا کہ جب وصال فرمایا تو آپ کی پیشانی پر قلم قدرت سے لکھا ہوا تھا۔ حبیب اللہ مات فی حب اللہ ۔ یہ اللہ کا حبیب ہے، اللہ کی محبت میں جاں بحق ہوا ہے۔ تو بھلا آپ کی پوری زندگی کیوں نہ اتباع رسول کا پیکر ہوتی۔ پھر یوں بھی کوئی سوچے کہ سرکار غریب نواز رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہند میں اسلام پھیلانے آئے تھے، مخلوق خدا کو راہ راست دکھانے آئے تھے، تو آپ کا خود پابند احکام اسلام ہونا ضروری تھا، ورنہ لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ (کیوں کہتے ہو وہ جو نہیں کرتے، الصّف:۶۱/۲) کے مصداق ہو جاتے اور فرائض و واجبات کے ساتھ سنتوں کی پابندی بھی ضروری ہے کہ اس کے بغیر شفاعت سے محرومی کی وعید آئی ہے، اور سنت اگر موکدہ ہے تو اس کا ترک گمراہی ہے جیسا کہ سرکار نے خود فرمایا: لو ترکتم سنة نبیکم لضللتم (مشکوٰۃ) اگر تم اپنے نبی کی سنت چھوڑ دو گے تو گمراہ ہو جاؤ گے۔ اس لیے حضرت شیخ سعدی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں ؎

خلاف پیمبر کسے رہ گزید
کہ ہرگز بمنزل نہ خواہد رسید

خلاف پیمبر حو چلے گا وہ ہرگز منزل مقصود کو نہیں پہنچ سکتا۔

ذیل میں چند احادیث ملاحظہ کریں جن سے سنت نبوی کی اہمیت کا اندازہ ہوگا اور سنت پر چلنے کا شوق بھی بیدار ہوگا:

۱- من رغب عن سنتی فلیس منی سرکار نے فرمایا جو میری سنت سے منہ موڑے گا، وہ مجھ سے نہیں یعنی میرا نہیں۔ (مشکوٰۃ،ص ۲۷، بحوالہ صحیح مسلم)

۲- علیکم بسنتی و سنۃ الخلفاء الراشدین المھدیین تمسکوابھا وعضوا علیھا بالنوا جذالخ (مشکوٰۃ:۳۰ بحوالہ امام احمد، ابوداؤد اور ترمذی)

تم پر میری اور میرے خلفائے راشدین مہدیین کی سنت لازم ہے، اسے اختیار کرو اور مضبوط پکڑو۔

۳- لایؤ من أحد کم حتی یکون ھواہ تبعا لما جئت بہ۔ (مشکوٰۃ،ص ۳۰)

تم میں کوئی مومن کامل نہیں ہوسکتا، یہاں تک کہ اس کی خواہش اس شئی کے تابع نہ ہوجائے جو لے کر میں آیا، یعنی میرے طریقے اور میری سنت کے مطابق نہ ہوجائے۔

۴- حضرت انس کہتے ہیں کہ سرکار اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا اے بیٹے! اگر تجھ سے ہو سکے کہ تو صبح و شام اس حال میں کر کہ تیرے دل میں کسی مسلمان کی طرف سے برائی نہ ہو تو ایسا کر......پھر فرمایا:

اے فرزند! اور یہ میری سنت ہے اور جو میری سنت سے محبت کرتا ہے، وہ مجھ سے محبت کرتا ہے اور جو مجھ سے محبت کرتا ہو، وہ میرے ساتھ جنت میں ہوگا۔ (ترمذی، مشکوٰۃ:۳۰)

یہ وہ عظیم سنت کریمہ ہے کہ جس کا تعلق ظاہری اعضاو جوارح سے نہیں بلکہ قلب سے ہے۔ ظاہری سنتوں کے پابند تو بہت مل جائیں گے لیکن سرکار کی اس سنت کریمہ کے پابند تو صرف اولیاء اللہ ہی ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے دل میں کسی کی طرف سے کینہ نہیں ہوتا۔ اگر کسی سے تکلیف بھی پہنچتی ہے تو اسے درگزر کر دیتے



ہیں اور سب کے ساتھ خیر خواہی کا سلوک کرتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ مخلوق خدا ان کی گرویدہ و عاشق ہوتی ہے۔

۵- حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ سرکار اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو میری امت میں فساد کے وقت میری سنت کو سختی سے پکڑے گا تو اس کو سو شہیدوں کا ثواب ملے گا۔ (مشکوٰۃ:ص۳۰)

۶- حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو حلال کھائے اور سنت کے مطابق زندگی گزارے اور لوگ اس کے شر سے محفوظ رہیں یعنی کسی کو بلاوجہ تکلیف نہ پہنچائے، تو وہ جنت میں جائے گا۔ اس کو سن کر ایک شخص نے کہا، یا رسول اللہ! آج تو ایسے لوگ بہت ہیں، سرکار نے فرمایا: اور میرے بعد کے زمانوں میں بھی بہت ہوں گے۔ (ترمذی مشکوٰۃ:۳۱)

یعنی رسول اللہ کی سنتوں پر چلنے والے، حلال کھانے والے، اور عامۃ الناس کو امن و عافیت دینے والے ہوتے رہیں گے۔ اور حقیقتاً یہ بھی اولیاء اللہ ہی کی صفات ہیں کہ وہ ان سے ضرور آراستہ ہوتے ہیں۔ حضور خواجہ غریب نواز کی زندگی بھی اس حدیث کا نمونہ تھی جیسا کہ آگے اس کے شواہد آرہے ہیں۔

اطاعت رسول و اتباع سنت کے اتنے واضح ارشادات ضرور سرکار خواجہ کے سامنے تھے اور یقیناً آپ نے ان کا لحاظ کرتے ہوئے اپنے کو سنت رسول کے سانچے میں ڈھال لیا تھا۔ اب، سنت رسول کے تعلق سے سرکار غریب نواز کے کچھ ارشادات ملاحظہ کریں پھر چند واقعات بیان ہوں گے اور احادیث سے ان کی تائید نقل کی جائے گی۔

**ارشادات خواجہ کی روشنی میں سنت کی اہمیت:**

حضور خواجہ غریب نواز رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایمان اور سنت رسول کی اہمیت کو اُجاگر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

۱- قیامت کے روز پچاس مختلف مقامات پر مختلف سوالات کیے جائیں گے۔

پہلے مقام پر ایمان اور اس کے شرائط وصفات اور معرفتِ باری تعالیٰ سے متعلق سوال ہوگا۔ اگر اس سلسلے میں بال بھر بیان نہ کرسکے گا تو وہیں سے سیدھا جہنم بھیج دیا جائے گا (اور ہمیشہ اسی میں رہے گا کہ یہ کافر کا انجام ہے)

دوسرے مقام پر نماز اور دیگر فرائض کی بابت سوالات ہوں گے، اگر عہدہ برآ ہوگیا، ٹھیک ٹھیک جواب دے دیا تو بہتر، ورنہ وہیں سے دوزخ بھیج دیا جائے گا، (اور جس قدر اللہ تعالیٰ چاہے گا، دوزخ میں بطور سزا رہے گا۔ یہ بے عمل مومن کا انجام ہے)

پھر تیسرے مقام پر سنت نبویہ کی بابت سوالات ہوں گے۔ اگر ان سے عہدہ برآ ہوگیا تو رہائی مل جائے گی، ورنہ موکلوں کے ہاتھوں، حضور مصطفیٰ پیغمبر خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجا جائے گا کہ یہ شخص آپ کی امت سے ہے لیکن سنت ادا کرنے میں کوتاہی کی ہے۔

جب خواجہ صاحب ان فوائد کو بیان کر چکے تو زار زار رونے لگے اور یہ الفاظ زبان مبارک سے ارشاد فرمایا:

افسوس ہے اس شخص پر جو قیامت کے دن پیغمبر خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں شرمندہ ہوگا اور جو ان کی بارگاہ میں شرمندہ ہوگا وہ بھلا کہاں جائے گا۔

(دلیل العارفین، ص۹-۱۰، مترجم)

۲- حضرت خواجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ حضرت ابو اللیث سمرقندی کی تفسیر میں لکھا ہے کہ ہر روز دو فرشتے آسمان سے اترتے ہیں، ایک کعبہ کی چھت پر کھڑا ہوکر آواز دیتا ہے کہ اے آدمیو! اور اے پریو! سنو اور اس طرح سمجھ رکھو کہ جو شخص اللہ کا فرض نہیں بجالاتا، وہ کبھی اللہ تعالیٰ کے حقوق سے عہدہ برآ نہیں ہوسکتا۔



دوسرا فرشتہ رسول پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حظیرۂ قدس پر کھڑا ہوکر آواز دیتا ہے: اے آدمیو اور پریو! سنو اور اچھی طرح جان لو کہ جو شخص سنت رسول خدا ادا نہیں کرتا اور حد سے تجاوز کرتا ہے وہ شفاعت سے بے بہرہ (محروم) رہے گا۔ (دلیل العارفین ص۲-۳)

یہ تو وہ خاص ارشادات تھے جو سنت رسول پر عمل کرنے کی اہمیت کو اجاگر کرنے والے تھے لیکن حضرت خواجہ پاک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دیگر ارشادات و فرمودات کا جب مطالعہ کیا جاتا ہے تو وہ بیشمار سنتوں کی تاکید پر مشتمل نظر آتے ہیں۔ مثلاً نماز کو ارکان و شرائط کے ساتھ سنت کی رعایت کرتے ہوئے ادا کرنے کی تاکید فرماتے ہیں۔ باطہارت ہونے کے فضائل و برکات بیان کرتے ہیں اور اذان کے جواب اور نماز اشراق کی پابندی، وقت سے پہلے نماز کی تیاری، ذکر الٰہی میں مشغولیت، قرآن پاک کی تلاوت اور اس کی زیارت، بھوکوں کو کھانا کھلانا، والدین کے ساتھ حسن سلوک، علمائے دین کی زیارت، سخاوت اور تواضع، چھوٹوں پر شفقت وغیرہ حقوق و آداب اور سنتوں پر عمل پیرا رہنے کی بار بار تاکید فرماتے ہیں۔

ایک مرتبہ سنت و شریعت کی اہمیت بیان کرتے ہوئے فرمایا: جب لوگ شریعت میں ثبات قدم ہوجاتے ہیں اور شریعت کے تمام فرمان بجالاتے ہیں اور ان کے بجالانے میں ذرہ بھر تجاوز نہیں کرتے تو اکثر دوسرے مرتبے پر پہنچتے ہیں جسے طریقت کہتے ہیں، اس کے بعد جب طریقت میں شرائط کے ساتھ ثابت قدم ہوتے ہیں اور تمام احکام شریعت بے کم و کاست بجالاتے ہیں تو معرفت کے درجے کو پہنچتے ہیں، جب معرفت کو پہنچتے ہیں تو شناخت و شناسائی کا مقام آجاتا ہے، جب اس مقام پر بھی ثابت قدم ہوجاتے ہیں تو درجۂ حقیقت کو پہنچتے ہیں، اس مرتبے پر پہنچ کر جو کچھ طلب کرتے ہیں پالیتے ہیں۔ (دلیل العارفین، ص۷ مترجم)

حضور خواجہ غریب نواز رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے یہ ارشادات عالیہ آج کے ان صوفیوں کے لیے نمونہ ہیں بلکہ تازیانۂ عبرت ہیں، جو شریعت وطریقت میں تفریق کی

باتیں کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ شریعت کی تمام قیدوں سے انہیں رہائی مل جائے اور مطلق العنان ہوکر جو چاہیں بکیں اور جو چاہیں کریں۔ ایسے لوگ خود ہی راہ سے بھٹکے ہوئے ہیں، دوسروں کو کیا راہ دکھائیں گے۔ ایسے ہی نام کے صوفی، تصوف اور صوفیائے کرام کو بدنام کرتے اور خلق خدا کو گمراہ کرتے ہیں۔ ان سے بچنا اور دور رہنا نہایت درجہ ضروری ہے۔ اس موضوع پر اعلیٰ حضرت مجدد دین وملت امام احمد رضا قادری برکاتی بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کا رسالہ ''مقال عرفا باعزاز شرع وعلما'' (۱۳۲۷ھ) نہایت مفید ہے جس میں چالیس اکابر اولیائے کرام کے اسّی ایسے ارشادات نقل ہیں جن سے شریعت وطریقت کا تلازم ثابت ہوتا ہے۔ بڑا ایمان افروز رسالہ ہے۔ اس کا مطالعہ ہر اسلامی بھائی اور تصوف پسند کو ضرور کرنا چاہیے۔

**حیات خواجہ غریب نواز اور اتباع سنت:**

اب ذیل میں حضرت خواجہ معین الدین حسن چشتی اجمیری علیہ الرحمۃ والرضوان کی زندگی پاک کے چند واقعات وارشادات ایسے نقل کیے جاتے ہیں جن سے حضرت خواجہ پاک رضی اللہ عنہ کے اتباع سنت کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

۱- حضرت خواجہ معین الدین اجمیری علیہ الرحمۃ والرضوان کے لباس کے تعلق سے محبوب الٰہی حضرت شیخ نظام الدین اولیا بدایونی قدس سرہٗ العزیز سے منقول ہے۔ وہ فرماتے ہیں: ہمارے حضرت خواجہ بزرگ عمدہ دوتائی اوڑھا کرتے تھے۔ اگر وہ پھٹ جاتی تو جس قسم کا بھی پرانا پاک کپڑا مل جاتا، اس کا پیوند لگا لیتے، فوائد الفواد میں لکھا ہے کہ میں نے وہ دوتائی دیکھی ہے، پھر وہ دوتائی حضرت شیخ نظام الدین قدس سرہٗ کو حاصل ہوئی۔ (ص ۲۷، مونس الارواح از شہزادہ جہاں آرا بیگم مترجمہ ڈاکٹر محمد عاصم اعظمی گھوسوی، ۲۰۰۷ء)
پیوند لگا لباس پہننا ایک تو سادگی وکفایت شعاری کی دلیل ہے، دوسرے اس میں اتباع سنت کی بھی بھرپور جھلک پائی جاتی ہے، کیونکہ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ



وسلم بھی باوجودے کہ آپ کو کائنات کے خزانوں کی کنجیاں عطا ہوئی تھیں، پیوند لگا لباس استعمال فرماتے تھے تاکہ غربائے امت کے لیے نمونہ ہو جائے اور ان کے لیے تشفی کا باعث بھی۔ ذیل میں اس سلسلے کی بعض روایات ملاحظہ کریں۔

حضرت ابو بردہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے پیوند لگی ہوئی کملی اور موٹا تہبند نکالا اور قسم کھا کر یہ فرمایا کہ حضور کا وصال انہیں دو کپڑوں میں ہوا۔ (بخاری شریف ومسلم، مشکوٰۃ ص: ۳۷۳ مجلس برکات مبارک پور، شمائل ترمذی، ص: ۹)

یہ حدیث تو سرکار اقدس صل اللہ علیہ وسلم کے عمل مبارک پر دلالت کرتی ہے۔ اب کپڑے میں پیوند لگانے سے متعلق سرکار کا ارشاد مبارک بھی ملاحظہ کرتے چلیں۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے۔ وہ کہتی ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا: عائشہ! اگر تم مجھ سے ملنا چاہتی ہو تو دنیا سے اتنے ہی پر اکتفا کر جتنا سوار کے پاس توشہ ہوتا ہے اور مال داروں کے پاس بیٹھنے سے بچ اور کپڑے کو پرانا نہ سمجھ جب تک کہ اس میں پیوند نہ لگالے۔
(سنن ترمذی: ج ۱/۲۱۰۔ ابواب اللباس مجلس برکات مبارک پور/ مشکوٰۃ المصابیح ص: ۳۷۵ کتاب اللباس مجلس برکات مبارک پور)

۲- حضرت خواجہ غریب نواز علیہ الرحمۃ والرضوان جب پندرہ سال کے تھے، آپ کے والد گرامی حضرت خواجہ غیاث الدین کا انتقال ہوگیا۔ وراثت میں آپ کو ایک باغ ملا اور پن چکی، جو آپ کے لیے ذریعۂ گزر بسر ہوا۔ آپ کے علاقے کے ایک مجذوب حضرت ابراہیم قندوزی آئے۔ حضرت خواجہ نے ان کا احترام کیا اور ایک درخت کے نیچے بٹھایا اور خود بھی پاس بیٹھ گئے۔ اتنے میں حضرت ابراہیم قندوزی نے کھلی کا ایک ٹکڑا نکالا، منہ میں چھپایا پھر اسے حضرت خواجہ کے منہ میں رکھ دیا۔ اس کھلی کو کھاتے ہی

حضرت خواجہ کے باطن میں ایک نور پیدا ہوا۔ دنیا سے دل اچاٹ ہوگیا۔ سارا باغ وغیرہ بیچ کر فقرا پر صرف کر دیا اور وطن سے نکل کر بخارا و سمرقند چلے گئے، جہاں ایک مدت تک قیام کیا۔ وہیں قرآن پاک حفظ کیا اور علوم ظاہری کی تحصیل کی پھر عراق وعرب کا قصد کیا۔ (مونس الارواح ص ۲۴-۲۵)

یہاں یہ بات قابل توجہ ہے کہ دل روشن ہو چکا، دنیا کی محبت نکل چکی، رب تبارک وتعالیٰ کے ہوکر رہ گئے، مال ومتاع نذر راہ خدا کر دیا۔ مگر اس کے باوجود آپ نے وطن چھوڑ کر اور سمرقند و بخارا جا کر علم ظاہر کی تحصیل کی کہ شریعت پر عمل کرنے کے لیے شریعت کا علم ضروری ہے اور سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ کے امر: ”طلب العلم فریضة علی کل مسلم“ (مشکوٰۃ ص ۳۴ کتاب العلم) علم دین سیکھنا ہر مسلمان مرد وعورت پر فرض ہے کی مثال کی خاطر آپ نے سفر کیا اور علم حاصل کیا۔

طالب علم کی ایک فضیلت یہ بھی حدیث شریف میں بیان کی گئی ہے کہ فرشتے اس کے اعزاز میں اپنے پروں کو بچھا دیتے ہیں (مشکوٰۃ ۳۴) تو جب تک حضرت خواجہ طالب علمی کی زندگی نہیں گزارتے، اس اعزاز سے مشرف نہ ہوتے۔ یوں ہی سرکار کی یہ بھی سنت ہے کہ کہیں اہل علم، تعلیم وتعلم میں مشغول ہوں تو اس میں بیٹھا جائے، جیسا کہ سرکار اقدس صلی اللہ علیہ وسلم خود اپنی مسجد پاک میں گئے۔ کچھ لوگوں کو ذکر و دعا میں پایا۔ ان کی تعریف کی پھر ان کی مجلس سے گزرے جو دین کا علم سیکھ سکھا رہے تھے۔ سرکار نے ان کی تعریف کی اور فرمایا یہ لوگ پہلے والوں سے بہتر ہیں پھر اس میں بیٹھ گئے اور فرمایا میں بھی معلم بنا کر مبعوث کیا گیا ہوں۔ (مشکوٰۃ، ص ۳۶ بروایت عبداللہ بن عمرو) اب اس سنت پر عمل کرنے کے لیے مجلس علم میں شرکت ضروری تھی، اس لیے حضرت خواجہ پاک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ بھی کر دکھایا۔

بغیر طلب علم آدمی وارث انبیاء نہیں ہو سکتا۔ حدیث میں ہے، انبیا نے دینار ودرہم وراثت میں نہیں چھوڑا، انہوں نے علم کی وراثت چھوڑی تو جس نے علم



حاصل کیا، اس نے انبیا کی وراثت میں بڑا حصہ پایا۔ (مشکوٰۃ ص: ۳۴ بروایت ابودردا)

حضرت خواجہ غریب نواز رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے طلب علم میں حصہ لے کر وارث نبی ہونے کی فضیلت بھی حاصل کی اور جنت کے راستے میں بھی قدم رکھا، کیونکہ حدیث میں یہ بھی آیا ہے کہ جو طلب علم میں کوئی راہ چلتا ہے، وہ جنت کا راستہ طے کرتا ہے یا اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت کا راستہ آسان کر دیتا ہے۔ (ایضاً)

یہ احادیث کریمہ اور سرکار خواجہ غریب نواز رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ان کے مطابق عمل کر کے دکھانا، یہ ثابت کرتا ہے کہ غریب نواز سے عقیدت صرف یہی نہیں کہ ان کے مزار پر حاضری دے کر منتیں مان لیں اور حاجت پوری کرانے کے لیے دعائیں کر لیں اور بس۔ بلکہ سچی عقیدت کا تقاضا تو یہ ہے کہ ہم بھی اپنے کو علم دین سے آراستہ کریں، اپنی اولاد کو علم دین سے بہرہ ور کریں، سرکار غریب نواز کا یہ کردار خاص کر سجادہ نشین حضرات کے لیے درس عبرت ہے جو محض مجاوری اور نسبت پر اکتفا کر کے رہ جاتے ہیں اور علم دین کی طلب میں کوئی کٹھن راہ طے کرنے کے لیے قطعاً تیار نہیں رہتے۔ ایسے لوگ نہ تو دین کے تقاضے کو پورا کرتے ہیں اور نہ ہی حضرت خواجہ غریب نواز سے عقیدت کا حق ادا کرتے ہیں۔

۳- حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی قدس سرہٗ فرماتے ہیں: میں بیس سال تک حضرت خواجہ غریب نواز کی خدمت میں رہا۔ میں نے کبھی نہیں دیکھا کہ کسی شخص پر غصہ ہوتے ہوں۔ (مونس الارواح، ص: ۴۱)

یہ بھی سرکار اقدس سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عادت کریمہ وارشاد گرامی پر عمل پیرا ہونا ہے۔ بظاہر یہ بہت آسان بات معلوم ہوتی ہے مگر ذرا کوئی اس پر عمل کر کے تو دکھائے کہ غضب کا موقع ہو، آدمی غصہ پی جائے، مطلق اس کا اظہار نہ کرے۔ اس سلسلہ میں بعض ارشادات رسالت سماعت کر لیں تاکہ بات مدلل ہو جائے اور اس کی مزید اہمیت بھی ذہن نشین ہو جائے، کیونکہ آج بہت سے بڑے

پیراور عالم اس معیار پر اترتے نظر نہیں آتے ، عبادت و ریاضت میں آگے بڑھنا تو آسان ہے مگر غضب وغصہ کے وقت اپنے کو قابو میں رکھنا بہت مشکل ہے ۔ چنانچہ سرکار رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

۱- پہلوان اور طاقتور وہ نہیں جو لوگوں کو پچھاڑ دیتا ہو، طاقتور تو وہ ہے جو غضب کے وقت اپنے نفس کو قابو میں رکھے۔ (مشکوٰۃ : ۴۳۳)

۲- حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ ایک شخص نے سرکار اقدس صلی اللہ تعالیٰ وسلم سے وصیت کرنے کی درخواست کی ،تو فرمایا: غضبناک مت ہونا پھر اس کو بار بار دہرایا۔ (بخاری،مشکوٰۃ،ص:۴۳۳)

۳- حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے انہوں نے کہا کہ رسول اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ کے نزدیک سب سے افضل وہ گھونٹ ہے جسے کوئی غصے کے وقت پیئے محض اللہ کی رضا چاہنے کے لئے۔ (امام احمد،مشکوٰۃ،ص:۴۳۴ کتاب الغضب)

۴- سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: غصہ ایمان کو ایسا فاسد کر دیتا ہے جیسے ایلوا (مُصبرّ) شہد کو فاسد کر دیتا ہے۔ (ایضاً)

۵- سرکار اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سنت کریمہ اور اخلاق فاضلہ کا بیان کرتے ہوئے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: مجھے سرکار کی خدمت میں رہنے کا دس سال موقع ملا۔لیکن سرکار نے کبھی مجھے اف تک نہ کہا اور نہ یہ کہا کہ تو نے یہ کام کیوں کیا؟ اور نہ یہ کہ، یہ کام کیوں نہیں کیا؟ (بخاری و مسلم،مشکوٰۃ، ص:۵۱۸ باب فی اخلاق وشمائلہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم)

۶- حضرت انس ہی کی دوسری روایت میں یہ ہے، میں نے دس سال خدمت کی لیکن کبھی سرکار نے مجھے ملامت نہ کی اور اگر گھر کا کوئی فرد ملامت کرتا تو فرماتے اسے چھوڑ دو کہ جو ہونے والا ہوتا ہے، ہو کر رہتا ہے۔آپ فرماتے



ہیں: اس وقت میری عمر آٹھ سال کی تھی یعنی آٹھ سال کی عمر سے دس برس تک خدمت کی۔ (مشکوٰۃ ،ص:۵۱۹)

دیکھئے ان ارشادات رسول اور سیرت رسول پر کس درجہ حضرت خواجہ غریب نواز عامل تھے، آپ کا یہ کردار بھی ہم عقیدت مندان خواجہ کے لیے درس عبرت و نصیحت ہے اور قابل عمل۔

۴- بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت خواجہ غریب نواز رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہمیشہ باوضو رہا کرتے۔ آپ کا وضو قضائے حاجت کے سوا کبھی فاسد نہیں ہوتا۔ (مونس الارواح،ص:۴۴)

وضو پر مداومت بھی بڑے افضل اعمال میں سے ہے اور احادیث میں اس کی بڑی فضیلت بیان کی گئی ہے، ذیل میں چند حدیثیں ذکر کی جاتی ہیں۔

(۱) حضرت ثوبان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا، رسول پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: تم جان لو کہ تمہارے اعمال میں سب سے بہتر نماز ہے، اور وضو پر کوئی ہمیشہ کاربند نہیں رہ سکتا مگر مومن (مالک،احمد،ابن ماجہ،دارمی،مشکوٰۃ،ص:۳۹)

(۲) حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک روز حضرت بلال کو بلایا۔ پوچھا رات جنت میں مجھ سے آگے کس وجہ سے چل رہے تھے، عرض کیا، یارسول اللہ! میرا معمول ہے کہ جب اذان دیتا ہوں، دو رکعت پڑھ لیتا ہوں اور جب مجھے حدث واقع ہوتا ہے تو فوراً وضو کر لیتا ہوں۔ سرکار نے فرمایا اسی وجہ سے۔ (الترغیب والترہیب للمنذری:۱/۲۲۳ بیروت ۱۴۱۷ھ/۱۹۹۶ء دار ابن کثیر)

اعلیٰ حضرت امام اہل سنت قدس سرہٗ باوضو رہنے کے فضائل میں تحریر فرماتے ہیں:

اجماع ہے کہ ہر وقت باوضو رہنا، ہر حدث کے بعد معاً وضو کرنا مستحب ہے۔ فتاویٰ قاضی خاں وخزانۃ المفتین وفتاوی ہندیہ وغیرہا میں وضو کے مستحبات کے شمار میں ہے:

و منها المحافظة على الوضو و تفسيره ان يتوضاء كلما أحدث ليكون على الوضو ء في الاوقات كلها (مستحب ہے ہروقت باوضو رہنا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جب حدث ہو فوراً وضو کرلے تاکہ ہمہ وقت باوضو رہے۔)

بلکہ امام رکن الاسلام محمد بن ابوبکر نے ''شرعۃ الاسلام'' میں اسے اسلام کی سنتوں میں بتایا۔ فرماتے ہیں: المحافظة على الوضوء سنة الإسلام (وضو پر محافظت اسلام کی سنتوں میں سے ہے)۔

اس کی شرح مفاتیح الجنان میں بستان العارفین امام فقیہ ابواللیث سے ہے:

''ہم کو حدیث پہنچی کہ اللہ عزوجل نے موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام سے فرمایا: اے موسیٰ! اگر بے وضو ہونے کی حالت میں تجھے کوئی اذیت پہنچے تو خود اپنے آپ کو ملامت کرنا۔

اسی میں کتاب خالصۃ الحقائق لأبي القاسم محمود بن احمد فارابی سے ہے:

بعض عارفین نے فرمایا: جو ہمیشہ باوضو رہے، اللہ تعالیٰ اسے سات فضیلتوں سے مشرف فرمائے:

(۱) ملائکہ اس کی صحبت میں رغبت کریں۔ (۲) قلم اس کی نیکیاں لکھتا رہے۔ (۳) اس کے اعضا تسبیح کریں۔ (۴) اس سے (نماز کی) تکبیر اولیٰ فوت نہ ہو۔ (۵) جب سوئے اللہ تعالیٰ کچھ فرشتے بھیجے کہ جن و انس کے شر سے اس کی حفاظت کریں۔ (۶) سکرات موت اور موت کی سختی اس پر آسان ہو۔ (۷) جب تک باوضو رہے، امان الٰہی میں رہے۔ (فتاویٰ رضویہ: ۱/ ۱۸۵-۱۸۶)

دیکھا آپ نے باوضو رہنے کے کیا کیا فضائل ہیں اور یہ کیسی اہم سنت ہے جس پر حضرت خواجہ غریب نواز کاربند تھے، آپ کا یہ عمل بھی ہمارے لیے درس عبرت و نصیحت ہے۔

۵- حضرت خواجہ غریب نواز رضی اللہ تعالیٰ عنہ عفو و درگزر میں کمال کے درجے پر



فائز تھے۔ چنانچہ ایک بار کا واقعہ ہے کہ ایک بد بخت، ایک دشمنِ خواجہ کے کہنے پر آپ کے قتل پر آمادہ ہوگیا اور اسی ارادہ سے آپ کے پاس آیا۔ جب وہ شخص قریب آیا تو حضرت خواجہ نے نرمی سے فرمایا۔ تم جس کام سے آئے ہو، شروع کرو۔ یہ سنتے ہی وہ شخص کانپنے لگا۔ چھری بغل سے نکال کر پھینک دی اور قدموں پر گر گیا اور کہنے لگا میں کسی کے بہکانے پر آ گیا تھا۔ مجھے سخت سے سخت سزا دیجئے، مجھے قتل کر دیجئے۔ لیکن حضرت خواجہ نے اسے اٹھایا اور فرمایا: تم نے کوئی برائی نہیں کی اور اگر کرتے بھی تو درویشی کا تقاضا یہی تھا کہ میں تمہارے ساتھ نیکی کرتا۔ جا میں نے تجھے معاف کیا، پھر اس کے لیے دعا کی۔ وہ شخص یہ دیکھ کر بہت متاثر ہوا، اور پھر بیعت ہو کر ہمیشہ کے لیے خدمت میں رہنے لگا۔ کئی بار حج کیا اور وہیں پیوند خاک ہوا۔ (سید الاقطاب مترجم محمد معین الدین پروفیسر مطبوعہ نفیس اکیڈیمی، کراچی پاکستان، ص ۱۴۹)

آج کے بڑے بڑے صوفی بننے والے حضرات ذرا ذرا سی بات کو لے کر مقدمہ بازی اور قتل وخون تک کی انتقامی کارروائی میں ملوث نظر آتے ہیں، ان کے لیے حضرت خواجہ کا یہ واقعہ بہت بڑا سبق ہے، اور یہ یقیناً سرکار دو عالم نور مجسم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بہت بڑی سنت ہے، جیسا کہ سرکار نے بارہا اپنے جانی دشمنوں کو معاف فرما دیا اور اعلان کرا دیا کہ لاتثريب عليكم اليوم اذهبوا انتم الطلقاء آج تمہارے اوپر کوئی بدلہ نہیں، جاؤ تم سب آزاد ہو۔ واقعی جو اللہ کا ولی اور سچا بندہ ہوتا ہے، وہ اس کے سچے رسول کا ضرور مطیع و فرمانبردار ہوتا ہے، اور سرکار خواجہ بزرگ بھی اس معیار پر پورے اترتے نظر آتے ہیں۔

۶- اسلامی حقوق میں یہ بھی ہے کہ پڑوسیوں کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آیا جائے، کسی مسلمان کا انتقال ہو جائے تو جنازہ میں شریک ہوا جائے اور دعا کی جائے۔ چنانچہ حضرت خواجہ بزرگ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی ان سنتوں پر

عامل تھے۔ راحت القلوب میں منقول ہے کہ پڑوسیوں میں کسی کا انتقال ہو جاتا تو جنازہ کے ہمراہ ضرور تشریف لے جاتے، نماز جنازہ اور تدفین کے بعد تمام لوگ جب واپس ہو جاتے تو تنہا اس کی قبر پر بیٹھتے اور اس وقت کی مناسبت سے دعائیں کرتے۔ (راحت القلوب خواجہ فرید الدین گنج شکر)

اس میں کئی سنتوں پر عمل ہے مثلاً:

۱- پڑوسیوں کے حق کا لحاظ

۲- مومن کی نماز جنازہ میں شرکت

۳- جنازہ کے ساتھ چلنا

۴- تدفین میں شریک ہونا

۵- بعد دفن میت کے لیے دعا کرنا

اب ہر ایک کے لیے حدیثیں ملاحظہ کر لیں۔

۱- حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: مسلمان کا مسلمان پر پانچ حق ہے۔ سلام کا جواب دینا، مریض ہو تو اس کی عیادت کرنا، جنازہ میں جانا، دعوت قبول کرنا، چھینکنے پر جب الحمد للہ کہے تو جواب میں یرحمک اللہ کہنا (بخاری و مسلم، مشکوٰۃ ص:۱۳۳، کتاب الجنائز)

اس حدیث میں مسلمان کا حق اس کے مرنے کے بعد اس کے جنازے میں جانا بتایا گیا جس کا سنت ہونا واضح ہے۔

۲- حضرت عائشہ و حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے مروی ہے، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: جبرئیل برابر مجھے پڑوسی کے بارے میں تاکید کرتے رہے یہاں تک کہ میں نے گمان کیا کہ عنقریب ایک دوسرے کو وارث قرار دے دیں گے۔ (بخاری و مسلم، مشکوٰۃ، ص:۴۲۲ باب الشفقۃ والرحمۃ)

اس جامع حدیث میں پڑوسیوں کے ہر طرح کے حقوق آ گئے، یعنی اس میں



ہر وہ سلوک شامل ہے جو پڑوسیوں کے حق میں مفید اور ان کی دلداری کا سبب ہو۔

۳- حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: جو کسی مسلم کے جنازے کے پیچھے چلا، ایمان کے سبب اور ثواب طلب کرتے ہوئے اور اس کے ساتھ اس وقت تک رہا حتیٰ کہ اس پر نماز جنازہ پڑھ لی گئی اور اس کے دفن سے فراغت حاصل کر لی گئی تو وہ دو قیراط اجر لے کر واپس آتا ہے اور ہر قیراط اُحد پہاڑ کے برابر ثواب رکھتا ہے اور جو نماز تو پڑھے لیکن دفن سے پہلے واپس آ جائے تو اس کو ایک قیراط ثواب ملتا ہے۔ (بخاری و مسلم، مشکوٰۃ ص:۱۴۴، باب المشی بالجنازہ)

۴- حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے، فرمایا: جب رسول اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دفن میت سے فارغ ہوتے تو اس کے پاس ٹھہرتے اور فرماتے، اپنے بھائی کے لیے مغفرت طلب کرو اور اس کے لیے سوال کے وقت ثابت قدمی کا سوال کرو، کیونکہ ابھی اس سے سوال ہوگا۔ (ابو داؤد، مشکوٰۃ، ص:۲۶ باب اثبات عذاب القبر)

۵- حضرت جابر کہتے ہیں کہ ہم لوگ رسول پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ساتھ سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جنازہ میں نکلے۔ جب ان کی وفات ہوئی، تو جب حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نماز جنازہ پڑھ لی اور ان کو قبر میں رکھ دیا گیا پھر اس پر مٹی برابر کر دی گئی تو رسول پاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اور ہم نے دیر تک سبحان اللہ سبحان اللہ پڑھا، پھر حضور نے اللہ اکبر کہا۔ پھر حضور سے دریافت کیا گیا کہ یا رسول اللہ! آپ نے پہلے تسبیح پڑھی پھر تکبیر کہی، اس کا کیا مطلب؟ تو ارشاد فرمایا: اس مرد صالح پر اس کی قبر تنگ ہو گئی تھی حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے (اس تسبیح و تکبیر) کی برکت سے اس کو کشادہ کر دیا۔ (امام احمد، مشکوٰۃ، ص:۲۶ باب اثبات عذاب القبر)

ان دونوں روایتوں سے میت کے دفن کے بعد قبر پر تھوڑی دیر تک ٹھہرنا اور اس کے لیے دعائے رحمت و مغفرت یا تسبیح و تکبیر پڑھنا جو سبب رحمت ہے، ثابت ہوتا ہے۔ حضرت خواجۂ بزرگ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس سنت کریمہ پر بھی عمل فرماتے تھے۔

۷- ایک مرتبہ حضرت خواجۂ اجل رضی اللہ تعالیٰ عنہ شام کی نماز کا وضو فرمارہے تھے کہ اتفاقاً انگلیوں کا خلال بھول گئے۔ غیبی فرشتے نے آواز دی: اے خواجہ! تو رسول کی دوستی کا دعویٰ کرتا ہے اور اس کی امت بنتا ہے لیکن اس کی سنت کو ترک کرتا ہے، اس کے بعد حضرت خواجہ نے قسم کھائی کہ اس وقت سے لے کر مرتے دم تک میں کوئی سنت ترک نہیں کروں گا۔ (دلیل العارفین مترجم: ص:۳۰، مکتبہ جام نور دہلی)

اس واقعہ سے اندازہ لگانا چاہیے کہ حضرت خواجۂ بزرگ سنتوں کے کس قدر پابند تھے، انگلیوں کے خلال سے متعلق چند روایتیں بھی گوش گزار کریں اور اپنی اپنی غفلتوں کا علاج بھی کرتے جائیں۔

۱- حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک روز حضور ہمارے پاس تشریف لائے تو فرمایا: میری امت میں خلال کرنے والے لوگ کتنے اچھے ہیں۔ صحابہ نے عرض کیا: یہ خلال کرنے والے کون لوگ ہیں یا رسول اللہ! فرمایا: وضو میں خلال کرنے والے، کھانے کے بعد (دانتوں کا) خلال کرنے والے۔ اب رہا وضو کا خلال تو یہ کلی، استنشاق (ناک صاف کرنا) اور انگلیوں کے درمیان خلال کرنا ہے۔ رہا کھانے سے خلال تو اس کے بارے میں سنو کہ دونوں فرشتے (کراماً کاتبین) پر سب سے سخت یہ بات ہوتی ہے کہ وہ دانتوں کے درمیان کھانے کا کوئی اثر دیکھیں، اس حال میں کہ وہ کھڑے ہو کر نماز پڑھتا ہو۔ (الترغیب والترہیب للمنذری: ۱/۲۳۲)

۲- حضرت واثلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے۔ وہ رسول پاک صلی اللہ



تعالیٰ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ سرکار نے فرمایا: جو اپنی انگلیوں کا پانی سے خلال نہ کرے، اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ان کے درمیان آگ بھر دے۔ (الترغیب: ۱/۲۳۴ الترغیب فی تخلیل الاصابع)

۳- حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایک روایت ہے۔ فرمایا: پانچوں انگلیوں میں خلال کرو، اللہ تعالیٰ ان کو آگ سے نہیں بھرے گا۔ (الترغیب: ۱/۲۳۴)

اسباغ وضو کی بھی حدیثوں میں بڑی فضیلت آئی ہے اور اسباغ کا تقاضا ہے کہ انگلیوں کے درمیان خلال کیا جائے، تاکہ اس کی پوروں میں کسی حصے پر خشک رہنے کا اندیشہ باقی نہ رہے۔ کیونکہ اعضائے وضو کا کچھ حصہ بھی خشک رہ جائے یا اس پر پانی نہ بہے اگرچہ تر ہو جائے تو وضو ہی نہ ہوگا۔ اس لیے خلال کی سخت تاکید ہے تاکہ پورے اعضا اچھی طرح دھل جائیں اور وضو مکمل ہو جائے۔

حضرت خواجہ کا مذکورہ واقعہ خواجہ غریب نواز کا ہے یا شیخ اجل شیرازی کا اس میں شبہہ ہے۔ ترجمہ ہشت بہشت میں شامل دلیل العارفین کی عبارت صاف نہیں ہے اور فارسی نسخہ ملتا تو بات واضح ہوتی، اور وہ دستیاب نہیں۔

غرض یہ کہ سرکار غریب نواز رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ساری زندگی اتباع سنت و شریعت کا آئینہ دار تھی۔ آپ کے اخلاق کریمانہ، اخلاق حسنہ رسول گرامی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا پرتو تھے۔ غریبوں کی خبر گیری محتاجوں کی امداد و اعانت، بھوکوں کو کھانا کھلانا، مشکلات میں صبر و شکیب کا پیکر بن جانا، مظلوموں کی دادرسی، بڑوں کا ادب و احترام اور چھوٹوں پر شفقت، جود و سخا، قرآن پاک کی تلاوت وہ بھی اس قدر کہ روزانہ دو ختم فرماتے تھے۔ اکثر عشا کے وضو سے فجر کی نماز ادا کرنا، مسلسل روزے رکھنا، قبور اولیا و مسلمین کی زیارت، غرض آپ کی زندگی کا لمحہ لمحہ ذکر خدا اور رسول اور اتباع و اطاعت محبوب میں گزرتا، خلق خدا کی تربیت اور دین حق کی تبلیغ و اشاعت آپ کا محبوب مشغلہ تھا۔

یہ بھی حقیقت ہے کہ ہندوستان میں دین کی اشاعت کا جو نمایاں کارنامہ آپ نے انجام دیا ہے، اس کی مثال ہندوستان کی تاریخ میں نہیں ملتی، اور اس راہ میں جہاں آپ کی روحانی قوت، کرامات کو دخل ہے، وہیں اتباع شریعت وسنت کا بھی بہت بڑا ہاتھ ہے۔ آج اس دور رستا خیز میں آپ کا اسوۂ مبارکہ ہمارے لیے بہترین رہنما ہے۔ افسوس کہ آج بالعموم مسلمان حضرت خواجہ کی بارگاہ میں صرف غریبی اور دنیاوی پریشانی کا شکوہ لے کر حاضر ہوتے اور دعائیں کرتے ہیں۔ جب کہ ہمیں چاہیے کہ اپنے آپ کو سرکار غریب نواز کے سانچے میں ڈھالیں، عبادت خدا واطاعت رسول میں اپنے وجود کو کھپا دیں لیکن دیکھا یہ جاتا ہے کہ اکثر لوگ صرف اپنی مرادیں مانگنے اور حاجتیں پوری کرانے ہی میں مستغرق رہتے ہیں۔ نماز جو اسلام میں اہم الفرائض ہے اور سرکار غریب نواز خود اس کے بہت سخت پابند تھے، اس سے غفلت عام ہوتی جا رہی ہے، کتنے پیر اور گدی نشین بننے والے بھی اس اہم فرض سے غافل نظر آتے ہیں۔ وہ سوچتے ہیں صرف خواجہ کا نام لینے سے ہی بیڑا پار ہو جائے گا، نماز وغیرہ عبادات کی ضرورت ہی نہیں، خواجہ غریب نواز روزانہ دو ختم قرآن کرتے لیکن ہم میں کتنے ہیں جو سرے سے قرآن پڑھنا بھی نہیں جانتے اور جو پڑھے ہوئے ہیں، اکثروں کا حال یہ ہے کہ دو ماہ میں بھی ایک ختم کرنا دشوار اور بار سمجھتے ہیں۔ بیشتر زائرین کو دیکھا جاتا ہے کہ وہ اجمیر جاتے اور آتے نمازوں کو ترک کرتے رہتے ہیں۔ جب کہ وہ گھروں پر نمازیں پڑھتے ہیں، جبکہ خواجہ کی بارگاہ میں حاضری کے وقت ہمیں کچھ مزید ذکر وفکر اور عبادت میں مشغولیت اختیار کرنی چاہیئے کہ حضرت خواجہ غریب نواز کی روح پرفتوح خوش ہو کر ہماری طرف متوجہ ہو لیکن ہمارا معاملہ الٹا ہوتا ہے کہ فرض نمازوں تک کو گنواتے جاتے ہیں اور یوں ہی واپس آجاتے ہیں۔ ان حضرات پر اور زیادہ افسوس ہوتا ہے جو پرائیویٹ اور ریزرو گاڑیوں سے جاتے ہیں لیکن پھر بھی نمازوں کے لیے رکنے رکانے کی زحمت نہیں کرتے۔



عقیدت مندان خواجہ غریب نواز کو یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ سرکار خواجہ غریب نواز رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہندوستان میں دین پھیلانے کے لیے بھیجا اور الحمد للہ آپ اپنے اس مشن میں خوب خوب کامیاب بھی ہوئے۔ لیکن ہمارا حال یہ ہے کہ خواجہ کا دم تو بھرتے ہیں لیکن دین کی تبلیغ واشاعت کے بارے میں سوچتے بھی نہیں، اور دوسروں میں ہم کیا دین پھیلائیں گے، جب خود اپنے اندر دین برپا کرنے کا کوئی جذبہ نہیں پاتے۔ ورنہ آج بھی اگر کوشش کی جائے تو اسلام پھیلتا بڑھتا نظر آئے گا اور بہتوں کی کوششیں اس راہ میں بارآور بھی ہو رہی ہیں۔ لہٰذا ضرورت ہے کہ آج اپنے کو ہم دین حق کی سچی تعلیمات کے سانچے میں ڈھالیں۔ اپنے اخلاق بلند کریں، اپنے کو سچائی کا خوگر بنائیں، سنت وشریعت پر عمل کا سچا جذبہ اپنے اندر پیدا کریں تو خود ہمارا یہ عمل ہی اسلام کی تبلیغ واشاعت میں بڑا معاون بن جائے گا، جو سرکار غریب نواز کا اصل مشن تھا۔ آج مسلمان جس عقیدت ومحبت کے ساتھ خواجہ کے آستانے پر حاضری دیتے ہیں، اسی طرح ان کے مشن کو آگے بڑھائیں تو واقعی آج پھر سے اسلام کا بول بالا ہو سکتا ہے۔ اور فرقہ پرستی وتعصب اور تنگ نظری کا بھی یہ ایک بہترین علاج ہے مگر شرط یہ ہے کہ دنیا ہمارے اوپر غالب نہ ہو، بلکہ دین کی حکمرانی ہو اور رضائے مولیٰ مقصد زندگانی ہو، مولیٰ ہمیں اپنی رضا سے نوازے۔ اپنی رضا کے کام کی توفیق دے، اپنے محبوب کی اتباع کا سچا جذبہ عطا فرمائے، آمین بجاہ سید المرسلین علیہ وآلہ وصحبہ الصلوٰۃ والتسلیم۔

# حضرت خواجہ غریب نواز رضی اللہ عنہ کا ذوق علم

مولانا محمد حنیف خاں رضوی بریلوی
جامعہ نوریہ رضویہ بریلی شریف

علم دو قسم پر ہے: علم معاملہ، علم مکاشفہ۔ پھر علم معاملہ کی بھی دو قسمیں ہیں:
علم ظاہر: یعنی ظاہری اعضاء کے اعمال کا علم، علم باطن: یعنی قلوب کے اعمال کا علم۔
اسی طرح علم ظاہر و باطن میں سے ہر ایک دو قسموں پر منقسم ہے۔ علم ظاہر کی دو قسمیں ہیں: عبادات، معاملات اور علم باطن جس کا تعلق دل کے احوال اور نفس کی عادتوں سے ہے دو قسموں پر مشتمل ہے: اچھی عادتیں۔ بری عادتیں

لہٰذا علم ان چار قسموں میں محصور ہے اور ان چار قسموں میں سے ہر ایک کی تفصیل کتابوں میں مذکور ہے، جس پر دور صحابہ سے لے کر آج تک بے شمار کتابیں لکھی جا چکی ہیں اور یہ سلسلہ تا قیامت جاری رہے گا۔
مثلاً عبادات میں: نماز، روزہ، زکاۃ، حج وغیرہ کے مسائل کامل تحقیق کے ساتھ کتابوں میں درج ہیں۔

اور معاملات میں: نکاح، طلاق، خرید، فروخت، اجارہ، مضاربت، شرکت،



ہبہ، وقف اور وراثت وغیرہ کے قوانین بھی نہایت شرح وبسط کے ساتھ صفحہ قرطاس پر موجود ہیں۔
اسی طرح نفس کی اچھی عادتوں میں۔ صبر، شکر، خوف خدا، زہد، تقویٰ، توکل، سخاوت، خوش خلقی، حسن معاشرت، صدق، اخلاص، اللہ تعالیٰ سے حسن ظن اور رجا، اس کے احسانات کی معرفت، وغیرہ صفات جمیلہ وخصال حمیدہ، سب کچھ کتابوں میں مرقوم ہیں۔
اور نفس کی بری عادتوں میں، تکبر، ریاکاری، بغض، حسد، بخل، حرص، فخر و مفاخرت، ظلم و جبر، غیبت وچغل خوری، غصّہ، شیخی، دشمنی، لایعنی چیزوں میں اشتغال، لوگوں کی عیب جوئی، وغیرہ عادات رذیلہ کے بیان میں دفتر کے دفتر موجود ہیں۔
ان تمام علوم کو حاصل کرنے کے بعد علم مکاشفہ کا مقام ہے جو درحقیقت مندرجہ بالا تمام علوم کی غایت ونہایت اور ان جملہ علوم کا ثمرہ ونتیجہ ہے، لیکن اس کو حاصل کرنے کا عمومی حکم نہیں۔ لہٰذا اس کو کتابوں میں نہیں لکھا گیا اور نہ عام لوگ اس کے متحمل ہو سکتے تھے۔
حجۃ الاسلام امام غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:
اس کتاب میں صرف علم معاملہ بیان کرنا مقصود ہے علم مکاشفہ نہیں، اس لئے کہ اس علم کو کتابوں میں تحریر کرنے کی اجازت نہیں۔ ہاں یہ بات صحیح ہے کہ صدیقین اور طالبان حق کا مقصد اصلی اور مطمح نظر یہ علم مکاشفہ ہی ہے لیکن انبیائے کرام علیہم الصلوۃ والسلام نے خلق خدا سے علم معاملہ ہی میں گفتگو فرمائی اور اسی کی طرف ہدایت کی، رہا علم مکاشفہ تو ان حضرات نے فقط اشاروں کنایوں میں اجمالاً اور تمثیلاً ہی اس علم کی تعلیم دی، اس لئے کہ یہ حضرات بخوبی جانتے تھے کہ لوگ علم مکاشفہ کا ادراک نہیں کر سکیں گے، اور نہ اس کے متحمل ہو سکیں گے۔ علمائے کرام چونکہ انبیائے کرام کے وارث ہیں، لہٰذا انہیں بھی انبیائے کرام علیہم الصلوۃ والسلام کے طریقے کی پیروی

کرنا ہے اور پوشیدہ ہی رکھنا ہے۔

گویا یہ علم سینوں سے سفینوں کی طرف منتقل نہیں ہوا اور نہ ہی اس کی تعلیم کو عام کیا گیا، بلکہ آج تک سینہ بہ سینہ ہی چلا آ رہا ہے۔

اس علم کی عظمت وفضیلت اور وضاحت کرتے ہوئے امام غزالی فرماتے ہیں:

علم مکاشفہ وہ علم باطن ہے جو تمام علوم کی غایت اور ان کا ثمرہ ہے۔ بعض عارف باللہ فرماتے ہیں: جس کو اس علم سے کوئی حصہ نہیں ملا، اس کے سوء خاتمہ کا اندیشہ ہے، اس علم کا کم سے کم حصہ یہ ہے کہ اس کی صداقت اور حقانیت کا اعتراف کرے اور یہ تسلیم کرے کہ جو حضرات اس کے اہل ہیں، انہیں یہ علم حاصل ہے۔

ایک عارف باللہ فرماتے ہیں: بدمذہب اور متکبر کو اس علم سے کچھ نہیں ملتا۔

بعض حضرات کا قول ہے: جو شخص دنیا سے محبت رکھتا ہو یا خواہش نفس پر اصرار کرتا ہو، اس کو یہ علم حاصل نہ ہوگا، چاہے دوسرے تمام علوم میں اس کو مہارت حاصل ہو جائے، ایسے شخص کی سب سے ہلکی سزا یہ ہے کہ اس علم سے اس کو کچھ میسر نہیں آتا۔

و أرض لـمـن غـاب عـنك غيبتـه
فــذاك ذنــب عــقــابــه فيــه

جو تیرے پاس سے غائب ہو، اس سے راضی رہ کہ غائب رہنا گناہ ہے اور اسی میں تیری سزا ہے۔

یہ علم صدیقین اور مقربین کا علم ہے، یہ علم مکاشفہ ایک نور کا نام ہے۔ جب دل برائیوں سے پاک وصاف ہو جاتا ہے تو یہ ظاہر ہوتا ہے، اس سے آدمی پر ایسی بہت سی باتیں منکشف ہو جاتی ہیں جن کا وہ اس سے پہلے صرف نام ہی سنتا تھا اور اپنی قوت واہمہ سے کچھ مجمل اور غیر واضح معنی وضع کر لیا کرتا تھا، اس نور کی روشنی میں اس کو



اللہ تعالیٰ کی ذات، اس کی صفات کمالیہ اس کے افعال، دنیا و آخرت کی وجہ تخلیق، آخرت کو دنیا پر موقوف کرنے کی حکمت، نبوت و نبی اور وحی کے معنی کی معرفت، ملائکہ اور شیاطین کے معنی، انسان سے شیطان کی دشمنی کی کیفیت، انبیائے کرام کے سامنے فرشتوں کی آمد اور نزول وحی کی کیفیت، آسمانوں اور زمین کے ملکوت کی حالت، دل اور اس میں فرشتوں اور شیاطین کے لشکر کی جنگ کی کیفیت، فرشتوں کے الہام والقا اور شیاطین کے وسوسوں کا فرق، آخرت، جنت، دوزخ، عذاب قبر، پل صراط، میزان، حساب وغیرہ دوسرے بے شمار امور کی صحیح معرفت اسی نور کے ذریعہ حاصل ہوتی ہے۔ اسی نور کے ذریعہ وہ ان آیتوں کا مطلب بھی سمجھ لیتا ہے۔

إقرأ كتابك كفى بنفسك اليوم عليك حسيبا [الإ سراء: ١٤]

اپنا نامہ پڑھ تو خود ہی اپنا حساب کرنے کو بہت ہے۔

وإن الدار الآخرة لَهِيَ الحيوان لو كانوا يعلمون [العنكبوت: ٦٤]

اور بیشک آخرت کا گھر ضرور وہی سچی زندگی ہے۔ کیا اچھا تھا اگر جانتے اللہ تعالیٰ کی لقا، اس کی ذات کریم کے دیدار کا معنی، اس کا قرب وجوار، ملأ اعلیٰ، ملائکہ وانبیائے کرام کے قرب کا مطلب اسی نور سے حاصل ہوتا ہے۔

اسی طرح جنت میں رہنے والوں کے درجات میں اس قدر فرق ہوگا کہ ایک دوسرے کو اس طرح دیکھیں گے جیسے ہم آسمان میں چمکتے ہوئے ستارے دیکھتے ہیں، اس کا کیا مطلب ہے، ان تمام سوالوں کا جواب اسی نور کی روشنی میں حاصل ہوگا۔ [احیاء علوم الدین-۱/۲۵۳-۲۵۶]

مزید فرماتے ہیں: علم مکاشفہ سے ہماری مراد یہ ہے کہ جس کی مدد سے یہ تمام امور منکشف ہو جائیں اور حق واضح ہو جائے، اتنا واضح کہ شک وشبہ کی کوئی گنجائش ہی باقی نہ رہے، انسان کے جوہر میں ایسا ہونا اسی وقت ممکن ہے جب اس کے آئینہ دل پر دنیاوی آلائشوں کے زنگ اور میل کی تہیں نہ جمی ہوں۔

علم آخرت سے ہم نے یہی مراد لیا ہے کہ جس کے ذریعہ یہ معلوم ہو کہ آئینہ دل سے ان آلائشوں کا زنگ کس طرح دور کیا جاتا ہے، جو اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات اور اس کے افعال کی راہ میں رکاوٹ ہیں، دل کا آئینہ اسی وقت صاف و شفاف ہوسکتا ہے جب انسان شہوتوں سے باز رہے اور ہر معاملے میں انبیائے کرام علیہم الصلوۃ والسلام کی اتباع کرے، اس تدبیر سے جس قدر اس کا دل روشن اور صاف ہوتا جائے گا، اسی اعتبار سے امر حق اس پر واضح ہوتا جائے گا اور حقائق روشن ہوتے جائیں گے، مگر اس قلبی صفائی کے لئے ریاضت ومجاہدات اور مرشد برحق کی تعلیم ضروری ہے۔

یہ وہ علم ہے جو کتابوں میں نہیں لکھا جاتا، (اس لیے کہ یہ ذوقی وکشفی علوم سے ہے کہ اس کا ادراک مشاہدہ سے ہوتا ہے، دلیل وبرھان سے نہیں) جس شخص کو اللہ تعالیٰ اس علم کا کچھ حصہ عطا فرماتا ہے، وہ اس کا عام طور پر ذکر نہیں کرتا۔ صرف ان کو بتاتا ہے جو اس کے اہل ہوں، وہ اس کے شریک راز ہوتے ہیں، یہ وہی علم باطن ہے جو حضور نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کے اس ارشاد گرامی کی مراد ہے:

بعض علوم درمکنون کی طرح ہیں۔ ان کو وہی لوگ جانتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی معرفت رکھتے ہیں، جب جاننے والے اس علم کا اظہار کرتے ہیں تو اس علم سے وہی ناواقف رہتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی جناب میں کسی مغالطہ میں مبتلا ہیں، جس عالم کو اللہ تعالیٰ نے یہ علم دیا ہو، اس کو حقیر مت جانو کہ اللہ تعالیٰ نے بھی اس کو حقیر نہیں جانا، اس لیے یہ علم عطا فرمایا۔ [ایضاً-۱/۲۵۹-۲۶۰]

نیز تحریر فرماتے ہیں: علمائے ظاہر میں اہل ورع وتقویٰ، علمائے باطن اور ارباب قلوب کے فضائل کا اعتراف کرتے تھے۔ امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ باآں جلالت علم حضرت شیبان راعی قدس سرہ کی خدمت میں بیٹھتے جس طرح بچہ مکتب میں استاذ کی خدمت میں بیٹھتا ہے اور ان سے پوچھتے تھے کہ ہم فلاں فلاں معاملہ میں کیا



کریں، لوگ امام شافعی سے کہتے کہ آپ جیسا امام ان جنگل میں رہنے والوں سے اس طرح پوچھتا ہے، اس پر آپ فرماتے: سنو! جو اس نے سیکھا ہے، تم لوگوں نے نہیں سیکھا۔

امام احمد بن حنبل اور امام یحیٰی بن معین جیسے ائمہ وقت عارف باللہ حضرت معروف کرخی کی بارگاہ میں حاضری دیا کرتے تھے اور پوچھتے تھے ہم کیا کریں اور کیسے کریں، حالانکہ علم ظاہر میں وہ ان دونوں حضرات کے مقابل نہایت غیر معروف تھے کہ انہوں نے زہد کی زندگی اختیار کر لی تھی۔

امام عزبن عبدالسلام فرماتے تھے: اصول دین اور مسائل شریعت کے سوا بھی کوئی اور طریقہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی رضا کا موجب ہو، اور صوفیا کے علوم کو شریعت میں اضافہ قرار دیتے، لیکن جب عارف باللہ امام شیخ ابوالحسن شاذلی قدس سرہ کی خدمت میں آئے تو پھر اس علم کے گرویدہ ہوگئے۔

امام حرمین بھی صوفیا کی تعلیمات کے منکر تھے لیکن بعد میں ان کے معتقد ہوگئے، امام ابن سریج تو حضرت شیخ شبلی اور حضرت جنید بغدادی کی خدمت میں آتے جاتے اور فرماتے تھے، ہم نے ان صوفیا سے ان علوم میں استفادہ کیا جن کو ان کے غیر کے پاس نہیں پایا۔

صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا: یا رسول اللہ! اگر کوئی ایسا معاملہ پیش آئے جس کا حل کتاب وسنت میں نہ ہوتو ہم کیا کریں، آپ نے فرمایا: صالحین سے معلوم کرو اور اس معاملہ کو ان کے مشورہ پر موقوف کردو، اسی لئے کہا گیا ہے کہ علمائے ظاہر زمین اور ملک کی زینت ہیں اور علمائے باطن آسمان وملکوت کی۔

سیدالطائفہ حضرت جنید بغدادی فرماتے ہیں: کہ مجھ سے ایک روز میرے مرشد برحق حضرت سری سقطی قدس سرہ نے فرمایا: میرے پاس سے جا کر تم کس کی

مجلس میں بیٹھتے ہو، میں نے عرض کیا، شیخ محاسبی کے پاس، فرمایا، بہت خوب۔ ان کا علم وادب حاصل کرنا، علم کلام اور متکلمین کا جو رد وہ کرتے ہیں اسے مت سیکھنا، جب میں واپس جانے لگا تو فرمایا: اللہ تعالیٰ تجھے صاحب حدیث صوفی بنائے، صوفی صاحب حدیث نہ بنائے۔

اس دعا میں اس حقیقت کی طرف اشارہ مقصود ہے کہ جو شخص علم حاصل کرکے صوفی بنتا ہے، وہ فلاح پاتا ہے اور جو علم سے پہلے صوفی بنتا ہے، اپنے آپ کو خطرہ میں ڈالتا ہے (یعنی ایسا خطرہ و ہلاکت کہ پھر فلاح پاتا ہی نہیں) [ایضاً - ۱/ ۲۶۶-۲۷۲]

اتحاف السادۃ المتقین میں ہے:

قوت القلوب میں حضرت شیخ سری سقطی قدس سرہ کے اس قول کے بعد وضاحت اس طرح ہے: یعنی پہلے علم حدیث وآثار صحابہ اور اصول وسنن کی معرفت حاصل کرنا پھر زہد وعبادت میں مشغول ہونا، اس طرح تم صوفیائے کرام کے علوم اور اعلیٰ مقام حاصل کروگے اور عارف صوفی ہوجاؤ گے، اور اگر عبادت وتقویٰ سے ابتدا کی اور علم حال میں مشغولیت کے سبب علم کتاب وسنن سے دور رہا تو یا تو من گھڑت چیزوں میں مبتلا رہے گا یا سراسر غلطی کی راہ پر گامزن رہے گا، کیونکہ اصول دین وسنن رسول سے آگاہ نہیں۔ لہٰذا اپنے حالات سدھارنے کے لیے پہلے علم ظاہر اور کتب حدیث کی طرف رجوع کرو، اس لیے کہ یہ اصل ہیں۔ اسی لیے کہا جاتا ہے کہ اصول دین کو پس پشت ڈال کر حق تک رسائی ہو ہی نہیں سکتی۔

رسالہ قشیریہ میں ہے: شیخ سری سقطی نے فرمایا: صوفی کی تین علامتیں ہیں:

اس کی معرفت اس کے ورع وتقویٰ کی حفاظت کرے۔ کسی ایسے باطنی علم کا دعویٰ نہ کرے جو ظاہر کتاب وسنت کے مناقض ہو۔ اس سے صادر ہونے والی کرامتیں محارم خدا کی حدود کو نہ توڑیں۔



شیخ جنید بغدادی فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کے سوا مخلوق کے لیے اور کوئی راہ ہدایت نہیں۔ نیز فرمایا: جس نے قرآنی علوم کو محفوظ نہ کیا اور علم حدیث کی معرفت نہ پائی وہ ہدایت پر نہیں، اس لیے کہ ہمارا علم کتاب وسنت کی روشنی میں ہے اور بس، ہمارا مذہب اصول دین اور کتاب وسنت ہیں۔

ان تمام اقوال سے ظاہر ہوا کہ علم ظاہر، یا علم معاملہ یا یوں کہیے کہ قرآن وحدیث کا علم تصوف کے علم پر مقدم ہے۔ اسی لیے بعض ائمہ نے فرمایا:

جس نے فقہ حاصل کیا لیکن تصوف سے تہی دامن رہا وہ فاسق ہے، اور جس نے تصوف حاصل کرنے کا دعویٰ کیا لیکن فقہ کے قریب نہ گیا وہ زندیق اور بے دین ہے، اور جس نے دونوں علم حاصل کئے وہ راہ ہدایت وحقیقت پر گامزن رہا۔

[اتحاف السادۃ المتقین للزبیدی - ۱/ ۲۷۲]

مجدد اعظم اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ فرماتے ہیں:

شریعت اصل ہے اور طریقت اس کی فرع، شریعت منبع ہے اور طریقت اس سے نکلا ہوا دریا، طریقت کی جدائی شریعت سے محال ودشوار ہے، شریعت ہی طریقت کا دارومدار ہے، شریعت ہی اصل کار اور محک ومعیار ہے، شریعت ہی وہ راہ ہے جس سے وصول الی اللہ ہے۔ اس کے سوا آدمی جو راہ چلے گا اللہ تعالیٰ کی راہ سے دور پڑے گا، طریقت اس راہ کا روشن ٹکڑا ہے۔ اس کا اس سے جدا ہونا محال وناسزاوار ہے، طریقت میں جو کچھ منکشف ہوتا ہے شریعت مطہرہ ہی کے اتباع کا صدقہ ہے، جس حقیقت کو شریعت رد فرمائے، وہ حقیقت نہیں بے دینی وزندقہ ہے۔ (مقال العرفا ص ۲۶)

نیز فرمایا: اگر تم کسی شخص کو دیکھو ایسی کرامت دیا گیا کہ ہوا پر چار زانو بیٹھ سکے تو اس سے فریب نہ کھانا، جب تک یہ نہ دیکھو کہ فرض، واجب، مکروہ، حرام، محافظت حدود اور آداب شریعت میں اس کا حال کیسا ہے۔ (ایضاً ص ۲۶)

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ علم معاملہ پہلے ہے اور علم مکاشفہ بعد میں، یعنی بغیر علم معاملہ علم مکاشفہ حاصل نہیں ہوتا، اور علم مکاشفہ کے بغیر علم معاملہ کی تکمیل نہیں ہوتی۔

اس لیے علم باطن کے حاملین علم ظاہر کے منازل طے کر کے ہی اس مقام پر پہونچے۔ لہٰذا انہوں نے پہلے قرآن وحدیث اور فقہ وفتاویٰ وغیرہ علوم اصلیہ وآلیہ کو حاصل کیا پھر مرشد برحق کے دست حق پرست پر بیعت کرنے کے بعد ان کی تعلیمات کے مطابق عمل کیا اور انہوں نے مجاہدات وریاضات کے ذریعہ ان طالبان حق کو علم مکاشفہ کا حامل بنا دیا۔ لہٰذا یہ طالبان حق دونوں علوم کے جامع ہوتے تھے اور ان کا مذاق علمی دونوں طرح کے علوم سے وابستہ رہا۔

اس تناظر میں خواجۂ خواجگاں سلطان الہند خواجہ غریب نواز حضرت سید معین الدین چشتی سنجری اجمیری قدس سرہ العزیز کا علمی ذوق ملاحظہ کریں تو پوری زندگی ذوق علم کا مظہر نظر آتی ہے۔ آپ نے علوم ظاہری کی تحصیل ایام طفولیت ہی سے شروع فرمائی، قرآن کریم ناظرہ پڑھنے کے بعد حفظ قرآن کی تکمیل نو برس کی عمر میں فرمائی، پھر علوم دینیہ اپنے والد ماجد حضرت خواجہ سید غیاث الدین حسن قدس سرہ سے حاصل کیے جو اپنے علاقے کے صاحب ثروت اور بااثر بزرگ تھے۔ زہد وورع میں ممتاز اور علم ظاہر وباطن سے آراستہ تھے، پھر خراسان ہی کے مدرسہ میں داخل ہوئے جو آپ کا وطن تھا اور پندرہ سال کی عمر تک تفسیر وحدیث اور فقہ کی تعلیم میں مشغول رہے اور قلیل مدت میں کثیر علم حاصل کیا۔

پندرہ سال کی عمر شریف میں والد بزرگوار کا سایہ سر سے اٹھ گیا تو یہ سلسلہ موقوف ہو گیا، اور آپ والد کے ترکہ سے ملے ہوئے باغ اور پن چکی کی نگہداشت میں مصروف ہو گئے لیکن اللہ تعالیٰ کو کچھ اور ہی منظور تھا۔

واقعہ یوں ہے کہ ایک دن آپ اپنے باغ کو پانی دے رہے تھے کہ ایک



بزرگ حضرت ابراہیم قندوزی قدس سرہ جنہوں نے مراحل عرفانی اس قدر طے کر لئے تھے کہ جوش وحدت اور عشق حقیقی نے ان پر جذب اور خود فراموشی کا عالم طاری کر رکھا تھا، اشارہ غیبی سے باغ میں تشریف لائے، جب حضرت خواجہ کی نظر ان صاحب باطن مجذوب پر پڑی تو ادب واحترام کے ساتھ ان کے پاس گئے اور ایک سایہ دار درخت کے پاس بٹھا دیا اور تازہ انگور کا ایک خوشہ سامنے لا کر رکھ دیا، خود دوزانو ہو کر بیٹھ گئے۔ حضرت مجذوب نے انگور تناول فرمائے اور خوش ہو کر بغل سے کھلی کا ایک ٹکڑا نکال کر اپنے منہ میں ڈالا اور دندان مبارک سے چبا کر حضرت خواجہ کے منہ میں ڈال دیا، اس طرح جو پائے حقیقت کو ذوق حقیقت کی لذت سے آشنا کر دیا، کھلی کا حلق سے اترنا تھا کہ قلب وروح میں انوار الٰہی ہویدا ہو گئے، شبہات کے پردے نگاہوں سے اٹھنے لگے، دل کی دنیا میں انقلاب برپا ہو گیا، دنیا سے نفرت پیدا ہو گئی، رشتہ ومحبت کے سارے علائق توڑ دیے، باغ اور پن چکی اور ساز وسامان بیچ ڈالا، ساری قیمت فقراء ومساکین میں تقسیم کر دی اور طالب حق بن کر میدان جستجو میں اتر پڑے، وطن چھوڑ دیا اور سیر وسیاحت شروع کر دی۔

سالکان طریقت کا یہ دستور رہا ہے کہ وہ منزل معرفت تک پہونچنے کے لیے سب سے پہلے علوم ظاہری کا زینہ طے کرتے ہیں پھر عمل کی دشوار گزار منزلوں سے آگے بڑھ کر علوم باطن کی تحصیل کرتے ہیں۔ حضرت خواجہ غریب نواز نے چونکہ تعلیم موقوف کر دی تھی، لہٰذا اس کی تکمیل کے لیے وطن سے نکل کر سمرقند وبخارا کا رخ کیا، جہاں عظیم الشان علمی درسگاہیں قائم تھیں اور ہزاروں تشنگان علوم وفنون جوق در جوق اقطاع عالم سے کھنچ کھنچ کر آتے تھے، آپ پورے انہماک کے ساتھ طلب علم میں مصروف ہو گئے۔ تفسیر وحدیث اور فقہ وکلام کا درس لیا اور کامل دستگاہ حاصل کر لی، آپ کے اساتذہ میں مولانا حسام الدین بخاری اور حضرت مولانا شرف الدین صاحب ''شرع الاسلام'' کے نام خاص طور پر لیے جاتے ہیں۔ (سلطان الہند خواجہ

غریب نواز،ص۸۱تا۸۲۔ڈاکٹر مولانا محمد عاصم اعظمی )

اس واقعہ سے بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ علمی ذوق آپ کے سینے میں کس قدر جاگزیں تھا، اس طرح آپ بتیس (۳۲) سال کی عمر مبارک تک حصول علم میں مشغول رہے۔ جب علم ظاہر کے مراحل طے ہو چکے تو آپ کو روحانی علوم کی جستجو ہوئی اور حجاز مقدس وعراق جہاں صلحا اور صوفیہ کی مقتدر ہستیاں بادۂ توحید کے متوالوں کو سرشار کر رہی تھیں، آپ نے وہاں کی سیاحت فرمائی، اس طرح سفر کرتے ہوئے مرشد کی تلاش میں بغداد حاضری دی جہاں ہادی طریق ولایت، واقف رموز ہدایت، مقتدائے مسالک اسلام، مورد فیض ومہبط الہام، شہریار ممالک عرفان، مظہر جود ومنبع احسان، حضرت خواجہ عثمان ہارونی قدس سرہ النورانی کے میخانۂ معرفت میں داخل ہوئے۔ چونکہ علم معاملہ کے منازل طے کر کے آئے تھے، لہٰذا بیعت کے بعد مرشد برحق نے علم مکاشفہ کے منازل طے کرادیے اور آپ دونوں علوم کے مظہراتم ہو گئے۔ آپ نے اپنی بیعت اور علم مکاشفہ کی تکمیل کا واقعہ خود ہی ''انیس الارواح'' میں یوں تحریر فرمایا:

مسلمانوں کے دعاگو فقیر حقیر کم ترین بندگان معین حسن سنجری کو شہر بغداد میں خواجہ جنید بغدادی کی مسجد میں حضرت خواجہ عثمان ہارونی کی قدم بوسی کی دولت نصیب ہوئی، اس وقت معزز مشائخ بھی خدمت میں حاضر تھے، میں نے آپ کی خدمت میں سر زمین پر رکھا تو آپ نے فرمایا: دوگانہ ادا کر، میں نے ادا کیا، پھر فرمایا: قبلہ کی طرف منہ کر کے بیٹھ، میں بیٹھ گیا، سورۂ بقرہ پڑھ کر فارغ ہوا تو فرمایا: اکیس (۲۱) دفعہ کلمۂ سبحان پڑھ، میں پڑھا، بعد میں کھڑے ہو کر منہ آسمان کی طرف کیا اور میرا ہاتھ پکڑ کر فرمایا کہ میں نے تجھے خدا تک پہنچادیا، اس کے بعد ایک قینچی لے کر میرے سر پر چلائی اور چار ترکی ٹوپی اس فقیر کے سر پر رکھی اور خاص گدڑی عنایت فرمائی، پھر فرمایا: بیٹھ جا، میں بیٹھ گیا، فرمایا کہ ہمارے خانوادے میں آٹھ پہر کا مجاہدہ ہوتا ہے، لہٰذا آج کی



رات اور دن مجاہدے میں مشغول رہو، آپ کے ارشاد کے موافق میں نے ایک دن رات مجاہدے میں گزارا، جب دوسرے دن خدمت میں حاضر ہوا تو فرمایا ایک ہزار مرتبہ سورۂ اخلاص پڑھ، میں نے پڑھی، فرمایا: اوپر کی طرف دیکھ، میں نے آسمان کی طرف نگاہ اٹھائی تو فرمایا: تجھے کیا دکھائی دیتا ہے، میں نے عرض کیا کہ عرش عظیم تک دیکھتا ہوں، فرمایا زمین کی طرف دیکھ، میں نے زمین کی طرف دیکھا تو فرمایا: کہاں تک تجھے دکھائی دیتا ہے، میں نے عرض کیا تحت الثریٰ تک، حکم ہوا پھر ہزار بار سورۂ اخلاص پڑھ اور جب اس حکم کی بھی تعمیل کر چکا تو فرمایا: آسمان کی طرف دیکھ اور بتا کہاں تک دیکھتا ہے، میں نے عرض کیا: حجاب عظمت تک، اب فرمایا آنکھیں بند کر، میں نے بند کر لیں اور ارشاد فرمایا اب کھول دے، میں نے کھول دیں، پھر آپ نے دونوں انگلیاں میری نظر کے سامنے کر دیں اور پوچھا کیا دیکھتا ہے، عرض کیا اٹھارہ ہزار عالم دیکھ رہا ہوں، جب میری زبان سے یہ کلمہ سنا تو ارشاد فرمایا: بس تیرا کام پورا ہو گیا، پھر ایک اینٹ کی طرف دیکھ کر فرمایا: اسے اٹھا، میں نے اٹھایا تو اس کے نیچے سے کچھ دینار نکلے، فرمایا: انہیں لے جا کر درویشوں میں خیرات کر، چنانچہ میں نے ایسا ہی کیا، پھر ارشاد فرمایا: چند روز تو ہماری خدمت میں رہ، میں نے عرض کیا: حاضر ہوں، پھر آپ نے خانۂ کعبہ کی طرف سفر اختیار فرمایا، راستہ میں ہم نے ایک شہر میں قیام کیا تو وہاں مقربان خدا ان کی ایک جماعت دیکھی جن کو اپنے آپ کا ہوش نہ تھا، چند روز انہیں کے پاس رہے پھر خانۂ کعبہ کی زیارت کی، اس جگہ بھی خواجہ صاحب نے میرا ہاتھ پکڑ کر مجھے خدا کے سپرد کیا اور خانۂ کعبہ کے پرنالہ کے نیچے میرے لیے مناجات کی تو آواز آئی کہ ہم نے معین الدین کو قبول کیا، جب وہاں سے لوٹ کر ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کے لیے آئے تو فرمایا: سلام کر، میں نے سلام کیا تو آواز آئی کہ وعلیکم السلام اے سمندروں اور جنگل کے مشائخ کے قطب، جب یہ آواز آئی تو خواجہ صاحب نے فرمایا: تیرا کام مکمل ہو گیا۔ (انیس الارواح: ص

۱-۳)

پھر آپ کا مشغلہ مرشد کی خدمت تھا، جہاں مرشد جاتے سایہ کی طرح ساتھ رہتے تھے۔ آپ کا بستر مبارک، توشہ دان اور ضروری چیزیں اپنے سر پر اٹھاتے، اس طرح دس سال کا زمانہ گذرا۔ صلحا، اولیا، اور خاصان خدا کی صحبت اور ان سے ملاقات کا شرف حاصل رہا۔

خود تحریر فرماتے ہیں: اس طرح دس سال تک میں خواجہ صاحب کی خدمت میں سفر کرتا رہا، اس کے بعد بغداد شریف تشریف لائے اور گوشہ نشین ہو گئے، مجھے حکم ہوا کہ چاشت کے وقت آیا کرو تا کہ میں تمہیں فقر کی تعلیم دوں جو میرے بعد میرے مریدوں اور فرزندوں کے لیے یادگار رہے، میں حکم کے مطابق ہر روز حاضر ہوتا اور جو کچھ آپ کی زبان مبارک سے سنتا اس کو لکھ لیتا، یہ سلسلہ اٹھائیس (۲۸) مجلسوں تک چلتا رہا۔ (انیس الارواح: ص ۳)

انیس الارواح میں ان اٹھائیس مجلسوں کی تفصیل آپ کے مبارک قلم سے موجود ہے جو آپ کے علمی ذوق کی آئینہ دار ہے، آپ نے اپنے مرشد کا یہ علمی خزانہ اہل اسلام کو عطا فرمایا جو آج بھی تشنگان علم ظاہر و باطن کے لیے سیرابی کا سامان فراہم کر رہا ہے، شائقین آج بھی اس کے مطالعہ سے شاد کام ہو سکتے ہیں، مجموعہ ملفوظات احادیث رسول کا ذخیرہ اور بزرگوں کی تعلیمات کا خزانہ ہے۔

آپ کے علمی ذوق کی منہ بولتی تصویر اور آپ کی تعلیمات کے عکاس آپ کے وہ ملفوظات بھی ہیں جو ''دلیل العارفین'' کے نام سے آپ کے خلیفۂ خاص حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی قدس سرہ نے مرتب فرمایا ہے، اس میں گیارہ مجلسوں کا ذکر ہے اور خواجہ غریب نواز قدس سرہ کی یہ گیارہ مجلسیں علم وعرفان اور پند وموعظت کا شاہکار ہیں۔



ان تمام واقعات وشواہد کی روشنی میں یہ بات بالکل واضح ہے کہ آپ جہاں علم مکاشفہ کی دولت سے مالا مال تھے وہیں علم معاملہ سے بھی آپ کو شغف تھا، آپ کے ملفوظات اس پر شاہد عدل ہیں۔

غرض کہ آپ کی ذات ستودہ صفات علم وعرفان، کرم و احسان، فضل وکمال، اور جود ونوال سے عبارت تھی، آپ نے علم ومعرفت کی وہ شمعیں روشن فرمائیں جن سے ایک عالم فیضیاب ہوا اور خاص طور پر اہل ہند مستنیر ہوئے اور ہوتے رہیں گے۔

# حضرت خواجہ غریب نواز ؓ کا فقہی مذہب

مفتی محمد نظام الدین رضوی
پرنسپل، جامعہ اشرفیہ مبارک پور

کثیر اولیائے کرام علیہم الرحمۃ والرضوان نے فقہی مسائل میں سراج الأمّہ امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مذہب کی تقلید کی ہے، جیسے:

۱- حضرت سیّدی ابراہیم بن ادہم بن منصور بلخی رحمہ اللہ تعالیٰ مرید حضرت سیدنا خضر علیہ الصلاۃ والسلام۔

۲- حضرت سیّدی شقیق بلخی بن ابراہیم تلمیذ حضرت قاضی امام ابو یوسف وحضرت ابراہیم بن ادہم رحمہم اللہ تعالیٰ۔ (وصال ۱۹۴ھ)

۳- حضرت سیّدی معروف کرخی بن فیروز، استاذ سیدی سری سقطی رحمہما اللہ تعالیٰ۔ (وصال ۲۰۰ھ)

۴- حضرت سیّدی ابو یزید بسطامی شیخ المشائخ (اصل نام طیفور بن عیسیٰ) رحمہ اللہ تعالیٰ۔ (وصال ۱۶۱ھ)

۵- حضرت سیّدی فضیل بن عیاض خراسانی رحمہ اللہ تعالیٰ۔ (وصال ۱۸۷ھ)

۶- حضرت سیّدی داؤد طائی بن نصر بن نصیر بن سلیمان کرخی رحمہ اللہ تعالیٰ۔ (وصال ۱۶۰ھ)

۷- حضرت سیّدی ابو حامد لفاف احمد بن خضرویہ بلخی رحمہ اللہ تعالیٰ۔ (وصال ۲۴۰ھ)



۸- حضرت سیّدی خلف بن ایوب رحمہ اللہ تعالیٰ تلمیذ حضرت امام ابو یوسف وحضرت سیدی ابراہیم بن ادہم رحمہما اللہ تعالیٰ۔ (وصال ۲۱۵ھ)

۹- حضرت سیّدی عبداللہ بن مبارک تلمیذ امام اعظم واستاذ امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ تعالیٰ۔ (وصال ۱۸۱ھ)

۱۰- حضرت سیّدی وکیع بن جراح بن ملیح کوفی رحمہ اللہ تعالیٰ۔ (وصال ۱۹۸ھ)

۱۱- حضرت سیّدی ابوبکر وراق محمد بن عمرو ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ۔

۱۲- حضرت سیّدی حاتم اصم تلمیذ حضرت سیدی شقیق بلخی رحمہما اللہ تعالیٰ۔

۱۳- حضرت سیّدی قطب الوجود، ختم دائرۃ الولایۃ محمد شاذلی بکری رحمہ اللہ تعالیٰ۔ (وصال ۸۴۷ھ)

۱۴- حضرت سیّدی علی ہجویری داتا گنج بخش لاہور، رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ۔ (وصال ۴۶۵ھ)

۱۵- حضرت سیّدی خواجہ عثمان ہارونی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ۔ (وصال ۶۱۷ھ)

۱۶- حضرت سیّدی معین الملۃ والدین خواجہ حسن سجزی غریب نواز رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ۔ (وصال ۶۳۳ھ)

۱۷- حضرت سیّدی بشر حافی رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

۱۸- حضرت سیّدی خواجہ نظام الدین دہلوی۔ سلطان الاولیا، محبوب الٰہی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ۔ (وصال ۷۲۵ھ)

۱۹- حضرت سیّدی شیخ عبدالحق محدث دہلوی محقق علی الاطلاق۔ (وصال ۱۰۵۲ھ)

۲۰- اکثر اولیائے چشت اہل بہشت اور دوسرے بے شمار اولیائے کرام علیہم الرحمۃ والرضوان۔

مشہور حنفی فقیہ علامہ علاء الدین حصکفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ شروع کے گیارہ اولیاء اللہ کو امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مقلدین میں شمار کرکے فرماتے ہیں:

وغیر ھم ممن لا یحصیٰ لبعدہ ان یستقصیٰ

اوران کے سوا بے شمار اولیائے کرام جن کا احاطہ دشوار ہے۔(درمختار)

کشف المحجوب میں ہے:

’’آپ (امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ) بکثرت مشائخ متقدمین کے استاذ ہیں۔ چنانچہ حضرت ابراہیم بن ادہم، فضیل بن عیاض، داؤد طائی اور حضرت بشر حافی وغیرہ رحمہم اللہ تعالیٰ نے آپ سے اکتساب فیض کیا ہے۔‘‘

مشائخ چشت اہل بہشت رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی سوانح حیات کے مطالعہ سے محسوس ہوتا ہے کہ یہ حضرات زیادہ تر امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مذہب سے ہی وابستہ رہے۔لیکن ہمارا روئے سخن اس وقت حضرت سیدی خواجہ غریب نواز علیہ الرحمہ کی طرف ہے، اس لیے ہم صرف آپ کے اور آپ کے شیخ حضرت سیدی خواجہ عثمان ہارونی رحمۃ اللہ علیہما کے حنفی ہونے کے تعلق سے کچھ شواہد کتاب ہشت بہشت سے پیش کرتے ہیں۔

## حضرت خواجہ غریب نواز علیہ الرحمہ حنفی تھے:

حضرت خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی حنفیت کا ثبوت یہ ہے کہ آپ حضرت سیدی امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول حجت کے مقام میں پیش کرتے ہیں اور فقہ حنفی کے مسائل، مستدل احادیث، فقہائے حنفیہ اوران کی کتب معتمدہ سے استناد فرماتے ہیں۔اس کے چند شواہد یہ ہیں:

۱- کتاب ’’دلیل العارفین‘‘ حضرت سیدی خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے ملفوظات طیبات کا گراں قدر مجموعہ ہے۔کتاب گومختصر اور صرف ۵۷ صفحات پر مشتمل ہے مگر علوم ومعارف کا گنجینہ ہے، اس کتاب میں آپ کا ایک ارشاد یہ منقول ہے:

’’بعد ازاں فرمایا کہ میں نے فقہ الاکبر میں لکھا دیکھا کہ‘‘:



امام المتقین ابوحنیفہ کوفی روایت فرماتے ہیں کہ ایک کفن چور چالیس سال تک کفن چراتا رہا۔آخر جب مرا تو اسے خواب میں دیکھا کہ بہشت میں ٹہل رہا ہے، اس کا سبب پوچھا تو بولا کہ مجھ میں ایک چیز تھی، وہ یہ ہے کہ جب میں صبح کی نماز ادا کرتا تھا تو سورج نکلنے تک یاد الٰہی میں مشغول رہ کر پھر اشراق کی نماز ادا کرتا، حق تعالیٰ چوں کہ اندک پذیر اور بسیار بخش ہے۔اس نے اس کی برکت سے مجھے بخش دیا، میرے افعال کو درگزر کر کے مجھے اس درجہ پر پہنچا دیا‘‘۔(دلیل العارفین ص۵ مشمولہ ہشت بہشت)

فقہ اکبر یہ سراج الامہ، کاشف الغمہ امام اعظم ابوحنیفہ نعمان بن ثابت کوفی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تصنیف ہے جو علم العقاید کی اساسی کتاب ہے۔حضرت علامہ علی قاری علیہ رحمۃ الباری شرح فقہ اکبر کے آغاز میں تحریر فرماتے ہیں:

قا ل الامام الاعظم والھمام الافخم الاقدم، قدوۃ الانام ابو حنیفۃ الکوفی رحمہ اللہ تعالیٰ فی کتابہ المسمّیٰ بالفقہ الاکبر: اصل التوحید ای ھذا الکتاب اساس معرفۃ توحید الحق۔

امام اعظم وہمام افخم واقدم، قدوۃ الانام ابوحنیفہ کوفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنی کتاب ’’فقہ اکبر‘‘ میں فرماتے ہیں کہ یہ کتاب معرفتِ توحید حق کی اساس ہے۔(شرح فقہ اکبر ص۹)

۲،۳- دلیل العارفین میں ہے:

بعد ازاں فرمایا کہ میں نے فقہ ہدایہ میں شیخ الاسلام خواجہ عثمان ہارونی کے ہاتھ کی لکھی ہوئی یہ حدیث دیکھی ہے۔حدیث شریف: اسفروا بالفجر فانہ اعظم للاجر۔یعنی صبح کی نماز سفیدی میں ادا کروتا کہ ثواب زیادہ ہو۔

ظہر کی نماز میں سنت طریقہ یہ ہے کہ اس قدر تاخیر کی جائے کہ ہوا سرد ہوجائے، اور جاڑے میں جب سایہ ڈھلے تو ادا کی جائے، چنانچہ حدیث شریف میں

آیا ہے: ابردوا بالظهر فان شدة الحر من فیح جهنم یعنی گرمی میں ظہر کی نماز ٹھنڈے وقت میں ادا کرو۔ (دلیل العارفین مترجم ص ۱۱)

ہدایہ فقہ حنفی کی بہت ہی عظیم الشان اور مشہور کتاب ہے، جس میں مذہب کے مسائل صحیحہ، رجیحہ، معتمدہ، مفتی بہا دلائل کتاب وسنت کے ساتھ بیان کیے گئے ہیں ،ساتھ ہی عقلی دلائل کے ذریعہ انہیں ذہن انسانی سے قریب سے قریب تر کیا گیا ہے، راقم الحروف نے فقہ، ہدایہ ہی سے سیکھی ہے۔ یہ کتاب چھٹی صدی ہجری کے نصف آخر میں تصنیف کی گئی اور منظر عام پر آنے کے بعد اس قدر مقبول ہوئی کہ اس وقت سے آج تک نصاب تعلیم میں شامل ہے، حالاتِ زمانہ بدلتے رہے مگر یہ کتاب نہ بدلی، کیوں کہ اس معیار کی کتاب اب تک منظر عام پر نہ آسکی۔ اس کے مصنف ہیں شیخ الاسلام، برہان الدین، ابوالحسن علی بن ابورشدانی مرغینانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ۔ آپ ۸؍رجب ۵۱۱ھ کو پیدا ہوئے اور ۱۴؍ذی الحجہ ۵۹۳ھ یا ۵۹۶ھ میں اس جہان فانی کو خیر آباد کہا۔

حضرت خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے درج بالا ارشاد میں فقہ حنفی کے دو مسائل بیان فرمائے ہیں۔

ایک یہ کہ نماز فجر میں اسفار مستحب ہے یعنی جب رات کی تاریکی دور ہو جائے اور اجالا پھیل جائے۔

دوسرا مسئلہ یہ کہ سردی کے موسم میں ظہر کی نماز میں تعجیل اور گرمی کے موسم میں تاخیر مستحب ہے۔ ہدایہ میں دونوں مسائل کا بیان ان الفاظ میں ہے:

ویستحب الإسفار بالفجر لقوله علیه الصلاة والسلام: أسفروا بالفجر فانه أعظم للاجر۔ وقال الشافعی: یستحب التعجیل فی کل صلاة، والحجة علیه مارویناه وما نرویه۔

والإبراد بالظهر فی الصیف وتقدیمه فی الشتاء لما رویناه



ولرواية انس رضی الله تعالیٰ عنه قال: کان رسول الله علیه وسلم اذا کان فی الشتاء بکر بالظهر، واذا کان فی الصیف أبرد بها۔

فجر کی نماز روشن کر کے پڑھنا مستحب ہے کیوں کہ نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام کا ارشاد ہے کہ: ''فجر کی نماز روشن کر کے پڑھو کہ اس میں ثواب زیادہ ہے۔''

اور امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ ہر نماز کو اول وقت میں پڑھنا مستحب ہے اور ان پر حجت ہماری روایت کردہ حدیث ہے اور ساتھ ہی وہ حدیث بھی جو آرہی ہے۔

اور ظہر کی نماز گرمی کے موسم میں ٹھنڈی کر کے اور سردی کے موسم میں اول وقت میں پڑھنا مستحب ہے کیوں کہ ارشاد رسالت ہے: ظہر کی نماز ٹھنڈے وقت میں پڑھو، اس لیے کہ گرمی کی شدت جہنم کی سانس سے ہے۔ نیز حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سردی کے موسم میں ظہر کی نماز جلد ادا فرماتے اور گرمی کے موسم میں وقت ٹھنڈا کر کے پڑھتے۔ (ہدایہ ص ۸۲، ۸۳ ج ۱، باب المواقیت عن کتاب الصلاۃ)

۴۔ حضرت خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

فتاویٰ ظہیریہ میں میں نے لکھا دیکھا ہے کہ آدمی کا منہ پاک رہتا ہے۔ جب تک جنب کی حالت میں رہے جو کچھ پانی وغیرہ پئے وہ ناپاک نہیں ہوتا، اگر وہ بے طہارت ہے، یا جنبی ہے یا حائض، مومن ہو یا کافر اس کا منہ پاک ہے۔ (دلیل العارفین مترجم ص ۶)

فتاویٰ ظہیریہ فقہ حنفی کی کتب معتمدہ سے ہے۔ عام طور پر فقہائے حنفیہ اس کے مسائل اپنی کتابوں میں نقل کرتے اور ان پر فتوے دیتے ہیں۔ امام قاضی ابوبکر محمد بن ظہیر الدین بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس کتاب میں مسائل ضروریہ کو جمع فرمایا ہے، بعد میں امام بدرالدین عینی صاحب عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری رحمۃ اللہ

تعالیٰ علیہ نے اس کتاب کے مسائل کا منتخب مجموعہ تیار کیا جس کا نام المسائل البدریۃ، المنتخبۃ من الفتاوی الظہیریۃ رکھا، اس کے مقدمہ میں آپ نے فتاویٰ ظہیریہ کی تعریف فرمائی اور یہ تعریف وانتخاب اس کے معتمد ہونے کی بین دلیل ہے۔

آپ کا اصلی نام محمد بن احمد، لقب ظہیر الدین، کنیت ابوبکر ہے، آپ بخارا کے قاضی ومحتسب اور اصول وفروع میں یگانۂ روزگار تھے، وفات ۶۱۹ھ میں ہوئی۔

حضرت خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فتاویٰ ظہیریہ سے جو مسئلہ بیان فرمایا ہے وہی عامۂ کتب حنفیہ میں بھی ہے، ہدایہ میں یہ مسئلہ یوں مذکور ہے:

وسؤر الآدمی وما یوکل لحمہ طاہر لأن المختلط بہ اللعاب، وقد تولد من لحم طاہر۔ ویدخل فی ہذا الجواب الجنب والحائض والکافر۔ ۵۱

آدمی اور ماکول اللحم جانوروں کا جوٹھا پاک ہے، اس لیے کہ جوٹھے میں لعاب کی آمیزش ہوتی ہے۔ اور یہ لعاب پاک گوشت سے پیدا ہوتا ہے۔ یہی حکم جنبی، حائضہ اور کافر کے جوٹھے کا بھی ہے۔ (ہدایہ ص۴۴، ۴۵ ج۱، فصل فی الآسار وغیرھا من باب المیاہ)

۵- حضرت خواجہ بختیار کاکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے حضرت خواجہ کی چوتھی مجلس کے ارشادات سے یہ بھی نقل کیا ہے کہ:

پھر فرمایا کہ قبرستان میں عمدہ کھانا یا پانی پینا کبیرہ گناہ ہے۔ جو عمداً کھائے وہ ملعون اور منافق ہے، کیوں کہ گورستان عبرت کا مقام ہے نہ کہ حرص وہوا کا۔

پھر اسی موقع کے مناسب یہ حکایت بیان فرمائی کہ میں نے امام یحییٰ ابوالخیر زندویستی کے روضے میں لکھا دیکھا ہے کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں:

من اکل فی المقابر طعاما أو شرابا فھو ملعون ومنافق۔ جس نے قبرستان میں کچھ کھایا پیا، وہ ملعون اور منافق ہے۔ (دلیل العارفین مترجم ص۱۶)



امام یحییٰ بن علی بن عبداللہ زندویستی بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فقہائے حنفیہ سے ہیں۔ آپ کی کتاب کا پورا نام روضۃ العلماء ہے۔ پہلے آپ نے روضۃ الذاکرین کے نام سے ایک کتاب تصنیف فرمائی تھی جس میں فقہی مسائل نہیں تھے۔ بعد میں احباب کی فرمائش پر آپ نے ہر باب میں مسائل فقہیہ کا اضافہ فرمایا ساتھ ہی اس سے متعلق اخبار وحکایات بھی درج کیں، اس کا نام روضۃ العلماء رکھا، آپ چوتھی صدی ہجری کے فقہا سے ہیں اور اپنے زمانے کے امام، فقیہ وزاہد تھے رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃً واسعۃً۔

۶- حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ رقم طراز ہیں:

پھر فرمایا کہ: فتاویٰ ظہیریہ میں لکھا دیکھا ہے کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ جو شخص علما سے آمد ورفت رکھے اور سات دن ان کی خدمت کرے، اللہ تعالیٰ اس کے سارے گناہ بخش دیتا ہے اور سات ہزار سال کی نیکی اس کے نامۂ اعمال میں لکھتا ہے، ایسی نیکی کہ دن کو روزہ رکھے اور رات کو کھڑے ہو کر گزار دے۔ (دلیل العارفین مترجم ص۲۲)

اور جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا فتاویٰ ظہیریہ فقہ حنفی کی اہم کتابوں سے ہے۔

۷،۸- نیز رقم طراز ہیں:

بعد ازاں فرمایا کہ صلاۃ مسعودی کی شرح میں امام زاہد رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے کسی عبادت میں ایسی تاکید وتشدید نہیں فرمائی جیسی کہ نماز کے بارے میں۔ (دلیل العارفین مترجم ص۹)

پھر فرمایا کہ: میں نے صلاۃ مسعودی میں لکھا دیکھا ہے کہ جب لوگ نماز اچھی طرح ادا کرتے ہیں اور اس کے تمام حقوق بجالاتے ہیں اور رکوع وسجود اور قرأت وتسبیح کو ملحوظ رکھتے ہیں تو فرشتے اس نماز کو آسمان پر لے جاتے ہیں پھر اس نماز سے نور شائع ہوتا ہے اور آسمان کے دروازے کھل جاتے ہیں، جب وہ نماز عرش کے نیچے لائی

جاتی ہے تو حکم ہوتا ہے کہ سجدہ کر اور نماز ادا کرنے والے کے لیے بخشش مانگ، کیوں کہ وہ تیرے حقوق اچھی طرح بجالاتا ہے۔(دلیل العارفین مترجم ص ۸)۔

صلاۃ مسعودی اور اس کی شرح کتب حنفیہ سے ہے۔

۹- حضرت خواجہ بختیار کاکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنے شیخ حضرت خواجہ غریب نواز کے حوالے سے لکھتے ہیں:

''پھر فرمایا کہ صلاۃ مسعودی میں بہ طریق ترغیب، حضرت ابو ہریرہ کی روایت کے مطابق فقہ سنت میں لکھا ہے کہ ہر عضو کو تین مرتبہ دھونا سنت ہے۔ چناں چہ حدیث میں ہے کہ ہر عضو کو تین مرتبہ دھونا میری سنت ہے، اور مجھ سے پہلے پیغمبروں کی بھی یہی سنت ہے۔ اس پر زیادہ کرنا ستم ہے۔

بعد ازاں اسی موقع پر فرمایا کہ فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے وضو کرتے وقت ہاتھ صرف دو مرتبہ دھوئے۔ جب نماز ادا کر چکے، تو اسی رات حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خواب میں دیکھا، جو فرماتے ہیں کہ مجھے تو تعجب ہے کہ تمہارے وضو میں کمی رہ جائے۔ خواجہ صاحب اس ہیئت سے جاگ پڑے۔ پھر تازہ وضو کر کے نماز ادا کی، اور کفارہ کے لیے سال بھر پانچ سو رکعت بطور وظیفہ کے روزانہ ادا کی''۔(دلیل العارفین مترجم ص ۳)

صلاۃ مسعودی کتب حنفیہ سے ہے اور حضرت سیدی فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اجل فقہائے حنفیہ سے ہیں۔ آپ خراسان کے رہنے والے تھے۔ علامہ شامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ آپ کے بارے میں لکھتے ہیں:

ذکر الصیمری: اخذ الفقه عن ابی حنیفة وروی عنه الشافعی، فاخذ عن امام عظیم واخذ عنه امام عظیم وروی له امامان عظیمان البخاری ومسلم وترجمه التمیمی وغیره بترجمة حافلة

علامہ صیمری نے ذکر کیا ہے کہ امام فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے



فقہ امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے سیکھی اور ان سے امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے روایت کی تو انہوں نے ایک امام عظیم (ابوحنیفہ) سے اور ان سے ایک امام عظیم (امام شافعی) نے اخذ فیض کیا، اور آپ سے دو عظیم المرتبت امام بخاری و مسلم نے حدیث روایت کی۔ علامہ تمیمی وغیرہ نے آپ کے حالات تفصیل سے ذکر کیے ہیں۔(ردالمحتار)

۱۰- حضرت خواجہ بختیار کاکی فرماتے ہیں کہ:

''بعد ازاں فرمایا کہ: امام خواجہ ابو اللیث سمرقندی کی تفسیر میں لکھا ہے کہ ہر روز دو فرشتے آسمان سے اترتے ہیں۔ ایک کعبہ کی چھت پر کھڑے ہو کر آواز دیتا ہے کہ اے آدمیو اور پریو! سنو اور اس طرح سمجھ رکھو کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کا فرض بجا نہیں لاتا، وہ کبھی اللہ تعالیٰ کے حقوق سے عہدہ برآ نہیں ہو سکتا۔ اور دوسرا فرشتہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حظیرہ پر کھڑے ہو کر آواز دیتا ہے کہ اے آدمیو اور پریو! سنو! اور اچھی طرح جان لو کہ جو شخص سنت نبوی ادا نہیں کرتا اور تجاوز کرتا ہے، وہ شفاعت سے بے بہرہ رہے گا۔(دلیل العارفین مترجم ص ۲،۳)

امام فقیہ ابو اللیث سمرقندی رحمۃ اللہ تعالیٰ کا شمار اجلہ فقہائے حنفیہ سے ہے۔ آپ امام الہدیٰ کے لقب سے مشہور ہیں۔ آپ نے چار جلدوں میں قرآن حکیم کی تفسیر لکھی ہے جس کا حوالہ حضرت خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے دیا ہے۔ اس کے سوا نوازل فقیہ اللیث فقہ میں آپ کی مشہور کتاب ہے۔ خزانۃ الفقہ، شرح جامع صغیر، عیون الفتاویٰ وغیرہا آپ کی یادگار تصانیف ہیں۔ آپ چوتھی صدی ہجری کے بزرگوں سے ہیں۔ ۱۱؍ جمادی الآخرہ ۳۷۳ھ میں آپ کا وصال ہوا۔ امام فقیہ النفس قاضی خاں اور برہان الشریعہ و تاج الشریعہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا (حاشیہ احسن الوعا میں) وغیرہم رحمہم اللہ تعالیٰ نے آپ کے اقوال نقل کیے ہیں۔ حضرت تاج الشریعہ ایک جگہ لکھتے ہیں:

وله السفر بها بعد ادائه فی ظاهر الروایة أی بعد اداء مابین تعجلیه أو قدرما یعجل لمثلها فی ظاهر الروایة۔ قیل: لا۔ وبه افتی الفقیه ابو اللیث رحمه الله تعالیٰ۔(شرح الوقایة، باب المهر ص ۵۱،۵۳ ج ۱ مجلس البرکات)۔

اس عبارت کا حاصل یہ ہے کہ شوہر اپنی بیوی کا مہرِ معجّل ادا کرنے کے بعد اسے اپنے ساتھ سفر میں لے جا سکتا ہے، اور فقیہ ابو اللیث سمرقندی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا فتویٰ یہ ہے کہ نہیں لے جا سکتا۔

۱۱- دلیل العارفین کی مجلس سوم میں ہے:

''بعد ازاں فرمایا کہ امام یحییٰ زندوسی رحمۃ اللہ علیہ کے روضہ میں مَیں نے لکھا دیکھا ہے کہ مولانا حسام الدین محمد بخاری سے جو میرے استاد تھے، سنا ہے کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ واٰلہ وسلم فرماتے ہیں: من اکبر الکبائر الجمع بین الصلوٰۃ۔ یعنی سب سے بڑا گناہ یہ ہے کہ نماز فریضہ میں اس قدر تاخیر کی جائے کہ وقت گزر جائے اور پھر دو نمازیں اکٹھی ادا کی جائیں۔(دلیل العارفین مترجم ص ۱۰،۱۱)

جمع بین الصلاتین مشہور اختلافی مسئلہ ہے: امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سفر میں اس کی اجازت دیتے ہیں اور امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سفر حضر ہر جگہ اسے ناجائز قرار دیتے ہیں۔" جمع بین الصلاتین "کا مطلب یہ ہے کہ ظہر اور عصر کی نماز کسی بھی ایک کے وقت میں اور مغرب وعشا کی نماز کسی بھی ایک کے وقت میں پڑھی جائے۔ اگر ظہر کے وقت میں عصر اور مغرب کے وقت میں عشا پڑھیں تو اسے ''جمع تقدیم'' کہتے ہیں اور عصر کے وقت میں ظہر اور عشا کے وقت میں مغرب پڑھیں تو اسے ''جمع تاخیر'' کہتے ہیں۔ امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک سفر کی وجہ سے جمع تقدیم بھی جائز ہے اور جمع تاخیر بھی۔ اور امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک دونوں ہی ناجائز ہیں، کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے ہر نماز کا وقت اول، آخر مقرر



فرما دیا ہے تو جمع تاخیر کی صورت میں ایک نماز کا وقت گزار کر پڑھنا لازم آئے گا جو گناہ ہے اور جمع تقدیم کی صورت میں ایک نماز کا وقت گزرنے سے پہلے پڑھنا لازم آئے گا تو نماز ہی نہ ہوگی پھر وقت ہونے پر ادا نہ کرے تو ترک فرض بھی لازم آئے گا۔

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا علیہ الرحمۃ والرضوان نے فتاویٰ رضویہ جلد دوم، رسالہ ''حاجز البحرین'' میں اس موضوع پر کتاب اللہ وسنت رسول اللہ کی روشنی میں بہت ہی مبسوط اور تحقیقی کلام کیا ہے اور دلائل کثیرہ سے یہ ثابت کیا ہے کہ امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا مذہب بہت ہی قوی اور راجح ومختار ہے۔

حضرت سیدی خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے روضۃ العلما سے یہی مسئلہ نقل فرمایا ہے جس سے آپ کی حنفیت عیاں ہو جاتی ہے۔

الغرض اس طرح کے کثیر شواہد ہیں جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضرت سیدی خواجہ غریب نواز حسن سجزی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مقلد تھے۔

## حضرت خواجہ عثمان ہارونی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ حنفی تھے:

اپنی گفتگو کے تکملہ کے طور پر عرض ہے کہ حضرت خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ کو مذہب حنفی کی تقلید کی نعمت اپنے شیخ حضرت خواجہ عثمان ہارونی رحمۃ اللہ علیہ کے واسطے سے ملی ہے۔ وہ خود سیدنا امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مقلد اور حنفی تھے۔ اس کے چند شواہد یہ ہیں:

حضرت سیدی خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنے شیخ حضرت سیدی خواجہ عثمان ہارونی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے ارشادات بنام ''انیس الارواح'' جمع فرمائے ہیں، یہ کتاب اسم بامسمّٰی ہے جس کے مطالعہ سے روح کو انس اور دل کو قرار حاصل ہوتا ہے۔ یہ کتاب اٹھائیس مجالس اور پینتالیس صفحات پر مشتمل ہے جس میں علم ومعرفت کے جواہر غالیہ بکھرے ہوئے ہیں۔ ہم یہاں استشہاد کے لیے اسی کتاب

کے چند اقتباسات پیش کرتے ہیں۔

۱- حضرت خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ:

''مجلس اول میں ایمان کا ذکر ہوا، آپ نے زبان مبارک سے فرمایا کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ واٰلہ وسلم نے فرمایا کہ ایمان ننگا ہے اور اس کا لباس پرہیزگاری ہے اور اس کا سرہانا فقر ہے اور اس کی دوا علم ہے اور اس بات کی شہادت لاالہ الا اللہ محمد رسول اللہ پر ایمان ہے۔ آپ نے فرمایا: اے مسلمانو! ایمان کم وبیش نہیں ہوسکتا۔ اور جو شخص انکار کرتا ہے وہ اپنے آپ پر ظلم کرتا ہے۔

اس کے بعد آپ کچھ اعمال صالحہ کا ذکر کر کے لکھتے ہیں:

پھر فرمایا کہ: ان باتوں سے ایمان بار بار تازہ ہوتا ہے لیکن وہ روزے اور نماز سے گھٹتا بڑھتا نہیں، اس واسطے کہ جس نے نماز کے صرف فرضوں کو ہی ادا کیا ہو اور ان میں کسی قسم کا نقصان نہ کیا، خدائے تعالیٰ اس کے لیے حساب آسان کر دیتا ہے اور اگر فرضوں میں کسی قسم کا نقصان کیا ہو تو خداوند تعالیٰ فرشتوں کو حکم دیتا ہے کہ دیکھو! اس نے کوئی دیدہ ودانستہ نقصان نہیں کیا اور عبادت کی ہے، تو فرضوں کے عوض اسے شمار کرلو۔ اور اگر اس نے فرض بھی پورے ادا نہ کیے ہوں اور نہ ہی کوئی عبادت فاضلہ کی ہو تو وہ دوزخ کے لائق ہوتا ہے، بشرطیکہ خدا کی رحمت یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ واٰلہ وسلم کی شفاعت نہ ہو لیکن ایمان کی اصلیت میں کمی بیشی نہیں ہوتی۔ (انیس الارواح مترجم مجلس اول ص۵)

ائمہ حنفیہ کا مذہب یہ ہے کہ ایمان نام ہے تصدیق قلبی کا جو بسیط ہے۔ اس میں اعمال صالحہ کی وجہ سے کمی بیشی نہیں ہوتی۔ ہاں ان کی وجہ سے ایمان کامل اور مضبوط سے مضبوط ہوتا ہے۔

اس کے برخلاف ائمہ شافعیہ ایمان میں کمی بیشی کے قائل ہیں۔ امام ابوزکریا



نووی شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے شرح صحیح مسلم میں اور علامہ فضل رسول بدایونی رحمۃ اللہ علیہ نے المعتقد المنتقد میں اور اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی علیہ الرحمہ نے المعتمد المستند میں اس مسئلے پر تفصیل کے ساتھ بصیرت افروز گفتگو فرمائی ہے اور غرض یہ ہے کہ حضرت خواجہ عثمان ہارونی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس باب میں امام اعظم علیہ الرحمہ کے مذہب پر ہیں۔

۲- درج ذیل اقتباس میں فتاویٰ ابواللیث سمرقندی کی عبارت بطور استناد بیان فرمائی ہے جس سے ان کی حنفیت کا اشارہ ملتا ہے، اقتباس یہ ہے:

''خواجہ صاحب نے فرمایا کہ میں نے خواجہ یوسف چشتی رحمۃ اللہ علیہ کی زبانی سنا ہے۔ انہوں نے کہا کہ میں نے ابواللیث سمرقندی کی فقہ میں لکھا دیکھا ہے کہ علی ابن ابی طالب روایت کرتے ہیں:" فتلقیٰ ادم من ربه کلمات" (پس آدم نے اپنے پروردگار سے کچھ باتیں سیکھ لیں) یہ وہ وقت تھا جب حضرت آدم علیہ السلام بہشت سے آئے تھے۔'' (انیس الارواح مترجم ص۷)

۳- انیس الارواح میں ہے:

''فرمایا کہ ان کا نام شمس العارفین رسول اللہ صلی اللہ علیہ واٰلہ وسلم کے روضہ مبارک سے پڑا۔ یہ اس طرح ہوا کہ جس روز میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ واٰلہ وسلم کے روضہ مبارک پر پہنچا اور سلام کیا تو آواز آئی (علیك السلام یاشمس العارفین) اے شمس العارفین تجھ پر سلام ہو۔

پھر فرمایا کہ یہی معاملہ امام اعظم رضی اللہ عنہ سے پیش آیا تھا۔ جب آپ ابتدائی حالت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ واٰلہ وسلم کے روضہ مبارک پر پہونچے اور کہا: اے رسولوں کے سردار! آپ پر سلام۔ تو آواز آئی علیك السلام یا امام المسلمین۔ اے مسلمانوں کے امام تجھ پر سلام ہو۔'' (انیس الارواح مترجم ص۲۱)

امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مناقب جلیلہ کا یہ بیان اس امر کا

شاہد ہے کہ حضرت خواجۂ خواجگان سیدی عثمان ہارونی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ حنفی مذہب کے متبع اور امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے مقلد تھے۔

اس تفصیل سے یہ امر منقح ہوجاتا ہے کہ حضرت سیدی خواجہ غریب نواز اور آپ کے شیخ حضرت سیدی خواجہ عثمان ہارونی رضی اللہ تعالیٰ عنہما امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مقلد اور حنفی تھے۔ درمختار میں ہے کہ:

امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، مصطفیٰ جانِ رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ واٰلہ وسلم کے اعظم معجزات اور سرداران اہل کشف وولایت سے تھے۔ بے شمار اولیائے کرام وصالحین عظام ومحققین اسلام نے آپ کی پیروی کی ہے اور آپ کے علم وفضل اور زہد وتقویٰ کی مدح فرمائی ہے۔ امام ابوالقاسم قشیری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے استاذ ابوعلی دقاق سے سنا، وہ فرماتے ہیں کہ میں نے یہ طریقت امام ابوالقاسم نصراباذی سے، انہوں نے حضرت سیدی شبلی سے، انہوں نے حضرت سیدی سری سقطی سے، انہوں نے حضرت سیدی داؤد طائی سے اور انہوں نے علم طریقت امام اعظم ابوحنیفہ سے اخذ کیا رحمہم اللہ تعالیٰ رحمۃً واسعۃً۔ اور ان سب نے امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی ثنا کی ہے اور آپ کے فضل کا اعتراف کیا ہے تو کیا یہ سادات کرام ہمارے لیے بہتر نمونہ نہیں ہیں جو ائمہ طریقت بھی ہیں اور ارباب شریعت وحقیقت بھی۔ خلاصۂ کلام یہ کہ امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے زہد، ورع، عبادت، علم اور فہم میں کوئی آپ کا شریک نہیں ہے۔ اسی لیے آپ کے مذہب کے پیروکار بے شمار ہوئے۔

قرآن کریم اور احادیث نبویہ میں کثیر مقامات پر اولیائے کرام کے فضائل بیان کیے گئے ہیں مثلاً ارشاد باری ہے: **الا ان اولیاء اللہ لا خوف علیھم ولا ھم یحزنون** ۔ خبردار، بے شک اللہ کے ولیوں کو نہ کوئی خوف ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔ (سورہ یونس، آیت:۶۲)۔



جب اللہ عزوجل کے مقربان بارگاہ، عارفان رموز شریعت وواقفان اسرار طریقت اولیائے کرام علیہم الرحمۃ والرضوان نے تقلید کی اور تقلید کرتے رہے تو آج کل کے آزاد منش نما گنواروں کی کیا حیثیت کہ وہ عالم اس سے روگردانی کریں۔ اسی لئے علما نے صراحت فرمائی کہ غیر مقلد گمراہ، گمراہ گر ہیں اور یقیناً تقلید سے انحراف مسلمانوں کے راستے سے انحراف ہے جس کا انجام نار جہنم ہے۔ اس لیے مسلمانوں پر لازم ہے کہ حضرات اولیائے کرام کے دامن سے وابستہ رہیں، اور اماموں کے امام حضرت سیدی ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تقلید کو نعمت جانیں کہ یہ دراصل اتباع کتاب وسنت ہے۔

# حضرت خواجہ غریب نواز رضی اللہ عنہ کا طرز تربیت واصلاح

مولانا اختر حسین فیضی مصباحی
جامعہ اشرفیہ مبارک پور

کوئی مذہب اس وقت تک زندہ نہیں رہ سکتا اور نہ تغیر پذیر زندگی میں خوش گوار تبدیلی لاسکتا ہے، جب تک کہ اس میں ایسے افراد نہ پیدا ہوں جو نیک نیتی، بے غرضی، روحانیت، ایثار، اخلاص اور اپنے اخلاق حمیدہ کے ذریعہ پیروان مذہب کے تن بے جان میں نئی روح پھونک دیں اور ان کے اندر خود اعتمادی، خود احتسابی، قوت ادراک اور جوش عمل کی جوت جگادیں۔

اسلام کی دعوت وتبلیغ اور بنی نوع انسان کی اصلاح وتربیت کی ایک طویل تاریخ ہے۔ داعی اعظم حضرت محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد صحابہ، تابعین، رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے اس کے لیے مبارک زندگیاں وقف کیں، ان مبارک جماعتوں کے بعد علما، صلحا اور صوفیہ نے اس تحریک کو آگے بڑھایا اور یہی وہ حضرات ہیں جو خداوند کریم کی طرف سے قیامت تک کے لیے اس کار عظیم کے لیے منتخب ہیں۔

اسلام کی تاریخ کبھی بھی دعاۃ ومصلحین سے خالی نہیں رہی، دعوت وتبلیغ اور اصلاح وتربیت کا کام ہر زمانے میں ان ادوار کی ضرورتوں کے پیش نظر کم وبیش ہوتا رہا۔ جب بھی دشمنان اسلام کی طرف سے دین کو کوئی خطرہ محسوس ہوا، کوئی پرعزم اور باقوت شخصیت ضرور میدان عمل میں آئی، جس نے اس فتنہ کا سد باب کیا اور باطل تحریکوں پر قدغن لگائی۔



اسلام کے چار مشہور سلسلوں (قادریہ، چشتیہ، نقشبندیہ، سہروردیہ) نے رشد وہدایت اور تبلیغ واصلاح کی شمعیں خوب روشن کیں۔ اپنے اپنے دور میں ان میں سے ہر ایک کی شعاع فیض بار نے اکناف عالم کو منور کیا، اہل ہند نے بھی ان کی پاکیزہ تعلیمات سے روشنی حاصل کی۔ لیکن سلسلۂ چشتیہ نے چوں کہ ہندستان کے قریبی ملک ایران میں نشو ونما پائی، اس لیے اس کے اثرات اس ملک پر نسبتاً زیادہ مرتب ہوئے۔ غرض کہ رب قدیر نے ہندستان میں اس سلسلہ کو تربیت واصلاح کے لیے منتخب کرلیا تھا، جس چشتی بزرگ نے سب سے پہلے اس ملک کی طرف نظر التفات فرمائی، وہ خواجہ ابو محمد چشتی (علیہ الرحمتہ) [۱] کی بابرکت ذات تھی۔ انھیں کی دعائے مستجاب نے سلطان محمود غزنوی کو فاتح ہندستان بننے میں معاونت کی۔ حضرت علامہ عبدالرحمٰن جامی رحمتہ اللہ علیہ رقم طراز ہیں:

جس زمانے میں سلطان محمود غزنوی سومنات [۲] (ہندستان) کی لڑائی کے لیے روانہ ہوا تھا، خواجہ ابو محمد کو خواب میں اشارہ ہوا کہ تمہیں محمود کی مدد کے لیے جانا چاہئے، وہ ستر سال کی عمر میں چند درویشوں کے ساتھ روانہ ہوئے اور وہاں پہنچ کر مشرکوں اور بت پرستوں کے ساتھ جہاد کیا[۳] لیکن تبلیغ اسلام اور دعوت اصلاح میں اس وقت تیزی آئی، جب سلسلہ چشتیہ کے شیخ الشیوخ خواجۂ بزرگ حضرت معین الدین چشتی سجزی [۴] رحمتہ اللہ علیہ نے ہندستان میں قدم رکھا اور تبلیغ وارشاد کی بساط بچھائی۔

آپ رائے پتھورا [۵] (پرتھوی راج چوہان) کے دور حکومت میں ہندوستان تشریف لائے اور اجمیر سے اپنی اصلاحی تحریک کا آغاز کیا جو ان دنوں رائے پتھورا کا دار السلطنت تھا اور کفر وشرک کی آماجگاہ بھی۔ حضرت نظام الدین اولیا [۶] رحمتہ اللہ علیہ کے خلیفہ سید محمد مبارک کرمانی [۷] اس دور کے حالات اور حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمتہ اللہ علیہ کی سعی اصلاح بیان کرتے ہیں:

ترجمہ: ملک ہندستان اپنے آخری مشرقی سرے تک کفر وشرک کی آماجگاہ تھا۔اہل کبر ونخوت خدائی کا دعوی کر رہے تھے اور خدا کی خدائی میں دوسروں کو شریک کرتے تھے، پتھر، ڈھیلا، درخت، جانور، گائے اور گوبر کو سجدہ کرتے، کفر کی تاریکی کی وجہ سے ان کے دل تاریک اور مقفل تھے۔

سب دین وشریعت کے حکم سے غافل، خدا اور پیغمبر سے بے خبر۔نہ کسی نے قبلہ کی سمت پہچانی نہ اللہ اکبر کی صدا سنی۔آفتاب یقین حضرت خواجہ معین الدین رحمتہ اللہ علیہ کے مبارک قدم کا اس ملک میں پہنچنا تھا کہ اس کی تاریکی نور اسلام سے بدل گئی۔ان کی کوششوں سے جہاں صلیب وکلیسا تھے، مسجد ومحراب ومنبر نظر آنے لگے۔ جہاں مشرکانہ صدائیں بلند ہوتی تھیں وہ نعرۂ اللہ اکبر گونجنے لگی۔

اس سرزمین میں جس کو اسلام کی دولت ملی اور قیامت تک اس دولت سے شرف یاب ہوگا اور نسل در نسل ان کی اولاد دامن اسلام سے وابستہ ہوگی اور وہ جماعت جن کی تبلیغ اسلام نے اس دارحرب کو دارالاسلام بنایا تا قیامت اس کا ثواب ان افراد قدسیہ اور شیخ الاسلام خواجہ معین الدین حسن سجزی قدس سرہ العزیز کی روح کو پہنچتا رہے گا۔[۸]

تجدید اسلام اور دعوت اصلاح میں اس وقت مزید استحکام آیا، جب سلطان شہاب الدین محمد غوری نے ہندستان کی باگ ڈور سنبھالی۔علامہ میر سید غلام علی آزاد بلگرامی رقم طراز ہیں:

سلطان شہاب الدین محمد غوری کی رائے پتھورا (پرتھوی راج) پر فتح یابی حضرت خواجہ معین الدین چشتی قدس سرہٗ کے مبارک وجود کی برکت ہے۔اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ جب حضرت خواجہ غزنین سے اجمیر تشریف لائے اور وہاں قیام پذیر ہوئے اور پرتھوی راج کی طرف سے کسی مسلمان کو تکلیف پہنچی تو خواجہ نے سفارش کا پیغام بھیجا، جسے نالائق رائے پتھورا نے قبول نہ کیا اور کہنے لگا کہ یہ شخص



یہاں آکر غیب کی باتیں بتاتا ہے (یہ طنز سن کر) خواجہ صاحب نے ناراض ہوکر فرمایا ’’پتھورا را زندہ گرفتیم ودادیم‘‘ (ہم نے پتھورا کو زندہ گرفتار کر کے لشکر اسلام کے حوالے کیا)

انھیں دنوں سلطان شہاب الدین غوری پتھورا پر حملہ آور ہوا۔پتھورا پورے نخوت وغرور سے مقابلے پر صف آرا ہوا اور دونوں لشکروں کے درمیان نیزہ بازی اور تیغ زنی شروع ہوئی، سلطان فتح یاب ہوا اور پتھورا زندہ گرفتار کر کے قتل کر دیا گیا۔اسی وقت سے دین کی جڑیں اس دیار میں مستحکم ہوئیں اور کفر کی بنیادیں روز بروز منہدم ہوتی گئیں۔اسی لیے حضرت خواجہ ہندستان کو ساتویں صدی کا ’’مجدد‘‘ کہا جاتا ہے [۹]

شہزادی جہاں آرا بیگم نے اس تعلق سے ایک دوسرا واقعہ بیان کیا ہے:

ترجمہ: حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمتہ اللہ علیہ [۱۰] سے منقول ہے کہ ایک مرتبہ ایک مسلمان رائے پتھورا کے پاس سے حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمتہ اللہ علیہ کی خدمت میں مرید ہونے کی غرض سے آیا، حضرت نے اسے مرید نہ کیا، وہ شخص واپس گیا اور رائے پتھورا سے حضرت کی شکایت کی، حضرت کے پاس رائے پتھورا نے ایک شخص کو بھیج کر یہ دریافت کیا کہ آپ نے اس آدمی کو اپنی مریدی میں کیوں قبول نہ کیا؟ حضرت نے فرمایا: میں نے اسے مرید اس لیے نہیں کیا کہ تین چیزیں اس کے اندر ایسی ہیں جو اس سے کبھی جدا نہ ہوں گی۔اول: یہ بہت بڑا گنہ گار ہے۔دوم: یہ کہ میرے متبعین سے نہیں ہے اور ہم ایسوں کو اپنی ارادت میں نہیں لیتے جو غیروں کے سامنے سر جھکاتا ہے۔سوم: یہ کہ میں نے لوح محفوظ میں لکھا دیکھا ہے کہ وہ اس دنیا سے بے ایمان جائے گا۔جب یہ جواب پتھورا کو بتایا گیا تو اس نے کہا کہ شیخ غیب کی باتیں بتاتے ہیں۔ان سے کہہ دو کہ ہمارے شہر سے نکل جائیں۔جب حضرت کو یہ بات معلوم ہوئی تو مسکرا کر فرمایا کہ اس سے کہہ دو کہ ہمارے اور تمہارے درمیان صرف تین دن کی مہلت ہے، اس شہر سے تم جاؤ گے یا ہم۔اس دوران

سلطان محمد شاہ کے لشکر نے اجمیر پر حملہ کیا اور پتھورا کو زندہ گرفتار کرلیا اور وہ شخص جو حضرت سے مرید ہونے آیا تھا اس نے پانی میں ڈوب کر خودکشی کرلی۔

ہندستان میں قدم رکھنے کے بعد حضرت خواجہ غریب نواز رحمتہ اللہ علیہ نے جب دعوت اسلام اور تربیت و اصلاح کی مہم تیز کی اور پروانہ وار لوگ آپ کے گرد اکٹھا ہونے لگے تو پرتھوی راج چوہان اور اس کے ہوا خواہوں کو خواجہ کی یہ مقبولیت اچھی نہ لگی۔ ہر طرح سے آپ کو پریشان کیا گیا۔ آپ کے اوپر مشکلات کے پہاڑ توڑے گئے، لیکن اس مردحق آگاہ کے پائے ثبات میں تبلیغ اسلام اور اصلاح احوال کے تعلق سے لغزش نہ آئی اور آپ نے اصلاحی مہم اور تیز کردی، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ راجہ پتھورا کے ہوا خواہ حضرت خواجہ ہند کے دامن میں پناہ لینے پر مجبور ہو گئے اور اسلام کی بیش بہا دولت سے سرفراز ہوئے۔ اس تعلق سے ذیل کے وقعات دل چسپی سے خالی نہ ہوں گے۔

**رام دیو کا قبول اسلام:**

اناساگر جس کے گردونواح میں ہزاروں بت خانے تھے، جن پر سیکڑوں من تیل اور پھول صرف ہوتے۔ صبح سے شام تک پرستاروں کا ہجوم رہا کرتا تھا، برہمنوں اور پجاریوں کو حضرت کا قیام ناگوار گزرا، ایک دن جب راجہ اور اہل شہر کی کثیر تعداد مندروں میں پوجا کے لیے حاضر ہوئی، مہنتوں کا سردار رام دیو مہنت ایک جماعت کثیر کے ساتھ حضرت کی بارگاہ میں آیا۔ حضرت خواجہ کے جمال جہاں آرا پر نظر پڑتے ہی لوگوں کے جسموں پر لرزہ طاری ہوگیا، بید کی طرح کانپنے لگے، حضرت کی نگاہ کیمیا تاثیر نے مہنت کے دل کی کیفیت بدل دی۔ وہ بہ صد خلوص وعقیدت آگے بڑھا اور دست حق پرست پر اسلام قبول کرلیا۔

پجاریوں کا سردار رام دیو جو چند ساعت قبل تک کفر وشرک سے نہ صرف آلودہ تھا بلکہ اس باطل فکر وعمل کا مبلغ وترجمان بھی تھا، اب وہ توحید ورسالت کا اقراری



بن چکا تھا۔ ایک جماعت لے کر حضرت خواجہ کو پریشان کرنے آیا تھا، مگر شرپسندوں کا وہی قائد حضرت خواجہ کے دفاع میں سینہ سپر ہوگیا اور لکڑی اور پتھر سے معاندین خواجہ کو مار مار کر بھگا دیا۔ حضرت نے رام دیو کی یہ مجاہدانہ خدمت دیکھی تو از راہ کرم ایک پیالا پانی عطا فرمایا اور پینے کا حکم دیا، پانی پیتے ہی اس کا آئینۂ دل ضلالت وگمراہی کے زنگ سے پاک ہوگیا۔ آب قدح نے آب حیات کا اثر دکھایا۔ بے جان قلب وروح میں زندگی کی توانائی پیدا ہوئی، عشق وارادت کے فیض عام نے اسے حضرت کے قدموں میں ڈال دیا اور داخل سلسلہ ہوگیا۔ خواجہ نے اس کا نام شادی دیو رکھا۔

**جے پال کا قبول اسلام:**

حضرت خواجۂ ہند کی تبلیغی اور اصلاحی مہم کو سرد کرنے کے لیے پرتھوی راج چوہان نے جوگی جے پال کا سہارا لیا۔ اس وقت اس کی جادوگری کا ڈنکا بج رہا تھا، اس نے اپنی سحر انگیزی سے حضرت خواجہ کو مرعوب کرنا چاہا تا کہ تبلیغ اسلام اور عمل اصلاح سے باز آئیں، وہ اس عمل حسن سے باز کیوں آتے، جب کہ اسی کام کے لیے وہ منجانب الرسول ہندستان پر مامور تھے۔ آخر کار جوگی جے پال اپنا سارا کرتب دکھا کر عاجز ہوگیا، خواجہ اور ان کے ساتھیوں کو گزند نہ پہنچا سکا۔ جب اس نے اپنے کرتب کا آخری داؤ استعمال کرنا چاہا تو حضرت خواجہ سے مخاطب ہو کر کہا:

اب میرا اور تمہارا مقابلہ باقی ہے، بہتر ہے کہ تم فوراً اجمیر چھوڑ دو، ورنہ میں آسمان پہ جا کر تمہارے سر پر اس قدر بلائیں برساؤں گا کہ تمہارا سنبھلنا دشوار ہوجائے گا، حضرت خواجہ نے تعجب سے فرمایا ؎

تو کار زمیں را نکو ساختی
کہ با آسماں نیز پرداختی

جے پال نے ہرن کا مرگ چھالا ہوا میں پھینکا اور اچھل کر اس پر بیٹھ گیا، دیکھتے ہی دیکھتے وہ فضا میں پرواز کرنے لگا اور نگاہوں سے غائب ہوگیا۔ لوگ حیران

تھے دیکھو اب کیا ہوتا ہے، حضرت نے جے پال کا یہ کرشمہ سحر اور لوگوں کی حیرت دیکھی تو اپنے نعلین چوبیں (کھڑاؤں) کو حکم دیا کہ جاؤ سرزنش کرتے ہوئے مغرور جے پال کو نیچے اتار لاؤ۔ یہ فرمان سنتے ہی دونوں کفش پرندوں کی طرح فضا میں اڑتے ہوئے نگاہوں سے روپوش ہوگئے، چند ساعت بعد لوگوں نے یہ حیرت انگیز منظر دیکھا کہ حضرت کے پاپوش جے پال کے سر کو کوٹتے ہوئے خواجہ کے پاس لے آئے۔ کھڑاؤں کی ضرب نے منکر جے پال کے غرور نخوت کا بت توڑ دیا تھا، روحانی صداقت کے سامنے جادوگری کا فریب تار عنکبوت کی طرح پارہ پارہ ہو چکا تھا، اسے معلوم ہو چکا تھا کہ یہ درویش کوئی جادوگر نہیں، روحانیت کی غیر متزلزل قوت کا مالک ہے۔ اس کے ادنی حکم سے بے جان پاپوش نہ صرف ہوا میں اڑنے کی صلاحیتوں سے بہرہ مند ہوجاتے ہیں، بلکہ ہندستان کے ماہر فن جادوگر کو بے بس کرکے ذلت وحقارت کے ساتھ زمین پر لانے کی قوت بھی پا جاتے ہیں۔ نگاہوں سے حجابات اٹھ چکے تھے، جے پال نے حضرت کے قدموں میں سر رکھ دیا اور خلوص دل کے ساتھ اسلام قبول کیا۔ عرض کی، حضور! دعا فرمایئے، میں امر ہوجاؤں، یعنی تا قیامت زندہ رہوں۔ حضرت نے دعا فرمائی: الٰہی اس بندہ کی دعا قبول فرما۔ جب حضرت پر دعا کی قبولیت کا اثر ظاہر ہوا تو آپ نے ارشاد فرمایا: تو نے دائمی زندگی پالی مگر لوگوں کی نگاہوں سے پوشیدہ رہے گا۔ چناں چہ ایسا ہی ہوا۔ مشہور ہے کہ جے پال اب تک اجمیر کے کوہستان میں رہتا ہے، جو راہ گیر راستہ بھول جاتا ہے، اس کی رہبری کرتا ہے۔ ہر شب جمعہ روضہ مقدس کی زیارت سے مشرف ہوتا ہے۔ حضرت نے اس کا نام عبداللہ رکھا۔[۱۳]

**پرتھوی راج کو دعوت اسلام:**

جب پرتھوی راج کے معتمدین دامن اسلام سے وابستہ ہوگئے تو خواجہ غریب نواز نے خود پرتھوی راج کو دعوت اسلام پیش کی۔ آپ نے تحریر فرمایا:

اے راجہ! تیرا اعتقاد جن جن لوگوں پر تھا، وہ بہ حکم خدا مسلمان ہوگئے ہیں۔



اگر بھلائی چاہتا ہے تو تو بھی مسلمان ہو جا، ورنہ ذلیل وخوار ہوگا۔ سنگ دل پرتھوی راج نے اس دعوت حق کو قبول نہ کیا تو حضرت خواجہ نے مراقبہ کیا، کچھ دیر کے بعد جب تفکر سے سر اٹھایا اور فرمایا: اگر یہ بدبخت ایمان نہ لایا تو میں اس کو اسلامی لشکر کے حوالہ زندہ گرفتار کرادوں گا۔[سیر الاقطاب ص۱۳۲۔][۱۴]

حضرت خواجہ کی عظمت وفضیلت اور روحانیت کو محسوس کرنے کے بعد بھی پرتھوی راج اسلام کی دولت سے محروم رہا اور لشکر اسلام کے ہاتھوں گرفتار ہوکر قتل ہوا۔

حضرت خواجہ کی روحانی قوت اور تصرفات وکرامات نے باشندگان اجمیر کو متاثر کیا، نیز آپ کے اصلاحی عمل اور تبلیغی سرگرمیوں کی وجہ سے لوگ کثیر تعداد میں شرک وبت پرستی سے توبہ کرکے ایمان واسلام کی دولت سے سرفراز ہوئے اور حضرت کے ارادت مندوں کی تعداد میں روز بروز اضافہ ہونے لگا۔

مرشد گرامی حضرت عثمان ہرونی رحمۃ اللہ علیہ [۱۵] سے علاحدگی کے بعد حضرت خواجہ نے مختلف مقامات کی سیاحت کی، حضرت کی سیاحت راہ سلوک کی سخت منزلیں طے کرنے کی خاطر ہوئیں۔ اس لیے آپ نے انھیں مقامات کا انتخاب کیا جہاں راہ سلوک کے شہسوار اور بحر معرفت کے شناور موجود تھے۔ ان کے فیض صحبت سے آپ خوب خوب سیراب ہوئے۔ اسی دوران آپ کی روحانیت نے اصلاح وتربیت کا کام بھی انجام دیا، جس کی وجہ سے گم گشتہ راہ، راہ یاب ہوئے۔ ذیل کے واقعات آپ کی روحانی اصلاح وتربیت کے دل چسپ شواہد ہیں۔

**یادگار محمد حاکم سبزوار کی توبہ:**

حضرت جب سبزوار تشریف لائے، وہاں محمد یادگار نامی ایک حاکم تھا جو درشت مزاج، کثیف طبیعت، فاسق اور رفض میں مشہور تھا۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کو برا کہتا اور جس کسی کا نام ابوبکر، عمر اور عثمان ہوتا اس کو سخت تکلیف پہنچاتا اور اس کی بربادی کے درپے ہوجاتا۔ شہر کے نزدیک اس کا ایک باغ

تھا۔ وہاں اس نے حوض اور پرتکلف عمارت بنوائی تھی۔ جب وہ اس جگہ آتا تو شراب اور عیاشیوں میں مشغول ہوتا۔

حضرت شیخ معین الدین چشتی قدس سرہ جب سبزوار آئے تو پہلے ہی دن اس باغ میں داخل ہوئے اور اسی حوض میں غسل کیا جو اس باغ میں تھا اور دو رکعت نماز پڑھی اور تلاوت قرآن مجید میں مشغول ہو گئے، اتفاق سے اسی روز یادگار محمد اس باغ کی طرف متوجہ ہوا، اس درویش نے جو حضرت شیخ معین الدین قدس سرہ کے ساتھ تھا، شیخ مذکور سے عرض کیا کہ امیر کے فرّاش باغ میں آ گئے ہیں، ان کے بعد وہ بھی آئے گا۔ مصلحت اسی میں ہے کہ آپ اس باغ سے باہر نکل آئیں کہ وہ ایک قوی اور ظالم شخص ہے، حضرت شیخ نے ان کے کہنے پر کوئی توجہ نہ کی اور اس سے فرمایا کہ اس سرو کے سائے میں بیٹھ جاؤ جو حوض کے قریب ہے۔ اسی اثنا میں یادگار محمد کے فراش آ گئے اور انھوں نے اس کا خاص غالیچہ حوض کے کنارے بچھا دیا اور شیخ کی دہشت اور بزرگی کی وجہ سے وہ ان کو نہ اٹھا سکے اور نہ منع کر سکے۔ اسی اثنا میں یادگار محمد آ گیا۔ حضرت شیخ نے اپنی جگہ سے حرکت کی، جب اس کی نظر حضرت شیخ پر پڑی تو اس کے جسم میں لرزہ پیدا ہو گیا اور اس کے چہرے کا رنگ متغیر ہو گیا۔ حضرت شیخ کی بزرگی و شان کی وجہ سے اس کے تمام مصاحبوں اور ہم نشینوں پر دہشت چھا گئی اور اس نے لرزاں و ترساں غالیچہ کو دور پھینک دیا اور وہ ان کے سامنے ہاتھ جوڑ کر کھڑا ہو گیا، حضرت شیخ نے اس کی طرف تیز نظروں سے دیکھا۔ وہ ذرا سی دیر میں بے طاقت ہو گیا اور گر پڑا۔ جب حاضرین نے یہ واقعہ دیکھا تو سب نے زمین پر سر رکھ دیے، حضرت شیخ نے اپنے درویش سے فرمایا کہ تھوڑا سا پانی حوض سے لے اور اس کے چہرے پر چھڑک، درویش مذکور نے شیخ کے حکم کے مطابق ایسا ہی کیا، کچھ دیر بعد یادگار محمد کو ہوش آیا، اس نے زمین پر سر رکھ دیا۔ حضرت شیخ نے بلند آواز سے فرمایا کہ تو نے توبہ کی؟ اس نے نہایت عاجزی سے جواب دیا کہ میں نے توبہ کی۔ پھر حضرت نے فرمایا کہ وہ برا عقیدہ



(رفض) جو رکھتا تھا، اس کو چھوڑ دیا؟ اس نے کہا خدا کی قسم چھوڑ دیا۔ نہیں معلوم کہ اس نے کیا دیکھا کہ یکبارگی ڈر گیا، کانپا اور بے ہوش ہو گیا۔

اس کے بعد حضرت شیخ معین الدین نے فرمایا کہ وہ وضو کرے اور توبہ کے شکرانے کی دو رکعت نماز پڑھے، اس نے ایسا ہی کیا، شیخ کے قدموں پر اپنا سر رکھ دیا اور ان کے ہاتھ پر بیعت کی اور مرید ہو گیا۔ اس کے تمام مصاحبوں نے بھی اسی طرح توبہ کی۔ [۱۷]

بیعت سے سرفراز ہونے کے بعد یادگار محمد نے تمام سامان اور نقدی جو اس کے ملک میں تھا، حضرت کی خدمت میں پیش کر دیا۔ حضرت نے فرمایا:

تمام دشمنوں کو خوش کر اور جس کسی سے جو کچھ ظلم و تشدد سے حاصل کیا ہے، وہ اس کو واپس کر دے تا کہ حق سبحانہ تعالیٰ تیری توبہ کو استقلال و دوام عطا فرمائے اور تجھ پر رحمت کی نظر کرے۔

(اس کا ردعمل یہ ہوا کہ یادگار محمد نے) تمام کنیزوں اور غلاموں کو آزاد کر دیا اور جو کچھ ان سے متعلق دیکھا، وہ بھی ان کو بخش دیا، اس کی دو بیویاں تھیں دونوں کو طلاق دیدی اور دل و جان سے حضرت شیخ کی محبت و الفت اور اتحاد و اعتقاد کی نذر کر دیے اور واصلان حق سے ہوا۔

اولیائے کرام کو پروردگار عالم نے بندوں کی اصلاح و تربیت کے ایسے ایسے گر عطا فرمائے ہیں جو عام انسانوں کی سمجھ سے بالاتر ہیں۔ یادگار محمد کو ایک نظر کیمیا اثر نے رفض سے توبہ کرنے پر مجبور کیا اور ذیل کی عبارت میں آپ ملاحظہ فرمائیں گے کہ پرندے کی ایک بھنی ہوئی ران کھلا کر اصلاح حال فرمائی، واقعہ یوں ہے۔

### حکیم ضیاء الدین کی اصلاح حال:

حضرت خواجہ سبزوار سے بلخ آئے اور حضرت شیخ احمد خضرویہ کی خانقاہ میں چند ماہ قیام فرمایا۔ وہاں مولانا ضیاء الدین بلخی تھے۔ مولانا کو علم تصوف پر بالکل اعتماد و

اعتقاد نہ تھا، چنانچہ وہ اکثر اپنے شاگردوں سے کہا کرتے تھے کہ علم تصوف ہذیان ہے کہ جو تپ زدہ اور مسلوب العقل بکا کرتے ہیں۔ اور اس نیک بخت گروہ کے حق میں سوائے گالیاں دینے کے کچھ نہ کہتے تھے۔ اتفاق سے حضرت خواجہ کا گزر اس گاؤں سے ہوا، جہاں حکیم ضیاء الدین درس دیتے تھے، وہاں تیر سے ایک کلنگ کو شکار کیا اور چاہا کہ اس کے کباب بنائیں اور کام میں لائیں، حضرت نے ایک درخت کے نیچے قیام کیا اور خادم کو حکم دیا کہ آگ جلائے اور کباب تیار کرے، خود نماز پڑھنے میں مشغول ہو گئے۔

اتفاق سے مولانا حکیم ضیاء الدین کا اس طرف سے گزر ہوا، دیکھا کہ ایک درویش نماز میں مشغول ہیں اور ان کا خادم کلنگ کے کباب بنا رہا ہے۔ مولانا بھوکے تھے انہوں نے چاہا کہ کچھ دیر اس درخت کے نیچے جہاں حضرت زبدۃ المشائخ (خواجہ غریب نواز) مشغول عبادت تھے قیام کریں اور کباب میں سے چند لقمے کھائیں۔ جب حضرت خواجہ نماز سے فارغ ہوئے تو حکیم ضیاء الدین کی یہ مجال نہ تھی کہ ان کے قدموں پر اپنا سر نہ رکھیں، لیکن تکلف سے انھوں نے اپنے کو باز رکھا۔ سلام کیا اور ان کے ساتھ بیٹھ گئے، اسی وقت حضرت زبدۃ المشائخ کے خادم نے کباب پیش کیا، حضرت شیخ نے 'بسم اللہ الرحمٰن الرحیم' پڑھی اور اس کلنگ کی ایک ران علاحدہ کی اور مولانا ضیاء الدین حکیم کے سامنے رکھ دی اور دوسری ران میں سے کچھ گوشت کاٹا اور خود تناول فرمایا۔ مولانا ضیاء الدین نے جب اس کباب میں سے ایک لقمہ اٹھایا اور کھایا تو فوراً اس لقمے کے اثر سے ان کے سینے میں ظلمت فلسفیانہ کا جو رنگ تھا، اس کی جگہ اسرار معرفت کے انوار رونما ہو گئے۔ چنانچہ مولانا اس نور کے ظاہر ہونے کے بعد از خود رفتہ ہو گئے، کچھ دیر بعد حضرت زبدۃ االمشائخ نے اپنا پس خوردہ ان کے منہ میں ڈال دیا، جس سے مولانا ہوش میں آ گئے۔ جب مولانا کو اسرار وحدت کی روشنی حاصل ہوئی تو انھوں نے اپنا تمام فلسفیانہ کتب خانہ دریا میں ڈال دیا اور اپنے آپ کو



دنیاوی ساز و سامان سے آزاد کر لیا اور ان کے مرید ہو گئے اور ان کے تمام شاگرد بھی حضرت خواجہ بزرگ کی بیعت سے مشرف ہوئے۔ (خواجہ بزرگ نے) مولانا ضیاء الدین کو اس جگہ متعین کر دیا اور خود غزنین کی طرف روانہ ہو گئے۔[۱۹]

### صوفی حمید الدین ناگوری کی توبہ:

حضرت صوفی حمید الدین ناگوری[۲۰] حضرت خواجہ غریب نواز رحمتہ اللہ علیہ کے اجلہ خلفا میں سے ہیں، آپ کے جوانی کے ابتدائی ایام روش زمانہ کے مطابق لاابالی پن میں گذرے، لیکن حضرت خواجہ بزرگ کی نگاہ کیمیا اثر نے اصلاح و تربیت کا وہ کارنامہ انجام دیا کہ ان کی زندگی میں انقلاب پیدا ہو گیا اور آزادی ترک کر کے راہ راست اختیار کر لی۔ سیر العارفین میں ہے:

وہ (صوفی حمید الدین ناگوری رحمتہ اللہ علیہ) ابتدائی زمانے میں بہت پریشان حال تھے، وہ نہایت خوب صورت تھے، چناں چہ جو عورت ان کو دیکھتی تھی، فریفتہ ہو جاتی تھی۔ جب انھوں نے حضرت معین الملۃ والدین کی صحبت پائی تو تائب ہو گئے، توبہ کر لینے کے بعد ان کے ہم نشینوں نے پھر فسق و فجور کی طرف بلایا، انھوں نے جواب دیا کہ میں نے اپنے کمر بند کو اتنا مضبوط باندھ لیا ہے کہ معلوم نہیں کہ بہشت کی حوروں پر بھی کھولوں یا نہیں۔ انھوں نے تائب ہونے کے بعد حضرت شیخ کے ہاتھ پر بیعت کی اور یک بارگی ترک و تجرید اختیار کر لی اور جو کچھ ان کی ملکیت میں تھا، فقرا کو دے دیا۔[۲۱]

حضرت خواجہ بزرگ کی اصلاحی سرگرمیوں نے باشندگان ہند کے اندر اسلامی روح پھونک دی اور کج روی سے دور رکھا۔ گویا ہندوستان کے اندر جو کچھ بھی اصلاحی انقلاب برپا ہوا وہ حضرت خواجہ غریب نواز کی جہد مسلسل اور آپ کے خلفا کی سعی پیہم کا نتیجہ ہے۔ آپ ہی کے عہد زریں میں اجمیر کی سیاسی مرکز ختم ہو گئی اور دہلی پورے طور پر ہندوستان کا دار السلطنت قرار پایا۔ آپ نے رشد و ہدایت اور اصلاح و

تربیت کے لیے اپنے احب خلفا میں سے حضرت قطب الدین بخت یار کا کی رحمۃ اللہ علیہ کو دہلی کی ذمہ داری سونپی اور حضرت صوفی حمید الدین ناگوری رحمۃ اللہ علیہ کو ناگور کے محاذ پر تعینات کیا اور خود اجمیر کو اپنا مستقر باقی رکھا جہاں سے اسلام کی تعلیمات لوگوں تک پہنچائیں۔ جس کا اثر یہ ہوا کہ اہل وطن دامن اسلام سے وابستہ ہونے لگے اوران کی تربیت نے وابستگان کے اندر وہ اسلامی جذبہ پیدا کیا کہ انھوں نے بقیہ عمر اسلام کی دعوت و اشاعت اور بندگان خدا کی تربیت و اصلاح میں گزار دی اور بڑی بڑی کامیابی و کامرانی کے ساتھ راہی ملک بقا ہوئے۔

بزرگوں کے ملفوظات وارشادات بھی رشد و ہدایت اور اصلاح وتربیت کا اہم ذریعہ ہوتے ہیں۔ اس لیے خواجہ بزرگ حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ کے ملفوظات کا ایک حسین انتخاب دیدہ ودل کی تازگی کے لیے پیش ہے۔ آپ کے ملفوظات کا مجموعہ ''دلیل العارفین'' کے نام سے آپ کے خلیفہ ارشد حضرت قطب الدین بختیار کاکی علیہ الرحمۃ نے مرتب کیا ہے۔ اصل کتاب فارسی زبان میں ہے اور کم یاب ہے، میرے سامنے اس کا اردو ترجمہ ہے جس پر مترجم کا نام مرقوم نہیں۔ دلیل العارفین کے تعلق سے اہل علم کی مختلف رائیں ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ ان کے ملفوظات کا مجموعہ ہے اور بعض کا خیال ہے کہ اس کا انتساب ان کی طرف صحیح نہیں۔ مگر شیخ محقق علامہ عبد الحق محدث دہلوی [۲۲] رحمۃ اللہ علیہ نے ''اخبار الاخیار'' میں جہاں حضرت خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ کا سوانحی خاکہ بہت ہی مختصر انداز میں کھینچا ہے۔ وہیں ان کے ملفوظات قدرے تفصیل کے پیش کیے ہیں، اس سے ان کے ملفوظات کا اعتبار ان کے نزدیک بحال نظر آتا ہے۔ اس کتاب میں حضرت خواجۂ اجمیری رحمۃ اللہ علیہ کی بارہ مجلسوں کے ملفوظات وارشادات ہیں، جس میں صوفیانہ اسرار و رموز اور دینی احکام و مسائل مثلاً: طہارت، نماز، صدقہ، شریعت وطریقت، عظمت قرآن، عظمت والدین، علما کا مرتبہ، زیارت کعبہ کا ثواب، قدرت الٰہی، وظیفہ



پر مداومت، نیک صحبت، مراتب سلوک، محبت میں صادق کون، قدرت الٰہی، فضائل سورۂ فاتحہ، توکل عارفان، ملک الموت، پیر کے حکم کی بجا آوری، پیر اور مرید کا رشتہ، عذاب قبر، قبرستان کی تعظیم وتوقیر، گناہ کبیرہ، عبادت، عبادت اہل سلوک، توبہ اور تنہائی پر اختصار کے ساتھ بڑے عمدہ اشارے اور کنائے فرمائے ہیں جو بندگان خدا کی اصلاح اور تربیت کے لئے گہرہائے گراں مایہ ہیں۔

**طہارت:**

☆ (وضو میں) ہر عضو کو تین مرتبہ دھونا سنت ہے، چناں چہ حدیث میں ہے: ہر عضو کو تین مرتبہ دھونا میری سنت ہے اور مجھ سے پہلے پیغمبروں کی بھی یہی سنت ہے۔ اس پر زیادہ ستم ہے [۲۳]

☆ حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے وضو کرتے وقت ہاتھ دو مرتبہ دھوئے۔ جب نماز ادا کر چکے تو اسی رات رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا جو فرماتے ہیں کہ مجھے تو تعجب ہے کہ تمہارے وضو میں کمی رہ جائے۔ خواجہ صاحب اس ہیبت سے جاگ پڑے، پھر تازہ وضو کر کے نماز ادا کی۔ کفارہ کے لیے سال بھر پانچ سو رکعات بطور وظیفہ کے روزانہ ادا کی۔ [۲۴]

☆ جب آدمی رات کو باطہارت سوتا ہے تو حکم ہوتا ہے کہ فرشتے اس کے ہمراہ رہیں۔ وہ صبح تک اللہ تعالیٰ سے یہی التجا کرتے رہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس بندے کو بخش دے، کیوں یہ باطہارت سویا ہے۔ [۲۵]

☆ جب آدمی باطہارت سوتا ہے تو فرشتے اس کی جان عرش کے نیچے لے جاتے ہیں اور حکم ہوتا ہے کہ اسے نوری خلقت پہنادو، جب وہ سجدہ کر چکتا ہے تو حکم ہوتا ہے کہ اسے واپس لے جاؤ کیوں کہ یہ نیک بندہ ہے جو باطہارت سویا ہے اور جو شخص بے طہارت سوتا ہے، اس کی جان کو پہلے ہی

آسمان سے واپس کر دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ اس لائق نہیں کہ اسے لے جایا جائے، ایسا آدمی اللہ کو سجدہ کرنے والا نہیں۔[۲۶]

**نماز:**

نماز ایک امانت ہے، جو اللہ تعالیٰ نے بندوں کے سپرد کی ہے تو بندوں پر واجب ہے کہ امانت میں کسی قسم کی خیانت نہ کریں۔ جب لوگ نماز اچھی طرح ادا کرتے ہیں اور اس کے تمام حقوق بجالاتے ہیں، رکوع وسجود اور قرات وتسبیح کو محفوظ رکھتے ہیں تو فرشتے اس نماز کو آسمان پر لے جاتے ہیں پھر اس نماز سے نور شائع ہوتا ہے اور آسمان کے دروازے کھل جاتے ہیں، جب وہ نماز عرش سے نیچے لائی جاتی ہے تو حکم ہوتا ہے کہ سجدہ کر اور نماز ادا کرنے والے کے لیے بخشش مانگ، کیوں کہ وہ تیرے حقوق اچھی طرح بجالایا۔ پھر خواجہؒ صاحب روئے اور فرمایا کہ یہ تو اچھی نماز ادا کرنے والوں کے حق میں ہے۔ لیکن جو ارکان نماز بخوبی ملحوظ نہیں رکھتے، جب ان کی نماز کو فرشتے آسمان پر لے جاتے ہیں تو آسمان کے دروازے نہیں کھلتے اور حکم ہوتا ہے کہ اس نماز کو لے جا کر اسی نمازی کے سر پر ماردو۔ پھر نماز زبان حال سے کہتی ہے کہ جس طرح تو نے مجھے ضائع کیا ہے، خدا تجھے ضائع کرے۔

☆ فرمایا، ایک مرتبہ میں شام کے قریب ایک شہر میں تھا...... اس کے باہر ایک غار تھی جس میں ایک بزرگ شیخ اوحد محمد الواحد غزنوی رہتے تھے اور جن کے وجود مبارک پر چمڑا ہی چمڑا تھا، سجادہ پر بیٹھے ہوئے تھے اور دو شیر ان کے پاس کھڑے تھے، میں شیروں کے ڈر کے مارے پاس نہ جا سکتا تھا، جب ان کی نگاہ مجھ پر پڑی تو فرمایا، آجاؤ، ڈرو نہیں۔ جب میں پاس گیا تو آداب بجالایا اور بیٹھ گیا۔

پہلی بات جو بزرگ نے مجھ سے کی وہ یہ ہے کہ اگر تو کسی کا ارادہ نہ کرے گا تو وہ تیرا بھی ارادہ نہ کرے گا، یعنی شیر کی کیا ہستی ہے کہ تو اس سے ڈرتا ہے، پھر فرمایا



کہ جب تیرے دل میں خدا کا خوف ہوگا تمام تجھ سے ڈریں گے، شیر کی کیا حقیقت ہے، وہ لوگوں سے بھی نہیں ڈرے گا، اس قسم کی بہت سی باتیں بیان فرمائیں، پھر پوچھا کہاں سے آنا ہوا، عرض کی بغداد سے، فرمایا آنا مبارک ہو، لیکن لازم ہے کہ درویشوں کی خدمت کرے تاکہ بزرگ بن جائے، لیکن سنو! مجھے اس غار میں رہتے ہوئے کئی سال گزر گئے اور تمام خلقت سے گوشہ نشینی اور تنہائی اختیار کی ہے۔ لیکن تیس سال سے ایک چیز کے سبب رو رہا ہوں۔ اس ڈر سے دن رات روتا ہوں۔ میں نے پوچھا وہ کیا؟ فرمایا: جب میں نماز ادا کرتا ہوں تو اپنے آپ کو دیکھ کر روتا ہوں کہ اگر ذرہ بھی شرط نماز ادا نہ ہوئی تو سب کچھ ضائع ہو جائے گا۔ اسی وقت فرشتے یہ طاعت میرے منہ پر دے ماریں گے۔ تو اے درویش اگر تو نماز کے حق سے عہدہ برآ ہو تو واقعی تو نے بڑا کام کیا ہے، نہیں تو اپنی عمر ضائع کرے گا۔ پھر حدیث بیان فرمائی: رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک کوئی گناہ دنیا میں اور کوئی دشمن قیامت میں اس سے بڑھ کر نہیں کہ نماز کو باشرائط ادا نہ کیا جائے۔ میرے بدن پر جو ہڈیاں اور چمڑا دکھائی دیتا ہے یہ اسی کے سبب ہے۔ مجھے معلوم نہیں کہ آیا مجھ سے نماز کا حق ادا ہوا بھی ہے یا نہیں!

پھر خواجہ صاحب نے آبدیدہ ہو کر فرمایا: اے درویش! نماز دین کا رکن ہے اور رکن ستون ہوتا ہے جب ستون قائم ہوگا تو گھر بھی قائم رہے گا، جب ستون نکل جائے گا، تو چھت فوراً گر پڑے گی۔ چوں کہ اسلام اور دین کے لیے نماز بمنزلہ ستون ہے۔ جب نماز کے اندر فرض، سنت، رکوع اور سجود میں خلل آئے گا، تو درحقیقت اسلام اور دین وغیرہ خراب ہو جائیں گے۔ [۲۷]

☆ وہ کیسے مسلمان ہیں جو نماز وقت پر ادا نہیں کرتے اور اس قدر دیر کرتے ہیں کہ وقت گذر جاتا ہے، اس کی مسلمانی پر بیس ہزار افسوس جو اللہ تعالیٰ کی بندگی میں کوتاہی کرتے ہیں۔ [۲۸]

☆ فرماتے ہیں کہ میرا گزر ایسے شہر سے ہوا جہاں پر رسم تھی کہ وقت سے پہلے نماز کے لیے تیار ہو جاتے تھے۔ میں نے پوچھا کہ اس میں کیا حکمت ہے؟ تم سب وقت سے پہلے ہی تیار ہو۔ کہا سبب یہ ہے کہ وقت ہو تو فوراً نماز ادا کر لیں، جب تیار نہ ہوں گے تو شاید وقت گذر جائے، پھر یہ منہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو کس طرح دکھا سکیں گے، کیوں کہ حدیث شریف میں آیا ہے۔

عجلوا بالتوبة قبل الموت وعجلوا بالصلوٰة قبل الفوت۔[۲۹]

مرنے سے پہلے توبہ کے لیے جلدی کرو اور فوت ہونے سے پہلے نماز کے لیے جلدی کرو

☆ ایک مرتبہ خواجہ بایزید بسطامی علیہ الرحمتہ سے صبح کی نماز قضا ہوگئی تو اس قدر روئے کہ بیان نہیں ہوسکتا۔ آواز آئی اے بایزید! تو اس قدر آہ و زاری کیوں کرتا ہے؟ اگر صبح کی ایک نماز فوت ہوگئی تو ہم نے تیرے اعمال میں ہزار نماز کا ثواب لکھ دیا ہے۔ [۳۰]

☆ جو شخص پانچوں (وقت کی) نمازیں باوقت ادا کرتا ہے، وہ قیامت کے دن اس کی رہنما بنتی ہیں۔

☆ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جس کی نماز نہیں، اس کا ایمان نہیں۔[۳۱]

**عظمت والدین:**

والدین کے چہرے کو دیکھنا عبادت ہے، اس لیے کہ حدیث میں آیا ہے کہ جو فرزند دوستیٔ خدا سے اپنے والدین کا چہرہ دیکھتا ہے، اس کے نامۂ اعمال میں حج کا ثواب لکھا جاتا ہے۔ ایک فاسق اور بدکار جوان فوت ہوا، تو اس نے خواب میں دیکھا کہ حاجیوں کے ساتھ بہشت میں ٹہل رہا ہے، لوگوں کو تعجب ہوا۔ سبب دریافت کیا۔ کہا، میری بڑھیا ماں تھی۔ جب میں گھر سے نکلتا، اس کے قدموں پر سر رکھ دیتا، ماں



دعا دیتی کہ اللہ تجھے بخشے اور حج کا ثواب تیرے نصیب کرے، اللہ تعالیٰ نے اس کی دعا قبول کر لی اور مجھے بخش دیا، اب میں حاجیوں کے ساتھ بہشت میں ٹہل رہا ہوں [۳۲]

حضرت بایزید بسطامی رحمتہ اللہ علیہ سے دریافت کیا گیا کہ یہ مرتبہ آپ کو کس طرح حاصل ہوا، تو فرمایا: میں ابھی سات سال کا تھا کہ مسجد میں استاد سے قرآن مجید پڑھنے جایا کرتا تھا، جب اس آیت پر پہنچا، وَبِالْوَالِدَیْنِ إِحْسَاناً۔ تو استاد سے اس کا مطلب پوچھا۔ فرمایا حکم الٰہی ہے کہ جس طرح میری خدمت بجالاتے ہو، والدین کی بھی خدمت استاد بجالاؤ۔ استاد سے یہ سنتے ہی بستہ باندھ کر گھر گیا اور ماں کے قدموں پر سر رکھ دیا کہ اے ماں! میں نے سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یوں فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے میرے لئے کچھ مانگ، میں کما حقہ تیری خدمت بجالاؤں گا۔ جب والدہ سے یہ درخواست کی تو انھوں نے رحم کھا کر دوگانہ ادا کرنے کے بعد میرا ہاتھ قبلہ رخ ہو کر سونپا، یہ دولت مجھے وہاں سے نصیب ہوئی جس کا سبب والدہ کی دعا تھی۔ دوسرے یہ کہ ایک مرتبہ موسم سرما میں رات کے وقت میری ماں نے پانی مانگا۔ میں کوزہ بھر کر ہاتھ پر رکھ کر حاضر ہوا، لیکن والدہ سو گئیں، میں نے نہ جگایا، چناں چہ رات کے آخری حصہ میں بیدار ہوئیں تو مجھے کوزے لئے کھڑا دیکھا، جب مجھ سے کوزہ لیا تو سردی کے مارے میرا ہاتھ کوزہ سے چپکا ہوا تھا، کوزہ کے ساتھ ہی میرے ہاتھ کا چمڑا اکھڑ گیا۔ ماں نے ترس کھا کر میرا سر بغل میں لیا اور چھاتی سے لگا کر بوسہ لیا اور کہا۔ اے جان مادر! تو نے بڑی تکلیف اٹھائی۔ یہ کہہ کر میرے حق میں دعا کی کہ اللہ تعالیٰ تجھے بخشے۔ میری ماں کی دعا قبول ہوئی اور یہ سب دولت اسی دعا کی بدولت نصیب ہوئی [۳۳]

**عظمت قران:**

قرآن شریف کو دیکھنا ثواب ہے، جو شخص کلام اللہ شریف کی طرف دیکھتا ہے یا پڑھتا ہے اللہ تعالیٰ فرماتا کہ اسے دو ثواب دو، ایک قرآن شریف پڑھنے کا دوسرا

قرآن شریف دیکھنے کا، اور ہر حرف کے بدلے میں اسے دس نیکیاں عطا ہوتی ہیں اور دس بدیاں مٹائی جاتی ہیں۔ [۳۴]

پہلے زمانہ میں ایک فاسق جوان تھا، جس کی بدکاری سے لوگوں کو نفرت آتی تھی۔ لوگ اسے بہت منع کرتے، لیکن ایک نہ سنتا۔ الغرض جب وہ مرگیا تو اسے خواب میں دیکھا کہ سر پر تاج رکھے، خرقہ پہنے فرشتوں کے ہمراہ بہشت میں جارہا ہے، اس سے پوچھا گیا کہ تو تو بدکار تھا، یہ دولت کہاں سے نصیب ہوئی؟ جواب دیا کہ دنیا میں مجھ سے ایک نیکی ہوئی، وہ یہ کہ جہاں کہیں قرآن شریف دیکھ لیتا، کھڑے ہوکر بڑی عزت کی نگاہ سے اسے دیکھتا، اللہ تعالیٰ نے مجھے اس کی بدولت بخش دیا اور یہ درجہ عنایت فرمایا [۳۵]

**علما کا مرتبہ:**

اگر کوئی شخص علما کی طرف دیکھے تو اللہ تعالیٰ ایک فرشتہ پیدا کرتا ہے جو قیامت تک اس کے لیے بخشش مانگتا رہتا ہے۔ جس دل میں علما و مشائخ کی محبت ہو، ہزار سال کی عبادت اس کے نامۂ اعمال میں لکھی جاتی ہے۔ اگر وہ اسی اثنا میں مرجائے تو اسے علما کا درجہ ملتا ہے اور اس مقام کا نام ''علیین'' ہے۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جو شخص علما سے آمد و رفت رکھے اور سات دن ان کی خدمت کرے، اللہ تعالیٰ اس کے سارے گناہ بخش دیتا ہے اور سات ہزار سال کی نیکی اس کے نامۂ اعمال میں لکھتا ہے، ایسی نیکی کہ دن کو روزہ رکھے اور رات کو کھڑے ہوکر گزار دے۔ [۳۶]

**زیارت کعبہ ثواب:**

خانہ کعبہ کا دیکھنا کارثواب ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: جو شخص خانہ کعبہ کی زیارت کرے گا، وہ عبادت میں داخل ہوگا۔ اس کی زیارت سے ہزار سال کی عبادت کا ثواب اس کے نامۂ اعمال میں لکھا جائے گا اور اسے اولیا کا درجہ



نصیب ہوگا۔ [۳۷]

**پیر اور مرید کا رشتہ:**

اپنے پیر کو دیکھنا اور ان کی خدمت کرنا کارثواب ہے، حضرت خواجۂ اجمیری اپنے پیر حضرت عثمان ہارونی کے حوالے سے بیان کرتے ہیں، جو شخص اپنے پیر کی خدمت کما حقہ ایک دن بجالائے، اللہ تعالیٰ بہشت میں مروارید کی ہزار محل اسے عنایت کرے گا اور ہزار سال کی عبادت کا ثواب اس کے نامۂ اعمال میں لکھا جائے گا۔ مرید کو لازم ہے کہ جو کچھ پیر کی زبان سے سنے، اس پر بڑی کوشش سے عمل کرے اور پیر کی خدمت بجالائے اور حاضر خدمت رہے۔ اگر متواتر خدمت بجانہ لاسکے تو کم از کم ایک بار کی ضرور کوشش کرے۔ [۳۸]

جس نے کچھ پایا خدمت سے پایا، مرید کو چاہئے کہ پیر کے فرمان سے ذرہ برابر بھی تجاوز نہ کرے اور جو کچھ اسے نماز، تسبیح اور اوراد وظائف وغیرہ کی بابت فرمائے، گوش ہوش سے سنے اور اسے بجالائے تاکہ کسی مقام پر پہنچ سکے۔ کیوں کہ پیر مرید کا سنوارنے والا ہے۔ پیر جو کچھ فرمائے گا، وہ مرید کے کمال کے لیے ہی فرمائے گا۔ [۳۹]

**فضیلت سورۂ فاتحہ:**

سورۂ فاتحہ کو حاجت برآوری کے لیے بہ کثرت پڑھنا چاہئے۔ حدیث میں ہے کہ جسے کوئی مشکل پیش آئے وہ حسب ذیل طریقہ سے سورۂ فاتحہ پڑھے۔ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ الحمد للہ رب العلمین۔ یعنی رحیم کی میم کو لام سے ملائے اور آمین کے وقت تین مرتبہ آمین کہے۔ اللہ تعالیٰ اس کی مشکل کو حل کردے گا۔ [۴۰]

سورۂ فاتحہ تمام دردوں اور بیماریوں کے لئے شفا ہے، جو بیماری کسی علاج سے درست نہ ہو، وہ صبح کی نماز کے فرضوں اور سنتوں کے درمیان اکتالیس مرتبہ بسم اللہ اور سورۂ فاتحہ پڑھ کر دم کرنے سے دور ہوجاتی ہے۔ اس لیے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: الفاتحة شفاء من کل داءٍ یعنی سورۂ فاتحہ ہر مرض کی دوا ہے۔ [۴۱]

**ورد پر مداومت:**

فرمایا: جو شخص ورد مقرر کرے، اسے روزانہ پڑھنا چاہئے، دن کو اگر نہ ہو سکے تو رات کو ضرور پڑھے۔ مولانا رضی الدین رحمۃ اللہ علیہ گھوڑے پر سے گر پڑے ،جس سے پاؤں میں چوٹ آ گئی، جب گھر آئے تو سوچا کہ یہ بلا مجھ پر کہاں سے آئی، یاد آ گیا کہ صبح کی نماز میں سورۂ یٰسین پڑھا کرتا تھا، وہ آج نہیں پڑھی۔[۴۲]

اسی موقع سے یہ حکایت بیان فرمائی کہ ایک بزرگ ''خواجہ عبداللہ مبارک'' سے ایک مرتبہ وظیفہ نہ ہو سکا، اسی وقت غیب سے آواز آئی کہ اے عبداللہ! جو عہد تو نے ہم سے کیا تھا، شاید تو بھول گیا ہے، یعنی وظیفہ تو نے آج نہیں پڑھا۔[۴۳]

**شریعت،طریقت،معرفت،حقیقت:**

فرمایا: راہ شریعت پر چلنے والوں کی ابتدا یہ ہے کہ جب لوگ شریعت پر ثابت قدم ہو جاتے ہیں اور شریعت کے تمام فرمان بجالاتے ہیں اور ان کے بجالانے میں ذرہ برابر بھی تجاوز نہیں کرتے تو اکثر وہ دوسرے مرتبے پر پہنچتے ہیں جسے طریقت کہتے ہیں۔ اس کے بعد جب مع شرائط طریقت پر ثابت قدم ہوتے ہیں اور تمام احکام شریعت بے کم وکاست بجالاتے ہیں تو معرفت کے درجے کو پہنچ جاتے ہیں، جب معرفت کو پہنچتے ہیں تو شناخت وشناسائی کا مقام آ جاتا ہے، جب اس مقام پر بھی ثابت قدم ہو جاتے ہیں تو درجۂ حقیقت کو پہنچتے ہیں۔ اس مرتبہ پر پہنچ کر جو کچھ طلب کرتے ہیں، پالیتے ہیں۔[۴۴]

**سلوک اور مراتب سلوک:**

فرمایا: مشائخ نے سلوک کے سو درجے مقرر کیے ہیں۔ ان میں سے سترہواں مرتبہ کشف وکرامت کا ہے۔ جو شخص اس سترہویں درجے میں اپنے آپ کو ظاہر کر دے، وہ باقی تراسی کس طرح حاصل کرے گا۔ سالک کو چاہیے کہ جب تک سویں مرتبہ پر نہ پہنچ جائے اپنے آپ کو ظاہر نہ کرے۔[۴۵]



خواجگان چشت کے خاندان میں بعض نے پندرہ درجے مقرر کیے ہیں، جن میں پانچواں کشف وکرامت کا ہے، ہمارے خواجگان فرماتے ہیں کہ جب تک پندرہویں درجے تک نہ پہنچ جائے، اپنے آپ کو ظاہر نہ کرے۔ پھر کامل ہو گا۔[۴۶]

ایک مرتبہ خواجہ بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ نے مناجات کے وقت یہ الفاظ کہے ''كيف السلوك عليك'' آواز آئی۔ اے بایزید طلق نفسك ثلثا وقل هو الله احد یعنی پہلے اپنے آپ کو تین طلاق دے، پھر ہماری بات کر۔ [۴۷]

فرمایا: جب تک آدمی راہ سلوک میں پہلے دنیا ومافیہا اور پھر اپنے آپ کو نہ چھوڑے، وہ اہل سلوک میں داخل ہی نہیں ہو سکتا اور نہ ان میں کا ہوتا ہے۔ اگر اس کی یہ حالت نہ ہو تو سمجھو کہ جھوٹا ہے۔ [۴۸]

**صحبت نیکاں:**

فرمایا: حدیث شریف میں آیا ہے ''الصحبة توثر'' یعنی صحبت کا اثر ضرور ہوتا ہے۔ اگر کوئی برا شخص نیکوں کی صحبت اختیار کرے تو امید ہے کہ وہ نیک ہو جائے گا اور اگر نیک شخص بدوں کی صحبت میں بیٹھے تو بد ہو جائے گا۔ کیوں کہ جس کسی نے کچھ حاصل کیا، صحبت سے حاصل کیا اور جو نعمت حاصل ہوئی، وہ نیکوں سے حاصل ہوئی۔[۴۹]

**عارفوں کا توکل:**

فرمایا: عارفوں کا توکل یہ ہے کہ ان کا توکل سوائے خدا کے کسی پر نہ ہو اور نہ کسی چیز کی طرف توجہ کریں۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام سے کہا کہ آپ کو کچھ ضرورت ہے، فرمایا: تجھ سے نہیں۔ اس لیے کہ آپ اپنے نفس سے غائب تھے۔ لیکن اللہ تعالی سے باطنی حضور حاصل تھا۔ عارف کا توکل حق پر اس قسم کا ہوتا ہے کہ وہ عالم سکر میں متحیر رہتا ہے۔ متوکل حقیقت میں وہ ہے جو مخلوق کی مدد کرے اور تکلیف کی شکایت نہ کرے۔ اہل توکل پر تجلیات شوق میں ایک

ایسا وقت آتا ہے کہ اگر اس وقت انھیں ذرہ ذرہ کر دیا جائے یا تلوار سے زخمی کیا جائے، یا کسی اور طرح رنج والم پہنچایا جائے تو انھیں مطلق خبر نہیں ہوتی۔[۵۰]

عارف آفتاب کی طرح ہوتا ہے جو سارے جہان کو روشنی بخشتا ہے۔ جس کی روشنی سے کوئی چیز خالی نہیں رہتی [۵۱]

**ملک الموت:**

فرمایا: بغیر ملک الموت کے دنیا کی قیمت جو بھر بھی نہیں، پوچھا کیوں؟ فرمایا: اس واسطے کہ حدیث میں ہے الموت جسر یوصل الحبیب الی الحبیب یعنی موت ایک پل ہے جو دوست سے دوست کی ملاقات کراتا ہے۔[۵۲]

حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ کے یہ چند ملفوظات کے روشن موتی ہیں جن میں اصلاح وتربیت کے پہلو نمایاں ہیں۔ انہیں پر یہ مضمون ختم کیا جاتا ہے، لیکن اس بات کا اظہار بھی ضروری ہے کہ حضرات خواجگان چشت کے حالات صحیح اور معتبر ذرائع سے ملنا بڑا مشکل ہے۔ اور خاص طور سے حضرت خواجہ اجمیری کے صحیح حالات مرتب کرنے میں جو دشواریاں سامنے آتی ہیں، انھیں اہل تحقیق کی تحریروں سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

استاذی الکریم حضرت علامہ محمد احمد مصباحی شیخ الجامعہ، جامعہ اشرفیہ مبارکپور حضرت خواجہ اجمیری کے حالات کے تعلق سے یوں افادہ فرماتے ہیں:

''خواجۂ اجمیری علیہ الرحمتہ کے احوال میں اتنا مختلف، متضاد اور طویل وضخیم مواد تیار ہو گیا ہے کہ آج ایک قاری حیران ہو جاتا ہے کہ کس کو مانے، کس کو رد کرے اور کس کو ترجیح دے۔ سب اپنی بات نہایت وثوق سے لکھ رہے ہیں گویا شریک حال رہے ہوں یا شرکائے حال سے سن کر قلم بند کیا ہو۔ آج ہی سے نہیں آج سے چار سو سال پہلے حضرت شیخ محقق شاہ عبد الحق محدث دہلوی علیہ الرحمتہ (۹۵۸ھ-۱۰۵۲ھ) کے سامنے بھی یہی صورت حال تھی، اسی لیے وہ اخبار الاخیار میں حضرت



خواجہ کے حالات میں سیدنا عثمان ہارونی کی بیس سالہ خدمت، رائے پتھورا کے زمانے میں ہندستان آمد اور تاریخ وصال ۶/رجب ۶۳۳ھ کے سوا کچھ نہ لکھ سکے۔ اس تاریخ وصال میں بھی اختلاف دیکھا، ناچار اسے ذکر کر کے اول کو ترجیح دی۔ پھر جو معتبر چیز انھیں نظر آئی، وہ حضرت کے ملفوظات تھے جو سیدنا قطب الدین بختیار کاکی نے جمع کیے تھے، ان سے تقریباً دو صفحے نقل کیے پھر اجمیر اور ناگوری کی وجہ تسمیہ بتاکر تذکرہ ختم کر دیا، ولادت، تاریخ ولادت کا بھی ذکر نہ آنے دیا، نہ عمر کا ذکر کیا۔ انھوں نے دیباچہ میں لکھا ہے کہ میری کوشش ہوگی کہ وہی ذکر کروں جو صحیح ہو اور اختلاف کی صورت میں کچھ فراست اور قرآن وغیرہ سے صدق کی جستجو کروں۔[۵۳]

ان بزرگوں اور محققین کی پیروی کرتے ہوئے ناچیز راقم السطور نے بھی اس مضمون میں انھیں باتوں کو پیش کرنے کی کوشش کی ہے جو اہل تحقیق کے نزدیک محقق اور اہل علم کے نزدیک معتبر ہیں۔ و اللہ الھادی و بہ الایادی۔

## حواشی ومراجع

۱ خواجہ ابو محمد چشتی بن خواجہ ابو احمد کی ولادت شب یکم محرم ۳۳۱ھ/۹۴۲ء میں ہوئی۔ آپ مادرزاد ولی تھے، ایام حمل میں آپ کی والدہ ماجدہ اپنے بطن سے لا الہ الا اللہ کی آواز سنتیں، جب اپنے شوہر خواجہ ابو احمد سے یہ حال بیان کیا تو انھوں نے فرمایا: مبارک ہو تیرے بطن سے ولد صالح پیدا ہوگا۔ ایام رضاعت کے بعد شیر مادر از خود ترک کر دیا، جب ساڑھے چار سال کی عمر ہوئی، مکتب بٹھائے گئے۔ تھوڑی ہی مدت میں قرآن ختم کر لیا، سات سال کی عمر ہوئی تو نماز باقاعدہ با جماعت ادا فرمانے لگے اور گوشۂ خلوت میں ذکر الٰہی فرمایا کرتے۔

والد گرامی سے بیعت و خلافت کی۔ جب چوبیس سال کی عمر ہوئی، والد گرامی نے دار فانی سے کوچ کیا اور آپ خانقاہ چشت کے سجادہ نشین ہوکر بیعت و ارشاد کے منصب پر فائز ہو گئے۔ آپ کے تین خلفا تھے۔ خواجہ ابو یوسف، خواجہ محمد کاکو، خواجہ استاد مردان۔ آپ کی وفات سیر الاقطاب کے مطابق ربیع الاول ۴۱۴ھ میں ہے اور سفینۃ الاولیا کے مطابق رجب ۴۱۱ھ/۱۰۲۰ء میں۔ مزار پرانوار چشت میں ہے۔

۲؎ تاریخ فرشتہ کے مطابق سلطان محمود غزنوی نے ۴۱۵ھ میں سومنات کی طرف کوچ کیا، اگر حضرت خواجہ ابو محمد چشتی کا سنہ وفات ۴۱۱ھ یا ۴۱۴ھ صحیح مانا جائے تو وہ حملہ سے پہلے وفات پا چکے تھے۔ اس زمانے میں سومنات ایک بہت بڑا شہر تھا یہ دریاے عمان (مراد شمالی بحیرہ عرب) کے کنارے واقع ہے، یہ شہر اپنے عظیم الشان بت کی وجہ سے تمام برہمنوں اور غیر مسلموں کے نزدیک بہت اہمیت رکھتا تھا۔ (تاریخ فرشتہ ج۱/۷۸)

۳؎ علامہ عبد الرحمٰن جامی/ ترجمہ اردو: شمس بریلوی نفحات الانس ص ۵۲۰، دانش پبلشنگ کمپنی نئی دہلی۔

۴؎ حضرت خواجۂ اجمیری کے ساتھ سنجری (س ن ج ر ی) کی نسبت بہت مشہور ہے لیکن اہل تحقیق کے نزدیک اس کی کوئی اصل نہیں۔ ان کی تحقیق میں سجزی (س ج ز ی) صحیح ہے۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں: سجزی بکسر سین وسکون جیم و کسر زاے معجمہ نسبت بہ سیستان، سیستان را بہ زبان عربی سجستان و سجز گویند۔ ایں تعریب است وابدال سین کہ بہ زا از تعریب است۔
ترجمہ: سجزی سین کسرہ، جیم کے سکون اور زاے معجمہ کے کسرہ کے ساتھ سیستان کی طرف منسوب ہے سیستان کو عربی زبان میں سجستان کہتے ہیں اور یہ تعریب ہے اور سین کا زا سے بدلنا تعریب کے تغیرات سے ہے۔ [الانتباہ



فی سلاسل اولیاء اللہ، ص ۸۸، مطبع احمد، دہلی]۔
مولانا عبد الاول جون پوری لکھتے ہیں: السجزی نسبۃ الی سجستان الاقلیم المعروف ویقال لہ فی الفارسیۃ سیستان فخواجہ معین الدین ولی الہند الاجمیری سجزی منسوب الی سجستان ومن یقولونہ منسوب الی سنجر فقولہم من قبیل غلط العلوم۔ ترجمہ: سجزی ایک مشہور ملک سجستان کی طرف منسوب ہے جسے فارسی میں سجستان کہا جاتا ہے، خواجہ معین الدین ولی الہند اجمیری کو سجستان کی طرف منسوب کرتے ہوئے سجزی کہتے ہیں۔ جو حضرات سنجری کی طرف نسبت کرتے ہوئے انھیں سنجری کہتے ہیں تو ان کا قول غلط العلوم کے قبیل سے ہے۔
(رسالہ تمرین الادب فی ترقین العرب ص ۲۸۔ مشمولہ شرح جامی مطبوعہ مجلس برکات جامعہ اشرفیہ مبارکپور)

۵؎ پرتھوی راج چوہان دہلی کا راجہ تھا، اجمیر بھی اس کی سلطنت میں تھا۔ دہلی کی سلطنت نانا انند پال (انگ پال) سے ملی اور اجمیر کی سلطنت اپنے باپ سومیشور سے وراثت میں پائی۔ اس طرح وہ دو طاقت ور مرکزی سلطنتوں کا مالک ہوا۔ چوں کہ اجمیر اس کے باپ دادا کا دار السلطنت تھا، اس لیے گمان غالب یہ ہے کہ وہ زیادہ تر اجمیر میں ہی رہتا تھا، یہی وجہ ہے کہ اجمیر اس وقت ہندوستان کا سب سے بڑا سیاسی مرکز تھا۔ پرتھوی راج بڑا بہادر، باہمت اور فنون سپہ گری میں طاق تھا۔ وہ قابل سپہ سالار اور ماہر تیر انداز تھا۔ ہندستان کے اتر، پچھّم میں غور نام کی ایک سلطنت تھی، اس کا حاکم محمد غوری تھا، وہ قوم کا ترک تھا ہندستان کے راجاؤں کی باہمی پھوٹ دیکھ کر اس نے ہندستان پر حملہ کر دیا۔ پرتھوی راج نے غوری کے اس حملے کو روکنے کے لئے راجپوت راجاؤں کو جمع کیا دہلی سے کچھ دور تراوڑی کے میدان

میں پرتھوی راج اور غوری کی فوجوں میں مڈھ بھیڑ ہوئی ، راجپوت بڑی دلیری سے لڑے اور غوری کی فوج کو تتر بتر کر دیا۔ غوری گھائل ہوا اور میدان سے جان بچا کر بھاگ نکلا۔ غوری اپنے ملک پہنچ کر پرتھوی راج سے اپنی شکست کا بدلہ لینے کی تیاری میں لگ گیا، دوسرے ہی سال وہ ایک بھاری فوج کے ساتھ پھر اسی تراوڑی کے میدان میں آ ڈٹا۔ پرتھوی راج نے ایک بار پھر راج پوت راجاؤں سے کہا کہ مل کر مقابلہ کریں، لیکن آپسی اختلاف کی وجہ سے کچھ ہی راجاؤں نے اس کا ساتھ دیا، سلطان غوری کی فوج بھاری پڑی، اس لئے پرتھوی راج اور اس کی فوج کو شکست کا منہ دیکھنا پڑا، پرتھوی راج گرفتار ہوا اور قتل کیا گیا، اس طرح راجپوت راجاؤں کی سلطنت کا خاتمہ ہوا اور سلطان شہاب الدین نے دہلی پر قبضہ کرلیا۔ اس طرح ہندستان میں غوری فرماں روائی کا آغاز ہوا۔

۶۔ **نظام الدین اولیا:** آپ کا اسم گرامی سید محمد، لقب شیخ المشائخ، نظام الدین اور محبوب الٰہی ہے۔ آپ نجیب الطرفین حسینی سید ہیں۔ ۲۷؍صفر ۶۳۴ھ/ ۱۲۳۶ء بمقام بدایوں پیدا ہوئے۔ ابھی آپ پانچ ہی سال کے تھے کہ والد گرامی حضرت سید احمد کا سایہ سر اسے اٹھ گیا۔ والدہ ماجدہ سیدہ بی بی زلیخا جو خدا شناس پارسا خاتون تھیں، نے ان کی پرورش کی اور دینی، اخلاقی تربیت کا فریضہ انجام دیا۔ آپ کے اساتذہ میں خواجہ شادی مقری، مولانا علاء الدین اصولی، مولانا شمس الدین، مولانا برہان الدین اور مولانا محمد بن احمد کا نام ملتا ہے۔ علم ظاہری حاصل کرنے کے بعد آپ نے حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کی بارگاہ میں رہ کر سلوک و معرفت کے مراحل طے کیے۔ ۱۳؍رمضان المبارک ۶۶۹ھ کو بابا فرید نے انھیں خلافت سے نوازا۔ آپ کی ذات مکارم اخلاق کا پیکر جمیل تھی۔ علم وفضل، عقل و



شعور اور جذبۂ عشق الٰہی سے رب کریم نے خوب نوازا تھا۔ بابا فرید نے عطائے خلافت کے وقت فرمایا تھا: اللہ تعالیٰ تم کو عقل، علم اور عشق کی دولت سے نوازے۔ آپ پوری زندگی خدمت خلق، اصلاح امت اور تبلیغ اسلام میں مصروف رہے۔

۱۸؍ربیع الآخر ۷۲۵ھ/۱۳۳۴ء بروز بدھ وصال ہوا۔ خانوادۂ چشت کے روحانی سربراہ کا جنازہ ہزاروں سوگوار ارادات مندوں کے کاندھوں پر اٹھا۔ سلطان دہلی محمد شاہ تغلق بھی جنازہ میں شریک تھا۔ نماز جنازہ شیخ الاسلام ابوالفتح رکن الدین نبیرۂ شیخ الاسلام حضرت بہاء الدین زکریا ملتانی نے پڑھائی۔ دہلی میں آپ کی آخری آرام گاہ مرجع خلائق ہے، تربت انور پر سلطان محمد تغلق نے شاندار گنبد تعمیر کرایا۔ (تذکرہ مشائخ عظام از مولانا ڈاکٹر محمد عاصم گھوسی ص ۲۸۵ تا ۲۹۲ ملخصا، مطبوعہ المجمع الاسلامی مبارک پور)

۷۔ سید محمد بن مبارک کرمانی۔ ولادت ۷۱۹ھ ۔ وفات ۷۷۱ھ۔ آپ سید مبارک بن محمود کرمانی کے صاحبزادے ہیں۔ آپ نے سیر الاولیا کے نام کی ایک کتاب لکھی ہے، جس میں مشائخ چشت کے حالات لکھے گئے ہیں۔ زمانہ طفولیت ہی میں خواجہ نظام الدین اولیا سے بیعت ہوئے اور شیخ کی بعض مجالس میں شرکت کی۔ شیخ کی وفات کے بعد شیخ کے بعض خلفا سے مستفیض ہوئے، خصوصاً شیخ نصیر الدین محمود چراغ دہلوی سے۔ اکثر اپنے شیخ خواجہ نظام الدین اولیا کو خواب میں دیکھا کرتے تھے۔ کئی مرتبہ تجدید بیعت کی ہے۔ آپ کے والد، چچا اور دادا، سب لوگ خواجہ نظام الدین اولیا کے رشتہ دار تھے، آپ نے اپنی کتاب سیر الاولیا میں جو کچھ لکھا ہے، وہ اپنے آباو اجداد ہی کے ذریعہ اور واسطہ سے لکھا ہے، اللہ تعالیٰ آپ پر رحمت نازل فرمائے۔ (اخبار الاخبار ص ۲۱۰، ۲۱۱ از شیخ عبدالحق محدث

دہلوی)

٨ سید محمد بن مبارک (میر خورد) سیر الاولیا،ص ٤٧۔

٩ (الف) میر سید غلام علی آزاد، مآثر الکرام،ص ٧١، ٧٢، جامعۃ الرضا بریلی شریف۔

(ب) شہزادی جہاں آرا بیگم،مونس الارواح،ص ٣٦،شاہ ابو الخیر اکادمی، بازار چتلی قبر دہلی۔

١٠ خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمتہ اللہ علیہ قصبہ اوش مضافات فرغنہ ولایت ، ماوراء النہر میں خانوادۂ سادات حسینی میں پیدا ہوئے۔اسم گرامی بخت یار، قطب الدین لقب ہے۔ ولادت شب دوشنبہ ٥٨٢ ھ میں ہوئی۔ پیدا ہوتے ہی کلمہ پڑھا،سرسجدے میں رکھ کر تہلیل وتقدیس رب کی۔عمر شریف ڈیڑھ برس کی ہوئی تو باپ کا سایۂ شفقت سر سے اٹھ گیا۔پاکیزہ باطن مادر مہربان کی آغوش محبت میں پروان چڑھتے رہے۔صاحب کمال معلم ابو حفص کے فیض تعلیم وتربیت نے سلوک ومعرفت کا ایسا ذوق پیدا کیا کہ ہمہ وقت یادالٰہی میں مصروف رہنے لگے۔مرشد کامل کی تلاش میں اصفہان پہنچے۔حسن اتفاق سے انھیں دنوں خواجہ غریب نواز رحمتہ اللہ علیہ وارد اصفہان ہوئے، وہیں حضرت خواجۂ اجمیری سے آپ کو شرف بیعت حاصل ہوا۔آپ نے اپنے شیخ کے ساتھ سیر وسیاحت بھی کی،اخیر میں مرشد برحق نے ارشاد وتبلیغ کے لیے انھیں دہلی میں چھوڑا اور خود اجمیر تشریف لے گئے۔شب دوشنبہ ١٤/ربیع الاول ٦٣٣ھ کو یہ چراغ رشد و ہدایت گل ہوگیا۔سلطان شمس الدین التمش نے نماز جنازہ پڑھائی۔مرقد انور دہلی میں زیارت گاہ خاص وعام ہے۔(خواجہ غریب نواز ص ١٤٨ تا ١٥٥ ملخصا از مولانا محمد عاصم گھوسی، فاروقیہ بک ڈپو دہلی)



١١ شہزادی جہاں آرا بیگم،مونس الارواح ص ٣٧،شاہ ابو الخیر اکادمی، بازار چتلی قبر دہلی۔

١٢ ڈاکٹر مولانا محمد عاصم اعظمی،خواجہ غریب نواز،ص ١٠١،١٠٢ فاروقیہ بک ڈپو دہلی

١٣ ڈاکٹر مولانا محمد عاصم اعظمی ،خواجہ غریب نواز،ص ١٠٦، ١٠٧، فاروقیہ بک ڈپو، دہلی۔

١٤ ڈاکٹر مولانا محمد عاصم اعظمی،خواجہ غریب نواز،ص ١٠٧،فاروقیہ بک ڈپو، دہلی۔

١٥ حضرت خواجہ عثمان ہارونی چشتی قدس سرہ العزیز نیشا پور کے قریب علاقہ خراسان کی ایک بستی ہاروں میں پیدا ہوئے۔سال ولادت میں تذکرہ نگاروں کے درمیان اختلاف ہے،اکثر کے نزدیک سنہ ولادت ٥٣٦ھ/ ١١٤١ء ہے،آپ خاندان سادات سے تعلق رکھتے تھے۔ابتدائی تعلیم گھر ہی پر ہوئی۔نیشاپور اس وقت علم وفضل کا عظیم مرکز تھا،اس لیے اعلیٰ تعلیم کے لیے اس شہر میں قیام کیا۔حدیث،فقہ،تفسیر اور دیگر علوم وفنون میں مہارت حاصل کی اور جلد ہی بڑے علما میں آپ کا شمار ہونے لگا۔خواجہ حاجی شریف زندنی چشتی علیہ الرحمہ کے دست حق پرست پر بیعت کی،ان کی رہنمائی میں سلوک کی منزلیں طے کی،مجاہدہ اور مکاشفہ نے جب آپ کو مرد کامل بنادیا تو شیخ طریقت نے خرقۂ خلافت سے سرفراز فرمایا۔خلعت وخلافت حاصل کرنے کے بعد حضرت نے بلاد اسلامی کی سیر وسیاحت شروع کی،مجاہدۂ ذکر وفکر برابر جاری رکھا۔کہا جاتا ہے کہ ستر سال تک سخت ریاضت ومجاہدہ میں بسر کیا اور اس مدت میں شکم سیر ہوکر نہ کھانا کھاتے، نہ پانی پیتے۔ قرآن حکیم کے حافظ تھے، روزانہ ایک ختم قرآن شریف کی تلاوت فرماتے۔حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمتہ اللہ علیہ کو آپ سے شرف بیعت حاصل ہے۔قصبہ ہارون نیشاپور خانقاہ عثمانی میں حاضر ہوکر آپ

کے دست حق پرست پر بیعت ہوئے۔ پھر خلافت سے سرفراز کیے گئے۔ حضرت خواجہ عثمان ہرونی رحمۃ اللہ علیہ نے پوری زندگی خدمت خلق اور تبلیغ و ارشاد میں گزاری، اخیر عمر میں مکہ معظّمہ تشریف لے گئے، وہیں ۶ رشوال ۶۰۷ھ کو رحلت فرمائی اور مکہ معظّمہ میں جنت المعلیٰ کے قریب دفن ہوئے۔ (مرآۃ الاسرار ص ۵۶۲ از شیخ عبد الرحمٰن چشتی۔ خواجہ غریب نواز ص ۷۳،۷۴۔ از مولانا محمد عاصم اعظمی)

۱۶ سبزوار، ایران کے ایک شہر کا نام۔

۱۷ حامد بن فضل اللہ جمالی/ ترجمہ ایوب قادری، سیر العارفین، ص ۹، ۱۰، ۱۱، اردو سائنس بورڈ، لاہور۔

۱۸ حامد بن فضل اللہ جمالی/ ترجمہ ایوب قادری، سیر العارفین ص ۱۱، اردو سائنس بورڈ لاہور۔

۱۹ حامد بن فضل اللہ جمالی/ ترجمہ ایوب قادری سیر العارفین، ص ۱۱-۱۲، اردو سائنس بورڈ، لاہور۔

۲۰ آپ کی کنیت ابو احمد، نام حمید الدین، لقب سلطان التارکین اور صوفی ہے، آپ کا سلسلۂ نسب سعید بن زید بن عمرو قریشی سے ملتا ہے، جو حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے چچا زاد بھائی اور بہنوئی تھے، آپ عشرۂ مبشر میں سے تھے، صوفی صاحب کے والد سلطان معز الدین محمد غوری کے ساتھ ہندستان تشریف لائے اور دہلی میں سکونت اختیار کر لی۔ سلطان التارکین کا بیان ہے کہ فتح دہلی کے بعد مسلمان کے گھر میں پیدا ہونے والا سب سے پہلا بچہ میں ہی ہوں۔ آپ نے طویل عمر پائی۔ حضرت خواجہ غریب نواز کے زمانہ سے لے کر شیخ المشائخ خواجہ نظام الدین اولیا کے آغاز کا عہد دیکھا ہے۔ حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ تحریر و تقریر میں قدم



راسخ رکھتے تھے، تصوف میں شان عالی کے مالک تھے، قواعد طریقت میں آپ کا مقام بہت بلند تھا۔ تصنیفات میں ''اصول الطریقہ'' بہت مشہور ہے۔ صحیح قول کے مطابق آپ کی وفات ۲۹ ربیع الآخر ۶۷۳ھ میں ہوئی، مزار پر انوار ناگور میں ہے۔

۲۱ حامد بن فضل اللہ جمالی، سیر العارفین، ص ۱۵، اردو سائنس بورڈ، لاہور۔

۲۲ شیخ عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے اجداد میں جس بزرگ نے سب سے پہلے سرزمین ہند پر قدم رکھا وہ آغا محمد ترک تھے، آغا محمد بخارا کے رہنے والے تھے۔ تیرہویں صدی عیسویں میں جب مغلوں نے وسط ایشیا میں آگ و خون کا ہنگامہ برپا کیا تو وہ اپنے وطن کے حالات سے بددل ہو کر ترکوں کی ایک جماعت کے ساتھ ہندستان تشریف لائے۔ آپ کے ایک سو ایک بیٹے تھے، ایک سانحہ میں سولہ کے انتقال کر گئے، صرف بڑے صاحبزادے معز الدین بچے۔ آپ اپنے والد کے ہمراہ دہلی میں آ گئے۔ ان کے ایک فرزند شیخ موسیٰ تھے جو بڑی شہرت کے حامل تھے، شیخ موسیٰ کے کئی بیٹے تھے ان میں دو بیٹے تھے، شیخ رزق اللہ، شیخ سیف الدین۔ شیخ سیف الدین کے صاحبزادے شیخ عبد الحق محدث دہلوی تھے، ماہ محرم ۹۵۸ھ/ ۱۵۵۱ء میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم و تربیت والد ماجد کے زیر سایہ حاصل کی، متوسطات بھی انھیں سے پڑھی، اس کے بعد مکان سے دو میل کے فاصلے پر ایک مدرسہ میں جا کر علمی تشنگی بجھانے لگے۔ ماوراء النہر کے علما سے بھی استفادہ کیا، تحصیل علم کے بعد حجاز مقدس کا سفر کیا، مکہ معظّمہ کے محدثین سے بخاری اور مسلم کا درس لیا، حجاز سے واپس آتے ہی درس و تدریس کا سلسلہ جاری کیا اور آخر عمر تک جاری رہا۔ آپ کا مدرسہ ہندستان گیر شہرت کا حامل تھا۔ سب سے پہلے شیخ نے اپنے والد کی بیعت کی، اس

کے بعد والد گرامی کے حکم سے حضرت موسیٰ گیلانی کے حلقۂ مریدین میں شامل ہو گئے۔

سید موسیٰ گیلانی سلسلۂ عالیہ قادریہ کے بزرگ تھے اور سید عبدالحامد معروف بہ حامد گنج بخش (۹۷۸ھ/۱۵۷۰ء) کے فرزند ارجمند تھے۔ حضرت موسیٰ گیلانی نے آپ کو خلافت سے نوازا، شیخ عبدالوہاب متقی اور خواجہ محمد باقی نے بھی ارادت وخلافت عطا فرمائی۔ لیکن آپ کو سلسلۂ عالیہ قادریہ سے خصوصی لگاؤ تھا۔ آپ کی دینی خدمات بے شمار ہیں، مہدوی تحریک، علمائے سو اور گمراہ صوفیہ سے ہمیشہ متصادم رہے۔ گیارہویں صدی ہجری میں جب کہ شمالی ہند میں علم حدیث تقریباً اٹھ چکا تھا، آپ نے علم حدیث کی شمع روشن کی اور مختلف علوم وفنون میں ترسٹھ تحقیقی کتابیں تصنیف فرمائیں۔ ۲۱/ربیع الاول ۱۰۵۲ھ کو چورانوے سال کی عمر میں بادشاہ علم وفضل ہمیشہ کے لیے میٹھی نیند سو گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

(انتخاب از شیخ عبدالحق محدث دہلوی۔ از مولانا محمد عارف اللہ فیضی مصباحی۔ المجمع الاسلامی، مبارک پور)

۲۳ خواجہ قطب الدین بختیار کاکی، دلیل العارفین (ملفوظات خواجہ اجمیری) مجلس:۱ص:۳، مکتبہ: جام نور، دہلی۔

۲۴ خواجہ قطب الدین بختیار کاکی دلیل العارفین (ملفوظات خواجہ اجمیری) مجلس:۱ص:۳، مکتبہ: جام نور، دہلی۔

۲۵ خواجہ قطب الدین بختیار کاکی دلیل العارفین (ملفوظات خواجہ اجمیری) مجلس:۱ص:۳، مکتبہ: جام نور، دہلی۔

۲۶ خواجہ قطب الدین بختیار کاکی دلیل العارفین (ملفوظات خواجہ اجمیری) مجلس:۱ص:۳، مکتبہ: جام نور، دہلی۔



۲۷ خواجہ قطب الدین بختیار کاکی دلیل العارفین (ملفوظات خواجہ اجمیری) مجلس:۲ص:۷-۸، مکتبہ: جام نور، دہلی۔

۲۸ خواجہ قطب الدین بختیار کاکی دلیل العارفین (ملفوظات خواجہ اجمیری) مجلس:۳ص:۱۰، مکتبہ: جام نور، دہلی۔

۲۹ خواجہ قطب الدین بختیار کاکی دلیل العارفین (ملفوظات خواجہ اجمیری) مجلس:۳ص:۱۱، مکتبہ: جام نور، دہلی۔

۳۰ خواجہ قطب الدین بختیار کاکی، دلیل العارفین (ملفوظات خواجہ اجمیری) مجلس:۳ص:۱۱ مکتبہ: جام نور، دہلی۔

۳۱ خواجہ قطب الدین بختیار کاکی، دلیل العارفین (ملفوظات خواجہ اجمیری) مجلس:۳ ص:۱۱، مکتبہ: جام نور، دہلی۔

۳۲ خواجہ قطب الدین بختیار کاکی، دلیل العارفین (ملفوظات خواجہ اجمیری) مجلس:۵ ص:۲۰، مکتبہ: جام نور، دہلی۔

۳۳ خواجہ قطب الدین بختیار کاکی، دلیل العارفین (ملفوظات خواجہ اجمیری) مجلس:۵ص:۲۰، مکتبہ: جام نور، دہلی۔

۳۴ خواجہ قطب الدین بختیار کاکی، دلیل العارفین (ملفوظات خواجہ اجمیری) مجلس:۵ص:۲۱، مکتبہ: جام نور، دہلی۔

۳۵ خواجہ قطب الدین بختیار کاکی، دلیل العارفین (ملفوظات خواجہ اجمیری) مجلس:۵ص:۲۱، مکتبہ: جام نور، دہلی۔

۳۶ خواجہ قطب الدین بختیار کاکی، دلیل العارفین (ملفوظات خواجہ اجمیری) مجلس:۵ص:۲۲، مکتبہ: جام نور، دہلی۔

۳۷ خواجہ قطب الدین بختیار کاکی، دلیل العارفین (ملفوظات خواجہ اجمیری) مجلس:۵ص:۲۲، مکتبہ: جام نور، دہلی۔

۳۸ خواجہ قطب الدین بختیار کاکی ،دلیل العارفین (ملفوظات خواجہ اجمیری)مجلس:۵ص:۲۲،مکتبہ:جام نور،دہلی۔

۳۹ خواجہ قطب الدین بختیار کاکی،دلیل العارفین (ملفوظات خواجہ اجمیری) مجلس:۱ص:۲،مکتبہ:جام نور،دہلی۔

۴۰ خواجہ قطب الدین بختیار کاکی،دلیل العارفین (ملفوظات خواجہ اجمیری) مجلس:۷ ص:۲۷،مکتبہ:جام نور،دہلی۔

۴۱ خواجہ قطب الدین بختیار کاکی،دلیل العارفین (ملفوظات خواجہ اجمیری) مجلس:۷ ص:۲۸،مکتبہ:جام نور،دہلی۔

۴۲ خواجہ قطب الدین بختیار کاکی،دلیل العارفین (ملفوظات خواجہ اجمیری) مجلس:۸ص:۳۰،مکتبہ:جام نور،دہلی۔

۴۳ خواجہ قطب الدین بختیار کاکی،دلیل العارفین (ملفوظات خواجہ اجمیری)مجلس:۸ص:۳۱،مکتبہ:جام نور،دہلی۔

۴۴ خواجہ قطب الدین بختیار کاکی،دلیل العارفین (ملفوظات خواجہ اجمیری) مجلس:۲ص:۷،مکتبہ:جام نور،دہلی۔

۴۵ خواجہ قطب الدین بختیار کاکی،دلیل العارفین (ملفوظات خواجہ اجمیری) مجلس:۹ص:۳۷،مکتبہ:جام نور،دہلی۔

۴۶ خواجہ قطب الدین بختیار کاکی ،دلیل العارفین (ملفوظات خواجہ اجمیری) مجلس:۹ص:۳۷،مکتبہ:جام نور،دہلی۔

۴۷ خواجہ قطب الدین بختیار کاکی ،دلیل العارفین (ملفوظات خواجہ اجمیری) مجلس:۹ص:۳۹،مکتبہ:جام نور،دہلی۔

۴۸ خواجہ قطب الدین بختیار کاکی ،دلیل العارفین (ملفوظات خواجہ اجمیری) مجلس:۹ص:۳۹،مکتبہ:جام نور،دہلی۔



۴۹ خواجہ قطب الدین بختیار کاکی،دلیل العارفین (ملفوظات خواجہ اجمیری) مجلس:۱۰ ص:۴۶،مکتبہ:جام نور،دہلی۔

۵۰ خواجہ قطب الدین بختیار کاکی ،دلیل العارفین (ملفوظات خواجہ اجمیری) مجلس:۱۱ص:۵۳،مکتبہ:جام نور،دہلی۔

۵۱ خواجہ قطب الدین بختیار کاکی،دلیل العارفین (ملفوظات خواجہ اجمیری) مجلس:۱۲ ص:۵۸،مکتبہ:جام نور،دہلی۔

۵۲ خواجہ قطب الدین بختیار کاکی،دلیل العارفین (ملفوظات خواجہ اجمیری) مجلس:۱۲ ص:۵۸،مکتبہ:جام نور،دہلی۔

۵۳ مرتب: مولانا نصر اللہ رضوی مصباحی/ افاضات: مولانا محمد احمد مصباحی سیدنا عبدالوہاب جیلانی کا مدفن بغداد یا ناگور ص ۲۹،۳۰ المجمع الاسلامی مبارک پور اعظم گڑھ۔

# حضرت خواجہ غریب نواز رضی اللہ عنہ کی تعلیمات اور تبلیغ اسلام

سید مغیث احمد قادری چشتی
اجمیر شریف

کچھ کم آٹھ سو برس پہلے کی بات ہے جب اجمیر شریف چوہان خاندان کے مشہور حکمراں مہاراجہ پرتھوی راج کی راجدھانی ہونے کے سبب بڑی رونق پر تھا، ٹھیک اسی زمانے میں حضرت خواجہ معین الدین چشتی رضی اللہ عنہ اپنے چند ساتھیوں کے ساتھ افغانستان کے راستے اس بارونق شہر میں تشریف لائے تھے۔

حضرت خواجہ رضی اللہ عنہ کا اجمیر کا سفر کسی دنیوی مقصد کے لئے نہ تھا، بلکہ اپنی اچھی باتیں اور اسلام کی تعلیمات سے ہندوستان کے باسیوں کو روشناس کرانا مقصود تھا کہ:

۱- خدا (عزّ وجل) ایک ہے جس کو ہر انسان اس وقت ضرور پکارتا ہے جب وہ خود کسی مصیبت میں گرفتار ہو کر دنیا سے مایوس ہو جاتا ہے۔

۲- ہر پیدا ہونے والے کو ایک نہ اک دن ضرور مرنا ہے۔ دَھن دولت اور طاقت راج پاٹ اور لاؤ لشکر یہ سب کی سب دنیا میں رہ جانے والی چیزیں ہیں اور ان میں سے کوئی بھی چیز موت کو نہیں روک سکتی، اور نہ ہی روح کے ساتھ جا سکتی ہے۔

۳- ہر انسان (علاوہ اس کے کہ جس پر اللہ کا فضل خاص ہو جائے) خاک ہونے والا ہے لیکن اس کی روح نجات کے لیے تڑپتی رہتی ہے لیکن نجات خداوند کریم کی پہچان کے بغیر اور پھر یاد کے بغیر اور اس کی یاد قول وفعل کی سچائی کے بغیر ناممکن ہے۔

۴- دنیا میں سب سے بڑا کام امن وشانتی قائم رکھنا ہے، ایک دوسرے سے پریم اور محبت کرنا، کمزوروں کو سہارا دینا، دکھی لوگوں کو سکھ پہنچانا اور غریبوں کی خبر گیری کرنا ہے، حضرت خواجہ غریب نواز اپنا گھر بار، دَھن دولت اور سکھ چین سب کچھ لٹا کر خدا کے بندوں کی ہدایت اور ان کی آزادی، صراط مستقیم کے راستے پر گامزن کرانے کے لیے ہندوستان تشریف لائے، اور احمد نگر میں بستی سے دور، تالاب کے کنارے پہاڑ کی چوٹی پر بوریا بچھا کر بیٹھ گئے۔

دنیا میں کون ایسا شخص ہے جس کی آنکھیں ایسے خدارسید بزرگ درویش کو نہ ڈھونڈتی ہوں اور ایسے کامل بزرگ کے لئے کس کے دل میں جگہ نہ ہوگی، مہاراجہ پرتھوی راج کی راجدھانی (اجمیر) کے لوگوں نے دیکھا اور سنا تو لوگ بھاگتے ہوئے حضرت کے پاس آئے، اور یہاں پہونچ کر جب لوگوں کی تڑپتی اور بھٹکتی ہوئی زندگی کو چین وسکون میسر ہونے لگا۔ نہ جانے کتنے بے قرار دلوں کو قرار آنے لگا، اور حضرت خواجہ کی دعاؤں کا فیض کسی سمندر کی لہروں کی مانند ان تمام لوگوں پر جو گمراہ تھے، جو بھٹکے ہوئے تھے، جو بے قرار تھے جنہیں چین وسکون کبھی نصیب ہی نہ ہوا تھا، پلک جھپکتے ہی سب پر چھا گیا، پھر کیا تھا پورے اجمیر میں آپ کا چرچا ہونے لگا، لوگوں کے من کی مرادیں پوری ہونے لگیں، جسمانی بیماریاں ٹھیک ہونے لگیں، تڑپتی روحوں کو قرار آ گیا اور پھر اجمیر والوں کے دلوں میں آپ بسنے لگے لوگ آپ کی محبت کا دم بھرنے لگے اور دیکھتے ہی دیکھتے لوگ کلمہ پڑھ کر اسلام مذہب قبول کرنے لگے اور اس

طرح بہت کم عرصہ میں آپ پورے ہندوستان میں مشہور ہو گئے اور آپ کی تعلیمات کا وہ اثر ہوا کہ بہت سی گمراہ قوموں کے پیروکار اپنا مذہب چھوڑ کر دامنِ اسلام میں پناہ گزیں ہو گئے۔

**حضرت غریب نواز سے سکھوں کی عقیدت:**

سکھوں کی مشہور کتاب جنم ساکھی کلاں کے ص ۴۰۴ میں یہ واقعہ اس طرح لکھا ہوا ہے:

آئے ہندوستان وچ تب لاگے کرن وچار
ایک رہتیا اجمیر وچ ایک رہتیا مکھن پور جائے

رہے ہندوستان وچ فقیر اللہ دے ہوئے
زوری ہندنہ جیتا کہ زوری رہے کھوئے

نانک چیتک کرمون دے بڑے پیر کھائے
راجہ پر جا ہندوان سرانوریاں آئے

یعنی سکھ مذہب کے پیشوا وبانی گرونانک کہتے ہیں کہ (خواجہ معین الدین چشتی اور شاہ مدار قدس سرہما) ہندوستان میں آئے تو کچھ سوچ کر اجمیر ٹھہر گئے۔ اور دوسرے مکن پور میں جا بسے، خدا کے ان سچے بندوں نے ہندوستان کو تلوار کے زور سے نہیں بلکہ اپنے کردار اور روحانی طاقت سے جیتا۔ جوگی جیپال نے جب اپنا جادو اور شعبدہ دکھایا تو حضرت خواجہ نے اپنی کرامت سے اسے زیر کر لیا۔ اور یوں ایک دن راجہ اور پرجا سب حضرت کے قدموں پر گر گئی۔ اور جب یہ ہوا تو سارے ہندوستان میں چرچا ہو گیا اور لوگ دور دور سے حضرت کے در پر اپنی جبین عقیدت جھکانے لگے۔ اور اس زمانے سے راجستھان کے سارے ہندو نے آپ کو خواجہ پیر، یا اجمیر پیر کے نام سے جاننے لگے۔



**ہندوؤں کی حضرت خواجہ سے عقیدت:**

حضرت خواجہ کی روحانی طاقت اس وقت بھی اتنی مانی ہوئی تھی کہ ایک لڑائی کے موقعے پر اجمیر راجدھانی کا راج کوی چندا بھاٹ اس روحانی طاقت پر بھروسہ کر کے مہاراجہ پرتھوی راجہ کو اس طرح ڈھارس بندھاتا ہے۔

بیواس مار جی
پروتو سرن جی
اجمیر پیر سہائے
دشمن پیپال لکھو دیو ہائے
ڈھلی تخت تھر راج تین تین
گنگ جل جمن روی چند جے تین

یعنی اے مہاراجہ چوہان! تو میوات کی لڑائی جیتنے والا ہے۔ خدا تیرا نگہبان ہے، اجمیر والے پیر حضرت خواجہ تیرے ساتھ ہیں یعنی ان کی روحانی طاقت تیری مدد پر ہے، جب تک گنگا جمنا سورج چاند قائم ہیں۔ یہ اشعار پرتھوی راج کی راسا کی پانچویں جلد میں لکھے ہوئے ہیں۔ اور پرتھوی راجہ کی راسا کی نسبت شریمان بنسی دھر ودیا لنکار پروفیسر سنسکرت و ہندی (عثمانیہ یونی ورسٹی) یہ لکھتے ہیں:

ہندی میں سب سے پرانی شاعری ڈنگل یعنی راجپوتانہ ہے اور اس زبان میں زیادہ تر راسو لکھے گئے ہیں، ان نظموں کے لکھنے والے درباری اور بھاٹ ہوتے تھے۔ ان راسو میں پرتھوی راجہ رسوا بہت مشہور ہوئے۔ اس طرح ہر زمانہ اور ہر قوم کے مصنفوں نے حضرت خواجہ کا ذکر بڑے ہی ادب اور احترام سے کیا ہے۔ اب سے تقریباً ساڑھے تین سو سال قبل کا مصنف چند بھان برہمن اپنی ایک فارسی کی کتاب چار چمن میں ص ۵۸ پر لکھتا ہے:

اجمیر ہندوستان کا بہت اچھا شہر ہے جہاں راجپوتوں کے راؔنا اور راؤ رہتے ہیں۔ اجمیر میں خواجہ معین الدین چشتی (رضی اللہ عنہ) کی قبر شریف بھی ہے۔ خواجہ پیر بہت درویشوں کے سردار تھے اور خدا کی قدرت کے بھید کھولنے والے تھے۔

ایسے ہی اب سے کوئی تین سو برس قبل کا مصنف سجان رائے کھتری اپنی فارسی کی کتاب خلاصۃ التواریخ میں لکھتا ہے:

''آپ یعنی حضرت خواجہ پیر گوشہ نشینی کے لئے تشریف لائے اور اب آپ کا مزار اقدس سارے جہاں والوں کے لئے بلا تفریق مذہب وملت کی زیارت گاہ ہے (ص۳۱) اور اب سے تقریباً سو سال پہلے الہ آباد کے رہنے والے بابو لال اور منشی کشوری لال منصف (مجسٹریٹ) درجہ اول نے تو فارسی میں حضرت پیر کی پوری سوانح عمری لکھوا کر چھپوادی جس میں بڑی عقیدت واحترام سے آپ کا ذکر کیا گیا ہے، اس کتاب کا نام وقائع شاہ معین الدین چشتی ہے، نولکشور پریس میں تقریباً سو سال پہلے چھپی ہوئی ہے۔

ان پرانی کتابوں کے علاوہ موجودہ زمانہ کے مصنفوں نے بھی حضرت خواجہ کو بہت بڑا درویش، اور بہت اونچے درجہ کا عالم وصوفی مانا ہے۔ اسی اجمیر کے باسی دیوان بہادر مسٹر ہربلاس ساردا (سابق ڈسٹرکٹ ایڈیشنل جج) اب سے کچھ سال پہلے حضرت خواجہ پیر کی نسبت جو مضمون لکھا تھا، اس کا خلاصہ کچھ یوں ہے:

''حضرت خواجہ معین الدین چشتی دنیا کے بہت بڑے ولی ہیں، آپ کی روحانیت کا مقام بہت اونچا ہے۔ آپ سچے اور اصلی ولیٔ کامل تھے۔ آپ دنیا سے اور دنیا داروں سے بچنے والے تھے۔ آپ ایک ایسے فقیر تھے جن کا رعب ودبدبہ شاہانِ وقت پر رہتا تھا۔ آپ کے دبلے پتلے جسم سے سچائی کا نور نکلتا تھا جو اب بھی آٹھ سو سال کا طویل عرصہ بیت جانے کے بعد بھی بالکل اسی طرح چمک



رہا ہے۔

آپ نے اپنی عملی زندگی سے یہ ثابت کردیا کہ مذہب اسلام کا اصلی مقصد کسی چیز کو بگاڑنا نہیں بلکہ بنانا ہے۔ اور خدا کے ان بھٹکے ہوئے ہندوؤں کی زندگی کو مذہب اسلام کے سانچے میں ڈھالنا ہے اور اس کے بعد آگے چل کر دیوان بہادر ہر بلاس رائے نے ہندوستان میں بسنے والوں سے کچھ یوں اپیل کی ہے:

''مجھے امید ہے حضرت خواجہ کا روحانی نور اب بھی انسانوں کے دلوں پر اپنی ہدایت کی روشنی بکھیر کر سب کو آپس میں بھائی بھائی کی طرح آپس میں پریم کرنا ضرور سکھادے گا ان شاءاللہ۔ (ہفتہ وار اخبار (معین اجمیر) یکم رجب ۱۳۵۸ھ-۱۹۳۹ء)

## یکجہتی کا نور:

حضرت خواجہ پیر جب اس دنیا میں موجود تھے تو اس وقت بھی آپ کا دروازہ ہر مذہب اور ہر قوم کے لئے کھلا ہوا تھا، اور آج جب کہ آپ اس دنیا سے پردہ کرگئے تب بھی آپ کا در ہر مذہب اور ہر قوم کے لئے کھلا ہوا ہے۔ آج جب کہ ہر طرف افراتفری ہے، فرقہ پرستی کا زہر ہر کسی کو اپنا شکار بنانے پر کمربستہ ہے تو ایسے عالم میں بھی، ہندو سکھ عیسائی یہودی وھابی دیگر قوموں کے لوگ بھی آپ کے مزار پر انوار پر اپنا نذرانۂ عقیدت پیش کرتے ہیں۔ اور آپ کی روحانیت سے روح کا چین اور زندگی کا سکون حاصل کرتے ہیں۔ ہندوستان کے انگریز حکمراں میں ایک مشہور وائے سرائے لارڈ کرزن نے اپنے ماتھے کی آنکھوں سے یہی منظر دیکھ کر اپنی کتاب میں یہ لکھا ہے:

''ہندوستان میں ایک قبر بادشاہت کر رہی ہے''

اور ابھی کچھ عرصہ قبل دیوان بہادر مسٹر ہربلاس نے ''اجمیر میرواڑہ بہاری

شاسن'' ایک مضمون لکھ کر اجمیر کے روزنامہ اخبار راپنا راجستھان میں ۲۳ ستمبر ۱۹۴۷ء کی جلد نمبر ۳ نمبر ۱۲ ص ۲ پر چھپوایا ہے۔ اس مضمون میں یہ جملہ لکھا ہے:

اجمیر وہ شہر ہے جہاں سے ہر طرف پرکاش پھیلتا ہے۔

پھر یہی نہیں کہ ہندو مصنفین نے ہی صرف حضرت خواجہ کی تعریف کی ہے اور ان کی پاکیزہ زندگی کا بڑے ہی ادب سے تذکرہ کیا ہے بلکہ ہر زمانہ میں ہر قوم کے لوگوں نے جس میں بڑے سے بڑے مذہبی پیشواؤں اور بڑے سے بڑے راجوں مہاراجوں نے بھی آپ کی بارگاہ میں اپنی جبین عقیدت خم کی ہے، اور بابا گرونانک کا اجمیر شریف آنا اور حضرت خواجہ کی بارگاہ جبین عقیدت خم کرنا دعا کرنا تو کتاب جنم سکھی سے ص ۲۴۷ سے ثابت ہے۔

## راج پوتوں نے حضرت خواجہ کی بارگاہ میں سر جھکایا:

مارواڑ کے راؤ مالدیو جی کو کون نہیں جانتا، جن کے قبضے میں کئی برس تک اجمیر اور اس کا علاقہ رہا ہے، ان کی ایک رانی جیسلمیر کے راول لون کرنا جی کی کماری تھی جو کہ اپنے خاوند سے روٹھ کر اجمیر چلی آئی تھی اور تاراگڑھ کے ایک برج پر رہا کرتی تھی۔ اس سے اب تک اس برج کو روٹھی رانی کا برج کہتے ہیں۔ اس رانی کو حضرت خواجہ سے کچھ ایسی عقیدت ہوگئی تھی کہ ہر جمعرات حضرت خواجہ کی مزار اقدس پر چمیلی اور گلاب کے پھول چڑھانے کے لئے بھیجتی تھی۔

کسی ملکی معاملہ میں اکبر بادشاہ میں اور مہاراجہ مان سنگھ میں ایک معاہدہ ہونا تھا تو حضرت خواجہ کے مزار اقدس کے گنبد کے سامنے وہ دونوں حاضر ہوئے اور وہیں پر معاہدہ کیا گیا، کیوں کہ یہ دونوں بادشاہ وقت حضرت غریب نواز سے بہت عقیدت رکھتے تھے۔ دونوں کو یقین تھا کہ یہاں پر جو معاہدہ ہوگا اس کے خلاف ورزی کوئی بھی نہیں کرے گا۔ مضمون کی طوالت کے خوف سے اختصار سے کام لیا جارہا ہے ورنہ بہت سی تاریخی باتیں پیش کی جاسکتی ہیں۔ یہی وجہ تھی حضرت خواجہ کی درگاہ کے انتظام



وانصرام کے تعلق سے اور زائرین کے کھانے پینے کے ساتھ دیگر لوازمات کے اخراجات کی غرض سے ہندوستان کی ہر ریاست میں بڑی بڑی جاگیریں وقف تھیں۔ پورے ہندوستان میں دو چار ریاست ہی ایسی رہی ہوں گی جہاں حضرت خواجہ کی درگاہ کے لئے جاگیریں وقف نہ رہی ہوں۔

## حضرت خواجہ کی ذات مرکزِ رشد وہدایت:

ان تمام باتوں کے لکھنے سے ہمیں یہ بتانا مقصود ہے کہ حضرت خواجہ غریب نواز کی مقدس بارگاہ کو جس طرح ہندوستان اور دوسرے ملکوں کے کروڑوں مسلمان اپنا مرکز عقیدت سمجھتے اور مانتے ہیں اسی طرح دوسری بہت ساری قوموں نے بھی انہیں اپنا طبیب روحانی وجسمانی مانا ہے۔ اور یہ روایت ہر قوم نے اپنے بزرگوں سے ترکہ میں پائی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ۶۳۲ھ بمطابق ۱۲۳۵ء سے لے کر آج تک اجمیر کو فتح کرنے والے راجپوتی اور بادشاہ نے اس درگاہ کی بڑی قدر کی ہے اور اس کے تقدس کو تاریخی عظمتوں کے ساتھ باقی رکھا اور اس کی حفاظت کے لئے اپنی پوری طاقت سے کام لیا۔

دلّی کے سلطان، مانڈو کے بادشاہ، میواڑ کے رانا، مارواڑ کے راؤ، مرہٹے راجہ اور انگریز اپنے اپنے وقتوں میں اجمیر پر قابض ضرور رہے، آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ نبرد آزما رہے، قتل وغارت گری ہوتی رہی، مگر حضرت خواجہ کا مزار پر انوار محفوظ رہا۔ اور ہم عقیدت مندوں کے لئے حضرت خواجہ کا یہ پیغام ہے کہ ساری کائنات کا مالک حقیقی تو بس صرف اور صرف خداوند قدوس ہی ہے، وہی جس کو چاہتا ہے حاکم اور جس کو چاہتا ہے محکوم بنا دیتا ہے۔ اس لیے ہر انسان کا یہ لازمی فریضہ ہے کہ وہ خداوند کریم کے بنائے ہوئے اصولوں پر عمل کرے اور اس کا شکر ہر حال میں ہونا چاہئے اور قول وفعل میں صداقت ہونی چاہئے۔

حضرت خواجہ غریب نواز کی اس پیاری نصیحت پر ہمارے بزرگوں نے ہمیشہ عمل کیا اور اب ہم کو بھی اپنے بزرگوں کی اس راہ پر چلنا ہوگا۔ یہ بھی حضرت خواجہ کی کرامت رہی ہے کہ یہاں پر کبھی بھی کسی راجہ یا بادشاہ نے غداری یا بغاوت کے جرم میں کسی کو کبھی سزا نہیں دی ہے۔

**تارا گڑھ میں حضرت خواجہ کا داخلہ:**

گجرات کے راجہ بھیم راؤ سے ہارنے کے بعد دلّی اور اجمیر کے پہلے مسلمان قطب الدین ایبک اجمیر آکر تارا گڑھ پر ٹھہرے تو تقریباً چھ ماہ تک راجپوتوں نے قلعہ کو گھیرے رکھا، اس وقت حضرت خواجہ غریب نواز اپنے ساتھیوں اور مریدوں سمیت اجمیر میں تھے، آپ نے اس لڑائی میں حصہ نہیں لیا، کیوں کہ آپ کا کام تلوار چلانا نہیں بلکہ دلوں کو جوڑنا تھا اور بھٹکے ہوئے لوگوں کو خدا تک پہونچانا تھا اس واقعہ کے کچھ دنوں بعد جب ایبک کے مرنے کی خبر مشہور ہوئی تو ایک رات پڑوس کے ٹھاکروں نے تارا گڑھ کے قلعہ پر چڑھائی کر دی، اور قلعہ دار حضرت سید حسین خنگ سوار کو ان کی فوج سمیت شہید کر دیا۔ دوسرے دن حضرت خواجہ غریب نواز اپنے ساتھیوں کو لے کر تارا گڑھ پر ضرور گئے مگر خون کا بدلہ لینے کی غرض سے نہیں بلکہ شہید ہونے والوں کی لاشوں کو دفن کر کے واپس آگئے۔ سپو دیون نے مسلمانوں سے اجمیر کو اپنے قبضے میں کرلیا، میواڑ کے کنور پرتھوی راج نے ملوخاں سے تارا گڑھ چھین لیا۔ میرتہ نے راؤ ویرم دیو نے اجمیر کو فتح کیا، مہاراجہ اجیت سنگھ نے اجمیر پر راج کیا، مرہٹہ حکومت قائم ہوئی، راٹھووں نے اجمیر میں اپنی حکومت چلائی۔ انگریزوں کا تسلط ہوا، یہ سب کچھ ہوا، مگر حکومتوں کی الٹ پلٹ سے ہمارے بزرگوں نے اپنے آپ کو دور ہی رکھا اور حضرت خواجہ کی خدمت کرنا اپنی سعادت مندی سمجھتے رہے۔ اگرچہ لڑائیوں میں کبھی کبھی بہت سی ناقابل برداشت تکلیفیں اٹھانا پڑتی تھیں۔ آج بھی عشاقانِ خواجہ ہر



طرح کے خطرات سے بے پرواہ ہو کر دور دور سے زیارت کے لئے حاضر ہونا اپنی سعادت مندی سمجھتے ہیں۔

اجمیر شریف تاریخی عظمت و حرمت اور عالم گیر مقبولیت کی حامل ہے، یہاں پر روزانہ ہزاروں کی تعداد میں مصیبت زدہ غم کے مارے حاضری دیتے ہیں اور مرادیں پاتے ہیں۔

بگرداب بلا افتاد کشتی
ضعیفانِ شکستہ را تو پشتی
بحق خواجۂ عثمان ہاروں
مدد کن یا معین الدین چشتی

# خواجہ غریب نواز رضی اللہ عنہ کی صوفیانہ شاعری

ساحل شہسرامی (علیگ)

عطائے رسول، سلطان الہند، غریب نواز خواجۂ معظم سیدنا سید معین الدین حسن حسنی حسینی چشتی سنجری اجمیری رضی اللہ تعالیٰ عنہ (۵۳۰ھ-۶۲۷ھ) امت مسلمہ کے لئے بارگاہ الٰہی کا بے بدل انعام، انمول تحفہ، لازوال نعمت اور سرمدی سرمایہ تھے۔ چمنستان نبوت کا یہ سدا بہار پھول جدھر سے گذرا، اپنے پیچھے ایمانوں کے مشک زار چھوڑتا گیا۔ آپ کی ذات کریم سراپا بہار تھی جس نے گلشنوں کو رعنائیاں اور فضاؤں کو نہ ختم ہونے والی سرمستیاں عطا کیں۔ جہاں بیٹھ گئے چمن مسکرا پڑے، جہاں رک گئے رحمتوں کی بارشیں جھوم کر برس اٹھیں۔ آپ کی ۷۷ سالہ سیاحت نے نہ جانے کتنے ویرانے آباد کئے، آبادیوں کو رونقیں، چمن کو مسکراہٹیں، پھولوں کو لطافتیں اور آفتابوں کو حرارتیں عطا کیں-خراسان، سمرقند، بخارا، عراق عرب، ہارون، بغداد، کرمان، ہمدان، تبریز، استرآباد، خرقان، میمنہ، ہرات، افغانستان، غزنی، رے فالوجہ، مکہ معظّمہ، مدینہ منورہ، بدخشاں، دمشق، جیلان، اصفہان، چشت، ملتان لاہور، سمانہ، دہلی ہوتا ہوا یہ سراپا شوق ومحبت، اجمیر مقدس میں کیا داخل ہوا کہ عشق وعرفان کا آتش فشاں پھوٹ پڑا جس کی دھمک سے کفر کی بنیادیں دہل گئیں، فصیلیں چیخ اٹھیں اور پھر نور ایمان اور الٰہی عرفان کا ایسا جاں بخش آبشار رواں ہوا کہ آج تک ایک عالم سیراب ہورہا ہے۔

میرا خواجہ علم وفن، فکر ودانش، ظاہری عرفان اور باطنی فیضان کا ایک سمندر تھا۔ بارگاہِ خداوندی سے مقبولیت کی سند، بارگاہِ رسالت سے قطب مشائخ بر وبحر کا لقب،



ہند کی سلطنت ارزانی، وقت وصال قلم نور سے جبین اقدس کی یہ تحریر ''ھٰذا حبیب الله مات فی حب الله'' اور تصرفات کا مسلسل کارواں، آپ کی روحانی عظمتوں اور عرفانی پنہائیوں کے لئے کافی سے زائد شہادت ہے۔ اور یہی گہرائی علوم ظاہر میں بھی بے پناہ دسترس کی روشن دلیل ہے کہ جب تک علوم نبوت کا وافر حصہ نصیب نہ ہوگا، اس وقت تک دل کے دروازے انوار الٰہی کے لئے وا نہیں ہو سکتے۔

حضرت ابوالقاسم قشیری رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسالۂ مبارکہ قشیریہ میں سیدی ابوالعباس احمد بن محمد الآدی معاصر سیدنا جنید بغدادی قدس سرہما کا فرمان نقل کرتے ہیں:

”من الزم نفسه اداب الشريعة نوّرالله قلبه بنور المعرفة و لامقام اشرف من مقام متابعة الحبيب فی اوامره و افعاله و اخلاقه“

جو اپنے اوپر آداب شریعت لازم کرلے اللہ تعالیٰ اس کے دل کو نور معرفت سے روشن کردے گا اور کوئی مقام اس سے بڑھ کر معظم نہیں کہ احکام افعال، عادات سب میں حضور کی پیروی کی جائے۔ (مقال عرفاء ص۲۰)

اور علم کے بغیر اتباع کا تصور ہی نہیں ہوسکتا۔ حضرت مخدوم الملک قدس سرہٗ تحریر فرماتے ہیں:

''علم مجاہدہ وریاضت کے لئے اسی طرح ضروری ہے جس طرح طہارت نماز کے لئے۔ کوئی مجاہدہ بے علم نہیں ہوتا، جس طرح کوئی نماز بے طہارت نہیں ہوتی (مکتوبات منیری ص۱۵۴)۔

اولیاء اللہ کی بات ہی کچھ اور ہے۔ علم درسی یعنی علم شریعت سے آراستہ، مجاہدہ وریاضت میں صدق واخلاص کا گہرا رنگ، عمل خالص کی نورانیت، رفتہ رفتہ یہی عمل صالح ان کو علم وراثت کا مخزن بنادیتا ہے'' (مکتوبات صدی ص۱۹۷)

سرکار غریب نواز قدس سرہٗ کی ابتدائی تعلیم والد بزرگوار سید غیاث الدین حسن قدس سرہٗ کی آغوش میں ہوئی۔ پھر عہد شباب میں ایک مجذوب کریم کی عنایتوں

سے سنجر، سمرقند و بخارا کی مشہور درسگاہوں سے تفسیر وحدیث وفقہ وغیرہ علوم دینیہ کی تکمیل ہوئی۔ آپ سے چند تصانیف بھی منسوب کی جاتی ہیں لیکن انیس الارواح اوردلیل العارفین اور ایک مختصر دیوان فارسی کے سوا اور کوئی علمی سرمایہ ہمارے سامنے نہیں۔ ان موجودہ منسوب علمی سرمایوں سے ہی آپ کے گہرے علمی رسوخ کا بہت کچھ اندازہ ہوجاتا ہے، بالخصوص آپ سے منسوب مختصر فارسی دیوان کے مطالعہ سے آپ کے فارسی زبان وادب پر مکمل دسترس اور اعلیٰ ترین ذوق عرفان کا خوب پتہ چلتا ہے۔ حضرت کی صوفیانہ شاعری کے مختلف گوشوں کا تعارف ہی اس تحریری نذرانۂ عقیدت کا مقصود ہے۔ چونکہ یہ فارسی زبان وادب سے متعلق ہے اس لئے پہلے ایک نگاہ فارسی شاعری اور اس کے صوفیانہ ادب پر۔

فارسی شاعری کا باضابطہ نقطۂ آغاز رودکی کو سمجھنا چاہئے جس کی شاعرانہ فکر نے فارسی میں شاعری کی آب وہوا پیدا کی اور اسے بزم شعرا تک آنے کے قابل بنایا۔ اس دور میں فطری سادگی اور محسوسات کے حقیقی رنگ ملتے ہیں، جس میں غازۂ تصنع کی آمیزش نظر نہیں آتی۔ رودکی، اسدی، طوسی، عنصری، فرخی، فردوسی اس دور اولین کے باکمال شعرا تھے جس میں رودکی کو اولیت کی فضیلت حاصل ہے اور فردوسی کو خاتمیت کا فخر- فارسی شاعری کے دوسرے دور میں فکر میں ذرا چستی، گہرائی اور خوش سلیقگی پیدا ہوئی۔ اس دور کی نمائندگی خاقانی، انوری، نظامی، حکیم سنائی، مولانا روم اور عمر خیام کی سرمست فکروں کے حوالے رہی۔ دوسرے دور کی رنگینی اور لطافت فکر نے جب تیسرے دور میں قدم رکھا تو اس میں نکھار اور جوش آگیا، الفاظ ومعانی کے دائرے وسیع ہوگئے۔ اس طبقہ کے بہترین نمائندے سعدی، امیر خسرو اور حافظ ہیں۔ اس دور نے فارسی شاعری میں بہت گرانقدر اور لطیف سرمایہ چھوڑا۔ ۹۰۰ھ کے بعد چوتھا دور شروع ہوتا ہے۔ فیضی، عرفی، نظیری، طالب آملی، ابوطالب کلیم، مرزا صائب اس دور کے ممتاز اراکین ہیں۔ یہ دور درحقیقت غزل کے ارتقا کا زمانہ تھا۔ نئی



ترکیبیں، جدید استعارات، نادر تشبیہیں کثرت سے پیدا ہوئیں۔ اس کے بعد کے ادوار گذشتہ آثار کے محافظ بن کر رہ گئے، اس میں کچھ اضافہ نہ کرسکے۔ مدتوں بعد ایران میں قاآنی پیدا ہوا اور اس نے شاعری کی کایا پلٹ کرنی چاہی لیکن اس کی شاعری کوئی نئی شاعری نہ تھی، وہی چبائے ہوئے نوالے تھے جو پھر منہ میں پھیرے جاتے تھے۔ (الانہار۔ مفہوماً ملخصاً ص۴۲ تا ۴۸)

لیکن فارس کی شاعری کے اس طویل سفر میں صوفیانہ شاعری کا باضابطہ موڑ اس وقت آتا ہے جب تاتاریوں کی تاراجیوں کے سلسلے شروع ہوتے ہیں۔ یہ ایک بھیانک طوفان تھا جس کی سفاکیوں سے پوری کائنات لرز اٹھی۔ مصائب کا اہل ایمان کے لئے خوشگوار پہلو یہ ہوتا ہے کہ دنیا کی رونقیں اس وقت نگاہوں میں ماند پڑی جاتی ہیں اور مولیٰ کی یادوں میں بسیرا کرلیتی ہے۔ تصوف کی بنیاد ہی دنیا سے بے زاری اور رجوع الی اللہ پر ہے۔ اس لئے ایسے ماحول میں جو دل جتنا زیادہ تأثراتی ہوتا ہے، اتنا ہی وہ الطاف خداوندی سے قریب ہوجاتا ہے اور یوں عشق الٰہی کی شمع انوار وتجلیات کی آماجگاہ بن کر دلوں میں روشن ہوجاتی ہے جس کی کرنوں سے پورا وجود جگمگا اٹھتا ہے۔

عشق سراپا درد اور سوز وگداز ہے جو اظہار بھی چاہتا ہے۔ اس لئے عشق الٰہی سے معمور دل جیسے مصدر کیف سے جو آواز بلند ہوتی ہے، اس کا ارتعاش خوب نمایاں، اس کی تاثیر بہت گہری اور اس کے اثرات بڑے وسیع ہوتے ہیں۔ شاعری جذبہ اور تخیل کی ملی جلی آواز کا نام ہے، اس لئے تصوف نے فارسی شاعری کو خوب نوازا۔ اسے تصوف کی جناب سے درد ملا، سوز ملا، گداز ملا، کیفیات ملیں، واردات عطا ہوئیں، حقائق سے یارانہ ہوا، زبانوں کو شستگی اور خیالات کو پاکیزگی ہاتھ آئی اور یوں عشق وسرمستی کی ایک ہری بھری دنیا وجود میں آگئی۔ بقول شبلی:

''فارسی شاعری اس وقت تک قالب بے جان تھی، جب تک اس میں

تصوف کا عنصر شامل نہیں ہوا۔ شاعری اصل میں اظہار جذبات کا نام ہے۔ تصوف سے پہلے جذبات کا سرے سے وجود ہی نہ تھا۔ قصیدہ مداحی اور خوشامد کا نام تھا، مثنوی واقعہ نگاری تھی، غزل زبانی باتیں تھیں۔ تصوف کا اصل مایۂ خمیر، عشق حقیقی ہے جو سرتاپا جذبہ اور جوش ہے۔ عشق حقیقی کی بدولت مجازی کی بھی قدر ہوئی اور اس نے تمام سینہ ودل گرما دیئے۔ اب زبان سے جو کچھ نکلتا تھا گرمی سے خالی نہیں ہوتا تھا۔ ارباب دل ایک طرف، اہل ہوس کی باتوں میں بھی تاثیر آگئی (شعر العجم پنجم ص ۱۲۰۔)

سب سے پہے تصوف میں شاعرانہ خیالات کا اظہار سیدنا سلطان ابوسعید ابوالخیر قدس سرہٗ نے فرمایا۔ آپ شیخ بوعلی سینا کے معاصر رفقا میں تھے۔ ابتداءً چودہ سال جذب کی حالت میں رہے۔ سلوک میں آنے کے بعد بھی جذب کا اثر باقی تھا۔ ۴۰۴ھ میں وفات پائی۔ چند اشعار یہ ہیں:

غازی برہِ شہادت اندر تگ و پواست　　غافل کہ شہید عشق فاضل تر از وست
درروز قیامت ایں بداں کے ماند　　کیں کشتۂ دشمن است، واں کشتۂ دوست

لیکن حضرت حکیم سنائی قدس سرہٗ پہلے شخص ہیں جنہوں نے تصوف کو مستقل طور پر نظم میں بیان کیا ہے۔ حدیقہ ان کی مشہور کتاب ہے۔ پختگی، برجستگی اور صفائی میں ان کا کلام تمام معاصرین سے ممتاز ہے۔ حکیم سنائی قدس سرہٗ نے ۵۲۵ھ میں وفات پائی۔ آپ کے بعد اوحدالدین کرمانی متوفی ۵۳۶ھ، ان کے مرید اوحدی اصفہانی، خواجہ فریدالدین عطار، مولانا رومی، شیخ سعدی، امیر خسرو، عراقی ہمدانی، حافظ شیرازی اور عبدالرحمٰن جامی قدست اسرارہم نے اس چمن کی آبیاری کی۔ سنائی کی حدیقہ، کرمانی کی مصباح الارواح، اوحدی کی جام جم، عطار کی منطق الطیر، رومی کی مثنوی، سعدی کی بوستاں، خسرو کی ہشت بہشت، اور عراقی، شیرازی اور جامی کے دواوین اس فن کی اعلیٰ یادگاریں ہیں۔

سیدنا خواجہ غریب نواز رضی اللہ تعالیٰ عنہ چھٹی صدی کے سلطان الاولیا ہیں،



اس لئے آپ کے زمانہ میں فارسی شاعری کا دوسرا دور چل رہا تھا۔ اس عہد میں آپ نے جس کثرت اور تسلسل سے اپنے اشعار میں جوش وجذبے سے لبریز سہل انداز میں اسرار عشق الٰہی عام کئے ہیں، وہ دیکھنے سے تعلق رکھتے ہیں۔ بقولے آپ نے آٹھ ہزار سے زائد اشعار کہے ہیں۔ شیخ محمد اکرام اپنی کتاب ''آبِ کوثر'' میں لکھتے ہیں:

''حضرت خواجۂ بزرگ کو زمانہ ان کی پاک زندگی، مبلغانہ اور مصلحانہ کوششوں اور روحانی عظمت کی وجہ سے مانتا ہے لیکن ان کی زندگی کا ایک اور پہلو بھی تھا جس سے اکثر لوگ روشناس نہیں۔ آپ شاعر بھی تھے اور آپ کے اشعار کی تعداد سات آٹھ ہزار کے قریب تھی۔ فارسی شعرا کے مشہور تذکرہ ''آتشکدہ'' میں آپ کی دو رباعیاں نقل ہوئی ہیں...... سیر السالکین میں آپ کی نسبت لکھا ہے:

حضرت ایشان درزمرۂ شعرائے نامدار از مغتنمات روزگار اند ودر اصناف شعر قصیدہ وغزل مرعی دارند۔ مجموعۂ کلام عرفاں آنحضرت کہ گنجینۂ بیش از ہفت ہشت ہزار بیت بودہ، از دست دوران نامہرباں از میاں رفت واند کے ازاں ماندہ (آبِ کوثر ص ۲۰۸-۲۰۹)

آپ کے متفرق اشعار مختلف کتابوں میں منقول ہیں۔ مونس الارواح میں آپ کی ایک غزل منقول ہے۔ مظہر جمال مصطفائی میں سرکار غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شان اقدس میں ایک منقبت مذکور ہے جس کا پہلا شعر یہ ہے:

یا غوث معظم نور ہدی، مختار نبی مختار خدا
سلطان دوعالم قطب علیٰ حیراں زجلالت ارض وسما

شیخ اکرام نے بھی آتشکدہ کے حوالے سے آپ کی یہ دو رباعیاں ذکر کی ہیں:

عاشق ہردم فکر رخ دوست کند　　معشوق کرشمۂ کہ نکوست کند
ماجرم وگنہ کنیم واولطف وعطا　　ہرکس چیز یکہ لائق اوست کند

اے بعد نبی برسر تو تاج نبی　　　اے دادہ شہاں ز تیغ تو باج نبی
آنی تو کہ معراج تو بالا تر شد　　　یک قامت احمد ز معراج نبی

سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شان رفیع میں آپ کی یہ رباعی مشہور عالم ہے:

شاہ ہست حسین بادشاہ ہست حسین　　　دیں ہست حسین دیں پناہ ہست حسین
سرداد نہ داد دست دردست یزید　　　حقا کہ بناء لاالٰہ ہست حسین

سیدنا حضرت خواجۂ معظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ذات گرامی سے منسوب ایک مختصر دیوان بھی ہے جس میں حمد یہ نعتیہ غزلیات اور قصائد کی ایک اچھی تعداد موجود ہے۔اس دیوان کو بعض حضرات شک کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔آبِ کوثر کے مصنف شیخ محمد اکرام کا یہی خیال ہے اور بزم صوفیہ کے مؤلف صباح الدین عبدالرحمٰن تو اسے وضعی قرار دیتے ہیں۔لیکن یہ خیالات اس لئے بہت زیادہ قابل اعتنا نہیں معلوم ہوتے کہ یہ سلسلۂ ظن وتخمین اور وہم وگمان صرف آپ کے شعری مجموعہ ہی تک نہیں محدود رہتا بلکہ ملفوظات مشائخ چشت تک بھی جا پہنچتا ہے۔بقول صباح الدین عبدالرحمٰن:

''کچھ اہل علم ایسے ہیں جو انیس الارواح، دلیل العارفین، فوائد السالکین، اسرارالاولیاء اور راحت القلوب کے ساتھ افضل الفوائد اور مفتاح العاشقین کو بھی غیر مستند، نقلی جعلی مجموعۂ ملفوظات سمجھتے ہیں لیکن وہ سیر الاولیاء کو غیر مستند قرار نہیں دیتے۔ البتہ سیر الاولیاء میں خواجگان چشت کے ملفوظات کے جو حوالے ہیں، ان پر تعجب کا اظہار کر کے خاموش ہو جاتے ہیں'' (بزم صوفیہ ص ۶۳۹)

حالانکہ ان ملفوظات کے بارے میں خود بزم صوفیہ میں تحقیق یہی ہے کہ یہ انہی مشائخ کے مجموعۂ ملفوظات ہیں، انہیں وضعی کہنا درست نہیں۔

پھر شک کی کچھ بنیادیں ہوتی ہیں۔تاریخی تضادات ہوں، غیر اسلامی نظریات ہوں، نادر روایات ہوں جس کا اگلوں میں سراغ نہ ملتا ہو، زبان وبیان کی



ایسی بے ربطی اور کمزوری ہو جس سے معلوم ہو کہ یہ انداز اس شیخ معظم کی شان رفیع کے مناسب نہیں، نثر وشعر میں ایسی ترکیبیں ہوں جو اس شاعر یا نثر نگار کے دور سے بالکل ہم آہنگ نہ ہوں یا اس کی دوسری تحریروں سے بالکل میل نہ کھاتی ہوں تو اس منسوب چیز کو وضعی، الحاقی اور مشکوک قرار دینا بلاشبہ قابل توجہ ہوسکتا ہے لیکن اس مختصر سے مجموعۂ اشعار میں تو یہ سب کچھ نہیں۔نہ اس میں غیر اسلامی نظریات ملتے ہیں، نہ تضادات کا عیب ہے، بے ربطی اور زبان وبیان کی کمزوری بھی نظر نہیں آتی، خواجۂ معظم کے انداز فکر اور ان کے دور کے شاعرانہ مزاج سے ہم آہنگ بھی ہے۔پھر اشعار کا داخلی سوز بھی اس کی کافی شہادت ہے کہ یہ کسی عشق حقیقی میں بریاں وگریاں قلب مومن کی آواز ہے تو صرف اس بنیاد پر کہ اس کی دریافت یا اشاعت عرصۂ دراز کے بعد ہوئی، اسے وضعی قرار دینا مناسب نہیں معلوم ہوتا۔بہت سی تحریریں ہیں جن کی دریافت ان کے وجود کے عرصۂ دراز کے بعد ہوتی ہے لیکن قرائن کی روشنی میں اس کی صحت تسلیم کی جاتی۔ہے ایسے مقام پر اتصال سند کی ضرورت نہیں ہوتی، خصوصاً جب کہ وہ تحریر حلت وحرمت کے باب سے نہ ہو۔جب حضرت خواجۂ معظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شاعرانہ عظمت عہد قدیم کے مصنفین کو تسلیم ہے اور کلام کے کچھ حصص کے محفوظ رہنے کا بھی اقرار ہے تو اگر کلام کا کوئی مجموعہ کسی کے ذخیرۂ کتب سے دستیاب ہو جاتا ہے تو کیا عجب؟۔یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اس کے قلمی نسخے شائقین ومعتقدین لیتے رہے۔مختصر دیوان کا مرتب اس کی دستیابی کی صورت بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے:

''آج تک کسی کو معلوم نہ تھا کہ حضرت خواجہ صاحب قدس سرہٗ العزیز بادیگر کمالات صوری ومعنوی مذاق شعر وشاعری بھی رکھتے تھے۔حسن اتفاق سے ہم کو ایک مختصر دیوان حضرت صاحب کا بمنزلہ کلیات، کتب خانہ مستجمع کمالات جناب نظام الدولہ نواب محمد مردان علی خان صاحب بہادر متخلص بہ نظام سابق دیوان سرکار مارواڑ

سے نصیب ہوا اور اس پر مواہیر فیضی و ابوالفضل ثبت تھیں۔ معلوم ہوا کہ وہ کتب خانہ اکبر بادشاہ سے تھا۔ ممدوح از بس معتقد حضرت خواجہ صاحب قدس اللہ سرہٗ کا تھا۔ اس نے اپنے عہد دولت میں بہم پہنچایا اور شکر خدا کہ ہم کو گھر بیٹھے بے منت ہاتھ آیا۔ چونکہ یہ نعمت غیر مترقبہ تھی، اس لئے ہم نے واسطے یادگار حضرت کے طبع کیا تا کہ بطور تبرک کے لوگ اس کو حرز جان بنائیں اور ہم اس سعادت سے ثمرۂ خیر پائیں (دیوان خواجۂ پاک ص ۹۳ مطبوعہ نولکشور)

علامہ شمس بریلوی (پاکستان) اور ڈاکٹر سید لیاقت حسین معینی (علی گڑھ) نے اپنے مقالات میں مدلل طور پر ثابت کیا ہے کہ یہ شعری دیوان حضرت خواجہ غریب نواز رضی اللہ عنہ کا ہے۔

اب حضرت خواجۂ معظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ذات گرامی سے منسوب اس مختصر سے مجموعۂ کلام کا مختصر تعارف صوفیانہ نقطۂ نظر سے پیش ہوتا ہے۔ واللہ الموفق

حضرت خواجۂ معظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منسوب یہ دیوان ایک سو بائیس حمدیہ عشقیہ اور نعتیہ غزلوں پر مشتمل ہے جس میں بارہ سو چھبیس اشعار ہیں اور الف سے لے کر یاء تک کی ردیفیں موجود ہیں۔ خالص نعت رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر مشتمل غزلوں کی تعداد آٹھ ہے لیکن سوز عشق کی نمائندہ غزلوں میں بھی کہیں کہیں نعتیہ اشعار در آئے ہیں۔

اس پورے شعری سرمایہ پر تکیفات کی جو فضا محیط ہے، وہ ہے شاعر کی سرمستی اور جنون کی حد تک تصور محبوب میں جذب اور فنائیت۔ اس کے ساتھ ساتھ شعری لوازمات بلاغت، سلاست، اصلیت، جوش، محاکات، تسلسل، پرکاری، ندرت فکر، پرواز تخیل، تشبیہات واستعارات، مترنم بحریں، کھنکتے الفاظ، بولتے مصرعے، مسکراتے انداز کی ساری کیفیات اپنی تمام تر شناختوں کے ساتھ موجود ہیں۔ البتہ اصناف سخن کی تمام راہداریوں کا التزام نہیں۔ صنائع اور بدائع کی آراستگی سے بھی پورا کلام سجا سجا نظر



آتا ہے۔ مذکورہ بالا اوصاف کی جھلک، آنے والی تمثیلات میں آپ خود ملاحظہ فرمائیں گے لیکن راقم کا مدعا چونکہ شاعر کی صوفیانہ فکر کے چند گوشوں کو نمایاں کرنا ہے، اس لئے ان شاعرانہ عناصر کے بیان سے قلم کشاں ہی گذرنا ہوگا۔

تصوف حسن ازلی کی رعنائیوں میں اس طرح سے جذب ہوجانے کا نام ہے کہ سوائے مشاہدۂ یار کے اور کسی چیز کی جستجو باقی نہ رہے۔ سیدنا خواجۂ معظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بارگاہ لم یزل میں قرب اور اس کی بلندیاں شہرۂ آفاق ہیں۔ بارگاہ نبوت سے قطب مشائخ بحر و بر کا خطاب، مرشد کے لئے آپ کا باعث افتخار ہونا اور آپ کے رواں دواں مشاہداتی تصرفات، آپ کے بلندیٔ مراتب کے کافی سے زائد شواہد ہیں۔ اور یہ مرتبہ اسی وقت حاصل ہوتا ہے، جب طلب محبوب میں کوئی خود کو فنا کردے اور بس وہی جاں نواز محبوب ہر چہار سمت جلوہ ساماں نظر آئے۔ اس لئے آپ کے اشعار میں ان کیفیات عشق اور واردات قلب کی جلوہ طرازیاں پورے شباب پر ہیں۔ اس کے ساتھ عشق حبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، پاس ادب، التزام شرع، احتراز نفس، تواضع، ادب، خود سپردگی، انابت، تسلیم ورضا، صبر وتوکل، خوف ورجا، تربیت باطن جیسے پاکیزہ تصورات کی تلقین بھی موجود ہے۔ اب ان تصورات کی تمثیلات ذیلی سرخیوں اور مختصر وضاحتوں کے ساتھ پیش ہوتی ہیں۔

**وحدت الوجود:**

وحدت الوجود جسے شبلی نے تصوف کا نشہ قرار دیا ہے، اکابرینِ اسلام کا منظور نگاہ زاویۂ فکر ہے۔ قادری، چشتی، سہروردی مشائخ اس نظریہ کے حامی اور پرجوش داعی رہے۔ چند بزرگان امت نے عقول متوسطہ کی رعایت کرتے ہوئے وحدت شہود کا اعتراف فرمایا لیکن ان کا وجدان بھی اک جلوۂ ہمہ رنگ اور پرتو چراغان بزم سے آراستہ وپیراستہ تھا۔ اور حقیقت بھی یہی ہے کہ وحدت الوجود کے نظریات ہی حق ہیں، گرچہ ان کی تفہیم عقول متوسطہ کے معیار سے بہت بلند ہے۔ اس نظریہ کو

حلولیہ جیسے باطل فرقہ کے نظریات سے شمّہ برابر علاقہ نہیں۔قطب الارشاد اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہ اس کی ترجمانی فرماتے ہوئے تحریر کرتے ہیں:

''مرتبۂ وجود میں صرف حق عزوجل ہے کہ ہستی حقیقۃً اسی کی ذات پاک کے ساتھ خاص ہے۔وحدت وجود کے جس قدر معنی عقل میں آسکتے ہیں یہی ہیں کہ وجود اور موجود واحد، باقی سب مظاہر ہیں کہ اپنی حد ذات میں اصلاً وجود و ہستی سے بہرہ نہیں رکھتے۔ کل شیء ھالك الا وجھه اور حاشا یہ معنی ہرگز نہیں کہ من وتو، زید وعمرو ہر شئی خدا ہے۔یہ اہل اتحاد کا قول ہے جو ایک فرقہ کافروں کا ہے اور پہلی بات اہل توحید کا مذہب ہے جو اہل اسلام وایمان حقیقی ہیں۔[امام احمد رضا اور تصوف ص ۱۶۔۱۷]

عارف ربانی حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ نے بھی اس کی وضاحت فرمائی ہے، آپ رقم طراز ہیں:

''جو لوگ وحدت وجود کے قائل ہیں اور اشیا کو عین حق جانتے ہیں اور ہمہ اوست کہتے ہیں اس سے ان کی مراد یہ نہیں کہ اشیا، حق تعالیٰ کے ساتھ متحد ہیں۔اگر ان میں سے کوئی ایسا سمجھتا ہے تو یہ کفر، الحاد، زندقہ اور گمراہی ہے، کیونکہ واجب ممکن نہیں ہوسکتا اور ممکن واجب نہیں ہوسکتا۔ ہمہ اوست کے معنی یہ ہیں کہ اشیا نہیں ہیں، حق تعالیٰ موجود ہے۔(بزم صوفیہ ص ۱۷۰ بحوالہ مکتوبات امام ربانی نمبر ۴۴ ج ۲)

اس لئے وحدت الوجود کے نظریہ کو حلولیہ فرقہ کے نظریات کا ہم معنی قرار دے کر اس پر نکیر کرنا کسی بھی طرح قابل توجہ نہیں ہوسکتا۔

وحدت وجود و شہود کون سے تصورات ہیں؟ ان کی تشریح ایک عارف باللہ کے قلم سے ملاحظہ کیجئے ،اس کے بعد اسی کی روشنی میں حضرت خواجہ معظم قدس سرہٗ کے اشعار میں اس کا عکس۔

سراج العارفین سیدنا سید شاہ ابوالحسین احمد نوری مارہروی قدس سرہٗ (۱۸۳۹ء-۱۹۰۶ء) سراج العوارف میں تحریر فرماتے ہیں:



''وحدت کی دو قسمیں ہیں ایک وجودی، دوسری شہودی۔وجودی کے معنی یہ ہیں کہ سالک کے علم اور نظر دونوں سے اللہ کے سوا جو کچھ بھی ہے اس کا شعور ختم ہوجائے اور اس کی نظر وعلم میں اللہ کے سوا سب کچھ فنا ہونے کے بعد ذات باری تعالیٰ باقی رہے۔یہی سالک کے مقام کی انتہا ہے۔اس مقام پر آنے کے بعد سالک ولی ہوجاتا ہے۔سیر الی اللہ کے ختم ہونے کے یہی معنی ہیں اور اسی کو مقام لاہوت کہتے ہیں۔قادریہ، چشتیہ وسہروردیہ وغیرہم تمام اولیاء اللہ کا یہی مسلک ہے۔ایک قلیل تعداد وحدت شہود کی طرف گئی ہے اور اس کو سالک کا ابتدائی مقام جانتے ہیں۔

وحدت شہودی کے بھی یہی معنی ہیں لیکن اس میں موجودات کا انکار صرف سالک کی نظر سے ہوتا ہے، اس کے علم سے نہیں یعنی اللہ تعالیٰ کے سوا تمام موجودات اس کے علم میں تو باقی رہتے ہیں، صرف نظر سے ختم ہوجاتے ہیں مگر سالک کے علم میں باقی رہتے ہیں۔جیسے سورج نکلنے پر ستارے کہ سب ستارے نظر سے غائب ہوجاتے ہیں، نظر کے سامنے صرف سورج ہوتا ہے لیکن وہ جانتا ہے کہ ستاروں کا وجود ویسے ہی باقی ہے، بس نظر سے چھپ گیا ہے۔لامحالہ اس میں توحید میں نقص باقی رہتا ہے اور وہ نقص یہ ہے کہ سالک کے علم میں موجودات باقی رہ جاتے ہیں۔یہ بات فنائے مطلق کے منافی ہے(سراج العوارف فی الوصایا والمعارف (اردو) ص ۶۴-۶۵)

وحدت کے یہ اسرار الٰہی عارفان بارگاہ صمدیت سے سینہ بہ سینہ منتقل ہوتے رہے۔سیدنا حضرت شیخ اکبر محی الدین ابن عربی رضی اللہ تعالیٰ عنہ پہلے عارف ہیں جنھوں نے ان گراں بہا حقائق کے مخفی خزانے کو طالبان عشق کے لئے بازار شوق میں برسر عام رکھ کر دعوت نظارہ دی لیکن ابھی اس میں رمز وکنایہ کی ترجمانی تھی اور عقول متوسطہ کے لئے اس کے اندر ماورائی کیفیات کی دبیز تہیں موجود تھیں۔لیکن ماضی قریب میں حقائق آشنا علامہ فضل حق خیرآبادی نے الروض المجود فی وحدۃ الوجود میں اس نظریہ کی حقانیت پر ایسے روشن عقلی دلائل قائم فرمائے کہ کوئی بڑے سے بڑا فلسفی

بھی انہیں رد کرنے کی جرأت نہیں کرسکتا۔ راقم نے اپنے مقالہ ''علامہ فضل حق خیرآبادی اور نظریہ وحدت الوجود'' میں حضرت علامہ قدس سرہٗ کے اس رسالہ کا تفصیلی تعارف پیش کیا ہے۔

حضرت خواجۂ معظم سلطان الہند سیدنا خواجہ معین الدین حسن چشتی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس شراب وحدت کو مختلف انداز اور مختلف رنگ میں پیش کیا ہے اور اس کثرت سے اس کے مضامین وارد ہیں کہ گویا ہر جگہ یہی رنگ نظر آتا ہے۔ چند انداز آپ بھی دیکھئے۔ (ہمہ اوست) کی ردیف میں پوری غزل نظم فرمائی ہے۔ اس کے چند اشعار پیش ہیں جن کے پیمانوں میں وحدت الوجودی شراب صاف جھلکتی دکھائی دیتی ہے۔

۱- کسیکہ عاشق ومعشوق خویشتن ہمہ اوست — حریف خلوت وساقی انجمن ہمہ اوست
۲- اگر تو خرقہ ہستی خویش پارہ کنی — نظر کنی کہ دریں زیر پیرہن ہمہ اوست
۳- زجام عشق نہ منصور بےخود آمد وبس — کہ دار نیز ہمی گفت بارسن ہمہ اوست
۴- مگو کہ کثرت اشیا نقیض وحدت گشت — تو در حقیقت اشیاء نظر فگن ہمہ اوست
۵- تعین است گراز اعتبار ما ومن است — ز اعتبار گذر کن کہ ما ومن ہمہ اوست
۶- چہ جائے بادہ وجام وکدام ساقی مست — خموش باش معینے ودم مزن ہمہ اوست

(دیوان خواجۂ معظم ص ۱۳)

۱- جو ذات خود ہی عاشق بھی ہو اور معشوق بھی، خلوت کی حریف بھی ہو اور انجمن کا ساقی بھی ہر جگہ اسی کا وجود ہو۔

۲- اگر تو اپنے وجود کا لباس پارہ پارہ کردے تو دیکھ لے گا کہ اس لباس وجود میں بھی صرف اسی کی جلوہ فرمائی ہے۔

۳- عشق کے جام سے صرف منصور ہی بے خود اور سرمست نہ ہوئے بلکہ دار ورسن بھی یہی نعرہ لگاتے ہیں کہ بس وہی (محبوب حقیقی) موجود ہے۔



۴- یہ نہ کہنا کہ چیزوں کی کثرت تو وحدت کی ضد ہوتی ہے۔ ذرا اشیا کی حقیقت پہ نگاہ ڈال تو سب جگہ اسی کا جلوہ معلوم ہوگا۔

۵- تعینات اگر ہیں بھی ما ومن کے اعتبار سے ہیں۔ اعتبارات سے گذر کے دیکھو تو معلوم ہوگا کہ سب کے سب وہی ہیں۔

۶- شراب وجام کی گفتگو کیسی اور مست وسرشار ساقی کہاں۔ اے معینؔ دم مت مار خاموش رہ! سب کچھ تو وہی ہے۔

ذرا تصور کیجئے کہ شفاف پانی ہے جسے مختلف رنگ کے گلاسوں میں ڈالا جاتا ہے تو وہی بے رنگ پانی کے قطرات سبز وسرخ، سفید وزرد مختلف رنگوں کی کیفیات پیش کرتے ہیں۔ ظاہر بین یہی سمجھتا ہے کہ یہ سب الگ سے وجود ہیں جو مختلف رنگ رکھتے ہیں لیکن حقیقت آشنا خوب سمجھتا ہے کہ یہ سارا کرشمہ رنگا رنگ گلاس کی دین ہے، ورنہ پانی وہی ایک ہے جو محل بدلتا چلا جارہا ہے۔ وحدت وجود کی ایسی تقریبی تمثیل کی ترجمانی ان اشعار میں دیکھئے۔

۷- بادہ صاف است مپندار کہ رنگین شدہ آست — آں زہم رنگئی جام ست کہ شد سرخ وکبود
۸- اول وآخر وظاہر وباطن ہمہ اوست — کہ ہمو بود وہمو ہست وہمو خواہد بود

(ایضاً ص ۲۳-۲۴)

۷- شراب تو بالکل شفاف ہے، اسے رنگین نہ سمجھنا۔ یہ تو جام کی ہم رنگی کی کرشمہ سازی ہے کہ سرخ اور نیلگوں نظر آتی ہے۔

۸- میری ابتدا، میری انتہا، میرا ظاہر، میرا باطن سب کچھ وہی ہے۔ کل بھی وہی تھا، آج بھی وہی ہے اور آئندہ بھی وہی رہے گا۔

دوسری جگہ بڑے رنگ وآہنگ کے ساتھ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ وجود تو بس ایک ہے، باقی سب پانی کے بلبلے۔ اس پر سینکڑوں دلیلیں موجود ہیں، کوئی دل بینا اور نگاہ آشنا تو ہو:

۹- بخدا غیر خدا در دو جہاں نیست کسے　　صد دلیل ست و لے واقف ازاں نیست کسے
۱۰- مسند عزت و خلوت گہ وحدت خالی ست　　ازازل تا بہ ابد درخور آں نیست کسے
(دیوان خواجہ معظم ص ۸۹)

۹- بخدا! اللہ تعالیٰ کے سوا دونوں جہان میں (درحقیقت) کوئی موجود نہیں۔اس بات پر سینکڑوں دلیلیں ہیں لیکن اس سے واقفیت رکھنے والے کتنے ہیں۔

۱۰- عزت وجلال کی مسند اور وحدت کا خلوت کدہ، غیر سے خالی ہے۔ازل سے لے کر ابد تک اس کا کوئی سزاوار نہیں۔

**فنا اور بقا:**

بشری تشخصات سے کنارہ کش ہو کر مولیٰ کی یاد میں اس طرح گم ہو جانا کہ پھر ''اپنی خبر کو خبر نہ ہو'' کا مرحلہ آجائے، اصطلاح صوفیا میں فنا کی منزل ہوتی ہے، جس کی آغوش سے وہ بقا نمودار ہوتی ہے جو اپنے دامن سے وابستہ ہونے والے کو اس طرح زندہ جاوید کر دیتی ہے کہ ۔

بے نشانوں کا نشاں مٹتا نہیں　　مٹتے مٹتے نام ہو ہی جائے گا

سرکار نور سیدنا شاہ سید ابوالحسین احمد نوری مارہروی قدس سرہٗ اس کی تشریح کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

''فنا کا معنی ہے سیر الی اللہ کی انتہا اور بقا کا مطلب ہے سیر فی اللہ کی ابتدا۔ اس لئے کہ سیر الی اللہ اس وقت پوری ہوتی ہے جب آدمی اپنے وجود کے صحرا کو سچائی کے قدموں سے ایک دم طے کرلے اور سیر فی اللہ اس وقت ٹھیک ہوتی ہے، جب بندہ کو فنا کے بعد اللہ تعالیٰ گندگیوں سے پاک کردے (سراج العوارف)

فنا کے تین مراتب ہیں:

۱-فنا فی الشیخ، ۲-فنا فی الرسول، ۳- فنا فی اللہ

ہر پہلی منزل دوسری منزل کے لئے زینہ ہے۔جب تک یہ تینوں مرتبے



طے نہیں ہو جاتے، سالک کو منزل مقصود نہیں ملتی۔فنا فی اللہ کی منزل طے ہو جانے کے بعد ہی بقا کی لامتناہی سرحدیں شروع ہوتی ہیں۔بقول سرکار نور قدس سرہٗ:

''جب یہ فنا (فنا فی اللہ) اپنی حد تک پہنچ جاتی ہے تو بقا کی ابتدا ہوتی ہے۔ جب یہ فنا حضرت جنید علیہ الرحمہ کو حاصل ہوئی تو فرمایا کہ چالیس سال سے میں خدا سے باتیں کرتا ہوں اور لوگ سمجھتے ہیں کہ ان سے کلام کر رہا ہوں۔اس قسم کے بہت سے اقوال بزرگوں سے منقول ہیں۔ یہ فنا حاصل ہوجانے کے بعد سالک موحد بالذات ہو جاتا ہے کہ شرک کا وجود بھی باقی نہیں رہتا (سراج العوارف)

جب فنا کی یہ منزلیں سالک کے لئے جادۂ منزل ٹھہریں تو اس کا اہتمام کس قدر ہوگا؟ یہ خوب ظاہر ہے اور یوں بھی کمال عشق حقیقی یہی ہے کہ محبوب کے مقابل محبّ فنا ہو جائے۔ اسی لئے اولیائے امت نے ان مراحل کی اہمیت پورے جوش وخروش کے ساتھ واضح فرمائی۔تقریباً تمام ہی کتب تصوف اس کی ترجمان ہیں۔سب سے پہلے سیدنا ابوسعید خراز رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان مراتب سے اپنی تصنیف میں مفصل بحث فرمائی ہے۔سرکار خواجۂ معظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی کثرت سے اس کی تلقین کی ہے اور اس کی اہمیت کا اظہار مختلف انداز سے فرمایا ہے۔چند اشعار دیکھئے:

۱۱- دلا! بحلقۂ رندان بزم عشق درآ　　کہ جرعہ زشراب بقا دہند ترا
۱۲- اگر بقا طلبی اوّلت فنا باید　　کہ تا فنا نہ شوی رہ نمی بری بہ بقا
۱۳- زظلمت بشریت چوبگذری برسی　　ازیں حضیض دنائت براوج اوادنیٰ
۱۴- نقاب ہستیٔ خود را تو ازمیاں بردار　　دگر ببیں کہ جمال کہ می شود پیدا
۱۵- اگر تجلّی نور قدم ہمی خواہی　　معیّن نقاب حدوث از جمالِ خود بکشا
۱۶- گیر در دار بقا حبل انا الحق در دست　　چند در دیر فنا دار ورسن می طلبی
(دیوان خواجۂ پاک ص۳-۴)

۱۱- اے دل! ذرا بزم عشق کے سرمستوں میں داخل ہو، تا کہ بقا کی شراب

کا ایک گھونٹ تجھے بھی دیدیں۔

۱۲- اگر بقا مطلوب ہے تو پہلے عشق الٰہی میں تجھے فنا ہونا چاہئے۔ اس لئے کہ جب تک تجھے فنا کا مرتبہ حاصل نہیں ہوگا، اس وقت تک تجھے بقا کی منزل کا سراغ نہیں مل سکتا۔

۱۳- جب بشریت کی تاریکی سے گذر جاؤ گے، تب جا کر اس پستی کے نشیب سے ''اوادنیٰ'' کی بلندی تک رسائی ہوگی۔

۱۴- ذرا درمیان سے اپنی ہستی کا نقاب اٹھا کے تو دیکھ! پھر کس کا جمال جہاں آرا نمودار ہوتا ہے۔

۱۵- معین! اگر قدم کے نور کی تجلی مطلوب ہے تو اپنی ذات کے جمال سے حدوث کا نقاب اٹھا دے۔

۱۶- خانۂ بقا میں انا الحق کی رسی مضبوطی سے تھام لے، کیونکہ فنا کے بتکدے میں دارورسن (کی مشقتیں) کب تک ڈھونڈتا پھرے گا۔

اب بقا کی منزل پر فائز ہونے کا جلوہ بھی دیکھئے۔ کس قدر کیف اور سرمستی میں فرماتے ہیں:

۱۷- من نمی گویم انا الحق یار می گوید بگو — چوں نگویم چوں مرا دلدار می گوید بگو
۱۸- سرّ منصورے نہاں کردن نہ حد چوں من است — چوں کنم ہم ریسماں ہم دار می گوید بگو
۱۹- اے صبا گر پرسدت کز ما چہ می گوید معینؔ — ایں دوئی راز میاں بردار می گوید بگو

(ایضاص ۷۶۔۷۷)

۱۷- میں نہیں کہتا انا الحق، یار کہتا ہے کہ کہو تو کہہ دیتا ہوں۔ جب تک دلدار مجھے حکم نہیں دیتا میں تو چوں بھی نہیں بولتا۔

۱۸- کسی منصور کا راز پوشیدہ رکھنا مجھ جیسے کی طاقت سے سوا ہے۔ ہاں اسی وقت ایسا کرتا ہوں جب دارورسن کہنے لگتے ہیں کہ کہہ دے۔



۱۹- اے صبا! میرا حبیب اگر دریافت کرے کہ معین ہم سے کیا کہتا ہے تو کہہ دینا کہ اس کی عرض تو بس یہی ہے کہ پیارے! درمیان سے یہ دوئی کا حجاب ہٹا دو۔

جب فنا کا مرتبہ حاصل ہوجاتا ہے تو سوائے رضائے دوست اور خیال یار کے اور کچھ باقی نہیں رہتا، حتیٰ کہ محبت وعداوت، قرب وبعد، وصل وفراق، سکر وصحو، نعمت وکلفت، جنت ودوزخ کسی کا تصور نگاہوں میں نہیں سماتا۔ حضرت خواجۂ پاک ان واردات کی تصویر کشی کرتے ہوئے آپ بیتی بیان فرماتے ہیں:

۲۰- ما بہر وصال از دل وجاں نیز گذشتیم — ور وصل نخواہی تو ازاں نیز گذشتیم
۲۱- در بحر فنا غرق رضائے تو چنا نیم — کز جوئے مراد دو جہاں نیز گذشتیم
۲۲- عمرے ز پئے نام ونشانِ تو دویدیم — ما در طلب از نام ونشاں نیز گذشتیم
۲۳- در پاے گہ نفس بہیمی چہ کند دل — کز مرتبۂ روح ورواں نیز گذشتیم
۲۴- یک جام بما داد کہ تن دل شد ودل جاں — یک جام دگر داد ز جاں نیز گذشتیم
۲۵- در منزل مقصود کہ خلوت گہ قدس است — از حادثۂ کون ومکاں نیز گذشتیم
۲۶- از عین عیاں دید معینؔ حسن تو امروز — کز وعدۂ فردا بچناں نیز گذشتیم

(دیوان خواجۂ پاک ص ۵۹)

۲۰- ہم تو وصال محبوب کی خاطر دل وجان سے بھی گذر چکے اور وصل بھی تیرا مدعا نہ ہو تو ہم اس سے بھی دستبردار ہوتے ہیں۔

۲۱- تیری رضا کی خاطر فنا کے سمندر میں ہم اس طرح غرق ہیں کہ دونوں جہاں کے مقاصد کی طلب بھی باقی نہ رہی۔

۲۲- تیری علامتوں کی تلاش میں ایک زمانے تک ہم اس طرح سرگرداں رہے کہ خود ہمارے وجود کا نام ونشان جاتا رہا۔

۲۳- درندہ صفت نفس کے مقام پر دل کیا بگاڑ سکتا ہے، اس لئے کہ ہم تو جسم وجان کے مرتبے سے بھی گذر چکے ہیں۔

۲۴- اس نے ایک جام سے نوازا تو جسم، دھڑ کتے ہوئے دل اور دل، روح میں تبدیل ہو گیا اور جب دوسرا جام ملا تو پھر ہمیں اپنی جان کا بھی ہوش نہ رہا۔

۲۵- میری منزل مقصود جو بارگاہ قدس کا خلوت کدہ ہے، اس مقام پر کون ومکاں کے وجود کا بھی ہمیں خیال نہ رہا۔

۲۶- معین نے تو آج تیرا حسن بالکل بے حجاب دیکھ لیا ہے کہ وعدۂ فردا کا کون خیال کرے، وہ بھی ایسے معاملے میں۔

اسی طرح کی ایک دوسری مترنم بحر میں واردات فنا کا تذکرہ بڑے والہانہ انداز میں فرماتے ہیں۔ کیا کیف ہے، کیا سرور ہے، کیا سرمستی ہے، کیا غنائیت ہے، بس دیکھا کیجئے۔ اس پر بحر کے ترنم اور غنائیت نے اور ستم ڈھایا ہے:

۲۷- مابفکرش از بہشت وحورو غلماں فارغیم
از نعیم ہردوعالم بہر جاناں فارغیم

۲۸- قوت ازخوان ابیت عند ربی خوردہ ایم
آں غذا نوشیدہ ایم از آب وازناں فارغیم

۲۹ ماکزاں لب ہاحیات جاودانی یافتیم
ازطلبگاری خضر وآب حیواں فارغیم

۳۰ ہمچولالہ داغہا بردل نہادم تاکنوں
ہمچوگل درباغ وصل از داغ ہجراں فارغیم

۳۱ واعظا! عشاق راخوش نیست ترغیب بہشت
ما بدیدارش زباغ خلد و رضواں فارغیم

۳۲- عارفاں راچوں نظر برعین معروف ست وبس — از وسائط درظہورنور عرفاں فارغیم
۳۳- ہرچہ دیدم باحجاب اوست یاخودعین اوست — لاجرم ازعشق وعقل وکفروایماں فارغیم
۳۴- حاجبے اندرمیان عاشق ومعشوق نیست — مابجاناں واصلیم واز رقیباں فارغیم



۳۵- درملامت رومعیںؔ خلق آنچہ خواہد گوبگو — ماکنوں ازمدح وقدح جملہ خلقاں فارغیم

(ایضاص۵۳۔۵۴)

۲۷- ہمیں اس کی فکر میں جنت اور حور وغلماں کا بھی خیال نہیں۔ ہم تو محبوب کی خاطر دونوں جہاں کی نعمتوں سے بے نیاز ہیں۔

۲۸- ابیتُ عند ربی (میں اپنے رب کے پاس شب گذارتا ہوں) کے دسترخوان سے ہم نے رزق پالیا ہے۔ ایسی غذا کے بعد ہم کو روٹی اور پانی کی فکر نہیں رہتی۔

۲۹- ہم نے ان پاکیزہ لبوں سے ایسی جاوداں زندگی پالی ہے کہ اب حضرت خضر (علیہ السلام) اور آبِ حیات کی طلب بھی باقی نہیں رہی۔

۳۰- لالۂ سرخ کی مانند دل پر ہم نے اتنے داغ بھی سجالئے ہیں کہ اب وصل کے باغ میں پھول کی مانند ہجر وفراق کے داغ کی ہمیں پرواہ نہ رہی۔

۳۱- واعظ! حسن ازل کے عاشقوں کو جنت کی ترغیب مناسب نہیں۔ ہم تو اس کے دیدار جمال کی خاطر رضوان اور اس کے جنتی گلزار کو بہت پہلے تج چکے ہیں۔

۳۲- چونکہ عارفان الٰہی کی نگاہ صرف اپنے محبوب پر ہوتی ہے، اس لئے نور عرفان کے ظہور میں ہم اسباب سے بے نیاز ہیں۔

۳۳- میں نے جو کچھ دیکھا یا تو اس کی تجلی تھی یا خود اسی کی ذات (جب ہر جگہ اسی کا جلوہ ہے تو اب) مجھے عشق، عقل، کفر اور ایمان سے بھی کوئی مطلب نہ رہا۔

۳۴- عاشق اور معشوق کے درمیان کوئی پردہ نہیں ہوتا، ہم تو وصال محبوب کی لذت سے سرشار ہیں، رقیبوں کا خیال کہاں؟

۳۵- معین! ملامت کے باوجود چلتا رہ اور مخلوق سے کہدے، جو چاہے بکتی رہے، اس لیے کہ ہم تو ساری مخلوق کی مدح وقدح سے بے نیاز ہو چکے۔

**تسلیم ورضا:**

نعمت ہو یا کلفت ہر حال میں راضی برضائے الٰہی رہنے کا نام تسلیم ورضا

ہے۔''**الحمد لله علی کل حال** ''اسی کی تصویر کشی ہے۔عشق حقیقی سے سرشار روحیں مصیبتوں کا بھی ویسے ہی خندہ پیشانی کے ساتھ استقبال کرتی ہیں جیسے ایک عام انسان نعمت وآسائش کا۔ بقول سیدی الکریم امام غزالی قدس سرہٗ: رضا کی شرط یہ ہے کہ آدمی سوال نہ کرے اور جو چیز اس کے پاس موجود نہیں اسے طلب نہ کرے اور جو موجود ہے اس پر قناعت کرے (کیمیائے سعادت ص ۹۵۲) اس مقام کو حدیث شریف میں باب اللہ الاعظم فرمایا گیا یعنی راہ خدا کا سب سے عظیم دروازہ۔ سیدنا داتا گنج بخش مخدوم سید علی ہجویری لاہوری قدس سرہٗ (متوفی ۴۶۵ھ) اس مقام کا تعارف پیش کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

''مختصراً اتنا یاد رکھو کہ رضا مقامات کی انتہا اور احوال کی ابتدا ہے اور یہ مقام ایسا ہے جس کا ایک کنارہ ریاضت ومجاہدے کی طرف ہے اور دوسرا کنارہ محبت واشتیاق کی سمت۔ اس سے اوپر اور کوئی مقام نہیں ہے اور تمام مجاہدے اسی پر ختم ہوجاتے ہیں۔ اس کی ابتدا کسبی ہے اور اس کی انتہا وہبی۔ (کشف المحجوب، ص ۳۶۳)

اس مقام کی منظر نگاری بھی خواجۂ معظم نے فرمائی ہے، چنانچہ فرماتے ہیں:

۳۶- ہر آنچہ آیدت از غیب نیک وبد منگر    ہمیں بس است کہ از سوئے دوست می آید
۳۷- ازیں مصائب دوراں منال وشاداں باش    کہ تیر دوست بہ پہلوئے دوست می آید
(دیوان خواجۂ پاک ص ۲۶)

۳۸- از گلبن غم خارستم خوردو منالید    آں دیدہ کہ در گلشن جاں روئے تو دیدہ
(ایضاً ص ۸۴)

۳۹- بہر بلا کہ تو خواہی بیاز مائے مرا    کہ در مشاہدۂ تو بلا نمی بینم
۴۰- زمن بہر چہ کنی یاد راضیم حقا    کہ ہر چہ از تو رسد جز عطا نمی بینم
(دیوان خواجۂ پاک ص ۵۲)

۳۶- عالم غیب سے تیرے پاس جو کچھ بھی پہنچے، اس میں اچھے بُرے کی تمیز مت



کر۔ یہی بہت ہے کہ یہ سب چیزیں دوست کی جناب سے آتی ہیں۔

۳۷- زمانے کی ان مصیبتوں کی فریاد مت کر بلکہ خوش وخرم رہ کہ دوست کا تیر دوست ہی کے پہلو میں آتا ہے۔

۳۸- جس نگاہ نے روح کے گلشن میں تیرے روئے زیبا کی زیارت کرلی، اسے اگر غم کے گلبن سے ستم کا کانٹا بھی چبھ جائے تو وہ فریاد نہ کرے۔

۳۹- تو جس مصیبت سے چاہے آزمالے مجھے بے خود پائے گا، اس لئے کہ تیرے دیدار کی لذت میں مصیبت کا احساس کہاں؟

۴۰- تو میرے ساتھ جو سلوک چاہے کر، بخدا میں اس سے راضی ہوں۔ اس لئے کہ تیری بارگاہ سے جو کچھ ملے، میرے واسطے وہ نعمت وعطا کے سوا اور کیا ہوسکتا ہے؟

### مولیٰ کا استغنا:

حضرت خواجۂ معظم قدس سرہٗ نے اپنے قصیدہ حمدیہ میں معبود حقیقی کی صفات حمیدہ ذکر کی ہیں۔ لامحدودیت، کرم، رحمت، قدرت ور دیگر صفات قدوسیہ کے تذکرے ہیں۔ اسی طرح متفرق اشعار بھی ان صفات مولیٰ کے بیان سے آراستہ وپیراستہ ہیں لیکن مقام صمدیت سالک کے لئے خاص اہمیت رکھتا ہے۔ اس کی بے نیازی اور استغنا سے مقربین بھی لرزتے کانپتے رہتے ہیں۔ امام اہل سنت نے کیا خوب فرمایا:

واں مطیعوں کا جگر خوف سے پانی پایا    یاں سیہ کاروں کا دامن پہ مچلنا دیکھو
بے نیازی سے وہاں کانپتی پائی طاعت    جوش رحمت پہ یہاں ناز گنہ کا دیکھو
(حدائق بخشش حصہ اول ص ۵۸)

حضرت خواجۂ معظم اس بارگاہ بے نیاز میں سراپا نیاز بن کر کانپتے ہوئے اپنی بے بضاعتی اور فنائیت کا تذکرہ یوں کرتے ہیں:

۴۱- چوں نشان بے نشانی دررہ گم نامی است　　برق استغنا ازاں نام ونشان من بسوخت

۴۱- چونکہ بے نشان محبوب کا سراغ، گم نامی کی راہ میں ہے، اسی لئے اس کی بے نیازی کی بجلی نے میرے وجود کا نام ونشان تک جلا کے راکھ کردیا ہے۔

## عشق و یقین اور عقل:

عشق سراپا حال ہے اور عقل سراپا قال۔ عشق وعقل کے تقابل میں بہت کچھ کہا گیا اور کہا جائے گا۔ ڈاکٹر اقبال کا یہ خاص موضوع تھا۔ ان کا یہ شعر مشہور عالم ہے ؎

بے خطر کود پڑا آتش نمرود میں عشق　　عقل تھی محو تماشائے لب بام ابھی

عقل پرستی کو صوفیائے کرام نے راہ سلوک کا حجاب اکبر بتایا ہے کہ اس سے خود بینی اور خود پسندی جنم لیتی ہے اور جو خود بین اور خود پسند ہو، وہ خدا بین اور خدا پسند کیسے ہوسکتا ہے ع　ہے دانش برہانی حیرت کی فراوانی

حضرت خواجۂ پاک قدس سرہٗ نے بھی عقل کی بے بضاعتی کی تصویر کشی اور اسے ورطۂ حیرت سے چل نکلنے کی تلقین فرمائی ہے:

۴۲- دروادی طلب چونہد پیک عقل پائے　　دست قضابہ تیغ فنا پاش پیۓ کند

۴۳- روز ازل بگردن آدم فگند عشق　　قید محبتے کہ مرآں رامباد فک

۴۴- لاف از کمال نحن نسبح کجازدے　　یک نکتہ گرزعشق شدے کشف برملک

۴۵- گرنغمۂ زعشق شنودے سماع چرخ　　دررقص خویش خرقہ در انداختے فلک

۴۶- مفتی شرع منکر عشق ست از وپرس　　زاں سگ کہ گشت محو نمکسار شد نمک

۴۷- گرسگ نماندہ ست وبکلی نمک شدہ است　　ہرکس کہ نیست باورش ایں نکتہ کو بمک

۴۸- از ساکنان مدرسہ تاپیر خانقاہ　　گردرک ایں سخن نہ کند رفت تادرک

۴۹- جانے کہ نور مطلع حق الیقیں بیافت　　زآئینۂ دلش کہ زُدائد غبار شک

(۲ ایضاص ۴۶)

۴۲- جب وادی طلب میں عقل کا قاصد قدم رکھتا ہے تو قضا کا ہاتھ فنا کی تلوار



سے اس کے پیر کے ٹکڑے اڑا دیتا ہے۔

۴۳- روز ازل حضرت آدم علیہ السلام کی گردن میں عشق نے محبت کی ایک زنجیر ڈال دی۔ خدا کرے وہ زنجیر محبت کبھی ٹوٹنے نہ پائے۔

۴۴- اگر عشق کا ایک نکتہ بھی فرشتوں پر کھل جاتا تو وہ نحن نسبح کے کمال کی دہائی نہ دیتے۔

۴۵- اگر عشق کی سرمستیوں کا ایک نغمہ بھی آسمان کے کان میں پڑ جاتا تو سرمستی میں رقص کرتا ہوا اپنا لباس اتار دیتا۔

۴۶- شریعت کا مفتی عشق کا منکر ہے، اس سے ذرا اس کتے کے بارے میں دریافت کرو جو نمک کی کان میں گم ہوکر نمک بن گیا۔

۴۷- اگر کتے کا نام ونشان نہ رہا اور وہ بالکل نمک ہوگیا (تو پھر عشق کی تاثیر کا انکار کیسے ہوسکتا ہے) جسے اس نکتے کا یقین نہ آئے، وہ اپنی راہ لے۔

۴۸- ساکنان مدرسہ ہوں یا پیر خانقاہ، جس نے یہ نکتہ نہیں سمجھا وہ جہنم میں گیا۔

۴۹- جس روح نے حق الیقین کے افق کا نور پالیا، اس کے دل کے آئینے سے شک کا غبار کون دور کرے۔

ان اشعار کے ملاحظہ کرنے کے بعد شعور کے پردہ پر اقبال کا یہ شعر جھلملانے لگتا ہے ؎

مدرسہ نے جو چھپایا ہے تری آنکھوں سے　　خلوت کوہ وبیاباں میں ہیں اسرار وہ فاش

اب حضرت خواجہ کی آپ بیتی اور در حدیث دیگراں تلقین بھی دیکھئے:

۵۰- زعقل خود بروں رفتم ببازار جنوں رفتم　　بہ میخانہ دروں رفتم بدیدم خمھا را پر مۓ

۵۱- معیّن بچشم خرد حسن دوست ننماید　　بہ بیں بدیدۂ مجنوں جمال لیلٰی را

(ایضاص ۵)

۵۰- اپنی عقل کے خلوت کدے سے باہر نکل کر میں جنوں کے بازار میں گیا۔

میخانہ کے اندر داخل ہوا تو دیکھا کہ سارے خم شراب سے لبالب ہیں۔

۵۱- معین! نگاہ عقل سے دوست کے حسن کی زیارت نہیں ہوسکتی۔ لیلیٰ کے جمال کو مجنوں کی نگاہ سے دیکھو۔

**اخلاص:**

''عارف کی خصلت اخلاص ہے'' (بزم صوفیہ ص ۸۱) دلیل العارفین میں حضرت خواجۂ معظم کے اس ارشاد کی پہچان یہ ہے کہ ہر کام صرف رضائے مولیٰ کے حصول کے لیے کیا جائے، اس میں کسی منفعت کے حصول یا کسی مضرت سے بچنے کا تصور شامل نہ ہو۔

فراق و وصل چہ خواہی رضائے دوست طلب
کہ حیف باشد ازو غیر او تمنّائے

سیدنا امام غزالی قدس سرہٗ اس کی وضاحت میں تحریر فرماتے ہیں:

''اے عزیز! معلوم ہونا چاہیئے کہ جب تم کو یہ معلوم ہوگیا کہ نیت کسی عمل کے محرک اور متقاضی کو کہتے ہیں۔ یہ باعث اور محرک اگر ایک ہے تو اس نیت کو خالص کہتے ہیں اور جب دو یا دو سے زیادہ چیزیں اس عمل کا محرک یا باعث ہوں تو چونکہ اس میں شرکت ہوئی، اس لیے وہ خالص نہ رہی۔ اس شرکت کی مثال یہ ہے کہ ایک شخص نے خدا کے واسطے روزہ رکھا، لیکن اس کے ساتھ ہی اس کا مطلب روزہ رکھنے سے یہ بھی تھا کہ کھانا ترک کرنے سے تندرستی حاصل کرے، ساتھ ہی خرچ اس طرح کم ہوجائے یا کھانا پکانے کی محنت سے نجات حاصل ہو یا اطمینان کے ساتھ ایک کام کو انجام دے سکے یا یہ کہ صوم کے سبب سے بیدار رہے اور بیدار رہ کر کچھ کام کرسکے...... ایسے تمام خیالات اخلاص کو باطل کرنے والے ہیں، خواہ وہ تھوڑا ہو یا زیادہ بلکہ عمل خالص وہ ہے کہ جس میں اپنا کچھ فائدہ نہ ہو، بلکہ وہ محض اللہ تعالیٰ کے لئے ہے (کیمیائے سعادت ص ۸۳۴)



حضرت خواجۂ معظم نے اس کی تصویر اپنے حوالے سے یہ پیش کی ہے:

۵۲- مانمی گوئیم نعمت یا بلا خواہیم و بس — بلکہ مادائم رضائے دوست را خواہیم و بس
۵۳- گر رضائے دوست مارا در بلا خواہد رسید — ماہمیشہ خویشتن را مبتلا خواہیم و بس
۵۴- خلق از حق نعمت و فضل و عطا خواہند و ما — از خدا صبر جمیل اندر بلا خواہیم و بس
۵۵- زاہداں اینجا عمل خواہند و در عقبیٰ بہشت — ایں نمی خواہیم و آں ہم باخدا خواہیم و بس
۵۶- ہر کسے از تو بقدر خود مرادے خواستند — مامراد خویشتن از تو ترا خواہیم و بس

(دیوان خواجۂ پاک ص ۴۲)

۵۲- ہم یہ نہیں کہتے کہ ہمیں نعمت یا مصیبت چاہیے۔ ہمیں تو بس ہمیشہ دوست کی رضا مطلوب ہے۔

۵۳- اگر دوست کی رضا ہمیں مصیبت میں ڈال دے تو ہم ہمیشہ ایسی مصیبت میں گرفتار رہنا پسند کریں گے۔

۵۴- مخلوق، خدائے تعالیٰ سے فضل و کرم اور بخشش وعطا کی طلبگار ہوتی ہے۔ لیکن ہم تو مولیٰ تعالیٰ سے یہی دعا کرتے ہیں کہ مصیبتوں میں ہمیں صبر جمیل عطا کرے۔

۵۵- زاہد، دنیا میں نیک عمل اور آخرت میں جنت کے آرزومند ہوتے ہیں۔ ہمارا یہ مطلوب نہیں۔ ہمیں تو جنت بھی چاہیئے تو بس اللہ تعالیٰ کے دیدار کے لیے۔

۵۶- سبھی لوگ اپنے اپنے ظرف کے مطابق تجھ سے اپنے مقاصد طلب کرتے ہیں۔ ہم تو تجھ سے بس تجھی کو طلب کرتے ہیں۔

ان اشعار کے ملاحظہ کرنے کے بعد بے ساختہ حضرت رابعہ بصریہ کی وہ حکایت یاد آجاتی ہے جب اللہ کی یہ پاکیزہ بندی ایک ہاتھ میں پانی اور دوسرے ہاتھ میں آگ لے کر اٹھی اور عالم غیظ میں ایک سمت ان کے قدم پاک بڑھے۔ لوگوں نے یہ تیور دیکھ کر دریافت کیا کہ حضرت رابعہ آپ کہاں چلیں وہ بھی اس انداز سے۔ آپ

نے اسی تیور میں فرمایا کہ میں جارہی ہوں آج جنت کو جلا کر اور دوزخ کو بجھا کر دم لوں گی۔ کوئی میرے خدا کی عبادت اس کی رضا کے لیے نہیں کرتا، سب یا تو جنت کی لالچ میں یا دوزخ کے خوف سے عبادت کیا کرتے ہیں۔ سبحان اللہ! کیسا پاکیزہ جذبہ ہے۔ اسی جذبۂ خیر کی مسکراتی تصویر مذکورہ بالا اشعار پیش کرتے ہیں۔

**سرمستی اور ناز:**

شراب عشق کی خاص تاثیر تصور محبوب سے سرشاری اور وصال محبوب کے قرب کے تصورات پہ ناز افزا، طرب انگیز کیفیات ہوتی ہیں۔ اس مختصر مجموعۂ اشعار کی کئی غزلیں بڑی ہی طرب انگیز اور نشاط آمیز کیفیات اور واردات لیے ہوئے ہیں۔ چند اشعار آپ بھی دیکھیے:

۵۷ من مست آں پیمانہ ام وز بوئے او دیوانہ ام
لیلیٰ اگر ہم خانہ ام گردد چومن مجنوں شود
۵۸ اوساقی و مستش منم پیمانہ درد ستش منم
در وے نگاہے می کنم تا کے رخش گلگوں شود

(دیوان خواجۂ پاک ص ۳۲)

۵۷- میں اسی پیمانے کا مست ہوں اور اسی کی خوشبو سے مدہوش و بے خود۔ لیلیٰ بھی اگر میری ہم خانہ ہو جائے تو میری طرح مجنون بن جائے۔

۵۸- وہ ساقی ہے اور میں اس کا مست، اس کے ہاتھوں کا جام میرا ہی وجود ہے۔ میں تو بس اسی کو دیکھتا رہتا ہوں کہ کب اس کا چہرہ گلنار رہتا ہے۔

**محبت رسول:**

محبت رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جان ایمان اور روح اسلام ہے اور عشق نبوی میں فنائیت قرب الٰہی کے حصول کا بنیادی زینہ۔ حضرت خواجۂ معظم کے عشق رسول کی وارداتیں اور پرسوز کیفیات ان کے عہد کی نگاہوں میں عام رہیں۔



ساری زندگی اپنے حبیب اور جد کریم کی والہانہ یاد ہی آپ کے درد جگر کا درماں رہی۔ اپنے ملفوظات میں آقائے کونین رسول گرامی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ذکر روح پرور بہت ہی والہانہ انداز میں فرماتے ہیں۔ اکثر احادیث طیبہ بیان فرماتے فرماتے رونے لگتے۔ ریش اقدس آنسوؤں سے تر ہو جاتی۔ ایک مرتبہ آپ نے فرمایا: ”افسوس ہے اس شخص پر جو قیامت کے دن آپ سے شرمندہ ہوگا، اس کی جگہ کہاں ہوگی۔ جو آپ سے شرمندہ ہوگا، وہ کہاں جائے گا“۔ یہ فرما چکے تو ہائے ہائے کر کے رو پڑے (بزم صوفیہ ص ۶۵) عشق رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی یہ برکت تھی کہ بارگاہ نبوت سے حد درجہ قریب اور اس جناب عالی میں بے حد مقبول تھے۔ اسی در کریم سے آپ کو ہند کی سلطنت تفویض ہوئی، بے شمار روحانی انعامات و اکرامات سے سرفراز ہوئے، شرف خطاب عطا ہوا، حاضری روضۂ اقدس کے بعد آپ نے سلام نیاز عرض کیا:

الصلوٰۃ و السلام علیك یارسول الله

حظیرۂ قدس سے جواب آیا:

وعلیکم السلام یاقطب مشائخ بروبحر (بزم صوفیہ ص-۶۵)

آپ نے نثر اور مجلسی گفتگو کے ساتھ ساتھ نظم کی زبان میں بھی یہ سوز دل تقسیم کیا ہے۔ متعدد نعتیں عرض کیں جن سے عشق و وارفتگی کی خوشبو پھوٹی پڑتی ہے۔ عشق و وفا کی خوشبوئیں اور غیرتیں لئے ہوئے آپ کے یہ اشعار ملاحظہ کیجئے:

۵۹- درجاں چوکرد منزل جانان ما محمد — صد درکشا ددر دل ا ز جان ما محمد
۶۰- ما بلبلیم نالاں درگلستان احمد — ما لولوئیم و مرجاں، عمّان ما محمد
۶۱- ما طالب خدائیم بردین مصطفائیم — بردرگہش گدائیم سلطان ما محمد
۶۲- درباغ و بوستانم دیگر مخواں معینے — باغم بس است قراں بستان ما محمد

(صلی اللہ علیہ وسلم)، (دیوان خواجۂ پاک ص ۲۱)

۶۳- مرا ز دیدہ و دل ہر زماں درود مادم — نثار روضۂ پرنور صدر و بدر دو عالم

(ایضاص ۴۷)

۶۴- درنعت خواجۂ دوسرا روز، شب معینؔ    کوس محبتش زسماتا سمک زدہ

(ایضاص ۴۳)

۵۹- ہمارے محبوب محمد عربی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب ہماری روح میں اتر گئے تو آپ نے ہمارے دل کے سینکڑوں دروازے کشادہ کردیئے۔

۶۰- ہم احمد مجتبیٰ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کے گلزار کی چہچہاتی بلبل ہیں۔ ہم موتی اور مرجان ہیں اور ہماری (عمان جیسی) کان حضور کی ذات اقدس ہے۔

۶۱- ہم خدا کے طالب اور مصطفیٰ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کے دین پر قائم ہیں۔ ہمارے سلطان محمد عربی ہیں۔ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) اور ہم ان کی بارگاہ کے بھکاری۔

۶۲- اے معین! مجھے کسی دوسرے باغ اور چمن میں مت بُلا۔ ہمارے لیے باغ قرآن اور محمدی چمن کافی ہے۔

۶۳- دونوں جہاں کے بدر کامل اور صدر بزم کے روضۂ پرنور پر ہماری نگاہ و دل کی جانب سے ہر لحظہ پیہم درود نثار ہو۔

۶۴- معین شب وروز خواجۂ دوسرا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نعت میں مصروف ہے۔ اس کے عشق کا آوازہ تو آسمان کے تاروں اور سمندر کی مچھلیوں تک پہنچ چکا ہے۔

## اتباع مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثنا:

جب عشق ہوتا ہے تو وارفتگی کی حد تک اس کی پیروی، اقتدا اور اتباع کا جذبہ خود بخود دلوں میں انگڑائی لیتا ہے۔ پیروی مصطفیٰ ہی ایمان اور عرفان کی جان ہے، اس کے بغیر کچھ ہاتھ آنے کا نہیں۔

بہ مصطفیٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست    اگر بہ او نرسیدی تمام بولہبی است

(اقبال)



عارف باللہ امام شعرانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے، جنہیں بقول امام سیوطی پچھتر بار بیداری میں زیارت حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا شرف پاک حاصل ہوا، اپنی کتاب مستطاب طبقات کبریٰ میں سیدی الکریم ابوعبداللہ محمد بن خضیف ضبّی قدس سرہٗ کا یہ ارشاد ذکر فرمایا ہے:

التصوف تصفية القلوب واتباع النبی صلى الله تعالىٰ عليه وسلم فی الشريعة۔

تصوف اس کا نام ہے کہ دل صاف کیا جائے اور شریعت میں نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی پیروی ہو (امام احمد رضا اور تصوف ص ۵)

سیدنا خواجۂ معظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی اسی بارگاہ بے کس پناہ کی دریوزہ گری کو ہی ساری ایمانی توانائیوں اور روحانی گہرائیوں کا اصل الاصول قرار دیتے ہیں:

۶۵- عروج جان معینؔے براوج اَو ادنیٰ    بجز متابعت مصطفیٰ نمی بینم

(دیوان ص ۵۲)

۶۶- گر عروج جاں معینؔے بایدت برنہ فلک    در رکاب خواجۂ لولاک می باید شدن

(ایضاص ۷۵)

۶۷- عروج نیست میسر براوج اَو ادنیٰ    مگر بہ پیروئی مقتدائے عالم غیب

۶۵- معین الدین! ''اوادنیٰ'' کی بلندیوں تک روح کی رسائی مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اتباع کے بغیر نہیں ہوسکتی۔

۶۶- اے معین! اگر تجھے فلک اعلیٰ تک اپنی روح کی رسائی مطلوب ہے تو خواجۂ لولاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ہم رکاب ہوجا۔

۶۷- عالم غیب کے پیشوا کی پیروی کے بغیر ''اوادنیٰ'' کی بلندیوں تک رسائی نہیں ہوسکتی۔

سیدنا اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہٗ نے بھی ان بزرگان امت کی پاکیزہ فکروں کی اتباع میں عالم کو یہی پیغام جاں نواز دیا۔ آپ فرماتے ہیں:

ثابت ہوا کہ جملہ فرائض فروع ہیں    اصل الاصول بندگی اس تاجور کی ہے
(حدائق بخشش ص ۷۸)

حضرت خواجۂ پاک کے نعتیہ اشعار میں صفات رسول اور کمالات رسول کی ایسی نمائندگی بھی ملتی ہے جس سے معتقدات اہل سنت روشن ہوتے ہیں۔ اور آج بھی اہل سنت کے بارگاہ نبوی کے تعلق سے جو عقائد وابستہ ہیں، ان کی تائید ہوتی ہے۔ اس لئے حسب سابق ذیلی عناوین کے ساتھ ایسے اشعار بھی پیش ہوتے ہیں۔

## نور محمدی کی اولیت:

اس سلسلے میں جمہور امت کا اتفاق ہے کہ مرتبۂ ایجاد میں نور محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اولیت کا شرف حاصل ہے۔ خود طبرانی اور شیخین کی حدیث حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کی کامل شہادت ہے۔ اس سلسلے میں اکابرین اسلام کے مستقل رسالے بھی ہیں۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری قدس سرہٗ نے بھی اسے متعدد مقامات پر تفصیل سے لکھا ہے۔ اپنے ایک نعتیہ کلام میں فرماتے ہیں ؎

سب سے اول، سب سے آخر    ابتدا ہو، انتہا ہو
سب تمہاری ہی خبر تھے    تم مؤخر مبتدا ہو
(ایضاً ص ۱۴۷)

حضرت شیخ محقق عبدالحق محدث دہلوی قدس سرہٗ (متوفی ۱۰۵۲) نے بھی مدارج النبوۃ کے دیباچہ میں اسے ذکر کیا ہے۔

حضرت خواجۂ معظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسی نظریہ کی ترجمانی کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

۶۸- اے تو سلطان دار ملک وجود    ہمہ عالم طفیل، تو مقصود
۶۹- مرکز محور وجود توئی    کہ بتو قائم است ہر موجود
۷۰- اول و آخری بہ جان و بہ تن    ظاہر و باطنی بحشمت وجود



۷۱- زاولت نام ازاں محمد شد    کامتت راست عاقبت محمود
(دیوان خواجہ پاک ص ۲۰)
۷۲- عالم نمی از رشحۂ بحر کرم اوست    آدم کف خاکی زغبار قدم اوست
۷۳- آدم شدہ بیدار و ہنوز او بشکر خواب    شاباش وجودے کہ طفیل عدم اوست
(ایضاً ص ۸)
۷۴- چہ مظہریست کہ مبعوث شد براول وآخر    بظاہر است موخر بباطن ست مقدم
(ایضاً ص ۴۷)

۶۸- اے کہ تیری ذات گرامی ساری کائنات کی سلطان ہے، تو ہی مقصود کائنات ہے، باقی سارا عالم طفیلی۔

۶۹- محور وجود کا تو ہی مرکز ہے، اس لیے تیرے ہی دم قدم سے ہر موجود باقی ہے۔

۷۰- جان اور تن دونوں میں تو ہی اول ہے اور تو ہی آخر ہے اور حشمت و سخاوت میں تو ظاہر بھی ہے اور باطن بھی۔

۷۱ ابتدا ہی سے تیرا اسم گرامی محمد ٹھہرا۔ اس کا سبب یہی ہے کہ تیرے ہر مقصد کا انجام محمود ہے۔

۷۲- سارا عالم آپ کے بحر کرم کی ایک چھینٹ ہے اور حضرت آدم علیہ السلام کا خاکی وجود آپ کے غبار قدم کی برکت۔

۷۳- حضرت آدم علیہ السلام زندگی کی حرارتیں لے کر بیدار ہو چکے اور آپ ابھی میٹھی نیند میں سرشار۔ واہ واہ! کیسا نادر وجود ہے جو آپ کے عدم کے صدقے میں ظاہر ہوا۔

۷۴- قدرت الٰہی کا کیسا شاندار مظہر ہے جو ابتدا اور انتہا دونوں جگہ موجود ہے۔ ظاہر میں تو اس کا وجود مؤخر نظر آتا ہے، لیکن حقیقت میں سب سے مقدم ہے۔

**رفعتِ محمدی :**

شانِ نبوت کی بلندی کا کہنا ع

بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

ان رفعتوں کے تذکرے خواجۂ معظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سنئے :

۷۵- از فلک بگذر کہ فوق العرش منزل گاہ اوست　　چوں کند عزم سفرائے خواجۂ عالی جناب

۷۶- سرّ ماأوحیٰ نگنجد در ضمیر جبرئیل　　کشف اسرار لدنی کئے کند ام الکتاب

۷۷- در مقام لی مع اللہ از کمال اتصال　　از خدا نبود جدا ہمچوں شعاع از آفتاب

(دیوانِ خواجۂ پاک ص ٦)

۷۸- چوشد ندیم سراپردہ گفت جبریلش　　کہ ہین بگوئے محمد! ثنائے عالم غیب

۷۹- چوں اونمود بعجز اعتراف لااحصیٰ　　ثناش گفت بقرآن خدائے عالم غیب

(ایضاً ص ۷)

۷۵- فلک سے آگے بڑھئے اے خواجۂ عالی جناب! جب سفر کا عزم ہو چکا تو آپ کی منزل عرش سے بھی آگے ہے۔

۷۶- ''ماأوحیٰ'' کا راز تو حضرت جبرئیل (علیہ السلام) کے سینے میں بھی نہیں سما سکتا۔ بھلا قرآن حکیم اسرار لدنی کو کیسے عام کر سکتا ہے۔

۷۷- ''لی مع اللہ'' کے مقام قرب میں کمال اتصال کے سبب خدائے تعالیٰ سے آپ جدا نہیں ہوتے۔ اس کی ادنیٰ مثال یہ سمجھو جیسے آفتاب کہ اس سے اس کی کرن علیحدہ نہیں ہو سکتی۔

۷۸- جیسے ہی آپ خلوت کدۂ قدس کے رفیق ہوئے تو حضرت جبرئیل علیہ السلام نے عرض کی: محمد عربی! (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) عالم الغیب خدا تعالیٰ کی حمد وثنا بجالائیں!

۷۹- جب آپ نے ''لااحصیٰ'' کہہ کر اپنے عجز کا اعتراف کر لیا تو عالم غیب کے



خدا نے قرآن حکیم میں آپ مدح وثنا بیان فرمائی۔

**نورانیتِ مصطفیٰ:**

مصطفیٰ جانِ رحمت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بارے میں نورانیت کا تصور ائمہ اسلام کے نزدیک مسلم ہے۔ قرآن حکیم کی آیات کریمہ، کثیر احادیث طیبہ اس پر شاہد ہیں۔ مسئلہ کی وضاحت کے لئے اس موضوع پر علمائے اہل سنت خصوصاً امام جلال الدین سیوطی، شیخ عبدالحق محدث دہلوی، علامہ اسماعیل نبہانی اور اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدست اسرارہم کی تصانیف کا مطالعہ کرنا چاہئے۔ **صلات الصفا فی نور المصطفیٰ، نفی الفئی عمن انار بنورہ کل شئی، ھدیٰ الحیران فی نفی الفئی عن سیدالاکوان**، رسائل اعلیٰ حضرت میں کافی سے زائد دلائل موجود ہیں۔

سیدنا سرکار غریب نواز رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی اس کی ترجمانی اپنے اشعار کریمہ میں فرمائی ہے۔ آپ فرماتے ہیں:

۸۰- نورِ حق ست آں مجسم گشتہ در ذات نبی　　ہمچو نور ماہ کز خورشید کرد ست اکتساب

(دیوانِ خواجۂ پاک ص ٦)

۸۱- بصورت از بشر آمد و لے از روئے حقیقت　　ز فرق تا بقدم رحمت خدا ست مجسم

(ایضاً ص ۴۷)

۸۰- نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات گرامی خدا کا نور ہے جو مجسم ہو کر نمودار ہوا۔ اس کی تقریبی مثال کے لئے چاند کو دیکھو کہ اس نے اپنی روشنی خورشید سے حاصل کی ہے۔

۸۱- وہ ظاہری طور سے تو بشر کی صورت میں تشریف لائے لیکن در حقیقت سرتاپا خدائے تعالیٰ کی مجسم رحمت ہیں۔

## رحمت عالم:

آقائے کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی رحمۃ للعالمینی زبان زد عام ہے۔
ومارسلناك الارحمة للعالمين۔ اس کا تذکرہ خواجۂ ہند کی زبان حق ترجمان سے بھی سنئے:

۸۲- ہمچو بسم اللہ برمنشور قرآنت خدائے    تا قیامت ہم عناں مانند عنواں ساختہ
۸۳- اندران عنواں دو رحمت کردہ ظاہر اندریں    جسم وجانت رحمتے برانس و برجان ساختہ
(ایضاً ص ۸۱)

۸۲- اپنے قرآنی منشور پر جس طرح بسملہ شریف کا سرنامہ خدائے تعالیٰ نے رکھا ہے اسی طرح آپ کی کریم ذات کو اس نے سارے جہان کا عنوان بنایا ہے۔

۸۳- اس (بسملہ کے) عنوان میں دو رحمتیں (رحمٰن ورحیم) نمایاں کیں اور اس عنوان میں آپ کی جسم وجان کو جن وانس کے لئے سراپا رحمت بنا کے بھیجا۔

## علم غیب:

ہم اہل سنت کا مسلک مختار یہ ہے کہ آقائے کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو ان کے محبوب خالق نے ساری کائنات کا علم عطا فرمایا ہے۔ اس موضوع پر اہل باطل عرصہ سے اہل حق سے برسر پیکار ہیں۔ لیکن ایک مومن منصف کے لئے اللہ ورسول کا ارشاد بس ہے۔ تفصیلی دلائل کے لئے اس موضوع پر علمائے اہل سنت کی کثیر تصانیف خصوصاً اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری قدس سرہٗ کے رسائل **الدولة المكية بالمادة الغيبية، خالص الاعتقاد، اللؤلؤ المكنون، الفيوضات الملكية** کا مطالعہ کرنا چاہئے۔ سبھی عرفائے حق اور عارفان اسرار الٰہی کا یہی مسلک رہا ہے۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے بھی اشعة اللمعات میں اس کی صراحت فرمائی ہے۔ سیدنا اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہٗ (۱۲۷۲ھ-۱۳۴۰ھ) خالص الاعتقاد میں تحریر فرماتے ہیں:

''ان تمام اجماعات کے بعد ہمارے علماء میں اختلاف ہوا کہ بے شمار علوم



غیب جو مولیٰ عزوجل نے اپنے محبوب اعظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو عطا فرمائے، وہ روز ازل سے یوم آخیر تک تمام کائنات کو شامل ہیں جیسا کہ عموم آیات واحادیث کا مفاد ہے یا ان میں تخصیص ہے؟ بہت اہل ظاہر جانب خصوص گئے ہیں اور عام علمائے باطن اور ان کے اتباع سے بکثرت علمائے ظاہر نے آیات واحادیث کو ان کے عموم پر رکھا۔ ہمارا قول مختار قول اخیر ہے جو عام عرفائے کرام وبکثرت اعلام کا مسلک ہے۔ اس بارے میں بعض آیات واحادیث واقوال ائمہ، فقیر کے رسالے انباء المصطفیٰ میں ملیں گے اور ''**اللؤلؤ المكنون فی علم البشير ماكان وكايكون**'' (۱۳۱۸ھ) وغیرہ رسائل فقیر میں بحمد اللہ تعالیٰ کثیر ووافر ہیں۔ اور اقوال اولیا کرام وعلمائے عظام کی کثرت تو اس درجہ ہے کہ ان کے شمار کو ایک دفتر عظیم درکار ہے (امام احمد رضا اور تصوف ص ۲۷)

حضرت خواجۂ پاک بھی سرکار اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو عالم غیب کا راہنما تسلیم کرتے ہیں اور راہنما وہی ہوتا ہے جو خود اس راہ کا عارف ہو۔ آپ فرماتے ہیں:

۸۴- ندائے عالم غیب ارز حق نمی شنوی    شنوز لفظ پیمبر صدائے عالم غیب
۸۵- تر ابحضرت عزت ہمی نماید راہ    محمد عربی رہنمائے عالم غیب
(دیوان خواجۂ پاک ص ۷)

۸۴- اگر تجھ میں حق تعالیٰ سے عالم غیب کی صدا سننے کی صلاحیت نہیں ہے تو عالم غیب کے ترجمان رسول (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کی پاک زبان سے اس جہان کی صدائیں سنو۔

۸۵- عالم غیب کے راہ نما محمد عربی (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) ہی بارگاہ رب العزت تک تیری راہنمائی فرمائیں گے۔

## یادگاریٔ امت:

پہلے سجدہ پہ روز ازل سے درود    یادگاریٔ امت پہ لاکھوں سلام

آقائے کریم، رؤوف ورحیم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دنیا میں تشریف لائے تو امت کی یاد ساتھ تھی اور ظاہری دنیا سے تشریف لے گئے تو امتی امتی کی صدائے جاں نواز فضاؤں میں بکھرتی رہی۔اور کل محشر میں بھی اس بارگاہ بے کس پناہ ہی سے سراپا امید صدائے جاں بخش ''انا لها'' سنائی دے گی۔اسی یادگاریٔ امت اور غمخواریٔ ملت کی فکر کس حسن تعلیل کے ساتھ حضرت خواجۂ معظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پیش فرمائی ہے:

۸۶- شادیٔ جہاں کرد فدائے غم امت — دانست کہ شادیٔ جہانے بہ غم اوست

۸۷- چوں دید کہ نیکی تو کم بود وبدی بیش — زیں واسطہ دانم کہ غم بیش وکم اوست

(ایضاص ۹)

۸۶- دنیا کی ساری مسرتیں آپ نے امت کے غم پر قربان کردیں۔اس لیے کہ آپ کوخوب علم ہے کہ سارے جہان کی مسرتیں آپ کی غمخواری کے طفیل ہیں۔

۸۷- جب آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ تمہاری نیکیاں کم اور برائیاں زیادہ ہیں۔ میرا خیال ہے اسی لیے آپ اکثر وبیشتر غمگین رہے۔

**شفاعت مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثنا:**

شفاعت مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثنا بھی امت کا اجماعی مسئلہ ہے۔لیکن شیخ نجدی اوران کے متبع شیخ اسماعیل دہلوی نے اس میں تشکیک کی راہیں نکالیں جس کے جواب میں حضرت علامہ فضل حق خیرآبادی علیہ الرحمہ نے ''تحقیق الفتویٰ فی ابطال الطغویٰ'' تصنیف کرکے ان کی ساری کوششوں پر پانی پھیر دیا اور یوں اس فتنہ کا دروازہ ہمیشہ کے لئے بند ہوگیا۔امام اہل سنت اعلیٰ حضرت قدس سرہٗ نے بھی اس اجماعی مسئلہ کی تائید میں سینکڑوں احادیث کریمہ سے مزین دو رسالے تصنیف فرمائے ۔۱۔ اسماع الاربعین فی شفاعۃ سید المحبوبین، ۲۔سمع وطاعۃ لاحادیث الشفاعۃ۔اسماع الاربعین کے آغاز میں لکھتے ہیں:

''سبحان اللہ ایسے سوال سن کر کتنا تعجب آتا ہے کہ مسلمان ومدعیان سنت اور



ایسے واضح عقائد میں تشکیک کی آفت، یہ بھی قرب قیامت کی ایک علامت ہے انا للہ وانا الیہ راجعون۔احادیث شفاعت بھی ایسی چیز ہیں جو کسی طرح چھپ سکیں۔ بیسیوں صحابہ، صدہا تابعین، ہزارہا محدثین ان کے راوی الخ (اسماع الاربعین ص۲)

حضرت خواجۂ معظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ شفاعت محبوب کے کس درجہ امیدوار نظر آتے ہیں۔

۸۸- یارسول اللہ! شفاعت از تو می دارم امید — باوجود صد ہزاراں جرم در روز حساب

(دیوان ص ۶)

۸۹- مستغرق گناہیم ہر چند عذر خواہیم — پژمردہ چوں گیاہیم باران ما محمد

۹۰- از درد زخم عصیاں مارا چہ غم چو سازد — از مرہم شفاعت درمان ما محمد

(ﷺ) (ایضاص ۲۱)

۸۸- یارسول اللہ! باوجود لاکھوں گناہ کے، قیامت کے دن آپ کی کریم ذات سے مجھے شفاعت کی آس لگی ہے۔

۸۹- ہر چند کہ میں نے توبہ سے کام لیا لیکن پھر بھی گناہوں میں غرق ہوں، اسی لئے سوکھی گھاس کی مانند پژمردہ رہتا ہوں۔ ہمارے لئے بارش کرم محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات گرامی ہے۔

۹۰- محمد عربی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب شفاعت کے مرہم سے ہمارے درد کا مداوا فرمائیں تو زخم گناہ کے ٹیس کی ہمیں کیا فکر۔؟

**نداء،استغاثہ اور توسل:**

ان مسائل پر بھی جمہور اہل سنت کا اجماع ہے۔آٹھویں صدی تک پوری امت اس کے جواز واستحباب پر متفق تھی۔لیکن ابن تیمیہ وہ پہلا شخص ہے جس نے اس اجماعی زاویۂ فکر کو جو کتاب وسنت اور آثار صحابہ کی شاندار تائیدات سے مزین ومؤیّد ہے، زک پہنچانے کی کوشش کی لیکن اس دور کے اکابرین اسلام نے اس کا ناطقہ بند

کر دیا۔ پھر بارھویں صدی میں ابن عبدالوہاب نجدی نے، ابن تیمیہ کی بوسیدہ ہڈیوں میں زندگی کی حرارتیں پیدا کرنے کوششیں کیں لیکن وہ برگ و بار نہ لاسکیں۔ آج بھی اس کے متبعین اور مملکت آل سعود اس کی ترویج واشاعت کے لئے اپنی ساری میڈیائی قوت کو بروکار لاتی ہے، لیکن سلف سے لے کر خلف تک اس کے جواز واستحباب پر متفق ہیں۔ دلائل کے لئے علما اہل سنت کی اس موضوع پر کاوشوں کو دیکھا جائے خصوصا اعلی حضرت امام احمد رضا کی ''برکات الامداد لاھل الاستمداد'' اور علامہ علوی مالکی کی ''اصلاح فکر واعتقاد'' کا مطالعہ مفید رہے گا۔

سرکار غریب نواز رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے ماویٰ وملجا، انیس بے کساں، درد مندوں کے چارہ ساز کی بارگاہ میں ہی اپنی دردمندیوں کا مداوا ڈھونڈتے ہیں، پکارتے ہوئے عرض کرتے ہیں:

۹۱- یارسول اللہ! بحال عاصیاں کن یک نظر — تا شود زاں یک نظر کار فقیراں ساختہ
۹۲- رحمۃ للعالمینے ! بر معینے رحم کن — کز جہالت خویش را محکوم شیطاں ساختہ
(ایضاص۸۲)

۹۳- یارب بحق سید کونین مصطفیٰ — کش جسم وجاں خلاصۂ کون ومکاں بود
۹۴- نومید چوں شود دل وجان امیدوار — جائے کہ رحمت وکرم بے کراں بود
۹۵- دارد معیں برحمت حق منتہائے تو — امیدازاں زیادہ کہ اندر گماں بود
(ایضاص۱۹)

۹۱- یارسول اللہ! ہم گناہگاروں کی حالت زار پر رحمت کی ایک نگاہ ڈال دیجئے تا کہ اس نگاہ کرم کے صدقے میں ہم فقیروں کا کام بن جائے۔

۹۲- یارحمۃ للعالمین! بے چارے معین پر رحم فرمائیے جو اپنی نادانی کے سبب لعین شیطان کا محکوم بنا پھرتا ہے۔

۹۳- اے کریم رب! دونوں جہان کے آقا محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے



صدقے میں، جن کی ذات گرامی ساری کائنات کی روح ہے۔

۹۴- ایسی جگہ جہاں رحمت وکرم کا بے حساب سمندر ہوگا اور امید لگانے والے جان ودل ناامید ہوجائیں گے۔

۹۵- ایسے عالم میں معین کو آپ کی ذات گرامی سے ہی قیاس سے زیادہ رحمت الٰہی کے حصول کی امید لگی ہوئی ہے۔

## باطن کی تربیت:

سرکار خواجۂ معظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وارفتگی وشوق، سرمستی ورعنائی کی دعوت پر شوق کے ساتھ ساتھ اس راہ میں نفس کی عیاریوں کی بھی نشاندہی فرمائی ہے، اس کی شکارگاہوں کا بھی پتہ بتایا ہے۔ رذائل سے دوری، خصائل سے آراستگی، پاکیزہ اخلاق، تواضع اور انابت کی تعلیم بھی پیش فرمائی ہے، جنہیں اپنا لینے سے باطن کی دنیا جھلک اٹھے۔ یہ تعلیمات اکثر در حدیث دیگراں کے عنوان سے ہیں، اور کہیں کہیں براہ راست بھی خطاب ملتا ہے۔ ذیلی سرخیوں میں اب وہ تعلیمات اشعار خواجۂ معظم کے حوالے سے دیکھتے چلئے۔

## خوف ورجا:

خوف ورجا کی اس سے بڑھ کر اور کیا فضیلت ہوگی اسے ایمان کا دو کنارہ قرار دیا گیا۔ حدیث شریف میں ہے الایمان بین الخوف والرجاء حضرت امام غزالی اس کی فضیلت کے بارے میں کیمیائے سعادت میں تحریر فرماتے ہیں:

''خوف وامید سالک کے لئے دو بازوؤں کی طرح ہیں جن کی قوت سے وہ بلند مقامات کو پہنچتا ہے، کیونکہ جمال الٰہی کے حجابات بہت بلند ہیں۔ جب تک امید صادق نہ پیدا ہو اور جمال الٰہی کی لذت مدد نہ کرے، ان بلندیوں کو طے کرنا بہت مشکل ہے۔ اس کے برعکس نفسانی خواہشات جو دوزخ کی راہ پر واقع ہیں، ایسی غالب اور انسان کو فریب دینے والی اور اپنی طرف کھینچنے والی ہیں کہ انسان کا اس کے

دام سے بچنا بہت مشکل ہے۔ جب تک انسان کے دل پر خدا کا خوف غالب نہ ہو، اس ہوا و ہوس سے بچنا ناممکن ہے۔ اسی بنا پر خوف و امید کی بڑی فضیلت رکھی گئی ہے، کیونکہ امید باگ کی طرح ہے جو بندے کو کھینچتی ہے اور خوف درّے اور کوڑے کی مانند ہے جو اس کو چلاتا ہے (کیمیائے سعادت ص۷۶۳)

اخیر میں تحریر فرماتے ہیں:

مقصد اور مدعا اس تمام گفتگو کا یہ ہے کہ خوف و رجا مساوی ہیں، جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ہے کہ اگر قیامت کے دن ندا کریں کہ آج بہشت میں صرف ایک ہی شخص جائے گا تو سمجھئے کہ وہ ایک میں ہوں اور اگر منادی ہو کہ دوزخ میں صرف ایک شخص ہی ڈالا جائے گا تو میں ہراساں رہوں گا کہ کہیں وہ ایک شخص میں نہ ہوؤں۔ (ایضاص۷۷۳)

سیدنا حضرت خواجۂ معظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر باآں فضل و کمال اور قبول بارگاہ ذوالجلال خشیت الٰہی کا بے پناہ غلبہ رہا کرتا تھا۔ جب کبھی قبر و حشر کے مناظر کا تذکرہ آجاتا تو آپ بے اختیار رو پڑتے اور کبھی تو چیخیں تک بلند ہو جاتیں (تفصیل کے لئے دیکھئے دلیل العارفین) آپ خود عارف کی یہ بنیادی صفات بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''عارف کے لئے تین ارکان ضروری ہیں: ہیبت، تعظیم، حیا۔ اپنے گناہوں سے شرمندہ ہونا ہیبت ہے، طاعت گذاری تعظیم ہے اور خدا کے سوا کسی پر نظر نہ ڈالنا حیا ہے۔ (سیرالاقطاب ص۱۳۹ بحوالہ بزم صوفیہ ص۸۱)

اب خوف و رجا کے یہی مناظر آپ کے اشعار میں دیکھئے:

۹۶- میندا از نظر زاہد مُرا کین مفلس مسکیں　　گناہ بے حد و طاعت بغایت مختصر دارد
۹۷- چہ می دانی تو اے غافل کہ شاید عاشق بے دل　　مراد خویشتن حاصل بیک آہ سحر دارد
(دیوان خواجہ پاک ص۳۰)



۹۸- اگرچہ داد اطعنا نمی تواں دادن　　ولے قبول سمعنا در امتثال تو بس
۹۹- معینا زچہ دار الجلال می طلبی　　تو عاصی و تر الطف ذوالجلال تو بس
(ایضاص۴۲)

۹۶- اے زاہد! مجھ مفلس بے چارے کو جو بے حساب گناہ اور بہت قلیل نیکیاں رکھتا ہے، حقارت کی نگاہ سے مت دیکھ۔

۹۷- ارے غافل! تجھے کیا معلوم؟ بہت ممکن ہے کہ بے دل عاشق ایک آہ سحر میں اپنی مراد پالے۔

۹۸- اگرچہ ہم اطاعت کا سرمایہ اکٹھا نہ کر سکے لیکن ہماری التجاؤں کو سن لینا تو تیری ہی قدرت میں ہے۔

۹۹- اے معین! رب ذوالجلال کی بارگاہ سے تجھے اور کیا چاہئے۔ تو ایک گناہگار ہے تیرے واسطے تو بس عزت و جلال والے رب کا لطف و کرم ہی کافی ہے۔

اب رحمت الٰہی کی امیدواری کا ایک دوسرا انداز ملاحظہ کیجئے۔ اسی بارگاہ قدس سے رحمت بھری یہ ندا آتی ہے۔

۱۰۰- نظر برحمت ما کن مخور فریب عمل　　چو شد پدید مسبب معطل است سبب
۱۰۱- مرا مجو کہ نیابی بباغ عالم قدس　　درون سینۂ سوزان عاصیاں بطلب
۱۰۲- بوقت درد و طلب لطفہائے من دیدی　　قیاس کن کہ چہ بینی بوقت عیش و طرب
(ایضاص۸)

۱۰۰- عمل کے فریب میں نہ پڑنا، ہماری رحمت پر نگاہ رکھنا۔ جب مسبب مل گیا تو سبب کی کیا ضرورت؟

۱۰۱- مجھے جہان قدس کے باغ میں مت تلاش کر کہ تو نہ پا سکے گا۔ تلاش ہی کرنا ہے تو مجھے گناہگاروں کے دردمند سینوں میں تلاش کر۔

۱۰۲- دردمندی اور طلب کے وقت تو تو نے میرے لطف و کرم کا مظاہرہ دیکھا۔

ذرااندازہ کرکہ مسرت وطرب کے زمانے میں میری رحمت کا کیا عالم ہوگا۔

### تواضع اورتذلل اور کبر سے گریز:

تواضع سارے کمالات ومحاسن کا سرچشمہ، رحمت الٰہی کا مصدر اور فیض نبوی کا منبع ہے اور تکبر سارے مفسدوں کی بنیاد اور ساری خرابیوں کی جڑ ہے۔ اس لئے قرآن وحدیث میں کثرت سے تواضع کی تعلیم اور کبر سے گریز کا حکم دیا گیا ہے۔

سیدنا امام غزالی قدس سرہٗ نے کبر کے اسباب میں تقویٰ کے غرور کو بھی بیان فرمایا ہے، جبکہ یہ نفس کا زبردست دھوکہ ہے اور راہ سلوک کے لئے سخت سنگ گراں۔

حضرت امام غزالی تحریر فرماتے ہیں:

’’تکبر کے اسباب سات ہیں: (۱) علم (۲) عمل، یہ دونوں دین سے تعلق رکھتے ہیں۔ اور (۳) نسب، (۴) جمال، (۵) قوت، (۶) مال، (۷) مددگاروں کی کثرت، یہ دنیاوی اسباب ہیں۔ (احیاء العلوم للغزالی ۳/ ۳۳۸)

زبدۃ الکاملین عارف باللہ سیدنا ابوالحسین احمد نوری مارہروی قدس سرہٗ نے سالک کے بارہ آداب ذکر کئے ہیں۔ نواں ادب اسی تواضع سے متعلق ہے، چنانچہ آپ رقمطراز ہیں:

’’جب کبھی تجلیات کے غلبہ سے باطنی جوش ابھرے جو عقل ووہم سے باہر ہے تو اپنے مقام کو نہ بھولے اور بزرگوں کی برابری نہ کرے۔ بہتر تو یہ ہے کہ اپنے کو ساری مخلوقات سے کم تر جانے، یہاں تک کہ کتے اور سور سے بھی زیادہ ذلیل وخوار سمجھے اور یہ کمال انسانی کا وہ مرتبہ ہے جو امداد الٰہی کے بغیر حاصل نہیں ہوسکتا۔ ہمارے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سلطنت عظمیٰ اور خلافت اور خطاب **لولاک لما خلقت الدنیا** حاصل ہونے کے باوجود بھی بارگاہ الٰہی میں مناجات فرماتے کہ یا اللہ مجھے مسکین رکھ کر زندہ رکھ اور بحالت مسکین ہی موت دے اور گروہ مساکین کے ساتھ ہی میرا حشر فرما۔ اسی سے اندازہ لگالو کہ عاجزی کا مرتبہ کس قدر بلند وبالا ہے (سراج



العوارف فی الوصایا والمعارف ص ۱۵۴)

اب میرے عظیم خواجۂ پاک کی تواضع کا انداز دیکھئے اور عبرت لیجئے۔

### تقویٰ کے غرور سے گریز:

۱۰۳- بزن بسنگ ملامت زجاجۂ ناموس    بکوئے عشق بریز آب روئے تقویٰ را
(دیوان ص ۵)

۱۰۳- ملامت کے پتھر سے اعزاز کے شیشے کو توڑ دے۔ عشق کے کوچے میں تقویٰ کے غرور کو ختم کردے۔

### نام ونسب اور انانیت کے فخر سے اجتناب:

۱۰۴- معینؔ زنام ونشاں درگذر کہ در رہ عشق    غلامئ سگ کویش ترا بس است لقب

۱۰۵- سدّ وجود بشکن اگر مرد ایں رہی    ورنہ ہزار سالہ رہ اندرمیاں بود

۱۰۴- معین! نام ونمود کی ہوس چھوڑ۔ عشق کی راہ میں تو تیرے لئے یہی لقب کافی ہے کہ تو کوچۂ محبوب کے کتے کا غلام ہے۔

۱۰۵- اگر تو اس راہ کا جواں مرد ہے تو اپنے وجود انا کی دیوار پاش پاش کردے، ورنہ یہ راستہ ہزار سال میں بھی طے نہ ہوگا۔

### اعتراف تقصیر:

جب مشیت الٰہی دلوں میں جلوہ گر ہوتی ہے تو تواضع کی شان پیدا ہوتی ہے، جس سے اپنی تقصیرات کا اعتراف اور اپنے نفس کا احتساب دل ونگاہ میں چھا جاتا ہے۔ میرے سلطان کی کسر نفسی اور تقصیرات جو ہمارے لئے مثوبات ہوں گے، کا شان اعتراف دیکھئے۔

۱۰۶- تو بحر رحمتی ومن آلودۂ گناہ    پاکم بشوائے زتو پاکئ ہر پلید
(دیوان خواجۂ پاک ص ۲۰)

۱۰۶- تو رحمت کا سمندر ہے اور میں گناہوں میں لتھڑا ہوا ایک انسان۔ اے وہ

ذات کریم جس کی جناب سے ہر پلید کو پاکی ملتی ہے، مجھے بھی پاک کردے۔

**نفس کی نگہداری:**

احتساب نفس سالک کی اہم ذمہ داری ہے۔ اسی لئے عرفاء یہ تلقین فرماتے ہیں کہ جب سونے کے لئے بستر پر دراز ہو تو محاسبہ کرے کہ آج میں نے کتنے گناہ کیے ہیں اور کتنی نیکیاں۔ نیکیوں پر شکر الٰہی بجالائے کہ یہ اسی کی توفیق سے ہے اور گناہوں پر شرمندہ ہو، توبہ کرے اور آئندہ نہ کرنے کا عہد کرے۔ یہ واقعہ مشہور ہے اور کتابوں میں بھی مذکور ہے کہ ایک عارف نے، جن کا اسم گرامی ابن الصمہ قدس سرہٗ تھا، اپنی عمر کا حساب لگایا تو تعداد ایام ہزاروں میں پہنچی۔ معاً یہ خیال آیا کہ اگر روزانہ ایک گناہ بھی مانو تو ہزاروں گناہ ہوئے اور نہ جانے ہر دن کتنا گناہ ہوتا ہے۔ ناگاہ چیخ ماری اور ہیبت مواخذۂ الٰہی سے واصل بحق ہوگئے۔ (کیمیائے سعادت ص ۸۵۰)

حضرت خواجۂ پاک بھی احتساب نفس کی دعوت دیتے ہیں اور نفس کی سرکشی کو لاعلاج نہیں سمجھتے:

۱۰۷- سرکشی چوں کند آں تن کہ دلش گشت سوار     تو بہ بیں نفس جموح ست ولے رام دل ست

(دیوان ص ۱۱)

۱۰۷- وہ جسم جس کا شہسوار دل ہو، سرکشی کیونکہ کر کرسکتا ہے۔؟ ذرا خیال کر! نفس اگرچہ سرکش ہے لیکن اسے بھی تو دل کے تابع بنایا گیا ہے۔

**توکل:**

توکل اور قناعت سے دل میں آسودگی، فکر میں اطمینان اور اعمال میں یکسانیت اور خشوع پیدا ہوتا ہے۔ توکل کی حقیقت کیا ہے اسے حکیم الامت حجۃ الاسلام سیدنا امام غزالی سے سنئے۔ آپ مکاشفۃ القلوب میں تحریر فرماتے ہیں:

"توکل کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اسباب سے قطع نظر کرلیا جائے، جیسا کہ کچھ لوگوں کا خیال ہے بلکہ توکل اسباب کے ساتھ ساتھ ہوتا ہے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ



علیہ وسلم سے ایک بدوی نے پوچھا۔ میں اونٹ کا پیر باندھ کر یا کھلا چھوڑ کر توکل کروں؟ آپ نے فرمایا اونٹ کا پاؤں باندھ دے اور توکل کر اللہ پر۔

فرمان نبوی ہے کہ اگر تم اللہ پر توکل کرنے کی حقیقت کو پالیتے تو اللہ تعالیٰ تمہیں پرندوں کی طرح رزق دیتا جو صبح بھوکے اٹھتے ہیں اور شام کو پیٹ بھرے ہوتے ہیں۔

حضرت ابراہیم بن ادھم اور حضرت شفیق بلخی رحمہما اللہ تعالیٰ کی مکہ معظّمہ میں ملاقات ہوئی۔ حضرت ابراہیم نے پوچھا اے شفیق بلخی! تم نے یہ بلند مرتبہ کیسے پایا؟ جناب شفیق نے جواب دیا کہ ایک مرتبہ میرا ایک بیابان سے گذر ہوا۔ وہاں میں نے ایک ایسا پرندہ پڑا دیکھا جس کے دونوں بازو ٹوٹ گئے تھے۔ میرے دل میں یہ وسوسہ پیدا ہوا کہ دیکھوں تو سہی اسے کیسے رزق ملتا ہے۔ میں وہاں بیٹھ گیا۔ کچھ دیر بعد ایک پرندہ آیا جس کی چونچ میں ایک ٹڈی تھی اور اس نے وہ پرندے کے منھ میں ڈال دی۔ میں نے دل میں سوچا کہ وہ رازق کائنات ایک پرندے کے ذریعہ دوسرے پرندے کا رزق پہنچا دیتا ہے، میرا رزق بھی مجھے ہر حالت میں پہنچا سکتا ہے۔ لہذا میں نے سب کاروبار چھوڑ دیئے اور عبادت میں مصروف ہوگیا۔ جناب ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ علیہ نے کہا۔ اے شفیق! تم نے مجبور و معذور پرندہ بننا پسند کیا اور تندرست پرندہ بننا پسند نہ کیا کہ تم کو مقام بلند نصیب ہوتا۔ کیا تم نے یہ فرمان نبوی نہیں سنا کہ اوپر والا ہاتھ نیچے والے ہاتھ سے بہتر ہے؟ مومن تو ہمیشہ بلندیٔ درجات کی تمنا کرتا ہے تاآنکہ وہ ابرار کی صف میں جگہ پاتا ہے۔ جناب شفیق رحمۃ اللہ علیہ نے یہ سنتے ہی جناب ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھوں کو چوما اور کہا آپ بے شک میرے استاد ہیں۔ (مکاشفۃ القلوب ص ۲۱۳-۲۱۴)

یعنی توکل کا مطلب یہ ہے کہ جب انسان رزق کے حصول کے اسباب مہیا کرلے تو اسباب کے بجائے اپنا نصب العین اس خالق کائنات کو بنائے جو حقیقت

میں روزی رساں ہے، جیسے سائل جو کشکول لے کر گداگری کرتا ہے، وہ کشکول کو نہیں بلکہ ہمیشہ دینے والے سخی کی طرف متوجہ رہتا ہے۔

سیدنا امام غزالی قدس سرہٗ نے توکل کے تین مراتب بیان فرمائے ہیں۔
عارف کا توکل کیسا ہونا چاہئے، اس کے بارے میں حضرت سلطان الہند رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

''عارف کا توکل تو یہ ہے کہ وہ خداے تعالیٰ کے سوا کسی سے التفات نہ رکھے۔ حقیقی توکل تو یہ ہے کہ عارف کو خلق سے تکلیف ورنج پہنچے تو وہ نہ ان کی شکایت کرے اور نہ حکایت (دلیل العارفین ص ۵۱ بحوالہ بزم صوفیہ ص ۸۱)

اب توکل کا یہی پیغام حضرت خواجۂ پاک سے نظم کی زبان میں سنئے:

۱۰۸- بگذر ز فکر روزی ورزاق راشناس — بنگر چگونہ رزق تو دل خواہ می رسد
(دیوان ص ۲۶)

۱۰۸- روزی کی فکر چھوڑ، رزاق کو پہچان لے، پھر دیکھ کہ کیسے تیری مرضی کے مطابق تجھے رزق ملتا ہے۔

احقر نے اس عنوان میں ذرا تفصیل سے کام لیا۔ اس کا سبب یہ ہے کہ آج انسانی دل کی ساری آزردگی، فکری تباہی اور پریشان خاطری کا سبب مولیٰ کے بجائے اسباب پر بھروسہ کرنے کی وجہ سے ہے۔ اگر قناعت اور توکل سے کام لیا جائے تو بہت ساری اہم مشکلات ازخود حل ہو جائیں گی۔ ہمارے سبھی مشائخ نے اسی کا درس دیا ہے۔ خواجۂ معظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فرمان گرامی ابھی گذرا۔ سلسلۂ قادریہ برکاتیہ کے تاجدار سلطان العاشقین سیدنا سید شاہ برکت اللہ عشقی مارہروی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

''مالداروں دیناداروں کے دروازوں پر مارے مارے ہرگز نہ پھریں، ہمیشہ اللہ کی رحمت سے آس لگائے رکھیں۔ اسی کریم ورحیم عمّ نوالہٗ کے کرم ورحمت پر بھروسہ اور توکل اختیار کریں (ملفوظات مشائخ مارہرہ ص ۱۸)



لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ اسباب کو ترک کر دیں۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی قدس سرہٗ فرماتے ہیں:

توکل معارضۂ اسباب کا نام نہیں - اللھم ارزقنا نصیبا منہ

ہر آنکھ خدا کے لئے نم ہوتی نہیں ہے — ہر اک کے لئے اشک بہانا نہیں ہوتا
ہر قلب تجلی گہ محبوب کہاں ہے؟ — ہر دل میں توکل کا ٹھکانہ نہیں ہوتا
(بدرؔ)

## شہوت شکنی:

شہوت کھانے کی ہو یا سونے یا کسی اور چیز کی، روح کی ظلمت اور دل کی تاریکی کا سبب ہے۔ اور شہوت معدہ ہی ساری شہوتوں کا سرچشمہ ہے۔ اسی لیے قلت خوراک اور فاقہ کی بے شمار فضیلتیں احادیث طیبہ میں وارد ہیں۔

حکیم الامت سیدنا امام غزالی قدس سرہٗ نے تقلیل خوراک کے دس فائدے ذکر کیے ہیں۔ اس کے پہلے فائدے کو حضرت خواجۂ پاک نے اپنے شعر میں پیش فرمایا ہے۔

حضرت امام غزالی قدس سرہٗ تحریر فرماتے ہیں:

''گرسنگی میں دس فائدے ہیں: پہلا فائدہ یہ ہے کہ اس سے دل صاف اور روشن ہوتا ہے اور سیری دل کو دھندلا اور غبی کرتی ہے اور ایک بخار معدے سے اٹھ کر دماغ کو جاتا ہے جس سے انسان کا دل پریشان ہوتا ہے۔ اس بنا پر حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ کم کھانے سے اپنے دل کو زندہ کرو اور گرسنگی سے اس کو پاک صاف بناؤ تا کہ تصفیہ حاصل ہو۔ آپ نے ارشاد فرمایا ہے کہ جو شخص بھوکا رہتا ہے، اس کا دل زیرک ہوتا ہے اور اس کی عقل زیادہ ہوتی ہے۔

شیخ شبلی قدس سرہٗ نے فرمایا ہے کہ ایسا نہیں ہوا کہ میں کسی دن اللہ کے لیے بھوکا رہا ہوں اور میرے دل میں ایک تازہ حکمت نہ پیدا ہوئی ہو۔ (کیمیائے سعادت ص ۴۸۵)

حضرت خواجۂ معظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

۱۰۹- جاں رامدز حکمت وتن راز شہوت است — نقصان ایں مقوی رجحان آں بود
۱۱۰- کم خوردن ست مایۂ حکمت دراں فزائے — سود دل ست گر چہ کہ تن راز یاں بود
۱۱۱- تن مرکبے ست بستہ برآخرز بہر رزم — آں بہ کہ روز معرکہ لاغر میاں بود

(دیوان خواجۂ پاک ص ۱۸)

۱۰۹- روح کو حکمت سے فروغ ہے اور بدن کو شہوت سے۔ جسم کی لاغری روح کے فروغ اور تقویت کا سامان ہے۔

۱۱۰- کم کھانا، حکمت اور دانش کا سرمایہ ہے۔ اس لیے کہ اس میں منفعت دل کی افزائش ہے، گر چہ بدن کا نقصان ہوتا ہے

۱۱۱- بدن ایک بندھا ہوا گھوڑا ہے جسے آخرت کی رزمگاہ کے لیے تیار رکھا گیا ہے اور کارزار کے دن بہتر یہی ہوتا ہے کہ گھوڑا دبلی کمر کا ہو۔

## جاں سوزی:

مجاہدہ اور جاں سوزی اور فکر محبوب میں اپنے کو گھلاتے رہنا، عارفان حق اور عاشقان حقیقی کا شیوہ ہوتا ہے۔ حضرت خواجۂ پاک دلیل العارفین میں خود فرماتے ہیں:

"عارف وہ ہے جو اپنے سے ساری باتیں نکال کر یگانہ ہو جائے۔ عارف کا کمال یہ ہے کہ دوست کی اس راہ میں اپنے کو جلا کر خاک سیاہ کر دے۔ (بزم صوفیہ ص ۸۰)۔

اب عارف کی یہی کیفیات شعر میں ملاحظہ کیجئے:

۱۱۲- در محنت فراق چو دل می رود ز دست — در لذت وصال بہ بیں تا چہ ساں بود
۱۱۳- از ذرہ ذرہ اش بچکد قطرہ قطرہ خوں — باہر دلے کہ عیش تو در امتحاں بود

(دیوان ص ۱۸)

۱۱۲- جب فراق کی کلفت میں دل ہاتھ سے جاتا رہا تو سوچو کہ لذت وصال میں کیا حال ہوگا۔



۱۱۳- اس دل کے ذرے ذرے سے لہو کے قطرات ٹپکتے ہیں جو تیرے عشق کی آزمائش میں مبتلا ہوتا ہے۔

## عشق غوثیت مآب رضی اللہ تعالیٰ عنہ:

سیدنا خواجۂ غریب نواز رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مختلف اکابرین اسلام کی منقبتیں بھی منقول ہیں۔ سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ اور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی منقبتیں عام طور سے شہرت رکھتی ہیں۔

فقیر قادری اخیر میں سیدنا غوث اعظم سید شیخ ابو محمد محی الدین عبد القادر حسنی حسینی جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ وارضاہ عنہ کی شان رفیع میں کہی گئی وہ عالی منقبت بطور عقیدت پیش کرتا ہے جس سے سرکار خواجۂ معظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس بارگاہ فیض مآب سے گہری عقیدت اور شیفتگی خوب جھلکتی ہے، تاکہ قادری چشتی فیضان کا دوآتشہ اس گدائے قادری کی سیاہ کاریوں کے کفارے اور نجات کا سامان ہو جائے ع

چل لکھالائیں ثنا خوانوں میں چہرہ تیرا

حضرت خواجۂ معظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

۱۱۴- یا غوث معظم، نور ھدیٰ، مختار نبی، مختار خدا
سلطان دو عالم، قطب علیٰ، حیراں ز جلالت ارض وسما

۱۱۵- در صدق ہمہ صدیق وشی، در عدل وعدالت چوں عمری
اے کان حیا عثماں منشی، مانند علی با جود وسخا

۱۱۶- در بزم نبی عالی شانی، ستّار عیوب مریدانی
در ملک ولایت سلطانی، اے منبع فضل وجود وسخا

۱۱۷- چوں پائے نبی شد تاج سرت تاج ہمہ عالم شد قدمت
اقطاب جہاں در پیش درت افتادہ چو پیش شاہ گدا

۱۱۸- گرداد مسیح بہ مردہ رواں، داری تو بدینِ محمد جاں
ہمہ عالم محی الدین گویاں، برحسن و جمالت گشتہ فدا

۱۱۹- درشرع بغایت پرکاری، چالاک چو جعفر طیاری
برعرشِ معلیٰ سیاری، اے واقف راز اوادنیٰ

۱۲۰- ازبس کہ قتیل نفس خودم بیمارِ خجالت مندولم
شرمندہ سیہ رو منفعلم از فیض تو دارم و چشم دوا

۱۲۱- معیّن کہ غلام نام تو شد دریوزہ گر اکرام تو شد
شد خواجہ زاں کہ غلام تو شد دارد طلب تسلیم و رضا

۱۱۴- اے باعظمت فریادرس، ہدایت کی روشنی، بارگاہ نبوت کے محبوب، رب کریم جل وعلا کے برگزیدہ، دونوں جہاں کے سلطان اور بلندیوں کے مرکز! آپ کی عظمت وجلال کے سامنے آسمان وزمین حیرت زدہ ہیں۔

۱۱۵ سچائیوں میں صدیق اکبر کے جانشین کامل، عدل وانصاف میں فاروق اعظم کے پرتو، حضرت عثمان غنی کی شرم وحیا کے امین اور جودوسخا میں مولائے کائنات حضرت علی مرتضیٰ (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) کے عکس جمیل۔

۱۱۶- اے جودوسخا کے سرچشمہ! آپ شہرستان ولایت کے سلطان ہیں، مریدوں کے عیب پوش اور بارگاہ نبوت علیہ السلام والتحیۃ میں نہایت عالی قدر۔

۱۱۷- چونکہ قدم نبوت آپ کے سراقدس کا تاج ہے، اسی لیے آپ کا قدم مبارک سارے جہاں کا تاج ٹھہرا۔ ساری دنیا کے قطب آپ کے آستانۂ کریم کے حضور یوں پڑے ہوئے ہیں، جیسے بادشاہ کے سامنے گداگر۔

۱۱۸- اگر سیدنا عیسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے مردوں کو زندگی عطا کی تو آپ نے دین محمدی میں جان ڈال دی۔ سارا عالم آپ کو محی الدین کے لقب سے یاد کرتا ہے اور آپ کے حسن وجمال پر فدا ہے۔



۱۱۹- آپ کو شریعت میں کامل دسترس حاصل تھی، حضرت جعفر طیار رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مانند ہوشیار تھے۔ اے ''اوادنیٰ'' کے راز سے واقف! آپ کی سیرگاہ تو عرش معلیٰ ہے۔

۱۲۰- گرچہ میں اپنے نفس کا مقتول ہوں، میرا دل بیمار اور شرمسار ہے اور میں خود بھی خجل، نادم، اور سیاہ رو ہوں لیکن آپ کے فیض وکرم سے اپنے درد کی دوا رکھتا ہوں۔

۱۲۱- معین جو آپ کے نام نامی کا غلام، آپ کے اکرام کا منگتا ہے اور آپ کی غلامی کا شرف حاصل ہونے کی وجہ سے خواجہ بن گیا، آپ کی تسلیم ورضا کا طالب ہے۔

خواجۂ غریب نواز قدس سرہٗ کی بارگاہ معظم میں عقیدت ومحبت کی یہ چند ٹوٹی پھوٹی لکیریں نذر گدایانہ کے طور سے حاضر ہیں ع گر قبول افتد زہے عز وشرف

ناچیز کو اسی بارگاہ کریم سے فکر وقلم کی بھیک ملی اور آستان معظم کی خاک پاک کی برکت سے ایمان کی صحیح سمتوں میں زندگی ناپائیدار کا قافلہ رواں دواں ہے۔ اس لیے اس بارگاہ عالی جاہ کی عقیدت میری حیات کا سب سے قیمتی سرمایہ ہے ؎

چہ از صفائے ارادت زنم بمہر تو دم
ضمیر پاک دل روشنت، گواہ من است

# حضرت خواجہ غریب نواز رضی اللہ عنہ کی روحانی کرامات

مولانا نفیس احمد مصباحی

جامعہ اشرفیہ، مبارک پور

ہندوستان کی سرزمین کو بے شمار مردانِ خدا، وارثین انبیا، علمائے ربانی اور عُرفائے صمدانی نے اپنے انوار و برکات سے سرفراز فرمایا، اور شرک، کفر اور بدعقیدگی کی تاریکیوں کو دور کر کے توحید، ایمان اور خوش عقیدگی کے اجالے پھیلا کر پورے خطّے کو بقعۂ نور بنا دیا۔ ان ہادیانِ برحق کی فہرست میں یوں تو مختلف سلاسلِ طریقت کے مشائخ و سادات اور صوفیہ و علما شامل ہیں، لیکن اس سرزمین پر سب سے زیادہ اور سب سے پہلے فیض بخشی فرمانے والے نفوس قدسیہ، مشائخ چشت اہل بہشت ہی ہیں، اور اُن پاک باز اور سراپا اخلاص ہستیوں میں سلطان الہند، خواجۂ خواجگاں حضرت خواجہ معین الدین حسن چشتی سجزی (۱) اجمیری رحمۃ اللہ علیہ (م ۶۳۳ھ) کی ذات گرامی سب سے نمایاں نظر آتی ہے۔ آپ کے والد کا نام سید غیاث الدین اور والدہ کا نام بی بی اُمُّ الورع تھا۔ آپ مقتدائے اوتاد حضرت خواجہ عثمان ہارونی چشتی رحمۃ اللہ علیہ (م ۶۱۷ھ/ ۱۲۲۰ء) کے دست مبارک پر بیعت ہوئے اور پورے بیس سال اپنے مرشدِ طریقت کی صحبت میں گزارے۔ شیخِ طریقت سے آپ کو اس قدر عشق اور تعلق خاطر ہو گیا تھا کہ سایہ کی طرح ساتھ لگے رہتے، جہاں کہیں وہ تشریف لے جاتے حضرت خواجہ اُن کا بستر، توشہ دان اور دوسرے ضرورت کے سامان سر پر لادے ہوئے ہمراہ چلتے۔ سیر و سیاحت کے دوران سیستان، دمشق، اوش، بدخشاں، بغداد، مکہ



معظّمہ، مدینہ منورہ اور دیگر شہروں میں گئے اور وہاں کے صلحا، صوفیہ اور مشائخ سے روحانی فیوض و برکات حاصل کیے۔

حرمین شریفین کے ایک سفر ہی کا واقعہ ہے کہ حضرت خواجہ عثمان ہارونی علیہ الرحمۃ والرضوان نے کعبۃ اللہ میں میزاب رحمت کے نیچے اپنے چہیتے مرید حضرت خواجہ اجمیری کے لیے دعا کی اور ان کا ہاتھ پکڑ کر خدا کے سپرد کیا۔ غیب سے آواز آئی: ''ہم نے معین الدین کو قبول کیا''۔ شیخ یہ آواز سن کر بہت خوش ہوئے اور بارگاہ الٰہی میں شکر ادا کیا۔ حج سے فراغت کے بعد روضۂ اقدس کی زیارت کے لیے مدینہ منورہ پہنچے تو خواجۂ بزرگ نے دربارِ رسالت میں سلام نیاز پیش کیا، جواب ملا: وعلیک السلام اے سمندروں اور جنگلوں کے قطب المشائخ! جب یہ آواز آئی تو خواجہ صاحب نے فرمایا: کام مکمل ہو گیا۔

جب مرشد طریقت نے تلاشِ حق کے تمام مراحل طے کرا دیے اور اپنی خاص توجہ سے آپ کو ''مرد کامل'' بنا دیا تو آپ کو خرقۂ خلافت اور اپنی جانشینی سے سرفراز فرمایا اور وہ برکات نبوی جو خانوادۂ چشت میں سلسلہ بسلسلہ چلے آ رہے تھے آپ کو عطا فرمائے۔ تفویضِ خلافت و تبرکات کا یہ واقعہ ۵۸۲ھ/ ۱۱۸۶ء میں بمقام بغداد پیش آیا۔ (۲)

اس کے بعد آپ اپنے شیخ طریقت سے رخصت ہو کر مختلف مقامات کی سیر و سیاحت کرتے ہوئے مکہ مکرمہ اور مدینہ طیّبہ حاضر ہوئے۔ اور دونوں مقاماتِ مقدّسہ سے آپ کو رضا و خوشنودی اور قبولیت کا پروانہ ملا۔

حرم کعبہ میں جب آپ یادِ الٰہی میں مستغرق تھے، غیب سے آواز آئی:

''اے معین الدین، ہم تجھ سے خوش ہیں، تجھے بخش دیا، جو کچھ چاہے مانگ تا کہ عطا کروں''۔

اور مدینہ منورہ میں قیام کے دوران آپ کو بارگاہِ رسالت سے یہ جاں نواز خوش خبری ملی:

’’اے معین الدین، تو میرے دین کا مُعین و مددگار ہے۔ میں نے تجھے ہندستان کی ولایت عطا کی۔ وہاں کفر وظلمت پھیلی ہوئی ہے، تو اجمیر جا۔ تیرے وجود سے ظلمت کفر دور ہوگی اور اسلام رونق پذیر ہوگا‘‘۔(۳)

اس دل نواز خوش خبری کو سننے کے بعد آپ کی مسرت وشادمانی کی انتہا نہ رہی اور اولیا وخاصانِ خدا کی ایک جماعت کے ساتھ آپ نے ہندستان کا رخ کیا۔

جس وقت حضرت خواجہ غریب نواز علیہ الرحمۃ والرضوان ہندستان آئے، اس وقت اگر چہ سلطان محمود غزنوی کے متواتر حملوں نے مسلمانوں کی فوجی قوّت کا رعب غیر مسلموں کے دلوں میں قائم کر دیا تھا۔ راجپوت سلطنتیں رو بہ زوال ہو چلی تھیں مگر محمود غزنوی کے جانشین صرف پنجاب تک محدود ہو کر رہ گئے اور اپنے مُورث اعلیٰ کی مہم کو مکمل نہ کر سکے۔ جس کا اثر یہ ہوا کہ ہندستان کے متعدد راجاؤں نے اپنی ریاستوں کی تنظیم کر لی تھی اور کھوئی ہوئی طاقت دوبارہ حاصل کر لی۔ وہ اسلام اور مسلمانوں کو حقارت کی نگاہ سے دیکھنے لگے تھے۔ شہاب الدین غوری کی ناکام مہموں نے راجپوتوں کے حوصلے بلند کر دیے تھے۔ سیاسی اور حکومتی استحکام نے ہندو تشدّد کو بھی عام کر دیا تھا۔ پورے ملک میں شرک وکفر کا دور دورہ تھا۔ توحید وصداقت کی روشنی دور دور تک نظر نہ آتی تھی۔ سیّد محمد بن مبارک کرمانی نے اپنی کتاب ’’سیر الاولیاء‘‘ میں اس وقت کے حالات کا نقشہ کچھ اس طرح کھینچا ہے:

’’ہندستان کی مملکت میں مشرق کے آخری سرے تک ہر طرف کفر وکافری اور بت پرستی کا دور دورہ تھا۔ ہندستان کے سرکش اور مغرور لوگ اکثر خدائی کا دعویٰ کرتے تھے اور خدائے بزرگ وبرتر کے شریک بنتے۔ پتھروں، درختوں، جانوروں، چوپایوں، اور گائے کے گوبر تک کو پوجتے تھے۔ کفر کی ان تاریکیوں میں ان کے دلوں



پر قفل لگے ہوئے تھے۔

ہمہ غافل از حکم دین و شریعت ۔۔۔ ہمہ بے خبر از خدا و پیمبر
نہ ہرگز کسے دیدہ ہنجار قبلہ ۔۔۔ نہ ہرگز شنیدہ کس اللہ اکبر

ترجمہ: ’’سب لوگ دین اور شریعت کے حکم سے بے خبر اور خدا وپیمبر سے ناواقف تھے، نہ کسی نے کبھی قبلہ کی سمت پہچانی نہ کسی نے اللہ اکبر کی صدا سنی‘‘۔

ایسے پُر آشوب وپُرفتن ماحول میں خواجہ غریب نواز نے قدیم ہندستان کے عظیم سیاسی ومذہبی مرکز اجمیر کو اپنے قیام کے لئے منتخب فرمایا۔ یہ جرأت مندانہ فیصلہ مردِ حق شناس کی اولوالعزمی، بلند ہمتی اور ایمانی جرأت کا ایک درخشاں کارنامہ ہے جس کی مثالیں صرف پیشوایانِ مذاہب اور فاتحینِ عالم کی تاریخوں میں مل سکتی ہیں۔‘‘(۴)

ہندستان میں آپ کی آمد کی برکت سے راجپوتانہ جیسی سنگلاخ زمین میں اسلام کی نشر واشاعت ہوئی، ضلالت وگمراہی کی شبِ دیجور میں بھٹکنے والے لاکھوں انسانوں نے اس آفتابِ رشد وہدایت سے ایمان واذعان اور یقین وآگہی کا نور حاصل کیا، اور آپ کے بالواسطہ یا بلاواسطہ خلفا ومریدین پورے برّصغیر میں اسلام کی شمعِ ہدایت لے کر پھیل گئے۔ اور اپنی پاک بازی، خوش اخلاقی، تقویٰ شعاری، اخلاص وللّٰہیت اور روحانیت وکرامت کے ذریعہ سرزمین ہند کو اسلام وایمان کے انوار وتجلیات سے جگمگا دیا۔

حضرت خواجہ غریب نواز قُدِّسَ سِرُّہٗ کی ذات گرامی گوناگوں اوصاف وکمالات کی جامع تھی، لیکن اس مقالہ میں مجھے آپ کے ایک خاص وصف ’’روحانیت اور کرامت‘‘ کے تعلق سے کچھ گفتگو کرنا ہے۔ اصل موضوع پر روشنی ڈالنے سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ کرامت اور اس سے تعلق رکھنے والی چیزوں کو بھی کسی حد تک

بیان کر دیا جائے تا کہ اصل موضوع کو سمجھنے میں آسانی ہو۔

علم کلام کی مشہور کتاب: ’’عقائد نسفی‘‘ میں اہل سنت وجماعت کا عقیدہ بیان کرتے ہوئے علامہ ابو حفص عمر بن محمد نسفی علیہ الرحمہ (ولادت ۴۶۱ھ-وفات ۵۳۷ھ) فرماتے ہیں: **کراماتُ الاولیاء حقّ** (اولیا کی کرامتیں حق اور ثابت ہیں)

اس کی تشریح کرتے ہوئے علامہ سعدالدین مسعود بن عمر تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ (ولادت ۷۱۲ھ-وفات ۷۹۱ھ) لکھتے ہیں:

والولیُّ ھوالعارفُ باللہ تعالیٰ وصفاتہ حسب مایمکن، المواظِبُ علی الطاعات، المجتنبُ عن المعاصی، المعُرِضُ عن الانھماك فی اللذات والشھوات۔ وکرامتہُ ظھورُأمرٍ خارقٍ للعادۃ من قبلہ غیر مُقارِنٍ لدعوی النبوۃ، فمالایکون مقروناً بالایمان والعمل الصالح یکون استدراجاً، ومایکون مقروناً بدعوی النبوۃ یکون معجزۃ۔(۵)

(’’ولی‘‘ وہ ہے جو امکانی حد تک اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات سے آشنا ہو، پابندی کے ساتھ اس کی فرماں برداری کرتا ہو، گناہوں سے پرہیز کرتا ہو، دنیوی لذّتوں اور نفسانی خواہشوں میں انہماک سے بچتا ہو۔ اور اس کی ’’کرامت‘‘ یہ ہے کہ اس سے خلافِ عادت کسی چیز کا ظہور ہو، اور اس کے ساتھ نبی ہونے کا دعویٰ نہ ہو۔ تو اگر خلافِ عادت کسی چیز کا ظہور ایسے شخص سے ہو جو ایمان اور اعمال صالحہ سے خالی ہو تو وہ ’’استدراج‘‘ ہے، اور جو دعوائے نبوت کے ساتھ اس کا ظہور ہو تو وہ معجزہ‘‘ ہے)

صدر الشریعہ علامہ محمد امجد علی رضوی علیہ الرحمۃ والرضوان (م ۱۳۶۷ھ/ ۱۹۴۸ء) فرماتے ہیں:

’’نبی سے جو بات خلاف عادت قبل نبوت ظاہر ہو، اس کو ’’ارہاص‘‘ کہتے ہیں اور ولی سے جو ایسی بات صادر ہو، اس کو ’’کرامت‘‘ کہتے ہیں اور عام مومنین سے



جو صادر ہو، اسے ’’معونت‘‘ کہتے ہیں اور بے باک فُجّار یا کُفّار سے جو اُن کے موافق ظاہر ہو، اس کو ’’استدراج‘‘ کہتے ہیں اور ان کے خلاف ظاہر ہو تو ’’اہانت‘‘ ہے۔‘‘ (خیالی، ص ۱۴۲)(۶)

اس کی مزید تفصیل یہ ہے کہ خلاف عادت ظاہر ہونے والی چیزوں کی آٹھ صورتیں ہیں، کیوں کہ خلاف عادت ظہور میں آنے والی شے یا تو مومن سے ظاہر ہوگی یا کافر سے، پھر مومن کی بھی کئی صورتیں ہیں، یا تو وہ خاصان خدا میں سے ہوگا یا نہیں، خاصانِ خدا میں سے ہو تو نبی ہوگا یا ولی اور نبی سے ظاہر ہو تو قبلِ بعثت ظاہر ہوگی یا بعد بعثت، پھر خاصانِ خدا میں سے نہ ہونے کی صورت میں یا تو وہ مومنِ صالح ہوگا یا فاسق، اور کافر سے ظاہر ہونے والی چیز میں یا تو اس میں تعلیم وتعلّم اور سیکھنے سکھانے کا عمل دخل ہوگا یا نہیں، اور اگر بلا تعلیم وتعلّم ہو تو یا تو مقصد کے عین مطابق ظہور میں آئے گی، یا مقصد کے خلاف۔ اس طرح خوارقِ عادت کی آٹھ قسمیں ہوئیں جو درج ذیل ہیں:

(۱) اِرہاص: وہ خلاف عادت چیز جو کسی نبی سے قبل بعثت ظاہر ہو، جیسے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ولادت طیبہ کے وقت رونما ہونے والے خلاف عادت امور مثلاً نوشیرواں کے محل میں زبردست زلزلہ آنا اور چودہ کنگروں کا گر جانا، ہزار برس سے مسلسل جلنے والے آتش کدۂ فارس کا اچانک سرد پڑ جانا، بُحیرۂ ساوہ کا خشک ہو جانا وغیرہ۔

(۲) مُعجِزہ: وہ خلاف عادت چیز جو کسی نبی کے ہاتھوں بعد بعثت ظہور میں آئے، جیسے درختوں کا سجدہ کرتے ہوئے سرکار اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہو جانا، مقام صہبا میں ایک انگلی کے اشارہ سے ڈوبے ہوئے سورج کا پلٹ آنا، وغیرہ۔

(۳) کرامت: وہ خلافِ عادت چیز جو کسی ولی سے رونما ہو۔

(۴) مَعُونَت: وہ خلافِ عادت چیز جو کسی عام مومنِ صالح سے ظہور میں آئے۔

(۵) اِستِدراج: وہ خلافِ عادت چیز جو کسی مومنِ فاسق سے رونما ہو۔

(۶) سِحر: وہ خلافِ عادت چیز جو کافر یا فاسق سے رونما ہو اور اس میں تعلیم و تعلّم اور سیکھنے سکھانے کا عمل دخل ہو۔

(۷) اِبتلا: وہ خلافِ عادت کام جو کسی کافر کے ہاتھوں رونما ہوا اور اس میں سیکھنے سکھانے کا عمل دخل نہ ہو اور وہ اس کے مقصد کے مطابق ہو، جیسے دجّالِ اکبر سے عالمِ وجود میں آنے والے امور وافعال۔

(۸) اِہانت: وہ خلافِ عادت کام جو کسی کافر کے ہاتھوں بلاتعلیم و تعلّم ظاہر ہو، اور اس کے مقصد کے خلاف ہو، جیسے مُسَیلمہ کذّاب سے رونما ہونے والا خلافِ عادت واقعہ کہ اس نے ایک بھینگے کے آنکھ صحیح ہونے کی دعا کی تو اس کی دوسری آنکھ بھی بھینگی ہوگئی۔[ عقیدة الشهدة، ص۱۵۶](۷)

پھر کرامت دو طرح کی ہوتی ہے۔ ایک وہ جس میں کسی دھوکہ کا دخل نہیں ہوسکتا۔ دوسری وہ جس میں استدراج اور شعبدہ کا شبہہ ہوسکتا ہے، تو اصل کرامت وہی ہے جو شبہہ سے پاک ہو(۸) اسی لیے سیدنا غوث اعظم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"کرامةُ الولیّ استقامةُ فعلِهٖ علی قانونِ قولِ النبّی صلی الله علیه وسلم۔ فالتحدُّثُ بِسِرّالولایة نقصٌ"، والترصُّد لنسیمها کرامة" والکرامةُأثر انعکاسِ نور الحق علی قلب الولی من منبع ضوء نور الکلمی بواسطة الفیض الا لهیٰ، ولا یظهر ذلك علی الولی الّا مع عدم اختیاره۔ والا ولیاء خصّوا باشارات نبویة، واطلاعات حقیقیة وأرواح نوریة وأسرار قد سیّة وأنفاس روحانیة ومشاهدات زکیة۔"(۹)

(ترجمہ: ولی کی کرامت یہ ہے کہ وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے قانون پر عمل کے اعتبار سے پورا اترے۔ تو ولایت کے راز کی باتیں کرنا نقص



ہے اور نسیمِ ولایت کے انتظار میں لگے رہنا کرامت ہے۔ کرامت یہ ہے کہ ولی کے دل پر حق تعالیٰ کے نور کے عکس اور پرتو کا اثر نور کلی کی روشنی کے چشمہ سے فیضِ الٰہی کے واسطے سے پڑے اور ولی پر اس کا ظہور اس کے اختیار کے بغیر ہی ہوتا ہے۔ اولیاء اللہ نبوی اشارات، حقیقی اطلاعات، نوری ارواح، قدسی رموز واسرار، روحانی نفوس اور پاکیزہ مشاہدات سے خصوصی طور پر بہرہ ور ہوتے ہیں)۔

## کرامتیں اللہ تعالیٰ کی فرماں برداری کا نتیجہ ہیں:

علامہ یوسف بن اسماعیل نبہانی علیہ الرحمہ نے اپنی کتاب ''جامع کرامات الاولیا'' میں ایک باب باندھ کر اس موضوع پر عالمانہ اور عارفانہ گفتگو فرمائی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

المطلب الثالث فی انّ الکرامات هي نتائج الطاعات، ولا بدّ اَن یکون بینها و بین الاَ عضاء المطیعة اِلتي تصدر عنها۔ مناسبات۔

ذکر الشیخ رضی الله عنه فی الفتوحات کتابه "مواقع النجوم" واَثنی علیه کثیراً، وهو کتاب نفیس جدا، ذکرفیه الکرامات التی تصدر عن الاَعضاء الثمانیة، بمنا سبة الطاعات التی صدرت عنها، وهیی العین والأُذن واللسان والید والبطن والفرج والرِّجل والقلب؛ اذکل واحدٍ منها علیه تکلیف یخصّه من أنواع الآحکام الشرعیة، فاذا قام بها المکلّف تصدرتلك الکرامات عنها، وذکرفي ذلك الکتاب معارف واَسراراً کثیرة من علم الحقیقة، وفوائد جمة من علم الشریعة، وقدر أیتُ أن أختصرمنه هناشیئاقلیلا في ذکر هذه الآ عضاء الثمانیة ومااینا سنها من الکرامات تمتیماً للفائد ة (۱۰)

ترجمہ: مطلب سوم اس بارے میں کہ کرامات، طاعات کے نتائج ہیں۔ پھر

ضروری ہے کہ طاعات اور کرامات ظاہر کرنے والے اللہ کے فرمانبردار اعضا کے درمیان کچھ مناسبت بھی ہو۔

حضرت شیخ ابن عربی رضی اللہ عنہ نے ''فتوحات مکیہ'' میں اپنی کتاب ''مواقع النجوم'' کا ذکر فرمایا ہے اور اس کتاب کی بہت تعریف فرمائی ہے۔ اور حقیقت بھی یہی ہے کہ یہ بہت عمدہ کتاب ہے۔ اس میں آپ نے آٹھ اعضا سے صادر ہونے والی کرامات کا بھی ذکر فرمایا ہے، کیوں کہ ان اعضا سے وہ طاعات صادر ہوتی ہیں جن کے نتیجے میں کرامات کا ظہور ہوتا ہے۔ وہ اعضا یہ ہیں:

۱- آنکھ ۲- کان ۳- زبان ۴- ہاتھ

۵- شکم ۶- شرم گاہ ۷- پاؤں ۸- دل

کیونکہ ان اعضا میں سے ہر ایک عضو کے ساتھ کچھ خاص قسم کے احکام شرع کی بجا آوری کی ذمہ داری متعلق ہے، تو جب وہ انسان ان اعضا سے ان شرعی ذمہ داریوں کو انجام دیتا ہے تو ان سے کرامات کا ظہور ہوتا ہے۔ حضرت شیخ محی الدین ابن عربی علیہ الرحمہ نے اپنی اس کتاب میں علم حقیقت کے بے شمار معارف واسرار کا ذکر فرمایا ہے اور علمِ شریعت کے بہت سے فوائد بیان کیے ہیں۔ (میں مناسب سمجھتا ہوں کہ ان آٹھ اعضا سے متعلق ان کے بیان کردہ معلومات اور فوائد کو مختصراً پیش کروں)

اتنا لکھنے کے بعد علامہ نبہانی نے حضرت شیخ ابن عربی علیہ الرحمۃ والرضوان کی عارفانہ تحقیقات کا خلاصہ پیش کیا ہے۔ طوالت کے خوف سے میں یہاں صرف اس کا ترجمہ پیش کرتا ہوں۔

۱- **آنکھ:** آنکھ اگر طاعت وعبادات میں مصروف رہے اور خلافِ شرع چیزوں کے دیکھنے سے بچے تو اسے یہ کرامت ملتی ہے کہ وہ آنے والے کو آنے سے پہلے دور سے ملاحظہ کر لیتی ہے، اسی طرح کثیف حجابات کے پیچھے بھی دیکھ لیتی ہے اور نماز کے



وقت کعبہ شریف کو اپنے سامنے پاتی ہے تا کہ ٹھیک اس کی طرف منھ ہو سکے۔ پھر آنکھ کو یہ کرامت بھی نصیب ہوتی ہے کہ وہ ملائکہ، مَلأ اعلیٰ اور جنوں کے عالمِ ملکوتی، عالمِ روحانی اور عالمِ خاکی کا مشاہدہ کرنے لگتی ہے، اور اسے حضرت خضر علیہ السلام اور اَبدال بھی دکھائی دینے لگتے ہیں۔

۲- **کان:** اگر کان طاعت شعار ہو اور خلافِ شرع باتیں سننے سے بچے تو اسے یہ خوش خبری ملتی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اربابِ عقل وہدایت میں سے ہے اور یہ بہت بڑی کرامت ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

فَبَشِّرْ عِبَادِ الَّذِيْنَ يَسْتَمِعُوْنَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُوْنَ اَحْسَنَه‘[زمر:۱۷،۱۸]

[ترجمہ: تو خوش خبری سنا دو میرے ان بندوں کو جو کان لگا کر بات سنیں پھر اس کے بہتر پر چلیں]

اور کان کو یہ کرامت بھی عطا ہوتی ہے کہ وہ جمادات کی بولیاں سننے لگتا ہے اور جب یہ حالت ہو جاتی ہے تو عالمِ وجود کی ہر چیز، بولنے والی زبان سے اس طرح اللہ تعالیٰ کی تسبیح پڑھتے سنائی دیتی ہے جیسے (عام لوگ) زید وعمر وآپس میں باتیں کر رہے ہوں۔

۳- **زبان:** اگر زبان احکام الٰہی کی بجا آوری کرے اور شریعت کی خلاف ورزی سے بچے تو اسے یہ کرامت نصیب ہوتی ہے کہ یہ عالم بالا سے ہم کلام ہوتی ہے، کیوں کہ بندہ کبھی مقام سَماع میں ہوتا ہے تو غیب سے اسے ندا دی جاتی ہے، تو جب وہ بولتا ہے تو اس کی بات رد نہیں کی جاتی۔ پھر جب اس میں اور عالمِ بالا کے مکینوں میں مکالمہ کا سلسلہ راست ہو جاتا ہے اور باہم گفتگو کا آغاز ہو جاتا ہے تو حالت یہ ہوتی ہے کہ جو یہ کہتا ہے وہ زبان سے کہتا ہے اور جو وہ کہتے ہیں وہ اس تک کانوں کے مقامِ تحقُّق پر پہنچنے کی وجہ سے آتا ہے۔ اور جو یہ مشاہدہ کرتا ہے وہ آنکھوں کی مقامِ تحقُّق تک رسائی کی وجہ سے ہوتا ہے اور یہی صورتِ حال مذکورہ بالا تمام اعضا کی ہوتی ہے۔

اور زبان کی ایک کرامت یہ بھی ہے کہ وہ شے کے وجود میں آنے سے پہلے ہی اس کے وجود کو اپنی گویائی سے عیاں کر دیتی ہے، اور وجود میں آنے سے پہلے ہی غیبی چیزوں سے خبردار کر دیتی ہے۔

۴- **ہاتھ:** اگر ہاتھ کو اس سے تعلق رکھنے والی شرعی خلاف ورزیوں سے دور رکھ کر طاعاتِ خداوندی میں مصروف رکھا جائے تو اسے یہ کرامت عطا ہوتی ہے کہ جب وہ گریبان میں داخل ہونے کے بعد باہر نکلتا ہے تو چمکتا دمکتا نکلتا ہے اور یہ چمک دمک کسی بیماری کی وجہ سے نہیں ہوتی حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یہ رتبہ عطا ہوا تھا۔ اور (کبھی) ہاتھ کو یہ کرامت بھی ملتی ہے کہ انگلیوں کے درمیان سے پانی کے چشمے پھوٹ پڑتے ہیں، خرقِ عادت کا یہ درجہ ہمارے آقا محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا ہوا تھا۔ اسی طرح اسے یہ کرامت بھی نصیب ہوتی ہے کہ وہ دشمنوں کے چہروں پر مٹی پھینکتا ہے تو یہ پسپا ہو جاتے ہیں۔ یوں ہی کچھ اولیائے کرام ہوا سے اپنی مٹھی میں کچھ پکڑتے نظر آتے ہیں اور جب ان کی مٹھی کھلتی ہے تو ہاتھ سے سونا اور چاندی نکلتے ہیں، وغیرہ۔

۵- **شکم:** شکم کو جب اس سے تعلق رکھنے والی شرعی خلاف ورزیوں سے بچا کر اللہ تعالیٰ کا طاعت شعار بنا لیا جاتا ہے تو اسے مکر و استدراج سے پاک کرامتوں میں سے ایک کرامت یہ عطا ہوتی ہے کہ اس کے کھانے، پانی اور لباس کی حفاظت ہوتی ہے، اور اللہ تعالیٰ خود اس کے دل میں یا حرمت وشبہہ حرمت والی شی میں ہی کوئی علامت ظاہر فرما دیتا ہے۔ پھر تو وہ صرف حلال اور پاکیزہ چیز ہی تناول کرتا ہے، جیسا کہ حضرت حارث محاسبی رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ ان کے سامنے جب مشکوک کھانا لایا جاتا تو ان کی انگلی کی ایک رگ پھڑکنے لگتی تھی۔ اور جیسے حضرت بایزید بسطامی رضی اللہ عنہ جب ماں کے شکم میں تھے تو وہ حرام کھانے کی طرف ہاتھ ہی نہیں بڑھاتی تھیں۔ کسی کی یہ کیفیت ہوتی ہے کہ ایسی حالت میں اُسے (غیب سے) ندا دی جاتی ہے کہ پرہیز کر اور کسی کا جی متلانے لگتا ہے۔ کوئی اس کھانے کو اپنے سامنے خون کی



شکل میں دیکھتا ہے، کوئی اس پر سیاہی دیکھتا ہے، اور کوئی اس کھانے کو خنزیر کی شکل میں دیکھتا ہے۔ یا اسی طرح کی دوسری علامتیں ظاہر ہوتی ہیں جو خاص طور سے اولیاء اللہ اور خاصانِ خدا کو ملتی ہیں۔

شکم سے متعلق یہ کرامت بھی ہے کہ تھوڑا سا کھانا بہت سے لوگوں کو آسودہ کر دیتا ہے اور یہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل سے ملنے والی میراث ہے کہ جب آپ کی بارگاہ میں چمڑے کا دسترخوان بچھا دیا گیا اور جس کے پاس گیہوں تھا وہ گیہوں لایا، جس کے پاس کھجوریں تھیں وہ کھجوریں لایا، یہاں تک کہ جب دسترخوان پر قلیل مقدار میں یہ چیزیں جمع ہو گئیں تو سرکار نے برکت کی دعا فرمائی پھر لوگوں نے اپنے برتن بھر لیے۔ (صحیح مسلم میں یہ حدیث موجود ہے۔)

شکم کی کرامتوں میں ایک کرامت یہ ہے کہ پلیٹ میں رکھا ہوا ایک قسم کا کھانا حاضرین کی خواہش کے مطابق مختلف ذائقے والا ہو جاتا ہے۔

شکم کی ایک کرامت یہ بھی ہوتی ہے کہ جن اور فرشتے اس رتبہ پر پہنچنے والے شخص کے لیے کھانا لے کر حاضر ہوتے ہیں یا وہ خود ان چیزوں کو فضا میں معلّق پاتا ہے۔

پیٹ کی ایک کرامت یہ بھی ہوتی ہے کہ تلخ، کھارا اور بدذائقہ پانی شیریں اور خوش ذائقہ ہو جاتا ہے۔

سیّدی حضرت محی الدین ابن عربی فرماتے ہیں: میں نے ایسا پانی حضرت ابو عبداللہ بن استاذ مروزی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاتھوں پیا تھا، آپ شیخ عارف باللہ حضرت ابو مدین رحمۃ اللہ علیہ کے خاص اصحاب و مریدین میں سے تھے، حضرت انھیں "الحاجّ المبرور" (مقبول حاجی) کے لقب سے یاد کرتے تھے۔

اس مقام کی تحقیق یہ ہے کہ جو شخص حلال غذا کے اس مقام پر پہنچ جائے تو یہ یا

تو اپنی کمائی کے باعث ہوتا ہے یا توحید کے اس ورع وتقویٰ کے باعث جس کے بارے میں بزرگانِ دین فرماتے ہیں: ’’عارف وہ ہے جس کا نورِ معرفت اس کے ورع وتقویٰ کے نور کو نہ بجھا سکے‘‘۔ تو جب اسے حلال غذا حاصل ہو جاتی ہے تو وہ اس کو لینے میں بھی کمی کرتا ہے۔ پھر جب وہ اس مقام پر فائز ہو جاتا ہے تو اس کے اندر ایک سرگرم فیصلہ کن حوصلہ پیدا ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ یہ حوصلہ اس بندے کے اندر اس لیے پیدا فرما دیتا ہے کہ وہ اس کی کرامت اور اس کے مقام ومرتبہ کی صحت اور صداقت کا سامان ہو جائے۔ پھر یہ ساری کرامتیں اسی ہمّت اور حوصلے کی جلوہ سامانیاں ہوتی ہیں، اور اس سے ایسی اور کرامتوں کا ظہور بھی ہوتا ہے جن کا خطرہ بھی اس کے دل میں نہیں گزرتا۔

۶- **شرم گاہ:** جب شرم گاہ ناجائز کاموں کو چھوڑ دیتی اور اللہ تعالیٰ کی فرماں بردار بن جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ اسے مردے زندہ کرنے، نابینا اور برص زدہ کو شفا دینے اور اپنی ذاتِ کریم سے غافل کرنے والی ہر چیز کو چھوڑ دینے کی کرامت سے سرفراز فرماتا ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:

الَّتِیۡ اَحصَنَتُ فَرجَهَا فَنَفَخنَا فِیۡهِ مِنۡ رُّوۡحِنَا وَجَعَلۡنَا هَا وَابۡنَهَا اٰیَةً لِلعَالَمِیۡنَ [انبیاء:۱۹]

(اور اس عورت کو (یاد کرو) جس نے اپنی پارسائی محفوظ رکھی تو ہم نے اس میں اپنی روح پھونکی، اور اسے اور اس کے بیٹے کو سارے جہانوں کے لیے نشانی بنا دیا۔)

حضرت ابنِ عربی رحمۃ اللہ علیہ عنہ نے اس کے تعلق سے کچھ اور باریک مناسبتیں اور علم حقیقت کے رموز واسرار بیان فرماتے ہیں۔

۷- **قدم:** جب قدم شریعت کی خلاف ورزیوں سے اجتناب کرتا اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت وفرماں برداری کی راہ اختیار کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے پانی پر چلنے، زمین سمٹ



جانے اور فضا میں اڑنے کی کرامتیں عطا فرماتا ہے۔ اس سلسلہ کی کرامتیں اتنی مشہور ہیں کہ انھیں بیان کرنے کی حاجت نہیں، کتابیں ان سے بھری پڑی ہیں، بہر حال اللہ تعالیٰ کے کچھ اولیا اور خاص بندے ایسے ہیں جن کے ساتھ اللہ تعالیٰ ایسے معاملات فرماتا ہے۔

حضرت محی الدین ابن رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ’’ہم نے پانی اور ہوا پر چلنے والوں اور زمین کی وسعتوں کو لپیٹ دینے والوں کی ایک عظیم دنیا خود دیکھی ہے۔‘‘

۸- **دل:** دل جب خلافِ شرع حرکتوں کو چھوڑ کر طاعت شعار ہو جاتا ہے تو اسے یہ کرامت نصیب ہوتی ہے کہ اسے کائنات میں وجود پذیر ہونے والی چیزوں کی معرفت ان کے وجود سے پہلے ہی ہو جاتی ہے۔

سیّدی حضرت محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اے میرے عزیز فرزند! (اللہ تعالیٰ تجھے توفیق خیر سے نوازے، تیرا دل روشن ومجلّٰی کرے، تیرا سینہ کھول دے، تیرا لباس پاکیزہ رکھے، اور تیرا باطن صاف ستھرا رکھے) اعضا سے متعلق جو کرامتیں اور مقامات ہم نے بیان کیے ہیں، وہ سب دل ہی کی طرف پلٹ کر جانے والے ہیں۔ اگر دل نہ ہو تو ان اعضا کو ان میں سے کچھ بھی نصیب نہ ہو کیوں کہ اگر ان اعضا سے صادر ہونے والے افعال واعمال کو اخلاصِ قلب کی تائید حاصل نہ ہو تو وہ سب ’’بکھرے ہوئے غبار‘‘ کی حیثیت رکھتے ہیں، اور وہ نتیجہ بے بہرہ رہتا ہے پھر اس کے حصے میں سعادت نہیں آتی۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: وَمَا اُمِرُوۡا اِلَّا لِیَعۡبُدُوا اللّٰه مُخلِصِیۡنَ لَهُ الدِّین [بیّنہ:۵]

(اور ان لوگوں کو تو یہی حکم ہوا کہ اللہ کی بندگی کریں صرف اسی پر عقیدہ لائے ہوئے۔)

اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

إنّما الأعمالُ بالنيات، وَلِكُلّ امرِیءٍ مَانوی، فَمَن کانت هجرتُه
إلَی اللهِ ورسولِه فهجرتُه الی الله ورسولِهٖ، ومَن کانت هجرتُه الی دنیا
یُصِیبُهَا او امرأةٍ یَتزوَّجُها فهجرتُه الی مَاهَا جَرَ اِلَیه

(اعمال کا مدار نیتوں پر ہی ہے، ہر شخص کو نیت کا پھل ملتا ہے۔ جس کی ہجرت اللہ اور اس کے رسول کے لئے ہوتو یہ ہجرت اللہ اور اس کے رسول کے لیے ہی ہوگی۔ جس کی ہجرت حصول دنیا یا کسی عورت سے شادی کے لیے ہوتو اس کی ہجرت اسی کے لیے ہوگی جس کے لیے اس نے ہجرت کی)۔

ان ارشادات سے معلوم ہوا کہ اعمال ظاہری ہوں یا باطنی، سب کو دل کا عمل ہی سند قبول بخشتا ہے یا درجہ جرح پر لا کر گرا دیتا ہے۔ تو پھر واضح ہوا کہ صرف اور صرف دل کے حکم اور اس کے ارادے سے ہی سب اعضا میں حرکت وسکون کی جلوہ فرمائیاں ہوتی ہیں، خواہ ان حرکات وسکنات کا تعلق طاعت شرعیہ سے ہو یا معصیت سے، کیوں کہ دل میں ہی پہلے ایک ارادہ جنم لیتا ہے، اگر دل اسے پورا کرنے پر عزم راسخ کرے تو وہ اس عضو کو، جو اس ارادہ کو پورا کرسکتا ہے، دیکھتا ہے، اب دل اس عضو کو اس ارادے کو پورا کرنے کے لیے حرکت میں لے آتا ہے، خواہ طاعت کے لئے حرکت میں لائے یا نافرمانی کے لئے اور اسی عمل کی وجہ سے متعلقہ عضو پر ثواب دعتاب کا حکم کیا جاتا ہے۔ آپ ملاحظہ فرمائیں کہ بلاقصد غیر محرم عورت پر پہلی اور اچانک نظر کو جس میں دل کی نیت اور توجہ نہیں ہوتی، شریعت نے معاف قرار دے دیا ہے اور مواخذہ نہیں فرمایا۔ اسی طرح اگر کوئی شخص بھول کر قصد وارادہ کے بغیر کوئی عمل کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس عمل کو معاف فرما دیتا ہے۔ اسی طرح جب دل کسی معصیت کا قصد وارادہ کرتا ہے اور اس کے لیے اصرار نہیں کرتا تو جب تک اس پر عمل پیرا نہیں ہوگا یا ارادہ کو کلام کی شکل نہیں دے گا، اس سے محاسبہ نہیں کیا جائے گا۔ یہ تو تھی معاصی کی بات، لیکن اگر معاملہ طاعات کا ہے تو صرف نیت وقصد سے ہی مستحق ثواب ہوگا۔ اگر



معصیت پر قصد کے بعد عمل نہیں کیا تو یہ نیکی شمار ہوگی۔ جب یہ باتیں معلوم ہوئیں تو یہ بھی پتا چل گیا کہ دل بدن کا رئیس وامیر ہے اور اعضا کی جتنی کرامات بیان ہوئی ہیں، وہ دل کی طرف ہی لوٹتی ہیں۔ لیکن ان کے علاوہ دل کی اپنی مخصوص کرامات بھی تو ہیں، مثلاً یہ کرامت کہ اللہ برتر واعلیٰ اسے عالم اکبر میں ودیعت شدہ اسرار بتا دیتا ہے اور یہ کرامت کہ وہ علل واسباب اسے معلوم ہوجاتے ہیں جن کی وجہ سے کسی شی کا وجود ہوتا ہے، یا وہ مختلف جہانوں میں جس جہان سے بھی تعلق رکھتا ہے روحانی ہو یا غیر روحانی، سب کا اسے علم ہوجاتا ہے ان کے علاوہ اور کرامات بھی ہیں جن کا اپنی کتاب ''مواقع النجوم'' میں سیدی محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا ہے۔ (۱۰)

## معجزہ اور کرامت میں فرق:

اوپر ذکر کی ہوئی تفصیل سے معلوم ہوگیا کہ معجزہ اور کرامت دونوں کی حقیقت ایک ہی ہے، بس دونوں میں فرق صرف اس قدر ہے کہ خلاف عادت تعجب خیز چیزیں اگر کسی نبی سے ظہور پذیر ہوں، تو یہ معجزہ کہلائیں گی اور اگر ان چیزوں کا ظہور کسی ولی کی جانب سے ہوتو ان کو کرامت کہا جائے گا چنانچہ حضرت یافعی علیہ الرحمۃ نے اپنی کتاب ''نشر المحاسن الغالیۃ'' میں تحریر فرمایا ہے کہ امام الحرمین ابوبکر باقلانی وابوبکر بن فورک وحجۃ الاسلام امام غزالی وامام فخر الدین رازی وناصر الدین بیضاوی ومحمد بن عبدالملک سُلمی وناصر الدین طوسی وحافظ الدین نسفی وابوالقاسم قشیری ان تمام اکابر علمائے اہل سنت ومحققین ملت نے متفقہ طور پر یہی تحریر فرمایا کہ معجزہ اور کرامت میں یہی فرق ہے کہ خوارق عادات کا صدور وظہور کسی نبی سے ہوتو اس کو معجزہ کہا جائے گا، اور اگر کسی طرف سے ہوتو اس کو کرامت کے نام سے یاد کیا جائے گا، حضرت یافعی نے ان دس اماموں کے نام اور ان کتابوں کی عبارتیں نقل فرمانے کے بعد یہ ارشاد فرمایا کہ ان اماموں کے علاوہ دوسرے بزرگان ملت نے بھی یہی فرمایا ہے، لیکن علم و فضل اور تحقیق وتدقیق کے ان پہاڑوں کے نام ذکر کردینے کے بعد مزید محققین کے

ناموں کے ذکر کی کوئی ضرورت نہیں۔(۱۱)

**معجزہ ضروری اور کرامت ضروری نہیں:**

معجزہ اور کرامت میں ایک فرق یہ بھی ہے کہ ہر ولی کے لیے کرامت کا ہونا ضروری نہیں ہے مگر ہر نبی کے لئے معجزہ کا ہونا ضروری ہے، کیونکہ ولی کے لیے یہ لازم نہیں ہے کہ وہ اپنی ولایت کا اعلان کرے یا اپنی ولایت کا ثبوت دے بلکہ ولی کے لیے تو یہ بھی ضروری نہیں ہے کہ وہ خود بھی جانے کہ میں ولی ہوں، چنانچہ یہی وجہ ہے کہ بہت سے اولیا اللہ ایسے بھی ہوئے کہ ان کو اپنے بارے میں یہ معلوم ہی نہیں ہوا کہ وہ ولی ہیں، بلکہ دوسرے اولیائے کرام نے اپنے کشف وکرامت سے ان کی ولایت کو جانا پہچانا اور ان کے ولی ہونے کا چرچا کیا، مگر نبی کے لیے اپنی نبوت کا اثبات ضروری ہے اور چونکہ انسانوں کے سامنے نبوت کا اثبات بغیر معجزہ دکھائے ہو ہی نہیں سکتا، اس لئے ہر نبی کے لیے معجزہ کو ہونا ضروری اور لازمی ہے۔

**کرامت کی صورتیں:**

اولیائے کرام سے صادر وظاہر ہونے والی کرامتیں کتنے طرح کی ہیں؟ اور ان کی تعداد کتنی ہے؟ اس بارے میں علامہ تاج الدین سبکی علیہ الرحمۃ نے اپنی کتاب ''طبقات'' میں تحریر فرمایا کہ میرے خیال میں اولیائے کرام سے جتنی قسموں کی کرامتیں صادر ہوتی ہیں، ان قسموں کی تعداد ایک سو سے بھی زائد ہے، اس کے بعد علامہ موصوف نے قدرے تفصیل کے ساتھ کرامت کی پچیس قسموں کا بیان فرمایا ہے جن کو ہم ناظرین کی خدمت میں کچھ مزید تفصیل کے ساتھ پیش کرتے ہیں۔

۱۔ **مردوں کو زندہ کرنا:**

یہ وہ کرامت ہے کہ بہت سے اولیائے کرام سے اس کا صدور ہو چکا ہے، چنانچہ روایات صحیحہ سے ثابت ہے کہ ابو عبید بُسری جو اپنے دور کے مشاہیر اولیا میں



سے ہیں، ایک مرتبہ جہاد میں تشریف لے گئے، جب انہوں نے وطن کی طرف واپسی کا ارادہ فرمایا تو ناگہاں ان کا گھوڑا مر گیا مگر ان کی دعا سے اچانک ان کا مرا ہوا گھوڑا زندہ ہو کر کھڑا ہو گیا، اور وہ اس پر سوار ہو کر اپنے وطن ''بُسر'' پہنچ گئے اور خادم کو کہا کہ اس کی زین اور لگام اتار لے، خادم نے جوں ہی زین اور لگام کو گھوڑے سے جدا کیا، فوراً ہی گھوڑا مر کر گر پڑا۔

اسی طرح حضرت شیخ مُفرّج جو علاقہ مصر میں ''صعید'' کے باشندہ تھے، ان کے دستر خوان پر ایک پرندہ کا بچہ بھنا ہوا رکھا گیا، تو آپ نے فرمایا کہ ''تو خدا تعالیٰ کے حکم سے اڑ کر چلا جا'' ان الفاظ کا ان کی زبان سے نکلنا تھا کہ ایک لمحہ میں وہ پرندہ کا بچہ زندہ ہو گیا اور اڑ کر چلا گیا۔

اسی طرح حضرت شیخ اہدل علیہ الرحمۃ نے اپنی مری ہوئی بلی کو پکارا تو وہ دوڑتی ہوئی شیخ کے سامنے حاضر ہو گئی۔

اسی طرح حضرت غوث اعظم شیخ عبدالقادر جیلانی علیہ الرحمۃ نے دستر خوان پر پکی ہوئی مرغی کو تناول فرما کر اس کی ہڈیوں کو جمع فرمایا اور یہ ارشاد فرمایا کہ اے مرغی! تو اس اللہ کے حکم سے زندہ ہو کر کھڑی ہو جا جو سڑی گلی ہڈیوں کو زندہ فرمائے گا۔ زبان مبارک سے ان الفاظ کے نکلتے ہی مرغی زندہ ہو کر چلنے پھرنے لگی۔

اسی طرح شیخ زین الدین شافعی مدرس مدرسہ شامیہ نے اس بچے کو جو مدرسہ کی چھت سے گر کر مر گیا تھا، زندہ کر دیا۔

اسی طرح عام طور پر یہ مشہور ہے کہ بغداد شریف میں چار بزرگ ایسے ہوئے جو مادر زاد اندھوں اور کوڑھیوں کو خدائے تعالیٰ کے حکم سے شفا دیتے تھے، اور اپنی دعاؤں سے مردوں کو زندہ کر دیتے تھے، شیخ ابوسعد قیلوی و شیخ بقا ابن بطو و شیخ علی بن ابی نصر ہیتی و شیخ عبدالقادر جیلانی علیہم الرحمۃ والرضوان۔

### ۲- مردوں سے کلام کرنا:

کرامت کی یہ قسم بھی حضرت شیخ ابوسعید خرّاز اور حضرت غوث اعظم رضی اللہ عنہما وغیرہ بہت سے اولیائے کرام سے بارہا اور بکثرت منقول ہے۔

شیخ علی بن ابی نصر ہیتی کا بیان ہے کہ میں شیخ عبدالقادر جیلانی علیہ الرحمۃ کے ہمراہ حضرت معروف کرخی علیہ الرحمۃ کے مزار مبارک پر گیا اور سلام کیا تو قبر انور سے آواز آئی کہ علیک السلام یا سید اہل الزماں۔

شیخ علی بن ابی نصر ہیتی اور بقا بن بطو، یہ دونوں بزرگ حضرت غوث اعظم شیخ عبدالقادر جیلانی کے ساتھ حضرت امام احمد بن حنبل علیہ الرحمۃ کے مزار پر انوار پر حاضر ہوئے۔تو ناگہاں حضرت امام احمد بن حنبل علیہ الرحمۃ قبر شریف سے باہر نکل آئے اور فرمایا کہ اے عبدالقادر جیلانی! میں علم شریعت وطریقت اور علم قال وحال میں تمہارا محتاج ہوں۔

### ۳- دریاؤں پر تصرف:

دریا کا پھٹ جانا، دریا کا خشک ہوجانا، دریا پر چلنا بہت سے اولیائے کرام سے ان کرامتوں کا ظہور ہوا، بالخصوص سید المتاخرین حضرت تقی الدین بن دقیق العید علیہ الرحمۃ کے لئے تو ان کرامتوں کا بار بار ظہور عام طور پر مشہور خلائق ہے۔

### ۴- انقلاب ماہیت:

کسی چیز کی حقیقت کا ناگہاں بدل جانا، یہ کرامت بھی اکثر اولیائے کرام سے منقول ہے۔ چنانچہ شیخ عیسیٰ ہتار یمنی علیہ الرحمۃ کے پاس بطور مذاق کے کسی بد باطن نے شراب سے بھری دو مشکیں تحفہ میں بھیج دیں، آپ نے دونوں مشکوں کا منھ کھول کر ایک دوسرے میں شراب کو انڈیل دیا، پھر حاضرین سے فرمایا کہ آپ لوگ اس کو تناول فرمائیں۔حاضرین نے کھایا تو اتنا نفیس اور اس قدر عمدہ گھی تھا کہ عمر بھر



لوگوں نے اتنا عمدہ گھی نہیں کھایا۔

### ۵- زمین کا سمٹ جانا:

سیکڑوں ہزاروں میل کی مسافت کا چند لمحوں میں طے ہونا، یہ کرامت بھی اس قدر زیادہ اللہ والوں سے منقول ہے کہ اس کی روایات حد تواتر تک پہنچی ہوئی ہیں، چنانچہ طرطوس کی جامع مسجد میں ایک ولی تشریف فرما تھے، اچانک انہوں نے اپنا سر گریباں میں ڈالا اور پھر چند لمحوں میں گریبان سے سر نکالا تو وہ ایک دم حرم کعبہ میں پہنچ گئے۔

### ۶- نباتات سے گفتگو:

بہت سے حیوانات ونباتات اور جمادات نے اولیائے کرام سے گفتگو کی، جن کی حکایات بکثرت کتابوں میں مذکور ہیں، چنانچہ حضرت ابراہیم ادھم علیہ الرحمۃ بیت المقدس کے راستے میں ایک چھوٹے سے انار کے درخت کے سایہ میں اتر پڑے، تو اس درخت نے باآواز بلند کہا کہ اے ابواسحاق! آپ مجھے یہ شرف عطا فرمائیے کہ میرا ایک پھل کھا لیجئے، اس درخت کا پھل کھٹّا تھا، مگر درخت کی تمنا پوری کرنے کے لئے آپ نے اس کا ایک پھل توڑ کر کھایا، تو وہ نہایت ہی میٹھا ہو گیا، اور آپ کی برکت سے وہ سال میں دو بار پھلنے لگا اور وہ درخت اس قدر مشہور ہو گیا کہ لوگ اس کو "رُمَّانَةُ العابِدِيْن" (عابدون کا انار) کہنے لگے۔

### ۷- شفائے امراض:

اولیائے کرام کے لئے اس کرامت کا ثبوت بھی بکثرت کتابوں میں مرقوم ہے، چنانچہ حضرت سری سقطی علیہ الرحمۃ کا بیان ہے کہ ایک پہاڑ میں میں نے ایک ایسے بزرگ سے ملاقات کی جو اپاہجوں، اندھوں، اور دوسرے قسم قسم کے مریضوں کو خدا کے حکم سے شفایاب فرماتے تھے۔

**۸- جانوروں کا فرماں بردار ہو جانا:**

بہت سے بزرگوں نے اپنی کرامت سے خطرناک درندوں کو اپنا فرماں بردار بنالیا تھا۔ چنانچہ حضرت ابوسعید بن ابی الخیر مہینی علیہ الرحمۃ نے شیروں کو اپنا اطاعت گزار بنا رکھا تھا اور دوسرے بہت سے اولیا شیروں پر سواری فرماتے تھے جن کی حکایات مشہور ہیں۔

**۹- زمانہ کا مختصر ہو جانا:**

یہ کرامت بہت سے بزرگوں سے منقول ہے کہ ان کی صحبت میں لوگوں کو ایسا محسوس ہوا کہ پورا دن اس قدر جلدی گزر گیا کہ گویا گھنٹہ دو گھنٹہ کا وقت گزرا ہے۔

**۱۰- زمانہ کا طویل ہو جانا:**

اس کرامت کا ظہور سینکڑوں علما و مشایخ سے اس طرح ہوا کہ ان بزرگوں نے مختصر سے مختصر وقتوں میں اس قدر زیادہ کام کرلیا کہ دنیا والے اتنا کام مہینوں، بلکہ برسوں میں بھی نہیں کر سکتے۔ چنانچہ اما شافعی و حجۃ الاسلام امام غزالی و علامہ جلال الدین سیوطی و امام الحرمین شیخ محی الدین نووی (۱۲) وغیرہ علمائے دین نے اس قدر کثیر تعداد میں کتابیں تصنیف فرمائیں کہ اگر ان کی عمروں کا حساب لگایا جائے تو روزانہ اتنے زیادہ اوراق ان بزرگوں نے تصنیف فرمائے کہ کوئی اتنے زیادہ اوراق کو اتنی قلیل مدت میں نقل بھی نہیں کرسکتا حالانکہ یہ اللہ والے تصنیف کے علاوہ دوسرے مشاغل بھی رکھتے تھے اور نفلی عبادتیں بھی بہ کثرت کرتے رہتے تھے۔ اسی طرح منقول ہے کہ بعض بزرگوں نے دن رات میں آٹھ آٹھ ختم قرآن مجید کی تلاوت کرلی ہے۔ ظاہر ہے کہ ان بزرگوں کے اوقات میں اس قدر اور اتنی زیادہ برکت ہوئی ہے کہ جس کو کرامت کے سوا اور کیا کہا جا سکتا ہے۔

**۱۱- مقبولیّت دعا:**

یہ کرامت بھی بہت زیادہ بزرگوں سے منقول ہے۔



**۱۲- خاموشی و کلام پر قدرت:**

بعض بزرگوں نے برسوں تک کسی انسان سے کلام نہیں کیا اور بعض بزرگوں نے نمازوں اور ضروریات کے علاوہ کئی کئی دنوں تک مسلسل وعظ فرمایا اور درس دیا ہے۔

**۱۳- دلوں کو اپنی طرف کھینچ لینا:**

سینکڑوں اولیائے کرام سے یہ کرامت صادر ہوئی کہ جن بستیوں یا مجلسوں میں لوگ ان سے عداوت و نفرت رکھتے تھے، جب ان حضرات نے وہاں قدم رکھا تو ان کی توجہات سے ناگہاں سب کے دل ان کی محبت سے لب ریز ہوگئے اور سب کے سب پروانوں کی طرح ان کے قدموں پر نثار ہونے لگے۔

**۱۴- غیب کی خبریں:**

اس کے بے شمار نظائر موجود ہیں کہ اولیائے کرام نے دلوں میں چھپے ہوئے خیالات و خطرات کو جان لیا اور لوگوں کو غیب کی خبریں دیتے رہے اور ان کی پیشین گوئیاں سو فی صدی صحیح ہوتی رہیں۔

**۱۵- بغیر کھائے پیے زندہ رہنا:**

ایسے بزرگوں کی فہرست بہت ہی طویل ہے جو ایک مدت دراز تک بغیر کچھ کھائے پیے زندہ رہ کر عبادتوں میں مصروف رہے اور انھیں کھانا یا پانی چھوڑ دینے سے ذرّہ برابر کوئی ضُعف بھی لاحق نہیں ہوا۔

**۱۶- نظام عالم میں تصرفات:**

منقول ہے کہ بہت سے بزرگوں نے شدید قحط کے زمانے میں آسمان کی طرف انگلی اٹھا کر اشارہ فرمایا تو ناگہاں آسمان سے موسلا دھار بارش ہونے لگی، اور مشہور ہے کہ حضرت شیخ ابوالعباس شاطر علیہ الرحمۃ تو درہموں کے بدلے بارش

فروخت کیا کرتے تھے۔

**۱۷- بہت زیادہ مقدار میں کھالینا:**

بعض بزرگوں نے جب چاہا بیسیوں آدمیوں کی خوراک اکیلے کھا گئے اور انھیں کوئی تکلیف بھی نہیں ہوئی۔

**۱۸- حرام غذاؤں سے محفوظ:**

بہت سے اولیائے کرام کی یہ کرامت مشہور ہے کہ حرام غذاؤں سے وہ ایک خاص قسم کی بد بو محسوس کرتے تھے، چنانچہ حضرت شیخ حارث محاسبی علیہ الرحمۃ کے سامنے جب بھی کوئی حرام غذا لائی جاتی تھی، تو انھیں اس غذا سے ایسی ناگوار بدبو محسوس ہوتی تھی کہ وہ اس کو ہاتھ نہیں لگا سکتے تھے۔ اور یہ بھی منقول ہے کہ حرام غذا کو دیکھتے ہی ان کی ایک رگ پھڑکنے لگتی تھی۔ چنانچہ منقول ہے کہ حضرت شیخ ابوالعباس مرسی کے سامنے لوگوں نے امتحان کے طور پر حرام کھانا رکھ دیا تھا، تو آپ نے فرمایا: اگر حرام غذا کو دیکھ کر حارث محاسبی علیہ الرحمہ کی ایک رگ پھڑکنے لگتی تھی، تو میرا یہ حال ہے کہ حرام غذا کے سامنے میری ستّر رگیں پھڑکنے لگتی ہیں۔

**۱۹- دور کی چیزوں کو دیکھ لینا:**

چنانچہ شیخ ابواسحاق شیرازی علیہ الرحمہ کی یہ مشہور کرامت ہے کہ وہ بغداد شریف میں بیٹھے ہوئے کعبہ مکرمہ کو دیکھا کرتے تھے۔

**۲۰- ہیبت ودبدبہ:**

بعض اولیائے کرام سے اس کرامت کا صدور اس طور ہوا کہ ان کی صورت دیکھ کر بعض لوگوں پر اس قدر خوف و ہراس طاری ہوا کہ ان کا دم نکل گیا۔ چنانچہ حضرت خواجہ بایزید بسطامی علیہ الرحمہ کی ہیبت سے ان کی مجلس میں ایک شخص مرگیا۔



**۲۱- مختلف صورتوں میں ظاہر ہونا:**

اس کرامت کو صوفیائے کرام کی اصطلاح میں ''خلع ولبس'' کہتے ہیں، یعنی ایک شکل کو چھوڑ کر دوسری شکل میں ظاہر ہوجانا۔ حضرات صوفیا کا قول ہے کہ عالم ارواح اور عالم اجسام کے درمیان ایک تیسرا عالم بھی ہے جس کو عالم مثال کہتے ہیں۔ اس عالم مثال میں ایک ہی شخص کی روح مختلف جسموں میں ظاہر ہوجایا کرتی ہے۔ چنانچہ ان لوگوں نے قرآن مجید کی آیت کریمہ ''فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا'' سے استدلال کیا ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام حضرت بی بی مریم کے سامنے ایک تن درست، جوان آدمی کی صورت میں ظاہر ہوگئے تھے۔ یہ واقعہ عالم مثال میں ہوا تھا۔

یہ کرامت بہت سے اولیا نے دکھائی ہے۔ چنانچہ حضرت قضیب البان موصلی علیہ الرحمۃ جن کا اولیا کے طبقۂ ابدال میں شمار ہوتا ہے، کسی نے آپ پر یہ تہمت لگائی کہ آپ نماز نہیں پڑھتے۔ یہ سن کر آپ جلال میں آگئے اور فوراً ہی اپنے آپ کو اس کے سامنے چند صورتوں میں ظاہر کیا اور پوچھا کہ بتا! تو نے کس صورت میں مجھ کو ترک نماز کرتے ہوئے دیکھا ہے۔

اسی طرح منقول ہے کہ حضرت مولانا یعقوب چرخی علیہ الرحمۃ جو مشائخ نقشبندیہ میں بہت ہی ممتاز بزرگ ہیں، جب حضرت خواجہ عبیداللہ احرار علیہ الرحمۃ ان کی خدمت میں بیعت کے لئے حاضر ہوئے تو حضرت مولانا یعقوب چرخی علیہ الرحمۃ کے چہرۂ اقدس پر ان کو داغ دھبّے نظر آئے جس سے ان کے دل میں کچھ کراہت پیدا ہوئی۔ تو اچانک آپ ان کے سامنے ایک ایسی نورانی شکل میں ظاہر ہوگئے کہ بے اختیار حضرت خواجہ عبیداللہ احرار علیہ الرحمہ کا دل ان کی طرف مائل ہوگیا اور وہ فوراً ہی بیعت ہوگئے۔

**۲۲- دشمنوں کے شر سے بچنا:**

خداوند قدوس نے بعض اولیائے کرام کو یہ کرامت بھی عطا فرمائی ہے کہ ظالم، اُمرا و سلاطین نے جب ان کے قتل یا ایذا رسانی کا ارادہ کیا تو غیب سے ایسے

اسباب پیدا ہوگئے کہ وہ ان کے شر سے محفوظ رہے، جیسا کہ حضرت امام شافعی علیہ الرحمہ کو خلیفہ بغداد ہارون رشید نے ایذا رسانی کے خیال سے دربار میں طلب کیا، مگر جب وہ سامنے گئے تو خلیفہ خود ایسی پریشانیوں میں مبتلا ہوگیا کہ ان کا کچھ نہ بگاڑ سکا۔

**۲۳- زمین کے خزانوں کو دیکھنا:**

بعض اولیائے کرام کو یہ کرامت ملی ہے کہ وہ زمین کے اندر چھپے ہوئے خزانوں کو دیکھ لیا کرتے تھے، اور اس کو اپنی کرامت سے باہر نکال لیتے تھے، چنانچہ شیخ ابو تراب علیہ الرحمۃ نے ایک ایسے مقام پر جہاں پانی نایاب تھا، زمین پر ایک ٹھوکر مار کر پانی کا چشمہ جاری کر دیا۔

**۲۴- مشکلات کا آسان ہو جانا:**

یہ کرامت بزرگان دین سے بار بار اور بے شمار مرتبہ ظاہر ہو چکی ہے۔ جس کی سینکڑوں مثالیں ''تذکرۃ الاولیا'' وغیرہ مستند کتابوں میں مذکور ہیں۔

**۲۵- مہلکات کا اثر نہ کرنا:**

چنانچہ مشہور ہے کہ ایک بد باطن بادشاہ نے کسی خدا رسیدہ بزرگ کو گرفتار کیا اور انھیں مجبور کر دیا کہ وہ کوئی تعجب خیز کرامت دکھائیں، ورنہ انھیں اور ان کے ساتھیوں کو قتل کر دیا جائے گا۔ آپ نے اونٹ کی مینگنیوں کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ ان کو اٹھا لاؤ اور دیکھو کہ وہ کیا ہیں؟ جب لوگوں نے ان کو اٹھا کر دیکھا تو وہ خالص سونے کے ٹکڑے تھے۔ پھر آپ نے ایک خالی پیالے کو اٹھا کر گھمایا اور اوندھا کر کے بادشاہ کو دیا تو وہ پانی سے بھرا ہوا تھا اور اوندھا ہونے کے باوجود اس میں سے ایک قطرہ بھی پانی نہیں گرا۔ یہ دو کرامتیں دیکھ کر بدعقیدہ بادشاہ کہنے لگا۔ یہ سب نظر بندی کے جادو کا کرشمہ ہے۔ پھر بادشاہ نے آگ جلانے کا حکم دیا۔ جب آگ کے شعلے بلند ہوئے، تو بادشاہ نے مجلس سماع منعقد کرائی۔ جب ان درویشوں کو سماع سن کر جوشِ



وجد میں حال آ گیا، تو یہ سب لوگ جلتی ہوئی آگ میں داخل ہو کر رقص کرنے لگے۔ پھر ایک درویش بادشاہ کے بچے کو گود میں لے کر آگ میں کود پڑا اور تھوڑی دیر تک بادشاہ کی نظروں سے غائب ہوگیا۔ بادشاہ اپنے بچے کے فراق میں بے چین ہوگیا، مگر پھر چند منٹوں میں درویش نے بادشاہ کے بچے کو اس حال میں بادشاہ کی گود میں ڈال دیا کہ بچے کے ایک ہاتھ میں سیب اور دوسرے ہاتھ میں انار تھا، بادشاہ نے پوچھا کہ بیٹا تم کہاں چلے گئے تھے؟ تو اس نے کہا کہ میں ایک باغ میں تھا، جہاں سے میں یہ پھل لایا ہوں، یہ دیکھ کر بھی ظالم و بدعقیدہ بادشاہ کا دل نہیں پسیجا اور اس نے اس بزرگ کو بار بار زہر کا پیالہ پلایا۔ مگر ہر مرتبہ زہر کے اثر سے اس بزرگ کے کپڑے پھٹتے رہے اور ان کی ذات پر زہر کا کوئی اثر نہ ہوا۔

کرامت کی یہ وہ پچیس شکلیں ہیں اور ان کی چند مثالیں ہیں، جن کو علامہ تاج الدین سُبکی علیہ الرحمۃ نے اپنی کتاب ''طبقات'' میں تحریر فرمایا، ورنہ اس کے علاوہ کرامات کی بہت سی قسمیں ہیں اور ان کی مثالیں اس قدر زیادہ تعداد میں ہیں کہ اگر ان کو جمع کیا جائے تو ہزاروں اوراق کا ایک ضخیم دفتر تیار ہو سکتا ہے۔ مگر بطور مثال جس قدر ہم نے یہاں تحریر کر دیا وہ طالب حق کی تسکین روح اور اطمینان قلب کے لئے بہت کافی ہے، رہ گئے بدعقیدہ منکرین تو ان کی ہدایت کے لئے دلائل تو کیا؟ دور رسالت میں ان کے لیے معجزہ ''شق القمر'' بھی سود مند نہیں ہوا۔ (۱۳)

## کرامت کی قسمیں:

حضرت شیخ اکبر محی الدین ابن عربی الفتوحات المکیۃ میں فرماتے ہیں:

کرامت حق تعالیٰ کی طرف سے ہے، یہ اس کے اسم مبارک ''البرُّ'' کی برکات ہیں۔ اس لیے یہ ''ابرار'' کے حصے میں پورے جمال کے ساتھ جلوہ ریز ہوتی ہے۔ اس لئے کہ مناسبت اس بات کی متقاضی ہے کہ ''بر'' کے احسانات ابرار تک

پہنچیں، اگر چہ انہیں خود کرامت کی طلب نہ ہو۔

کرامت کی دو قسمیں ہیں، ایک حسّی، دوسری معنوی۔عوام صرف حسّی ہی کو کرامت جانتے ہیں جیسے دل کی باتوں پر مطلع ہونا، ماضی، حال اور استقبال کی اطلاع دینا، پانی پر چلنا، ہوا میں اڑنا، زمین کا لپٹ جانا، نظروں سے اوجھل ہو جانا، دعا کا فوراً قبول ہونا، عوام صرف اسی طرح کی چیزوں کو کرامت سمجھتے ہیں۔

### معنوی کرامات:

معنوی کرامتوں کو اللہ تعالیٰ کے خاص بندے ہی سمجھ سکتے ہیں، عوام کی وہاں تک رسائی نہیں ہوتی۔ معنوی کرامات یہ ہیں آداب شریعت اس بندۂ حق کے لئے محفوظ ہو جاتے ہیں۔ مکارم اخلاق کو سامنے لانے کی اسے توفیق ملتی ہے۔ بداخلاقی سے پرہیز کرتا ہے۔ واجبات کی مطلقاً ان کے اوقات میں پابندی کے ساتھ ادائیگی کرتا ہے۔ خیرات وحسنات کی طرف جلدی کرتا ہے۔ اس کا سینہ بغض وحسد، کینہ، بدگمانی اور ہر بری صفت سے پاک ہوتا ہے۔ انفاس قدسیہ کے ساتھ اسے مراقبہ کرنے کا شرف حاصل ہوتا ہے۔ وہ اپنی ذات اور دیگر اشیا میں حقوق اللہ کی رعایت کو اپنا شعار بنالیتا ہے۔ وہ اپنے دل میں اپنے مولیٰ کے آثار رحمت کو تلاش کرتا ہے۔ وہ سانسوں کے آتے جاتے پوری مراعات سے کام لیتا ہے۔ جب سانس آئے تو ادب سے اسے قبول کرتا ہے اور جب سانس نکلے تو اسے خلعت حضوری حاصل ہوتی ہے۔

یہ سب کرامات معنویہ ہمارے نزدیک اولیا کی کرامتیں ہیں، ان میں مکر کا دخل ہے نہ استدراج کا۔ یہ سب وفائے عہد کی دلیلیں ہیں کہ مقصود ٹھیک ہے اور مطلوب کے عدم حصول میں رضا بالقضا ہے اور پریشانی آنے کی صورت میں بھی اللہ تعالیٰ کے فیصلہ پر شاکر۔ ایسا ولی ان کرامات میں صرف مقرب فرشتوں اور برگزیدہ منتخب اولیاء اللہ کو ہی شریک کرتا ہے۔



### حسّی کرامات:

کرامت حسّی جسے عام لوگ کرامات سمجھتے ہیں، اس میں مکر خفی کا داخل ہونا ممکن ہے۔ اگر ہم انھیں کرامت فرض کریں تو ضروری ہے کہ استقامت کا نتیجہ ہو یا استقامت پیدا کرنے کا ذریعہ ہو۔ اگر ایسا نہیں تو پھر وہ کرامت بھی نہیں۔ جب کرامت کا نتیجہ استقامت ہو تو ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے عمل کا حصّہ یا فعل کی جزا بنادے، اور جب کسی سے یہ ظہور پذیر ہیں تو ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی وجہ سے محاسبہ فرمائے۔ (۱۴)

### اصل کرامات، کرامات معنوی ہیں:

حضرت ابوالقاسم قشیری رضی اللہ عنہ رسالۂ مبارک قشیریہ میں، سیدی ابوالعباس احمد بن محمد الآدمی معاصر سیدنا جنید بغدادی قدس سرہما کا فرمان نقل کرتے ہیں:

”مَنْ أَلْزَمَ نفسَها آدابَ الشريعةِ نَوَّرَ الله قلبَه بنور المعرفة، ولامقام أشرف من مقام مُتابعةِ الحبيب فى أوامره وأفعاله وأخلاقه“

”جو اپنے اوپر آداب شریعت لازم کرے اللہ تعالیٰ اس کے دل کو نور معرفت سے روشن کردے گا۔ اور کوئی مقام اس سے بڑھ کر معظم نہیں کہ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے احکام، افعال، عادات سب میں حضور کی پیروی کی جائے“۔ (۱۵)

حضرت بایزید بسطامی قدس سرہ فرماتے ہیں:

”اگر تم کسی شخص کو دیکھو کہ ایسی کرامت دی گئی کہ ہوا پر چار زانو بیٹھ سکے تو اس سے فریب نہ کھانا جب تک یہ نہ دیکھو کہ فرض وواجب، مکروہ وحرام اور محافظت حدود وآداب شریعت میں اس کا حال کیسا ہے۔“ (۱۶)

## حضرت خواجہ غریب نواز کی معنوی کرامتیں:

حضرت خواجہ غریب نواز علیہ الرحمۃ والرضوان کی پاکیزہ زندگی پر نگاہ ڈالئے تو وہ مکمل طور سے شریعت کے معیار پر پوری اترتی نظر آتی ہے۔ان کے فکر وخیال اور عقائد و اعمال غرض کہ زندگی کے تمام گوشوں میں شرعی احکام کا پورا پورا پاس ولحاظ ملتا ہے۔اب ذیل میں اس کے کچھ شواہد پیش کیے جاتے ہیں۔

## محبت الٰہی:

حضرت خواجہ غریب نواز رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا دل محبت الٰہی سے معمور تھا۔ جس کا اثر ان کے اعمال وافعال، حرکات وسکنات اور خود ان کے اقوال وملفوظات سے ظاہر ہوتا تھا۔صوفیۂ کرام اور مشائخ طریقت کی بارگاہوں میں ''حُبِّ الٰہی'' کی خصوصی تعلیم ہوتی تھی اور وہ اپنے مریدین ومسترشدین کو خصوصی تربیت فرما کر انھیں ''حبّ الٰہی'' کا خوگر بنا دیتے تھے۔حضرت خواجہ غریب نواز کو یہ دولت اپنے پیرومرشد حضرت خواجہ عثمان ہارونی رضی اللہ عنہ کی بارگاہ سے ملی تھی، اسی لئے ان کی ذات پر حُبِّ الٰہی کا غلبہ رہا کرتا تھا، اور کبھی یہ آتشِ محبت اتنی تیز ہوجاتی کہ وہ پند ونصائح کی شکل اختیار کر کے آپ کی زبان پر آجاتی۔ایک موقع پر اپنے مرید حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی علیہ الرحمۃ والراضوان سے فرمایا:

''عاشق کا دل محبت کی آگ میں جلتا رہتا ہے، لہٰذا جو کچھ بھی اس دل میں آئے گا جل جائے گا اور نابود ہوجائے گا۔کیوں کہ آتش محبت سے زیادہ تیزی کسی آگ میں نہیں''۔فرمایا:''بہتی ندیوں کا شور سنو، کس طرح شور کرتی ہیں، لیکن جب سمندر میں پہنچتی ہیں بالکل خاموش ہوجاتی ہیں۔''

اور فرمایا:''میں نے خواجہ عثمان ہارونی کی زبانی سنا، فرماتے تھے کہ انسان مستحق فقر اس وقت ہوتا ہے جب کہ اس عالم فانی میں اس کا کچھ بھی باقی نہ رہے، محبت کی علامت یہ ہے کہ فرماں بردار رہتے ہوئے اس بات سے ڈرتے رہو کہ محبوب تمہیں دوستی سے جدا نہ کردے۔''



اور فرمایا:''محبت میں عارف کا کم سے کم مرتبہ یہ ہے کہ صفات حق اس کے اندر پیدا ہوجائیں، اور محبت میں عارف کا درجۂ کامل یہ ہے کہ اگر کوئی اس کے مقابلہ پر دعویٰ کر کے آئے تو وہ اپنی قوت وکرامت سے اسے گرفتار کرے''۔

اور فرمایا:''درویش وہ ہے کہ جس کے پاس جو بھی حاجت لے کر آئے تو اسے خالی ہاتھ اور معدوم واپس نہ کرے اور عارف راہ محبت میں ایسا شخص ہے جو دوعالم سے دل ہٹالے۔''(۱۷)

## عشق رسول:

عشق رسول اہل ایمان کی غذائے روح بلکہ جانِ ایمان ہے، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کے بغیر ایمان کا تصور ہی نہیں کیا جاسکتا۔خود حدیث پاک میں ارشاد ہوا:

لایُؤمِنُ أحدُکُم حتی أکُونَ أحَبَّ إلیه من والدِه وولدِه والناسِ أجمعین، متفق علیہ(۱۸)

(تم میں سے کوئی مومن نہیں ہوسکتا یہاں تک میں اس کے نزدیک اس کے باپ، اولاد اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہوجاؤں)۔یہی وجہ ہے کہ صحابۂ کرام عشقِ رسول کو اپنی جان سے زیادہ عزیز سمجھتے تھے اور اولیائے کرام اُسے''حرزِ جان'' بنائے رہے۔

حضرت خواجہ تمام عمر عشق الٰہی میں وارفتہ اور بےخود رہنے کے ساتھ محبت رسول کے نشے میں بھی سرشار رہے، اپنے ملفوظات میں رسول اللہ صلی علیہ وسلم کا ذکر بہت ہی والہانہ انداز میں فرماتے تھے، اور اکثر حدیث نبوی بیان فرما کر رونے لگتے

تھے، ایک جگہ ملفوظات میں فرمایا: کہ ''افسوس ہے اس شخص پر جو قیامت کے دن آپ سے شرمندہ ہوگا، اس کی جگہ کہاں ہوگی، جو آپ سے شرمندہ ہوگا، وہ کہاں جائے گا، یہ فرما چکے تو ہائے ہائے کر کے رو پڑے''۔(۱۹)

**ریاضت ومجاہدہ:**

قرآن کریم میں ارشاد ہے: وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا، وَاِنَّ اللهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ [ العنکبوت:۶۹]

(ترجمہ: اور جنھوں نے ہماری راہ میں کوشش کی ضرور ہم انھیں اپنے راستے دکھادیں گے اور بے شک اللہ نیکوں کے ساتھ ہے۔)

اس فرمانِ الٰہی پر خواجہ صاحب کا بھرپور عمل تھا۔ اسی لیے آپ نے ریاضت ومجاہدہ کی دشوار گزار راہوں سے اپنے آپ کو گزارا اور وعدۂ الٰہی کے مطابق رشدوہدایت کی بے بہا دولتوں سے بہرہ ور ہوئے۔ اسی لیے آپ کا معمول یہ تھا کہ رات کو کم سوتے اور بالعموم عشا کے وضو سے فجر کی نماز ادا کرتے تھے، کلام پاک ایک بار دن میں اور ایک بار رات میں ختم کرتے، مجاہدہ کے ابتدائی دور میں جب کسی شہر میں وارد ہوتے تو قبرستان میں قیام فرماتے۔ مگر جب لوگوں کو ان کی خبر ہوجاتی تو وہاں توقف نہ کرتے اور چپ چاپ کسی طرف روانہ ہوجاتے۔(۲۰)

حضرت میر سیّد عبدالواحد بلگرامی علیہ الرحمۃ والرضوان رقم طراز ہیں:

''ستّر سال تک آپ نے آرام نہ کیا، اور نہ پُشت زمین سے لگائی۔ ستّر سال تک آپ کا وضو سوا حاجت انسانی کے نہ ٹوٹا، آنکھیں عموماً بند رکھتے، نماز کے وقت کھولتے اور شیخ کی نظر جس پر پڑ جاتی ولی اللہ ہوجاتا۔(۲۱)

دلیل العارفین میں خود حضرت خواجہ غریب نواز رضی اللہ عنہ کا یہ بیان موجود ہے:

جب شیخ الاسلام سلطان المشائخ خواجہ عثمان ہارونی نوّر اللہ مرقدہ کا مرید ہوا



تو آٹھ سال تک آپ کی خدمت میں ایک دم بھی آرام نہ کیا۔ نہ دن دیکھتا نہ رات، جہاں آپ سفر کو جاتے سونے کے کپڑے اور توشہ اٹھا کر ہمراہ ہوتا۔ جب میری خدمت دیکھی، ایسی نعمت عطا فرمائی جس کی کوئی انتہا نہیں۔''(۲۲)

**نماز کا اہتمام:**

حضرت خواجہ صاحب علیہ الرحمۃ والرضوان خود نمازوں کو پابندی کے ساتھ مقرر اوقات میں ادا فرماتے اور اپنے مریدین ومسترشدین کو بھی پابندی کے ساتھ ادا کرنے کی نصیحت فرماتے تھے۔ دلیل العارفین، مجلسِ دہم میں خود آپ کا یہ قول مذکور ہے کہ ''تصوّف رسوم ہے نہ کہ علوم''۔(۲۳) یعنی تصوف اور اہلِ تصوّف عمل سے تعلّق رکھتے ہیں، صرف علم سے نہیں۔ اس لیے خواجہ صاحب کے ملفوظات میں نماز کی پابندی کی جس قدر سختی کے ساتھ تاکید ملتی ہے، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ اس سے کہیں زیادہ اس پر کاربند تھے۔ بلکہ آپ کے یہاں تو فرائض کے علاوہ نفل نمازوں کی بھی تاکید ملتی ہے۔

عملی طور پر آپ کا حال یہ تھا کہ ''عموماً باوضو رہتے، رات کو کم سوتے اور عشا کے وضو سے فجر کی نماز ادا فرماتے تھے۔''

اور نماز جیسے اہم العبادات فریضہ کے تعلق سے آپ کا نظریہ اور عقیدہ دلیل العارفین میں مذکور آپ کے درج ذیل ملفوظات سے واضح ہوتا ہے۔

ایک موقع پر فرمایا: ''نماز ایک امانت ہے جو اللہ تعالیٰ نے بندوں کے سپرد کی ہے تو بندوں پر لازم ہے کہ امانت میں کسی قسم کی خیانت نہ کریں''۔

پھر فرمایا کہ: ''انسان نماز ادا کرے تو رکوع اور سجود کما حقہ بجالائے اور ارکان نماز اچھی طرح ملحوظ رکھے۔''

پھر فرمایا کہ: ''میں نے صلوٰۃ مسعودی میں لکھا دیکھا ہے کہ جب لوگ نماز

اچھی طرح ادا کرتے ہیں اور اس کے تمام حقوق بجالاتے ہیں اور رکوع وسجود اور قراءت تو تسبیح کو ملحوظ رکھتے ہیں تو فرشتے اس نماز کو آسمان پر لے جاتے ہیں پھر اس نماز سے ایک نور پھیلتا ہے اور آسمان کے دروازے کھل جاتے ہیں، پھر جب وہ نماز عرش کے نیچے لائی جاتی ہے تو حکم ہوتا ہے کہ سجدہ کر، اور نماز ادا کرنے والے کے لئے بخشش مانگ، کیوں کہ وہ تیرے حقوق اچھی طرح بجالایا ہے...... پھر خواجہ صاحب روئے اور فرمایا کہ یہ تو اچھی نماز ادا کرنے والوں کے حق میں ہے لیکن جو ارکان نماز کو بخوبی ملحوظ نہیں رکھتے جب ان کی نماز کو فرشتے آسمان پر لے جانا چاہتے ہیں تو آسمان کے دروازے نہیں کھلتے اور حکم ہوتا ہے کہ اس نماز کو لے جا کر اسی نمازی کے منہ پر ماردو پھر نماز زبان حال سے کہتی ہے کہ جس طرح تو نے مجھے ضائع کیا ہے، اللہ تعالیٰ تجھے ضائع کرے''۔

پھر فرمایا ''میں نے خواجہ عثمان ہارونی کی زبان سے سنا ہے کہ قیامت کے روز سب سے پہلے نماز کا حساب انبیاء، اولیا اور ہر مسلمان سے ہوگا جو اس حساب سے عہدہ برآ نہیں ہوسکے گا وہ عذاب دوزخ میں مبتلا ہوگا''۔

پھر فرمایا کہ ''ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ میں شام کے قریب ایک شہر میں تھا، جس کا نام میری یاد سے اتر گیا ہے۔ اس کے باہر ایک غار تھا جس میں ایک بزرگ شیخ اوحد محمد الواحد غزنوی رہتے تھے، اور جس کے وجود مبارک پر چمڑا ہی چمڑا تھا۔ سجادے پر بیٹھے ہوئے تھے اور دو شیر ان کے پاس کھڑے تھے۔ میں شیروں کے ڈر سے پاس نہ جاسکتا تھا۔ جب ان کی نگاہ مجھ پر پڑی تو فرمایا۔ آجاؤ۔ ڈرو نہیں۔ جب میں پاس گیا تو آداب بجالا کر بیٹھ گیا۔

پہلی بات جو بزرگ نے مجھ سے کی، وہ یہ ہے کہ اگر تو کسی کا ارادہ نہ کرے گا تو وہ تیرا بھی ارادہ نہ کرے گا۔ یعنی شیر کی کیا ہستی ہے کہ تو اس سے ڈرتا ہے۔ پھر فرمایا کہ جب تیرے دل میں خوف خدا ہوگا، تمام تجھ سے ڈریں گے۔ شیر کی کیا حقیقت



ہے۔ وہ لوگوں سے بھی نہیں ڈرے گا۔ اس قسم کی بہت سی باتیں بیان فرمائیں۔ پھر پوچھا، کہاں سے آنا ہوا، عرض کی بغداد سے، فرمایا آنا مبارک ہو۔ لیکن لازم ہے کہ تو درویشوں کی خدمت کرے، تاکہ بزرگ بن جائے۔ لیکن سنو! مجھے اس غار میں رہتے ہوئے کئی ایک سال گزر گئے، اور تمام خلقت سے گوشہ نشینی اور تنہائی اختیار کی ہے۔ لیکن تیس سال سے ایک چیز کے سبب رو رہا ہوں۔ اس ڈر سے دن رات روتا ہوں۔ میں نے پوچھا وہ کیا؟ فرمایا جب میں نماز ادا کرتا ہوں تو اپنے آپ کو دیکھ کر روتا ہوں کہ اگر ذرّہ برابر شرط نماز ادا نہ ہوئی تو سب کچھ ضائع جائے گا۔ اسی وقت یہ طاعت میرے منہ پر دے ماریں گے۔ پس اے درویش! اگر تو نماز کے حق سے عہدہ برآ ہوجائے تو واقعی تو نے بڑا کام کیا ہے۔ نہیں تو، تو اپنی عمر ضائع کرے گا۔ پھر یہ حدیث بیان فرمائی کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ کے نزدیک کوئی گناہ دنیا میں، اور کوئی دشمن قیامت میں اس سے بڑھ کر نہیں کہ نماز کو باشرائط ادا نہ کیا جائے۔

پھر فرمایا کہ میرے بدن پر جو ہڈی اور چمڑا دکھائی دیتا ہے، یہ اسی کے سبب سے ہے۔ مجھے معلوم نہیں کہ آیا مجھ سے نماز کا حق ادا ہوا بھی ہے یا نہیں؟ یہ بات کہتے ہوئے ایک سیب اٹھایا جوان کے پاس ہی تھا۔ ان کی ساری گفتگو کا لب لباب یہ تھا کہ نماز کا عہدہ بڑا بزرگ عہدہ ہے۔ اگر سلامتی کے ساتھ اس سے عہدہ برآ ہوسکے تو خلاصی پاجاتا ہے، نہیں تو شرمندہ رہتا ہے اور چہرہ کسی کو نہیں دکھلا سکتا۔

پھر خواجہ صاحب نے آب دیدہ ہوکر فرمایا کہ اے درویش! نماز دین کا رکن ہے: اور رکن ستون ہوتا ہے۔ تو جب ستون قائم ہوگا، گھر بھی قائم ہوگا۔ اور جب ستون نکل جائے گا تو چھت فوراً گر پڑے گی۔ چوں کہ اسلام اور دین کے لیے نماز بہ منزلہ ستون ہے۔ جب نماز کے اندر فرض، سنت، رکوع اور سجود میں خلل آئے گا تو حقیقت اسلام اور دین وغیرہ خراب ہوجائیں گے۔

بعد ازاں فرمایا کہ صلوٰۃ مسعودی کی شرح میں امام زاہد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے کسی عبادت میں ایسی تاکید وتشدید نہیں کی جیسی کہ نماز کے بارے میں۔'' (۲۴)

دلیل العارفین کی مجلس ہشتم میں حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی علیہ الرحمہ نے اوراد وظائف اور معمولات سے متعلق خواجہ صاحب کے ارشادات نقل کیے ہیں اور اسی ضمن میں لکھا ہے کہ حضرت خواجہ صاحب نے فرمایا: ''جو شخص کوئی وظیفہ مقرر کرے اسے روزانہ پڑھنا چاہئے۔ پھر ارشاد فرمایا کہ انبیا و اولیا و مشائخ اور مردانِ خدا کا جو وظیفہ ہوتا ہے وہ برابر پڑھتے ہیں اور جو کچھ اپنے پیروں سے سنتے ہیں بجالاتے ہیں'...... پھر فرمایا:

''جو ورد ہمارے خواجگان سے منقول ہے ہم پڑھتے ہیں، تم بھی پڑھا کرو، تاکہ وظیفہ میں ناغہ نہ ہو اور جب اٹھو تو دائیں پہلو اٹھو، اور بسم اللہ پڑھ کر باشرائط وضو کرو، پھر دوگانہ ادا کر کے مصلّے پر بیٹھو اور سورۂ بقرہ کی چند آیتیں اور سورۂ انعام کی ستر آیتیں پڑھ کر سو بار ''لَااِلٰہَ اِلّا اللہُ، محمّدٌ رسولُ اللّٰہ'' پڑھو، پھر صبح کی نماز کی سنتیں اس طرح ادا کرو کہ پہلی رکعت میں سورۂ فاتحہ اور اَلَمْ نَشْرَحْ اور دوسری رکعت میں سورۂ فاتحہ اور اَلَمْ تَرَ کَیْفَ کی تلاوت کرو۔'' اس کے بعد مختلف اوراد و وظائف کے ساتھ سورج نکلنے کے بعد دس رکعت نماز اشراق، پھر بارہ رکعت نماز چاشت، پھر نماز مغرب کی ادائیگی کے بعد چھ رکعت نمازِ اوّابین اور نماز عشا کے بعد چار رکعت صلوٰۃ السعادۃ پڑھنے کی تلقین فرمائی اور اخیر میں ارشاد فرمایا:

رات کے تین حصے کرے۔ پہلا حصہ نماز میں گزارے، دوسرا تہجد میں، جس کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ یہ نماز ہمارے لیے فرض ہے۔ یہ چار سلام سے ادا کرے اور جس قدر قرآن شریف یاد ہو پڑھے پھر تھوڑی دیر سو جائے، پھر اٹھ کر تازہ وضو کرے اور صبح کاذب تک یاد الٰہی میں مشغول رہے...... اسی طرح



ہر روز کیا کرے اور اس میں کمی بیشی نہ کرے تاکہ مشائخ کی سنت ادا ہو۔'' (۲۵)

اسی طرح مجلس اوّل میں بھی نماز اشراق کی بڑی فضیلت ذکر فرمائی ہے۔ اسی ضمن میں فرمایا: ''امامُ المتقین حضرت ابو حنیفہ کوفی رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں: کہ ایک کفن چور چالیس سال تک کفن چراتا رہا۔ جب مرا تو خواب میں دیکھا کہ وہ بہشت میں ٹہل رہا ہے۔ اس کا سبب پوچھا تو بولا: مجھ میں ایک چیز تھی کہ جب میں فجر کی نماز ادا کرتا تھا تو سورج نکلنے تک یاد الٰہی میں مشغول رہ کر اشراق کی نماز ادا کرتا۔ اللہ تعالیٰ چوں کہ اندک پذیر اور بسیار بخش ہے، اس لیے اس نے اسی عمل کی برکت سے بخش دیا، میرے افعال کا کچھ لحاظ نہ فرمایا، اور مجھے اس درجہ پر پہنچا دیا۔'' (۲۶)

## روزہ اور حج کا اہتمام:

حضرت خواجہ غریب نواز رضی اللہ تعالیٰ عنہ جس طرح نماز کا اہتمام فرماتے تھے اور اس کے فرائض و واجبات، سُنن و مستحبات اور حقوق و آداب کی رعایت کے ساتھ اسے مقررہ اوقات میں ادا فرماتے تھے، اسی طرح آپ کے نزدیک روزہ اور حج کی بھی بڑی اہمیت تھی۔ وہ خود صائم الدہر رہے، فرض کے ساتھ نفل روزے بھی پورے اہتمام سے خود رکھتے اور اپنے مریدوں کے سامنے اس کے فضائل بھی بیان فرماتے۔ اور خانۂ کعبہ کی زیارت بھی اتنی بار فرمائی کہ اس کا شمار نہیں کیا جاسکتا۔

فوائد السالکین کی مجلس پنجم میں بڑی صراحت کے ساتھ یہ بیان موجود ہے کہ: ''شیخ الاسلام حضرت معین الدین سجزی قدس اللہ سرّہ العزیز ہر سال اجمیر سے خانۂ کعبہ جایا کرتے تھے''۔ یہ بیان اگرچہ کچھ ظاہر بیں اور سطحی نظر رکھنے والے لوگوں کے نزدیک اس بنا پر قابلِ تاویل ہو کہ ''اس زمانے میں ہر سال اجمیر سے حج کے لئے جانا ممکن نہ تھا، اس لیے ان کے نزدیک اس سے مراد یہ ہے کہ خواجہ صاحب نے خانۂ کعبہ کی زیارت اتنی بار فرمائی کہ اس کا شمار نہیں کیا جاسکتا۔'' (۲۷)

لیکن اربابِ تحقیق اور اہل حق کے نزدیک اولیائے کرام سے ''طیّ ارض'' (زمین کے سمٹ جانے) کی کرامت منقول ہے۔ حضرت علامہ یوسف بن اسماعیل نبہانی علیہ الرحمہ والرضوان کی کتاب ''حجۃ اللہ علی العالمین فی معجزات سیّد المرسلین'' کے حوالہ سے آپ یہ بیان پڑھ چکے ہیں: ''کہ سیکڑوں، ہزاروں میل کی مسافت کا چند لمحوں میں طے ہونے کی کرامت بھی اس قدر زیادہ اللہ والوں سے منقول ہے کہ اس کی روایات حدتو اتر تک پہنچی ہوئی ہیں، چنانچہ طرطوس کی جامع مسجد میں ایک ولی تشریف فرما تھے، اچانک انہوں نے اپنا سر گریبان میں ڈالا اور پھر چند لمحوں میں گریبان سے سر نکالا تو وہ ایک دم حرم کعبہ پہنچ گئے۔''

## شریعت کے بغیر طریقت تک رسائی ناممکن:

تمام علمائے ربانی اور عُرفائے حق کا اس پر اتفاق ہے کہ شریعت پر عمل کیے بغیر طریقت، معرفت، حقیقت کسی بھی روحانی درجہ تک رسائی ممکن نہیں۔ حضرت خواجہ غریب نواز رضی اللہ عنہ نے اپنے ملفوظات ''دلیل العارفین'' میں اس حقیقت کو خوب خوب واضح کیا ہے۔ فرماتے ہیں:

''راہِ سلوک پر چلنے والوں کا شروع یہ ہے کہ جب لوگ شریعت میں ثابت قدم ہوجاتے ہیں اور شریعت کے تمام فرمان بجالاتے ہیں اور ان کے بجالانے میں ذرہ برابر تجاوز نہیں کرتے تو اکثر وہ دوسرے مرتبہ پر پہنچتے ہیں، جسے طریقت کہتے ہیں۔ اس کے بعد جب پورے شرائط کے ساتھ طریقت میں اور تمام احکام شریعت بے کم وکاست بجالاتے ہیں تو معرفت کے درجہ کو پہنچ جاتے ہیں۔ جب معرفت کو پہنچتے ہیں تو شناخت اور شناسائی کا مقام آجاتا ہے۔ جب اس مقام پر بھی ثابت قدم ہوجاتے ہیں تو درجۂ حقیقت کو پہنچتے ہیں۔ اس مرتبہ پر پہنچ کر جو کچھ طلب کرتے ہیں، پالیتے ہیں۔''(۲۸)



ایک موقع پر فرمایا: ''کون سی چیز ہے جو اللہ تعالیٰ کی قدرت میں نہیں، مرد کو چاہیے کہ اس کے احکام بجالانے میں کمی نہ کرے۔ پھر جو کچھ چاہے گا، مل جائے گا۔''(۲۹)

حضرت خواجہ غریب نواز کے ان ارشادات سے ان متصوفینِ زمانہ کو سبق لینا چاہئے جو کہتے ہیں کہ ''شریعت تو ایک راستہ ہے، ہم تو منزلِ مقصود تک پہنچ چکے ہیں، ہمیں شریعت کی راہ پر چلنے کی کیا ضرورت؟ راستہ پر وہ چلے جو ابھی منزل تک نہ پہنچا ہو''۔

حضرت خواجہ غریب نواز رضی اللہ عنہ کے فرمان کا حاصل یہ ہے کہ کسی بھی صورت میں عقل وحواس رکھنے والے انسان کے لیے شریعت کی پابندی سے چارۂ کار نہیں۔ چاہے وہ سالکِ طریقت ہو یا رہ روِ راہِ حقیقت ومعرفت۔

## علما و مشائخ کی تعظیم:

حضرت خواجہ غریب نواز رضی اللہ عنہ عُلمائے ربانی، عُرفائے صمدانی اور مشائخِ طریقت کی تعظیم وتوقیر کے قائل تھے۔ وہ نہ زاہد خشک تھے کہ مشائخِ طریقت سے نفرت کرتے، اور نہ جھوٹے تصوف کے دعویدار، کہ علمائے شریعت سے بے زاری کا اظہار کرتے۔ جیسا کہ ان کے درج ذیل ملفوظات سے عیاں ہوتا ہے:

اگر کوئی شخص علما کی طرف دیکھے تو اللہ تعالیٰ ایک فرشتہ پیدا کرتا ہے، جو قیامت تک اس کے لئے بخشش مانگتا رہتا ہے۔

پھر فرمایا کہ ''جس دل میں علما اور مشائخ کی محبت ہو، ہزار سال کی عبادت اس کے نامۂ اعمال میں لکھی جاتی ہے۔ اگر وہ اسی اثنا میں مرجائے تو اسے علما کا درجہ ملتا ہے اور اس مقام کا نام علّیین ہوتا ہے۔''

پھر فرمایا کہ فتاویٰ ظہیر یہ میں لکھا دیکھا ہے کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جو شخص علما سے آمدورفت رکھے اور سات دن ان کی خدمت کرے، اللہ

تعالیٰ اس کے سارے گناہ بخش دیتا ہے اور سات ہزار سال کی نیکی اس کے نامۂ اعمال میں لکھتا ہے۔ایسی نیکی کہ دن کو روزہ رکھے اور رات کو کھڑے ہو کر گزار دے۔

پھر یہ حکایت بیان فرمائی کہ پہلے زمانہ میں ایک آدمی تھا جو علما ومشائخ کو دیکھ کر از روئے حسد منہ پھیر لیتا۔جب وہ مر گیا تو لوگوں نے اس کا رخ قبلہ کی طرف کرنا چاہا لیکن نہ ہوا غیب سے آواز آئی، اس کو کیوں تکلیف دیتے ہو؟ اس نے دنیا میں علما ومشائخ سے روگردانی کی ہے، اس لئے ہم اپنی رحمت سے اس کا منہ پھیر دیتے ہیں اور قیامت کے دن ریچھ کی صورت میں اس کا حشر کریں گے۔(۳۰)

## سنّتوں کا اہتمام:

حضرت خواجہ غریب نواز رضی اللہ تعالیٰ عنہ تمام اعمال میں سنّتوں کا خاص اہتمام فرماتے تھے، اور اگر کبھی کسی وجہ سے کوئی سنّت ترک ہو جاتی تو حد درجہ پریشان ہو جاتے تھے، اور خود اپنے اصحاب کو بھی سنّتوں کی پابندی کرنے کی تلقین فرماتے۔ آپ کے خلیفہ اور چہیتے مرید حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی علیہ الرحمۃ والرضوان نے دلیل العارفین میں آپ کے ملفوظات جمع فرمائے ہیں۔اسی میں لکھا ہے کہ ایک بار خواجہ صاحب نے حقوق اللہ اور حقوقِ رسول پر گفتگو کرتے ہوئے آخر میں فرمایا:

''سنو! اور اچھی طرح جان لو کہ جو شخص سنّت نبوی ادا نہیں کرتا اور تجاوز کرتا ہے وہ شفاعت سے بے بہرہ رہے گا۔

پھر فرمایا کہ: ''مسجد ککری میں اولیائے بغداد کے مقابل حاضر تھا اور گفتگو انگلیوں کے خلال کے بارے میں ہو رہی تھی۔فرمایا کہ وضو کرتے وقت انگلیوں کا خلال کرنا سنّت ہے۔اس واسطے کہ حدیث میں آیا ہے کہ میں نے صحابۂ کرام کو انگلیوں کا خلال کرنے کو کہا ہے۔جو آب دست (کے بعد وضو) کے وقت انگلیوں کا خلال



کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کی انگلیوں کو شفاعت سے محروم نہیں رکھے گا۔''

پھر فرمایا کہ: ''شیخ اجل شیرازی کے ہمراہ میں ایک مقام میں تھا اور شام کی نماز کا وقت تھا۔حضرت خواجہ صاحب نیا وضو کرتے تھے۔اتفاقاً آپ انگلیوں کا خلال کرنا بھول گئے۔غیبی فرشتے نے آواز دی کہ اے اجل! تو ہمارے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی دوستی کا دعویٰ کرتا ہے اور اس کی امت بنتا ہے لیکن اس کی سنّت کو ترک کرتا ہے۔اس کے بعد خواجہ اجل نے قسم کھائی کہ اس وقت سے لے کر مرتے دم تک میں نے کوئی سنّت ترک نہیں کی۔

پھر فرمایا کہ: ''ایک مرتبہ میں نے خواجہ اجل شیرازی کو بہت متردّد پا کر حالت پوچھی۔فرمایا کہ جس روز مجھ سے انگلیوں کا خلال سہواً ترک ہوا، میں فکر میں ہوں کہ یہ منہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو قیامت کے روز کیسے دکھاؤں گا۔''

پھر فرمایا: ''صلوۃ مسعودی میں بہ طریق ترغیب حضرت ابوہریرہ کی روایت کے مطابق فقہ سنّت میں لکھا ہے کہ ہر عضو کو تین مرتبہ دھونا سنّت ہے۔چنانچہ حدیث میں ہے کہ ہر عضو کو تین مرتبہ دھونا سنّت ہے اور مجھ سے پہلے پیغمبروں کی بھی یہی سنّت ہے۔اس پر زیادہ کرنا ستم ہے''۔

بعد ازاں اسی موقع پر فرمایا کہ: ''فضیل عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے وضو کرتے وقت ہاتھ صرف دو مرتبہ دھوئے۔جب نماز ادا کر چکے تو اسی رات حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا جو فرماتے ہیں کہ مجھے تو تعجب ہے کہ تمہارے وضو میں کمی رہ جائے۔خواجہ صاحب اس ہیبت سے جاگ پڑے، پھر تازہ وضو کر کے نماز ادا کی اور کفارہ کے لیے سال بھر پانچ سو رکعت بہ طور وظیفہ کے روزانہ ادا کی''۔

پھر ارشاد فرمایا کہ ''حدیث شریف میں ہے کہ دایاں ہاتھ کھانا کھانے اور منہ دھونے کے لیے اور بایاں ہاتھ استنجا کرنے کے لیے ہے۔''

پھر فرمایا کہ ''جب آدمی مسجد میں آئے تو سنّت یہ ہے کہ پہلے دایاں پاؤں اندر رکھے اور جب باہر نکلے تو پہلے بایاں پاؤں باہر نکالے۔ اسی ضمن میں فرمایا کہ ایک مرتبہ خواجہ سفیان ثوری مسجد میں آئے اور بھول کر پہلے بایاں پاؤں اندر رکھ دیا۔ آواز آئی کہ بیل بھی خانۂ خدا میں اسی طرح بے ادبی کے ساتھ گھس آتے ہیں۔ اسی روز سے آپ کو سفیان ثوری کہا جانے لگا۔ (۳۱)

## عظمتِ قرآن کریم:

قرآن کریم، کلامِ الٰہی اور وحیِ ربّانی ہے، اس کی تعظیم درحقیقت اللہ تعالیٰ کی تعظیم ہے۔ صحابۂ کرام، تابعینِ عظام، مشائخِ طریقت اور علمائے امّت ہمیشہ اس کی عظمت کا لحاظ کرتے رہے۔ حضرت خواجہ غریب نواز رضی اللہ کو قرآن کریم سے والہانہ تعلق تھا، آپ برابر اس کی تلاوت کرتے اور اس کے آداب کا لحاظ فرماتے۔

دلیل العارفین کی پانچویں مجلس میں ہے کہ خواجہ صاحب نے عظمتِ والدین کے موضوع پر گفتگو فرمائی پھر ارشاد فرمایا: کہ مجھے قرآن شریف دیکھنا ہے، اس واسطے کہ شرح اولیا میں میں نے لکھا دیکھا ہے کہ جو شخص کلام اللہ شریف کی طرف دیکھتا ہے، یا پڑھتا ہے، تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اسے دو ثواب دو، ایک قرآن شریف پڑھنے کا، دوسرا قرآن شریف دیکھنے کا، اور ہر حرف کے بدلے دس نیکیاں عطا ہوتی ہیں اور دس بدیاں مٹائی جاتی ہیں، بعد ازاں دعا گو نے التماس کی کہ مصحف شریف لشکر اور سفر میں لے جا سکتے ہیں، یا نہیں؟ فرمایا، اسلام کے شروع میں چوں کہ کفّار کا غلبہ تھا، اس لیے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم قرآن شریف ہمراہ نہیں لے جایا کرتے تھے۔

بعد ازاں اسی موقع پر فرمایا کہ سلطان محمد غزنوی اَنارَ اللہ برھانہ کو وفات کے بعد خواب میں دیکھ کر پوچھا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ سے کیا سلوک کیا؟ فرمایا، ایک رات میں ایک شخص کے یہاں مہمان تھا، ایک طاق میں قرآن شریف پڑا تھا، میں نے دل



میں کہا کہ قرآن شریف یہاں ہے، میں کس طرح سوؤں گا، پھر کہا کہ قرآن شریف کسی اور مکان میں رکھ دیا جائے، پھر خیال آیا کہ اپنے آرام کی خاطر میں کیوں اسے باہر بھیجوں، موت کے وقت اسی کے عوض بخش دیا گیا۔

بعد ازاں زبان مبارک سے فرمایا کہ جو شخص قرآن شریف کو دیکھتا ہے، اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے اس کی بینائی زیادہ ہو جاتی ہے اور اس کی آنکھ کبھی نہیں دکھتی اور نہ خشک ہوتی ہے۔

پھر اسی موقع کے مناسب فرمایا کہ ایک مرتبہ ایک بزرگ سجادے پر بیٹھے ہوئے تھے، اور سامنے قرآن شریف رکھا تھا، ایک نابینا نے آکر التماس کی کہ میں نے بہت علاج کیے، مگر آرام نہیں ہوا۔ اب آپ کے پاس آیا ہوں تاکہ میری آنکھیں ٹھیک ہو جائیں۔ میں آپ سے فاتحہ کے لئے ملتجی ہوں۔ اس بزرگ نے قبلہ رخ ہو کر فاتحہ پڑھی، اور قرآن شریف اٹھا کر اس کی دونوں آنکھوں پر مَسلا جس سے اس کی دونوں آنکھیں چراغ کی طرح روشن ہو گئیں۔

بعد ازاں فرمایا کہ میں نے جامع الحکایات میں لکھا دیکھا ہے کہ پہلے زمانے میں ایک فاسق جوان تھا، جس کی بدکاری سے مسلمانوں کو نفرت آتی تھی، کتنا بھی اسے منع کرتے لیکن ایک نہ سنتا۔ الغرض جب وہ مر گیا تو اسے خواب میں دیکھا کہ سر پر تاج رکھے، خرقہ پہنے فرشتوں کے ہمراہ بہشت میں جا رہا ہے، اس سے پوچھا کہ تو تو بدکار تھا، یہ دولت کہاں سے نصیب ہوئی؟ جواب دیا کہ دنیا میں مجھ سے ایک نیکی ہوئی، وہ یہ کہ جہاں کہیں قرآن شریف دیکھ لیتا، کھڑے ہو کر بڑی عزت کی نگاہوں سے اسے دیکھتا، اللہ تعالیٰ نے مجھے اس کی بدولت بخش دیا اور یہ درجہ عنایت فرمایا۔ (۳۲)

قرآن کریم کے ساتھ آپ کا والہانہ تعلّق صرف زبانی نہ تھا بلکہ اپنے عمل سے بھی اس کا اظہار فرماتے تھے، آپ کثرت سے قرآن مجید کی تلاوت فرماتے تھے۔ حضرت سیّد میر عبدالواحد بلگرامی اپنی مشہور تصنیف ''سبع سنابل'' میں لکھتے ہیں:

”آپ کلام ربانی کے حافظ تھے، ہر دن اور ہر رات قرآن شریف ختم کرتے اور ہر مرتبہ جب قرآن ختم ہوتا تو ہاتف آواز دیتا کہ ہم نے تمھارا ختم قبول کیا۔“ (۳۳)

**سخاوت وفیاضی:**

فقر ودرویشی کے باوجود حضرت خواجہ کی خانقاہ میں شاہانہ فیاضیوں کا دریا بہتا تھا۔ مطبخ میں روزانہ اتنا کھانا پکتا تھا کہ تمام غربا ومساکین سیر ہوجاتے تھے۔(۳۴) ایک موقع پر حضرت خواجہ غریب نواز نے فرمایا:

جو بھوکے کو کھانا کھلاتا ہے، اللہ تعالیٰ قیامت کے روز اس کے اور دوزخ کے درمیان سات سو پردے حائل کردے گا، جن میں سے ہر ایک پردہ پانچ سو سالہ راہ کے برابر ہوگا۔(۳۵)

**پڑوسیوں کے حقوق کا لحاظ:**

پڑوسیوں میں کسی کا انتقال ہوجاتا تو جنازہ کے ہمراہ ضرور تشریف لے جاتے۔ نماز جنازہ اور تدفین کے بعد جب تمام لوگ واپس ہوجاتے تو تنہا اس کی قبر پر بیٹھے رہتے اور دعائیں جو اس وقت کے لیے موزوں ہیں، پڑھتے۔(۳۶)

**غریبوں کی مدد:**

حضرت خواجہ صاحب غریبوں اور پریشاں حالوں کی مدد بھی فرماتے تھے، اور اس کے لیے کوشش بھی کرتے تھے۔ اگر کوئی مظلوم آپ کی بارگاہ میں حاضر ہوکر مدد کی فریاد کرتا تو آپ اسے محروم نہیں کرتے تھے، بلکہ اس پر ہونے والے ظلم کو دور کرانے اور اس کا حق اسے واپس دلانے کے لئے پوری جدوجہد فرماتے، اگرچہ اس کے لیے انھیں لمبا سفر ہی کیوں نہ کرنا پڑے۔ اسی سلسلے کا ایک واقعہ ہے کہ ایک بار ایک کاشت کار نے خواجہ غریب نواز سے عرض کیا کہ حاکم نے میرے کھیت کی پیداوار ضبط



کرلی ہے، کہتا ہے کہ جب تک شاہی فرمان نہ لاؤ گے، اس میں سے کچھ نہ پاسکو گے۔ لہٰذا حضرت کی امداد چاہتا ہوں۔ میری روزی کا وسیلہ صرف یہی کھیت ہے۔ آپ حضرت قطب صاحب کو لکھ دیں۔ وہ بادشاہ سے فرمان دلا دیں گے۔ اس درخواست پر حضرت خواجہ کسی کو مطلع کیے بغیر کسان کو لے کر دہلی پہنچے۔ جب قطب صاحب نے تشریف آوری کی وجہ دریافت کی تو کسان کی طرف اشارہ کرکے فرمایا: اس کے کام کے لیے آیا ہوں۔ قطب صاحب نے عرض کیا کہ حضور کا کوئی خادم بھی سلطان سے فرمان حاصل کرسکتا تھا، حضور کو زحمت سفر اٹھانے کی کیا ضرورت تھی؟

حضرت غریب نواز نے فرمایا: یہ ٹھیک ہے مگر مسلمان ذلت اور غربت کے وقت خدا کی رحمت سے قریب ہوتا ہے۔ جب یہ شخص میرے پاس آیا تھا، بہت رنجیدہ تھا۔ مجھے غیبی اشارہ ملا کہ کسی کے رنج وغم میں شریک ہونا عین بندگی ہے۔ ادائے بندگی کے لئے میں خود آیا ہوں۔

مرشد کامل کی خواہش کا احترام اور اس کی تعمیل حضرت قطب صاحب کا فرض عین تھا۔ چنانچہ آپ سلطان شمس الدین التمش شہنشاہ ہند کے پاس تشریف لے گئے جو آپ کا حد درجہ معتقد اور سعادت مند مرید تھا۔ اس نے بارگاہ قطب میں بارہا درخواست پیش کی تھی کہ قطب صاحب اس کا شانۂ سلطانی کو اپنے قدوم میمنت لزوم سے رونق بخشیں اور سلطان کو میزبانی کا شرف اور خدمت کا موقع ملے، مگر مملکت فقر کے تاج دار کو دنیاوی بادشاہت اور اس کے فرماں روا سے کیا سروکار ہوسکتا تھا۔ اس لیے حضرت قطب صاحب نے نیاز مند سلطان کی دعوت پر کبھی قصر سلطانی کا رخ نہیں کیا اور نہ ہی شاہی ہدیے اور نذرانے قبول کیے۔

آپ جب کسی درخواست یا اطلاع کے بغیر شاہی محل میں تشریف لے گئے تو سلطان التمش کو مسرت کے ساتھ حیرت بھی ہوئی۔ آج اس کا بخت خفتہ جاگ اٹھا تھا۔ دیرینہ تمنا پوری ہوچکی تھی۔ جس کی وجہ سے حد درجہ مسرور تھا، مگر تعجب بھی تھا کہ حضرت

کیسے اور کس کام کے لیے آئے ہیں۔ اس لیے اس نے دست بستہ آنے کی وجہ دریافت کی۔ حضرت قطب صاحب نے تمام حالات سے آگاہ کیا۔ سلطان نے فوراً ہی کاشت کار کے حق میں زمین داری کا استمراری فرمان تحریر کرا کے مرشد کامل کے حوالہ کیا۔

کہا جاتا ہے کہ ایک آراضی کا دستاویز حضرت خواجہ غریب نواز کے صاحب زادے، حضرت خواجہ فخر الدین کے لیے بھی تحریر کرایا جس کی رو سے وہ اس زمین پر خود کاشت کاری کرتے اور اس کے ذریعہ سادہ زندگی کے لئے سامان فراہم کرتے۔

قطب صاحب نے کاشت کار کا استمراری فرمان حضرت خواجہ کی خدمت میں پیش کر دیا، اس طرح ایک معمولی کاشت کار کی خدمت بھی ہوگئی اور اہل دہلی کو حضرت خواجہ غریب نواز کی زیارت اور کسب فیض کا موقع بھی میسر آ گیا۔ (۳۷)

## خوش مزاجی:

آپ کبھی کسی پر غصّہ نہ ہوتے، خوش طبعی اور خوش مزاجی آپ کا شیوہ تھا۔ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی علیہ الرحمۃ والرضوان فرمایا کرتے تھے کہ میں جب تک خواجہ غریب نواز کی خدمت اقدس میں رہا، کبھی آپ کو ناراض ہوتے نہیں دیکھا۔ سوائے ایک دن کے جب کہ آپ اپنے خادم شیخ علی کے ہمراہ کہیں تشریف لے جا رہے تھے اور ایک شخص نے خادم کا دامن پکڑ کر سخت وسست کہنا شروع کر دیا۔ اس پر حضرت کو جلال آیا اور اس سے پوچھا کہ کیا بات ہے تو نے دامن کیوں پکڑا؟ (پورا واقعہ کراماتِ حسی کے باب میں ملاحظہ کریں)

## حضرت غریب نواز کی حسّی کرامتیں:

اوپر آپ پڑھ چکے ہیں کہ اصل کرامات، کرامات معنوی ہی ہیں جن پر خاص لوگوں کو آگاہی ہوتی ہے اور جن میں استدراج اور مکر کا دخل نہیں ہوتا۔ اب کراماتِ



معنوی کے بعد کچھ کراماتِ حِسّی بھی ذکر کر دی جائیں جو عوام کو بھی محسوس ہوتی ہیں۔ کراماتِ معنوی کے ثبوت کے بعد کراماتِ حِسّی بلا شبہہ ولایت کی دلیل یا دلیل بالائے دلیل ہے۔

## دلوں پر تصرف:

سیکڑوں اولیائے حق سے یہ کرامت صادر ہوئی کہ ان کے اپنے کسی قول، یا عمل، یا صرف نظر ڈالنے سے وہ اثر ہوا جو سیکڑوں کتابیں پڑھنے یا وعظ اور نصیحتیں سننے سے بھی نہ ہوا، کبھی ایسا ہوا کہ جن بستیوں یا مجلسوں میں لوگ ان سے نفرت وعداوت رکھتے تھے، جب ان مقدس ہستیوں نے وہاں قدم رکھے تو ان کی نفرتیں اور عداوتیں محبت وعقیدت میں تبدیل ہوگئیں اور کبھی فوراً اس طرح کی وارفتگی تو نظر نہ آئی لیکن تھوڑی سی فہمائش کے بعد لوگ راہِ راست پر آ گئے۔ اور اگر شقاوتِ ابدی ہی ان کا مقدّر تھی تو وہ ان اہل اللہ کے غضب وجلال کا نشانہ بن کر اپنے کیفرِ کردار کو پہنچے۔

حضرت خواجہ غریب نواز رضی اللہ عنہ سے بھی اس طرح کے روحانی تصرّفات کا صُدُور بار بار ہوا۔ جب آپ بخارا سے تبریز، اصفہان، ہرات ہوتے ہوئے سبزہ وار پہنچے جہاں کا حاکم یادگار محمد تھا جو متعصب شیعہ تھا۔ وہ اتنا متشدّد تھا کہ اس کی قلم رو میں جو شخص اپنے بیٹوں کا نام ابوبکر، عمر، عثمان رکھتا اسے وہ قتل کر دیتا، شہر سے باہر اس کا ایک پُر فضا باغ تھا۔ حضرت خواجہ اسی باغ میں وارد ہوئے اور حوض کے کنارے یادِ الٰہی میں مصروف ہوگئے، یادگار محمد جو ترش مزاجی اور بد خلقی میں مشہور تھا، جب بغرض تفریح باغ میں آیا تو باغ میں ایک اجنبی درویش کو دیکھ کر چیں بہ جبیں ہوا اور تکلیف دینے کا ارادہ کیا۔ حضرت کی نگاہ جوں ہی اس پر پڑی پاؤں میں لغزش ہوئی، بے ہوش ہو کر گر پڑا۔ حضرت خواجہ نے اس کے منھ پر پانی چھڑکا، ہوش آیا تو دل کی دنیا بدل چکی تھی، عقیدہ کا فساد رخصت ہو چکا تھا، دل ودماغ شقاوت وظلم کی تاریکی سے نکل کر صلاح وتقویٰ کی فضا میں پہنچ چکے تھے، چنانچہ وہ اپنے اعیان وامرا کے ساتھ بد

عقیدگی سے تائب ہو کر حضرت خواجہ کا مرید ہو گیا، اور اپنی ساری دولت اور خزانہ حضرت کے قدموں میں ڈال دیا۔ حضرت خواجہ نے قبول نہ کیا اور فرمایا جو مال ظلم و تعدّی سے حاصل کیا گیا ہے، وہ اس کے اصل مالکوں کے حوالے کر دیا جائے۔ چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا اور اپنے لونڈی، غلام آزاد کر دیے۔ چند ایام حضرت کی خدمت میں رہ کر علوم ظاہر و باطن کی تکمیل کر لی، حضرت خواجہ نے اسے اپنا خرقہ خلافت عطا فرمایا۔ اب وہ سبزہ وار کی ظاہری و باطنی سلطنت کا امیر بن چکا تھا۔

سبزہ وار سے حضرت خواجہ بلخ پہنچے جہاں کچھ دنوں شیخ احمد خضرویہ کے یہاں قیام فرمایا۔ بلخ میں ان دنوں ایک بہت بڑا نامی گرامی حکیم اور فلسفی شخص رہتا تھا جسے مولانا ضیاء الدین حکیم کے نام سے یاد کیا جاتا تھا۔ اسے تمام علوم ظاہری بالخصوص فلسفہ وحکمت میں بڑا تجربہ حاصل تھا، وہ تصوف اور اہل تصوف سے کافی متنفر تھا۔ وہ اکثر کہا کرتا تھا کہ تصوف محض ایک ہذیان ہے اور صوفیہ عقل و تمیز سے بے بہرہ ہوتے ہیں۔ بلخ کے مضافات میں اس کا ایک پرفضا باغ تھا جس میں اس کا ایک مدرسہ تھا جہاں وہ اپنے شاگردوں کو فلسفہ وحکمت کا سبق پڑھایا کرتا تھا۔

حضرت غریب نواز کا معمول تھا کہ تیر و کمان، چقماق اور نمک دان ہمیشہ اپنے پاس رکھتے، تاکہ شدید اشتہا کے وقت جنگل میں کسی جانور کا شکار کر کے اسے بھون کر تناول فرمالیں۔ ایک روز حضرت کا گذرنا اس علاقہ سے ہوا، جہاں حکیم ضیاء الدین کا باغ اور اس کی درس گاہ حکمت تھی۔ آپ نے کلنگ کا شکار کیا، خادم کو حکم دیا کہ اسے بھون کر تیار کرے اور خود نماز پڑھنے لگے۔ اسی اثنا میں منکر حقیقت ضیاء الدین آ نکلا، دیکھا کہ ایک درویش مصروف نماز ہے اور اس کا خادم کلنگ بھون رہا ہے۔ جب حضرت نماز سے فارغ ہوئے خادم نے بھنا ہوا پرندہ پیش کیا۔ حکیم ضیاء الدین بھی پاس ہی بیٹھ گیا۔ حضرت نے بسم اللہ پڑھ کر ایک ران ضیاء الدین کو عطا کر دی اور دوسری ران خود تناول فرمانے لگے، ضیاء الدین گوشت کھاتے ہی بے ہوش ہو گیا۔



جب ہوش آیا تو دنیا بدل چکی تھی، فلسفہ وحکمت کے اسرار و رموز کا رنگ صاف ہو چکا تھا، اہل حال درویش اوصاف باطن صوفیہ سے انکار و تنفُّر کے جذبات محو ہو چکے تھے۔ قلب و روح کی گہرائی سے حضرت خواجہ کا معتقد بن چکا تھا، حضرت خواجہ کا مرید ہوا، مکان پہنچ کر حکمت کی تمام کتابیں دریا میں ڈال دیں، علوم باطن کے شغف نے اسے مرد کامل بنا دیا اور اسرار الٰہی اس پر منکشف ہو گئے، سارے دنیاوی علائق سے علیحدگی اختیار کر لی اور شب و روز ذکر و فکر کو اپنا شیوہ بنا لیا، یہ انقلاب حضرت کی نگاہ التفات کا ادنیٰ کرشمہ تھا۔

حکیم ضیاء الدین اور اس کے فلسفہ زدہ شاگردوں کا حضرت خواجہ غریب نواز کے حلقہ گوشوں میں داخل ہو جانا بڑا غیر معمولی واقعہ تھا، جس نے پورے بلخ اور اطراف و جوانب میں آپ کی عظمت کی دھوم مچا دی۔ جس نے سنا قدم بوسی کے لیے حاضر بارگاہ ہوا، جوق در جوق لوگوں کی آمد کا سلسلہ قائم ہو گیا۔ فلسفیانہ عقل پرستی سے تائب ہو کر حکیم ضیاء الدین نے عبادت و ریاضت کو اپنا معمول بنا لیا، مرشد کامل نے مدارج سلوک طے کرائے اور رموز ظاہری و باطنی کی تعلیم دی، خرقہ درویشی پہن کر اپنا جانشین بنا دیا، اس علاقہ میں ہدایت خلق پر مامور فرمایا اور وہاں سے عازم سفر ہوئے۔ (۳۸)

### دلوں کے حالات سے آگاہی:

شرعی احکام کی پابندی، اخلاص اور تقویٰ و طہارت کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ بہت سے اولیا کو روشن ضمیر بنا دیتا ہے۔ وہ دلوں کے خطرات سے آگاہ ہو جاتے ہیں اور اس طرح اللہ تعالیٰ اپنے اُس محبوب بندے کی حفاظت کا بھی سامان کرتا ہے۔

ایک بار ایک شخص حضرت خواجہ کو قتل کرنے کے ارادہ سے آیا، حضرت خواجہ کو اس کا علم نور باطن سے ہو گیا۔ وہ شخص جب نزدیک آیا تو حضرت خواجہ صاحب بہت ہی اخلاق سے پیش آئے اور اپنے پاس بٹھا کر فرمایا کہ جس ارادہ سے آئے ہو اس کو

پورا کرو، یہ سنتے ہی وہ شخص کانپنے لگا، سربسجود ہوکر عاجزی سے بولا کہ مجھ کو لالچ دے کر آپ کو ہلاک کرنے بھیجا گیا تھا، یہ کہہ کر بغل سے چھری نکالی اور سامنے ڈال دی، پھر قدموں پر گر کر کہنے لگا کہ آپ مجھ کو اس کی سزا دیجئے، بلکہ میرا کام ہی تمام کردیجئے۔ خواجہ صاحب نے فرمایا کہ ہم درویشوں کا شیوہ ہے کہ ہم سے کوئی بدی بھی کرتا ہے تو ہم اس کے ساتھ نیکی سے پیش آتے ہیں۔تم نے میرے ساتھ کوئی برائی نہیں کی یہ کہہ کر اس کے لیے دعائیں کیں، وہ شخص بہت متاثر ہوا، اور اسی وقت سے خدمت میں رہنے لگا، حضرت خواجہ کی دعاؤں کی بدولت اس کو ۴۵ بار حج کعبہ کی سعادت حاصل ہوئی، اور اسی مقدس سرزمین میں پیوند خاک بھی ہوا۔(۳۹)

## پیشین گوئی:

کبھی اللہ تعالیٰ اپنے محبوبانِ بارگاہ کا دل اپنی معرفت کے انوار سے اس طرح روشن فرمادیتا ہے کہ وہ آئندہ زمانے میں ہونے والی چیزوں کو جان لیتے ہیں، اور حسبِ موقع انھیں بیان بھی کردیتے ہیں۔

اس طرح کی روشن ضمیری رکھنے والے اولیائے کرام کے بے شمار واقعات تذکرہ وتراجم کی کتابوں میں جابجا ملتے ہیں۔حضرت خواجہ غریب نواز رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھی بارگاہِ خداوندی سے ایسی روشن ضمیری عطا ہوئی تھی کہ آپ مستقبل کی باتوں سے آگاہ ہوجاتے تھے اور مناسب سمجھتے تو اس کا اظہار بھی فرمادیتے تھے۔مدینہ منورہ سے حضرت غریب نواز بغداد تشریف لائے جہاں وقت کے مشائخ سے صحبتیں رہیں۔ بغداد کے دوران قیام ایک دن خواجہ غریب نواز، شیخ اوحدالدین، شیخ شہاب الدین سہروردی اور قطب الدین بختیار کاکی ایک مجلسِ خیر میں تھے، انبیائے کرام کا ذکر ہورہا تھا کہ سامنے سے شمس الدین التمش جس کی عمر اس وقت بارہ سال تھی ہاتھ میں ایک پیالہ لئے جارہا تھا، جب بزرگوں کی نگاہ اس پر پڑی تو حضرت غریب نواز نے فرمایا، یہ لڑکا جب تک دہلی کا بادشاہ نہ ہوگا، خدا اسے دنیا سے نہ اٹھائے گا۔



شمس الدین التمش ایک ترکی غلام تھا جس نے سلطان قطب الدین ایبک کی ماتحتی میں رہ کر اچھے اچھے کارنامے انجام دیے۔جس سے خوش ہوکر قطب الدین نے اپنی لڑکی سے اس کا نکاح کردیا اور بیانہ کا حاکم بنادیا۔شہنشاہ قطب الدین ایبک کے انتقال کے بعد اس کے بیٹے آرام شاہ کو لاہور میں بادشاہ بنایا گیا، لیکن وہ ایک ہی سال میں معزول ہوگیا۔پھر ۶۰۷ھ/۱۲۱۰ء میں التمش کو آرام شاہ کی جگہ تمام ارکانِ سلطنت کے اتفاق رائے سے دہلی کے تخت پر بٹھایا گیا۔التمش نے بڑی شان وشوکت کے ساتھ سلطنت کی، اور باغیوں اور دشمنوں کی سرکوبی میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی۔اس نے اپنے دورِ حکم رانی میں سندھ، رنتھمبور، گوالیار اور مالوہ کی ریاستوں پر قبضہ کرکے اپنی سلطنت میں شامل کرلیا۔(۴۰)

اس طرح حضرت خواجہ غریب نواز رضی اللہ عنہ کی پیشین گوئی سچی ثابت ہوئی۔

ایک بار حضرت کے ایک مرید کو رائے پتھورا نے ستایا۔مرید نے راجہ کے ناقابلِ برداشت مظالم کی شکایات حضرت خواجہ کی بارگاہ میں پیش کیں، حضرت نے کسی شخص کو راجہ کے پاس بھیجا اور مسلمانوں پر ظلم وتشدد سے باز رہنے کا حکم دیا، حضرت کی ہدایت اسے سخت ناگوار گزری۔اس نے سخت غضب ناک ہوکر کہا، کیا ہی اچھا ہو جو یہ فقیر یہاں سے چلا جائے، یہ بات ہر شخص سے کہتا رہتا، یہ شخص یہاں آکر غیب کی باتیں کرتا ہے۔جب راجہ کے اس گستاخانہ قول کی خبر حضرت کو ملی تو آپ نے غضب ناک ہوکر ارشاد فرمایا، ''پتھورا را زندہ گرفتیم وداد یم'' ہم نے رائے پتھورا کو زندہ گرفتار کیا اور دے دیا۔

یہ پیشین گوئی ہندستان میں سیاسی وتاریخی لحاظ سے خاص اہمیت رکھتی ہے، جس کا اندازہ ہندستان میں مسلمانوں کی جنگی سرگرمیوں کے پس منظر میں لگایا جاسکتا ہے اور ''گرفتیم وداد یم'' کی معنویت واضح ہوسکتی ہے۔

جب ترائن کی پہلی جنگ میں شہاب الدین غوری کو شکست ہوئی، وہ غزنی

پہنچ کر جنگی تیاریوں میں مصروف ہوگیا، اس نے ایک لاکھ بیس ہزار سپاہ جمع کرلی مگر وہ ابھی ہندستانی راجاؤں کا مقابلہ کرنے کے قابل نہ ہوسکا تھا کہ ایک رات اس نے خواب میں ایک نورانی صورت بزرگ کو دیکھا جو فرمارہے ہیں: خداوند تعالیٰ تم کو ہندستان کی بادشاہت عطا کرنے والا ہے، تم اس ملک کی طرف توجہ کرو، خواب میں اس بشارت عظمٰی کو سننے کے بعد اس کے حوصلوں کو قوت ملی اور اسے یقین ہوگیا کہ فتح اب اس کے قدم چومے گی۔ شکست کا بدنما داغ جو دامن عزت پر لگا ہے، دھل جائے گا۔ وہ اپنا لشکر لے کر ترائن پہنچا، جہاں اس کو تین لاکھ راجپوتوں کے مقابلہ میں شاندار فتح حاصل ہوئی۔

ترائن کی فتح پورے ہندستان پر مسلمانوں کی فتح واقتدار کا باب اوّل ثابت ہوئی اور جلد ہی دہلی میں مسلمانوں کی ایک مستحکم مرکزی سلطنت قائم ہوگئی۔ دوسری طرف ترائن میں شکست فاش کے بعد راجپوتوں کی سیاسی عظمت اور چوہانوں کے اقتدار کے تانے بانے بکھر گئے، راجپوت راجاؤں کی شکست کے اثرات صرف اجمیر اور دہلی ہی تک محدود نہ رہے بلکہ پورے ہندستان میں مسلمانوں کی حربی قوت کا سکہ بیٹھ گیا۔

تسخیر ہند کی سرگرمیاں جو محمد بن قاسم کے حملہ ۹۲ھ/ ۲۱۷ء سندھ سے شروع ہوتی ہیں، ان کی نتیجہ خیز تکمیل ۵۸۸ھ/۱۱۹۲ء میں ترائن کی فتح سے ہوتی ہے۔ اندرون ہند کی فتوحات اور قیام اقتدار کا فتح باب حضرت خواجہ کے روحانی فیوض وبرکات ہی کا کرشمہ ہے۔ تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ جب حضرت خواجہ نے اجمیر کو اپنی روحانی راجدھانی بنالیا اور ظلمت کدۂ ہند میں ان کی تبلیغی جدوجہد سے نور ہدایت پھیلا، تب جاکر کہیں مسلمان فاتحین کے لئے اندرون ہند فتوحات آسان ہوئیں اور ان علاقوں پر ان کے اقتدار وسطوت سلطانی کی گرفت مضبوط ہوئی، چنانچہ ملا عبدالقادر بدایونی لکھتے ہیں:



''ایں فتح بموجب راندن نفس مبارک رحمان آں قطب ربانی نمود'' (منتخب التواریخ ج۱، ص۵۰) یہ فتح حضرت قطب ربانی کی برکتوں سے ہوئی۔

ترائن کی تاریخی فتح کے بعد شہاب الدین غوری، سرستی، ہانسی، سمانا، کہرام کے مشہور قلعوں کو فتح کرتا ہوا دارالخیر اجمیر میں وارد ہوا، جس وقت شہاب الدین اجمیر کے کوہستانی علاقہ میں داخل ہوا تو شام ہوچکی تھی۔ مغرب کا وقت تھا، اچانک ایک پہاڑی کی اوٹ سے اذان کی آواز آنے لگی۔ وہ متحیر ہوا اور دریافت کرنے لگا، یہ آواز کہاں سے آرہی ہے؟ لوگوں نے بتایا کہ ایک فقیر کچھ دنوں سے یہاں تشریف لائے ہیں، یہ آواز وہیں سے آرہی ہے۔ شہاب الدین آواز کی رخ پر چل پڑا۔ دیکھا تو اہل اللہ کی ایک جماعت بارگاہ الٰہی میں صف بستہ ہوکر فریضہ نماز ادا کررہی ہے۔ وہ بھی جماعت میں شامل ہوگیا، خواجہ غریب نواز امامت فرمارہے تھے۔ جب نماز ختم ہوئی تو اچانک شہاب الدین غوری کی نگاہ خواجہ غریب نواز پر پڑی۔ یہ دیکھ اسے حیرت و مسرت ہوئی کہ یہ تو وہی بزرگ ہیں جنھوں نے اسے فتح وکامرانی کی بشارت دی تھی۔ وہ اپنے جذبات عقیدت ومحبت کو ضبط نہ کرسکا، حضرت خواجہ غریب نواز کے قدموں پر گر پڑا اور دیر تک روتا رہا۔ جب رونے سے فارغ ہوا تو حضرت خواجہ کی خدمت عالی میں مؤدب بیٹھ گیا اور اپنی قلبی خواہش کا اظہار کیا کہ حضور اس غلام کو مریدی کے شرف سے نوازیں، حضرت خواجہ نے درخواست قبول فرمائی اور حلقہ ارادت میں شامل کرلیا۔ (۴۱)

**بے شمار غیر مسلموں کا دائرۂ اسلام میں داخلہ:**

حضرت خواجہ غریب نواز علیہ الرحمۃ والرضوان کے روحانی تصرّف سے نہ معلوم کتنے تیرہ دلوں کو ایمان واسلام کی روشنی نصیب ہوئی اور وہ دائرۂ اسلام میں داخل ہوکر اللہ ورسول کے اطاعت شعار، وفادار بندے بن گئے۔ آپ کی حیاتِ طیّبہ میں اس طرح کے واقعات بارہا پیش آئے۔

انھیں میں سے ایک واقعہ اس وقت پیش آیا جب آپ نے دورانِ سفر سمانا سے دہلی کا رخ کیا اور دہلی پہنچ کر آپ نے راج محل کے سامنے قیام فرمایا۔ قریب ہی بڑا بت خانہ تھا، ایک مسلمان درویش کی اقامت عام لوگوں کو ناگوار ہوئی، مگر آپ کے روحانی رعب وجلال کی وجہ سے کسی بیدین کو اذیت پہنچانے کی جرأت نہ ہوئی۔ شہر کے معززین اور مندر کے پجاریوں کا ایک وفد حاکم دہلی کھانڈے راؤ کے پاس آیا۔ ان لوگوں نے کہا کہ ان مسلمان درویشوں سے دیوتا ناراض ہو رہے ہیں۔ اگر ان کو اولین فرصت میں شہر بدر نہ کیا گیا تو دیوتاؤں کا قہر سلطنت کو تباہ کر دے گا۔ توہم پرست کھانڈے راؤ نے احمقوں کی بات مان لی، چند کارندوں کو حکم دیا کہ وہ حضرت خواجہ کو دہلی سے نکال دیں۔ جب راؤ کے آدمی حضرت کے پاس آئے اور گفتگو ہوئی تو یہ کارندے حضرت کے اخلاق اور سادہ و مؤثر نصیحتوں سے اس قدر متاثر ہوئے کہ فوراً حلقہ بگوش اسلام ہو گئے۔ اس کا یہ اثر ہوا کہ بہت سے راجپوت مسلمان ہو گئے اور آپ کی بزرگی و کرامت کا چرچا سن کر لوگ جوق در جوق آنے لگے اور اسلام کا نور پھیلنے لگا اور مسلمانوں کا ایک وسیع حلقہ بن گیا۔ حضرت خواجہ کی منزل مقصود اجمیر تھی، اس لیے اپنے خلیفہ حضرت قطب الدین بختیار کاکی علیہ الرحمۃ کو دہلی میں خلق خدا کی ہدایت کے لئے چھوڑ کر عازم اجمیر ہوئے۔

اجمیر پرتھوی راج کا پایۂ تخت تھا۔ دہلی اور دوسرے علاقے اس کے ماتحت تھے۔ اس لحاظ سے اجمیر ان دنوں ایک عظیم و مستحکم مرکز بن گیا تھا۔ حضرت خواجہ اس علاقہ کو کفر و شرک سے خالی کر کے ایمان و اسلام کی روحانی قلمرو کا پایۂ تخت بنانا چاہتے تھے۔ (۴۲)

حضرت خواجہ جب دہلی سے اجمیر جا رہے تھے تو راستہ میں سات سو ہندوؤں کو مسلمان کیا۔ (۴۳)

جب آپ اجمیر میں تشریف لائے اور اہل اجمیر کے سامنے آپ کی روحانی



قوتوں اور باطل شکن کرامتوں کا ظہور ہونے لگا تو اہل اجمیر کے دلوں پر آپ کی روحانی عظمت وقوت کا سکہ بیٹھ گیا اور وہ آپ کی دعوت وتبلیغ، کشف وکرامت اور باطنی قوت سے متاثر ہو کر دائرۂ اسلام میں داخل ہوئے۔ ان اسلام قبول کرنے والوں میں عام لوگ بھی تھے اور اجمیر کے راجا رائے پتھورا کے ملازمین بھی۔ اس کا اندازہ اس واقعہ سے ہوتا ہے جو ''سیر الاولیا، ص:۴۶'' اور ''اخبار الاخبار، ص:۲۲'' میں مذکور ہے کہ ایک روز راجا نے آپ کے ایک مسلمان عقیدت مند کو کسی وجہ سے ستایا، وہ بیچارا آپ کے پاس فریاد لے کر پہنچا۔ آپ نے اس کی سفارش میں پتھورا رائے کے پاس ایک پیغام بر بھیجا، لیکن اس نے آپ کی سفارش قبول نہ کی اور کہنے لگا کہ یہ شخص یہاں آ کر بیٹھ گیا ہے اور غیب کی باتیں کرتا ہے۔ جب خواجہ اجمیری کو یہ بات معلوم ہوئی تو ارشاد فرمایا کہ ہم نے پتھورا کو زندہ گرفتار کر کے حوالے کر دیا، اسی زمانہ میں سلطان معز الدین سام عرف شہاب الدین غوری کی فوج غزنی سے پہنچی، پتھورا، لشکر اسلام سے مقابلہ کے لیے آیا اور سلطان معزِ الدین (معروف بہ شہاب الدین غوری) کے ہاتھوں گرفتار ہو گیا، اسی تاریخ سے اس ملک میں اسلام پھیلا اور کفر کی جڑیں کٹ گئیں۔

سیّد محمد بن مبارک کرمانی فرماتے ہیں:

''بہ وصول قدم مبارک آں آفتاب اہل یقین کہ بہ حقیقت معین الدین بود، ظلمت ایں دیار بہ نور اسلام روشن ومنور گشت'' (۴۴)

(ترجمہ: اہل یقین کے اس آفتاب عالم تاب کے قدومِ میمنت لزوم سے جو کہ صحیح معنوں میں ''معین الدین'' (دین کا حامی وناصر) تھے، اس سرزمین سے کفر کی تاریکیاں چھٹ گئیں، اور ہر طرف اسلام کا اجالا پھیلا گیا۔)

آئین اکبری میں ہے:

''عزلت گزیں بہ اجمیر شد وفراواں چراغ برافروخت واز دمِ گیرائے اوگروہا گروہ بہرہ ور گرفتند'' (۴۵)

(ترجمہ: آپ نے اجمیر میں گوشہ نشینی اختیار کی، اور (معرفت کے) بہت سے چراغ روشن فرمائے اور آپ کے دم قدم سے بہت سے لوگ جوق در جوق اس سے بہرہ ور ہوئے۔)

مفتی غلام سرور لاہوری لکھتے ہیں:

''ہزار در ہزار، از صغار و کبار، بہ خدمت آں محبوب کردگار حاضر شدہ مشرف بہ شرف اسلام و ارادت آں حضرت شدند بہ حدے کہ چراغ اسلام در ہند بہ طفیل ایں خاندان عالی شان روشن گشت''

(ترجمہ: ہزاروں ہزار چھوٹے بڑے لوگ اس محبوب کردگار کی خدمت میں حاضر ہوکر اسلام کے شرف اور آپ کی ارادات سے مشرّف ہوئے، یہاں تک کہ اسلام کا چراغ ہندستان میں اسی بلند مرتبہ خانوادہ کی وجہ سے روشن ہوا۔)

صاحب سیر العارفین لکھتے ہیں:

''بیش تر کفّارِ نام دارِ از اں دیار، بہ برکتِ آثار آں زبدۃ الاسرار، بہ تشریف ایمان مُشرّف شدند۔ و بیش ترے کہ ایمان نیامدند نذور و فتوحِ بے حد و عد، بہ حضرتِ ایشاں می فرستادند، کہ ہنوز آں کفّار بداں مَرقَد معتقدانہ ہر سالے می آیند، و سر بر خاکِ آں آستانۂ عظیم القدر و آں بدرِ سپہرِ مشیخت می نہند، و مبلغ ہائے کلی بہ مُجاوِرانِ روضۂ مطہرہ ایشاں می رسانند، و خدمتے بجا می آرند''۔ (۴۷)

(ترجمہ: اس دیار کے اکثر نامور کفّار اس زبدۃ الاسرار ذات کی برکتوں سے ایمان و اسلام سے مُشرف ہوئے اور بہت سے ایسے کفّار جو اسلام نہ لا سکے، بے حد وحساب نذرانے اور فتوحات (عقیدت کے ساتھ) حضرت کی بارگاہ میں بھیجتے ہیں، اور اب تک یہ کفّار اسی طریقے پر عقیدت رکھتے ہیں۔ ہر سال مزار پر حاضری دیتے ہیں اور اِس عظیم المرتبت ہستی اور اِس آسمانِ مشیخت کے ماہِ کامل کے آستانے کی



خاک سر پر رکھتے ہیں اور بہت سی نقد رقم روضۂ پاک کے مُجاوِروں کو پیش کرتے ہیں، اور خدمت بجالاتے ہیں)

## ہاتھ خشک ہوگیا:

ایک مرتبہ حضرت خواجہ کہیں تشریف لے جارہے تھے۔ خادم شیخ علی ہمراہ تھا، کسی نے خادم کا دامن پکڑ کر سخت وسست کہنا شروع کردیا۔ حضرت پیرومرشد نے فرمایا: کیا بات ہے؟ تو نے دامن کیوں پکڑا اور کیوں برا بھلا کہا؟ اس شخص نے عرض کیا: حضرت یہ میرا مقروض ہے، قرض ادا نہیں کرتا۔ آپ نے فرمایا اسے چھوڑ دو، تمہارا قرض ادا کردے گا۔ وہ نہ مانا۔ اس پر حضرت پیرومرشد کو غصہ آگیا۔ فوراً اپنی چادر مبارک زمین پر ڈال دی، فرمایا اس چادر کے نیچے سے جتنا تیرا قرض ہے لے لے، خبردار زیادہ لینے کی کوشش نہ کرنا، اس آدمی نے قرض سے زیادہ روپیہ اٹھایا، اسی وقت اس کا ہاتھ خشک ہوگیا۔ (۴۸)

## ہر رات کعبہ شریف کی زیارت کے لیے جانا:

آپ ''حجۃ اللہ علی العالمین'' کے حوالے سے یہ پڑھ چکے کہ کچھ اولیائے کرام کے لیے زمین سمیٹ دی جاتی ہے تو لمبی مسافت کو تھوڑی ہی دیر میں طے کرلیتے ہیں۔ حضرت خواجہ صاحب علیہ الرحمۃ سے بھی اس طرح کی کرامت منقول ہے۔ حضرت قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

حضرت خواجہ غریب نواز قدس سرہ ہر سال اجمیر سے خانہ کعبہ جایا کرتے تھے لیکن جب آپ درجۂ کمال کو پہنچ گئے تو جو حاجی حج کے لئے جایا کرتے تھے وہ آپ کو وہاں پاتے، حالاں کہ آپ گھر میں گوشہ نشیں ہوا کرتے، آخر معلوم ہوا کہ خواجہ معین الدین ہر رات خانہ کعبہ جاتے تھے اور رات وہاں بسر کرتے تھے اور صبح کی نماز باجماعت اپنے گھر میں ادا کرتے تھے۔ (۴۹)

### اپنی گدڑی سے جَو کی روٹیاں نکالنا:

خود خواجہ معین الدین چشتی ایک مجلس کا تذکرہ فرماتے ہیں جس میں خواجہ عثمان ہارونی، خواجہ اوحدالدین کرمانی اور خود (خواجہ غریب نواز) بھی موجود تھے۔

گفتگو اس بارے میں شروع ہوئی کہ جو شخص اس مجلس میں ہے، وہ اپنی کرامت دکھائے۔ یہ سنتے ہی خواجہ عثمان ہارونی نے مصلے کے نیچے ہاتھ ڈالا اور مٹھی بھر اشرفیاں نکال کر ایک درویش کے حوالہ کرتے ہوئے فرمایا کہ درویشوں کے لئے حلوہ لاؤ، شیخ اوحدالدین نے قریب ہی پڑی ہوئی ایک لکڑی پر ہاتھ مارا تو فوراً ہی وہ لکڑی سونا بن گئی، میں (خواجہ غریب نواز) پیچھے رہ گیا جو پیرومرشد کی وجہ سے کوئی کرامت ظاہر نہیں کرسکتا تھا۔ شیخ ہارونی نے میرے طرف رخ کرتے ہوئے فرمایا تم کوئی کرامت کیوں نہیں دکھاتے؟ اس مجلس میں ایک بھوکا درویش تھا جو شرم کی وجہ سے سوال نہیں کرتا تھا، میں نے اپنی گدڑی میں سے جو کی چار روٹیاں نکا کردے دیں۔ اس درویش اور خواجہ محمد عارف نے فرمایا کہ درویش میں جب تک کرامت کی قوت نہ ہو، اسے درویش کہنا درست نہیں۔ (۵۰)

### راجا کے اونٹوں کا اپنی جگہ بیٹھے رہ جانا:

جب حضرت خواجہ غریب نواز کا نورانی قافلہ اجمیر پہنچا تو آپ نے شہر سے باہر ایک سایہ دار مقام پر قیام پذیر ہونا چاہا، راجہ کے ملازمین نے روکتے ہوئے کہا: آپ یہاں قیام نہیں کرسکتے، اس لیے کہ یہاں ہمارے راجہ کے اونٹ بیٹھتے ہیں، حضرت کو ناگوار گذرا۔ فرمایا میں یہاں سے جاتا ہوں، تمہارے اونٹ بیٹھے ہی رہ جائیں گے۔ یہ فرما کر آپ کھڑے ہوگئے اور اناساگر کے پاس تشریف لائے، جہاں اس وقت بت خانوں کی کثرت تھی، آپ نے ایک بلند مقام پر (جو اس وقت حضرت کی چلہ گاہ کے نام سے موسوم ہے) قیام فرمایا۔ جب شام ہوئی راجہ کے اونٹ حسب



معمول اپنی جگہ پر آئے اور بیٹھ گئے، حضرت کے ارشاد کے مطابق ایسے بیٹھے کہ بیٹھے ہی رہ گئے، اٹھانے پر بھی نہ اٹھے۔ ایسا محسوس ہوتا کہ ان کے سینے زمین سے چپک گئے ہوں۔ صبح کے وقت جب شتربانوں نے اونٹوں کو اٹھانا چاہا تو وہ اٹھ نہ سکے، اس بات نے انہیں سخت حیرانی میں مبتلا کردیا، انہوں نے مشورہ کیا اور اس بات پر اتفاق کیا کہ کل ہم نے جس فقیر کو یہاں ٹھہرنے نہ دیا اس کی بددعا لگ گئی ہے، پھر وہ سب کے سب حضور کی خدمت میں آئے اور معذرت خواہ ہوئے، حضرت نے ازراہ شفقت ارشاد فرمایا، جاؤ بارگاہ الٰہی سے تمہارے اونٹوں کے اٹھنے کا حکم ہوچکا ہے، جب یہ شتربان اونٹوں کے گلہ میں پہونچے، یہ حیرت انگیز منظر دیکھ کر ششدر رہ گئے کہ سارے اونٹ ازخود کھڑے ہوگئے۔ (۵۱)

### جوگی جے پال کا قبولِ اسلام:

پہلے گزر چکا ہے کہ جس زمانے میں حضرت خواجہ غریب نواز اجمیر تشریف لائے، اس وقت اجمیر اور دہلی کا حکمراں چوہان خاندان کا مشہور راجہ رائے پتھورا تھا اس کے مقربین نے خواجہ صاحب کے قیام میں بڑی مزاحمت کی، اور جب انہوں نے حضرت خواجہ کی عظمت وکرامت کے مقابلہ میں اپنے کو بے بس اور لاچار پایا تو ہندو جوگیوں کو خواجہ کو مغلوب کرنے کے لیے مامور کیا، ان میں تذکرہ نگار نمایاں طور پر جوگی جے پال کا ذکر کرتے ہیں، جس سے حضرت خواجہ کے بڑے بڑے معرکے ہوئے، لیکن حضرت خواجہ اپنی روحانی قوت سے اس پر غالب رہے، اور اس نے متاثر ہوکر حضرت خواجہ کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا، اور آپ نے اس کا اسلامی نام عبداللہ رکھا، اور خلافت بھی مرحمت فرمائی۔ (۵۲)

### بعد وصال کی کرامتیں:

حضرت خواجہ غریب نواز رضی اللہ عنہ سے جس طرح ان کی حیات میں گونا

گوں کرامتوں کا ظہور ہوا، اسی طرح بعدِ وصال بھی آپ سے بہت سی کرامتیں صادر ہوئیں۔ ان کرامتوں سے جہاں کسی بندۂ خدا کا کام بنا، وہیں بارگاہِ خداوندی میں آپ کے رتبے اور عزت وکرامت کا اظہار بھی ہوا اور دیکھنے والے اہلِ ایمان کے ایمان ویقین میں مزید رسوخ اور پختگی کا سامان بھی ہوا۔ ذیل میں اس طرح کی کچھ کرامتیں پیش کی جارہی ہیں۔

**۱- آستانۂ غریب نواز بیماروں کے لیے شفاخانہ:**

اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری علیہ الرحمۃ والرضوان فرماتے ہیں:

حضرت خواجہ کے مزار سے بہت کچھ فیوض وبرکات حاصل ہوتے ہیں، مولانا برکات احمد مرحوم جو میرے پیر بھائی ہیں اور میرے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد تھے، انہوں نے مجھ سے بیان کیا کہ میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ ایک ہندو کے سر سے پیر تک پھوڑے تھے، اللہ ہی جانتا ہے کہ کس قدر تھے۔ ٹھیک دوپہر کو آتا اور درگاہ شریف کے سامنے گرم کنکروں اور پتھروں پر لوٹتا اور کہتا ''خواجہ اگن لگی ہے''، تیسرے روز میں نے دیکھا کہ بالکل اچھا ہوگیا۔

**۲- غریب نوازی:**

بھاگل پور سے ایک صاحب ہر سال اجمیر شریف حاضر ہوا کرتے تھے۔ ایک وہابی رئیس سے ملاقات تھی۔ اس نے کہا میاں ہر سال کہاں جایا کرتے ہو؟ بے کار اتنا روپیہ صرف کرتے ہو۔ انہوں نے کہا چلو اور انصاف کی آنکھوں سے دیکھو پھر تم کو اختیار ہے، خیر ایک سال وہ ساتھ میں آیا۔ دیکھا کہ ایک فقیر سوٹا لیے روضہ شریف کا طواف کر رہا ہے اور یہ صدا لگا رہا ہے: خواجہ پانچ روپے لوں گا اور ایک گھنٹہ کے اندر لوں گا اور ایک شخص سے لوں گا۔ جب اس وہابی کو خیال ہوا کہ اب بہت وقت گذر گیا ایک گھنٹہ ہوگیا ہوگا اور اب تک اسے کسی نے کچھ نہ دیا، جیب سے پانچ روپے نکال کر اس کے ہاتھ میں رکھے اور کہا لو، میاں تم خواجہ سے مانگ رہے تھے،



بھلا خواجہ کیا دیں گے لو ہم دیتے ہیں، فقیر نے وہ روپے تو جیب میں رکھے اور ایک چکر لگا کر زور سے کہا، خواجہ توری بلہاری جاؤں دلوائے بھی تو کیسے خبیث منکر سے۔(۵۳)

ان صفحات کے مطالعہ سے یہ بات عیاں ہوجاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سلطان المشائخ خواجۂ خواجگاں حضرت سیّد خواجہ معین الدین حسن چشتی اجمیری رضی اللہ عنہ کو گونا گوں کرامتوں سے نوازا تھا، اور ان سب میں اللہ تعالیٰ کا بے پایاں فضل وکرم اور رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عنایتوں کے ساتھ آپ کے اخلاصِ عمل، سنّت و شریعت کی پابندی کا بھی بہت دخل تھا، کیوں کہ اللہ تعالیٰ کی رحمتیں اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ کی عنایتیں اس بندے کی طرف کچھ زیادہ متوجہ ہوتی ہیں جو احکامِ شرع کا عامل اور سنّت وشریعت کا پابند ہو۔ اسی بنیاد پر سارے مشائخ کرام اور رہ روانِ طریقت نے یہ اعتراف کیا ہے کہ اولیائے ہند میں خواجہ صاحب کا مرتبہ سب سے بلند و بالا ہے، اور آپ ''سلطان الہند'' ہیں۔ اور ایسا کیوں نہ ہو جب کہ آپ کو خود بارگاہِ رسالت سے ''قطب المشائخین'' کے لقب کی خوش خبری ملی۔(۵۴)

حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی علیہ الرحمۃ نے آپ کو ''ملک المشائخ، سلطان السالکین، منہاج المتقین، شمس الفقراء، ختم المہتدین'' کے القاب سے یاد کیا۔(۵۵)

اب آخر میں انھیں اشعار سے آپ کی بارگاہ میں خراجِ عقیدت پیش کرتے ہوئے اپنی بات ختم کرتا ہوں جو سیر العارفین کے مصنف نے آپ کی شان میں لکھے ہیں:

آں شہنشاہ جہان معرفت — ذات اوبیروں ز ادارک وصفت
خسرو ملک، آفتاب تخت و تاج — ازخود و ازغیر خود بے احتیاج
غرقِ بحرِ عشق از صدق و صفا — از خودی بیگانہ، با حق آشنا
کردہ مرغ ہمتش ز اوج کمال — بیضۂ افلاک را درزیر بال

اخترِ برج سپہر لم یزل — گوہرِ درجِ کمالِ بے بدل
آں معین الدین ملت بے نظیر — فارغ از دنیا بملک دیں امیر
در ثنائے او جمالی را چہ حد — فیضِ او باید کہ فرماید مدد

## حوالہ جات

(۱) حضرت خواجہ غریب نواز کا وطن سیستان ہے، جسے ''سجستان'' اور ''سجز'' اسی کی طرف نسبت کرتے ہوئے آپ کو ''سجز ی'' کہتے ہیں۔یہی محققین کے نزدیک صحیح ہے۔رہ گیا اسے سنجری کہنا، تو یہ غلط العوام میں سے ہے۔اس لیے اس سے بچنا چاہئے۔حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی علیہ الرحمۃ اپنی کتاب ''الانتباہ فی سلاسل أولیاء الله''میں لکھتے ہیں:

''سجز ی بکسر سین وسکون وکسرِ زائے معجمہ نسبت بہ سیستان، سیستان را بہ زبان عربی سجستان و سجز گویند وایں تعریب است، وابدال سین بہ زااز تغیرات تعریب است''(ص۸۸، مطبع احمدی دہلی)

(۲) سلطان الہند غریب نواز، از ڈاکٹر مولانا عاصم اعظمی،ص:۸۸،۸۹

ناشر: فاروقیہ بک ڈپو، ۱۴۱۸ھ/ ۱۹۹۷ء

(۳) سیر الاقطاب،ص:۱۲۴،بحوالہ مصدر سابق،ص:۹۲

(۴) سیر الاولیا،ص:۵۷

(۵) شرح العقائد،ص:۱۴۴،مجلس برکات جامعہ اشرفیہ مبارک پور ۱۴۲۳ھ، ۲۰۰۲ء



(۶) بہار شریعت، حصہ اول،ص: ۲۷ مجلس برکات جامعہ اشرفیہ مبارک پور ۱۴۲۷ھ، ۲۰۰۶ء

(۷) کشف بردہ،ص: ۳۰۱-۳۰۲، المجمع القادری، مبارک پور اعظم گڑھ، مجلس برکات جامعہ اشرفیہ مبارک پور ۱۴۲۶ھ، ۲۰۰۵ء

(۸) امام احمد رضا اور تصوف، از علامہ محمد احمد مصباحی،ص: ۵، ۶، المجمع الاسلامی، مبارک پور ۱۴۲۵ھ ، ۲۰۰۴ء

(۹) بہجۃ الاسرار ومعدن الانوار، از نورالدین ابوالحسن علی بن یوسف لخمی شطنوفی (م۷۱۳) موسسۃ الشرق لاہور، ۱۴۲۸ھ، ۲۰۰۷ء

(۱۰) جامع کرامات الاولیا،ص: ۶۰، ۶۱۔مرکز اہل سنت برکات رضاء پور بندر، گجرات۔

(۱۱) حجۃ اللہ علی العلمین، ج:۲،

(۱۲) محرر مذہب حنفی امام محمد بن حسن شیبانی اور چودھویں صدی ہجری کے مجدد، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قادری برکاتی بھی اسی زمرہ میں شامل ہیں۔

(۱۳) حجۃ اللہ علی العلمین، ج:۲،ص:۱۰۸-۱۱۱۔

(۱۴) جامع کرامات الاولیاء، ج:۱،ص:۶۶۔

(۱۵) رسالہ قشیریہ،ص:۳۰،بحوالہ امام احمد رضا اور تصوف،ص:۸۔

(۱۶) رسالہ قشیریہ،ص:۱۸،بحوالہ امام احمد رضا اور تصوف،ص:۸۔

(۱۷) اخبار الاخبار مترجم،ص:۵۶ تا ۵۸ ملخصاً۔

(۱۸) مشکوۃ المصابیح،ص:۱۲، الفصل الاول من کتاب الایمان۔

(۱۹) دلیل العارفین،ص:۱۔

(٢٠) حضرت خواجہ معین الدین چشتی، از صباح الدین، ص:٦٥۔

(٢١) سبع سنابل شریف مترجم، ص:٤٣٥۔

(٢٢) دلیل العارفین، ص:٢۔

(٢٣) دلیل العارفین، ص:٤٩۔

(٢٤) دلیل العارفین، ص:٧تا٩ملخصاً۔

(٢٥) دلیل العارفین، ص:٣٠ تا٣٦ملخصاً۔

(٢٦) دلیل العارفین، ص:٥۔

(٢٧) حضرت خواجہ معین الدین چشتی، از صباح الدین، ص٧٦۔

(٢٨) دلیل العارفین، ص:٧۔

(٢٩) دلیل العارفین، ص: ٢٤۔

(٣٠) دلیل العارفین، ص:٢٢۔

(٣١) دلیل العارفین، ص:٣،٤ملخصاً

(٣٢) دلیل العارفین، ص:٢١،٢٢۔

(٣٣) سبع سنابل شریف مترجم، ص:٤٣٧۔

(٣٤) سیر الاقطاب، ص:١٣٣،١٣٤۔

(٣٥) دلیل العارفین، ص:١٢۔

(٣٦) راحت القلوب، ص:٤٠۔

(٣٧) سلطان الہند غریب نواز، ص:١١٢تا١١٤ ملخصاً۔

(٣٨) سلطان الہند غریب نواز، ص:٩٣تا٩٥ملخصاً۔



(٣٩) حضرت خواجہ معین الدین چشتی، از صباح الدین، ص:٦٥،٦٦۔

(٤٠) مختصر تاریخ ہند، ص:٤٧،٤٨۔

(٤١) سلطان الہند غریب نواز، ص:١٠٨تا١١٠ملخصاً۔

(٤٢) سلطان الہند غریب نواز، ص:٩٧،٩٨۔

(٤٣) دعوت اسلام مترجم از عنایت اللہ، ص:٣٠١۔

(٤٤) سیر الاولیا، ص:٥٧۔

(٤٥) آئین اکبری، ج:٣، ص:١٦٨۔

(٤٦) خزینۃ الاصفیا، ج:١، ص:٢٥٩۔

(٤٧) سیر العارفین، ص:١٣۔

(٤٨) معین الارواح، ص:١١٤، اسرار الاولیا مترجم، ص:١١٦۔

(٤٩) فوائد السالکین، ص:٢٦۔

(٥٠) دلیل العارفین، مجلس نہم، ص:٤٢۔

(٥١) خزینۃ الاصفیا، ج:١، ص:٢٦٨۔

(٥٢) خزینۃ الاصفیا، ج:١، ص:٢٩٥، روضۃ الاقطاب، ص:٣٢۔

(٥٣) الملفوظ حصہ سوم، ص:٤٧، قادری مشن بریلی شریف

(٥٤) سیر الاقطاب، ص:١٠٣۔

(٥٥) دلیل العارفین، مجلس اوّل، ص:٢۔

# حضرت خواجہ غریب نواز رضی اللہ عنہ کا ہندوستان میں چشتی فیضان

پروفیسر فاروق احمد صدیقی، مظفر پور

ارشاد ربانی ہے۔ ''بے شک وہ جو ایمان لائے اور اچھے کام کئے، عنقریب ان کے لیے رحمٰن محبت کردے گا'' (یعنی اپنا محبوب بنائے گا اور اپنے بندوں کے دل میں ان کی محبت ڈال دے گا) [پ ۱۶ سورہ مریم آیت ۹۶]

اس آیت پاک کی شانِ نزول کے مطابق جب اللہ تعالیٰ کسی نیک بندے کو اپنا محبوب بنالیتا ہے تو سب سے پہلے حضرت جبرئیل سے کہتا ہے کہ میں نے فلاں بندے کو اپنا محبوب بنالیا ہے تو بھی اس سے محبت کر۔ پس حضرت جبرئیل علیہ السلام بھی اس سے محبت کرنے لگتے ہیں۔ پھر جبرئیل عالم بالا کے تمام ساکنوں کو اس کی اطلاع دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فلاں بندے سے محبت کرتا ہے تو تمام آسمان والے بھی اس سے محبت کرنے لگتے ہیں۔ پھر زمین والوں میں اس کی مقبولیت عام کردی جاتی ہے۔

اس شان نزول کا اطلاق وانطباق برصغیر ہندو پاک و بنگلہ دیش کے اولیائے کرام میں سب سے زیادہ سلطان الہند، سیدنا خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ علیہ کی ذات قدسی صفات پر ہوتا ہے۔ کیوں کہ ان کی غیر معمولی محبوبیت ومقبولیت کا سورج ہمیشہ ہر قرن وہر صدی میں نصف النہار پر رہا ہے۔ علمائے کرام اور مشائخ عظا



م کے تو وہ ممدوح ومخدوم رہے ہی ہیں۔ سلاطین ونوابین سے لے کر فقراء ومساکین تک نے ان کے آستانے کی حاضری اور در کی غلامی کو اپنے لیے باعث صد اعزاز وافتخار سمجھا ہے اور آج بھی یہ سلسلۂ لامتناہی جاری ہے اور ان شاء اللہ صبح قیامت تک جاری رہے گا۔ ان کے مزار پاک کی زیارت کے عدم جواز سے متعلق شرک وبدعت کے فتوے صادر ہوتے رہے، مگر یہاں عقیدت مندوں کا یہ مزاج رہا ہے کہ:

تعزیر جرم عشق ہے بے صرفہ محتسب
بڑھتا ہے یہاں ذوقِ گنہ اور سزا کے بعد

تقسیم ملک کے بعد بھی زائرین ومتوسلین کی تعداد میں کمی نہیں آئی ہے، بلکہ اس میں اضافہ ہی ہوتا جارہا ہے۔ اسی سے اندازہ ہوتا ہے کہ واقعی اللہ تعالیٰ نے خواجہ کی محبت اپنے بندوں کے دلوں میں بحد وافر ڈال دی ہے۔ جو ان کے در کی حاضری اور عرس پاک میں شرکت کو اپنی زندگی کی معراج سمجھتے ہیں۔

حضرت خواجہ سے استعانت اور حاجت طلبی کا مسئلہ بھی چوکھی حملوں کی زد میں رہا ہے۔ اس کے باوجود خواجہ کے دیوانوں کی ایمانی صحت پر کبھی کوئی اثر نہیں پڑا۔ خواجہ غریب نوازی کے ہزاروں بلکہ لاکھوں واقعات تذکروں اور تاریخ کی کتابوں میں مرقوم ہیں۔ میں ان کو نقل کرکے اپنی اس تحریر کو طول نہیں دینا چاہتا۔

الغرض خواجہ کی خدا داد مقبولیت کے پیش نظر اب اس امر کی ضرورت باقی نہیں رہ جاتی کہ ان کے روحانی مراتب ومقامات کے تعلق سے مزید کچھ کہا جائے۔ لیکن رسول گرامی وقار، حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد مقدس کو نقل کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ آپ نے حضرت خواجہ کو ''قطب المشائخ'' کے لقب سے ملقب فرمایا ہے۔

(سیر الاقطاب ص ۱۰۳ بحوالہ، بزم صوفیہ، از صباح الدین عبدالرحمٰن ص ۶۸)

نیز حضور پاک علیہ الصلوۃ والسلام نے حضرت خواجہ کو یہ مژدۂ جانفزا بھی

سنایا کہ ''معین الدین مجھے پیارا ہے میں نے اسے قبول کیا اور اپنا بنایا'' (ایضاً)

تذکرہ نگاروں کے مطابق حضرت خواجہ کو ہندوستان کے شہر اجمیر کو اپنا تبلیغی مرکز بنانے کا حکم بھی بارگاہ رسالت مآب ہی سے ملا۔ اسی لیے آپ کو ''عطائے رسول'' کے لقب سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔ ہندوستان کے تمام اولیائے عظام خواہ ان کا تعلق کسی بھی روحانی سلسلہ سے ہو، آپ سے بے پایاں عقیدت ومحبت کا اظہار فرماتے رہے ہیں۔

ہندوستان کے چار مشہور روحانی سلاسل ہیں۔ قادریہ، چشتیہ، سہروردیہ اور نقشبندیہ۔ ان میں حضرت خواجہ چشتی ہندوستان کے اندر سلسلہ کے بانی اور مبلغ کی حیثیت سے آفاق میں ممتاز ومحترم بنے اور اس کو روشناس خلق کیا۔ چشت، خراسان کے ایک مشہور قصبہ یا قریہ کا نام ہے۔ وہاں کے مشائخ اور ارباب طریقت نے تزکیۂ نفس اور اصلاح باطن کی غرض سے ایک روحانی مرکز قائم کیا تھا۔ چنانچہ اسی مقام کی نسبت سے چشتی سلسلہ مشہور ہوا۔ بہرکیف آپ کے وجود مسعود کے ذریعہ بلاد ہند میں چشتی سلسلہ متعارف ہوا۔ اس سلسلے سے وابستہ بزرگان دین جو غیر منقسم ہندوستان کے تمام حصوں اور علاقوں میں پھیلے ہوئے ہیں، ان سب کا شمار واحاطہ آسان نہیں۔ ہاں آپ کے چند بے حد اہم اور یگانۂ روزگار خلفا کی ایک فہرست صاحب خزینۃ الاصفیا نے مرتب کی ہے، جسے میں بزم صوفیہ، کے حوالے سے سپرد قلم کررہا ہوں، ملاحظہ ہو:

(۱) قطب الاقطاب خواجہ قطب الدین بختیار کاکی (دہلی) (۲) خواجہ فخر الدین صاحبزادۂ محترم حضرت خواجہ (قصبۂ سروار) (۳) شیخ حمید الدین صوفی ناگوری (۴) شیخ وجیہہ الدین (ہرات) (۵) خواجہ برہان الدین (اجمیر) (۶) شیخ احمد (اجمیر) (۷) شیخ محسن (۸) خواجہ سلیمان غازی (۹) شیخ شمس الدین (۱۰) خواجہ حسن خیاط (۱۱) جے پال جوگی / عبداللہ (اجمیر) (۱۲) شیخ صدر الدین



کرمانی (۱۳) بی بی حافظہ جمال صاحبزادی حضرت خواجہ (اجمیر) (۱۴) شیخ محمد ترک نارنولی (دہلی) (۱۵) شیخ علی سجزی (۱۶) خواجہ یادگار سبزواری (۱۷) شیخ متا (۱۸) شیخ وحید برادر (۱۹) شیخ مسعود غازی وغیرہم۔

یہ حضرات جہاں کہیں بھی آرام فرما ہیں، مرجع خلائق ہیں۔ ان کے روحانی فیوض وبرکات سے خلق خدا مستفید ہورہی ہے۔ زیر زمین رہ کر بھی وہ دلوں پر حکمرانی کررہے ہیں۔ اس طرح بندگان خدا کے دلوں کی کھیتی سرسبز وشاداب ہورہی ہے اور اس میں مسلم وغیر مسلم کی کوئی تخصیص نہیں۔

حضرت خواجہ کی حیات ظاہری کے بعد چشتی فیضان جن بزرگوں کے ذریعہ زیادہ عام ہوا، ان میں حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی قدس سرہ کا نام سرفہرست ہے۔ آپ کا قیام دہلی کے علاقۂ مہرولی، میں رہا اور وہیں آپ کی آخری آرام گاہ آج بھی مرجع خلائق ہے۔ آپ ۵۰۵ھ میں علاقۂ ماوراء النہر کے قصبہ ''اوش'' میں پیدا ہوئے۔ اصل نام بختیار تھا اور قطب الدین لقب۔ مشہور ہے کہ آپ کی جانماز کے نیچے سے روزانہ آپ کو غیبی طور پر روٹی ملا کرتی تھی اور افغانی زبان میں روٹی کو کاک، کہتے ہیں، اسی لئے آپ کاکی کہلائے۔ سیر الاولیاء کے مطابق اُوش سے نکل کر آپ بغداد اشرف البلاد پہنچے۔ وہاں امام ابواللیث سمرقندی کی مسجد میں حضرت خواجہ معین الدین چشتی کے دست حق پرست پر بیعت ہوئے، جہاں اور بہت سارے مشائخین کرام موجود تھے۔ اپنے مرشد سے فیوض وبرکات کی دولت گرانمایہ حاصل کرنے کے بعد سمرقند، غزنی، ملتان اور اجمیر ہوتے ہوئے دہلی تشریف لائے۔ اس وقت یہاں سلطان شمس الدین التمش کی حکومت تھی جو آپ کا سچا عقیدت مند تھا۔ بہرکیف! حضرت خواجہ قطب نے اپنی خانقاہ سے خلق خدا کی اصلاح وتربیت شروع کی، جس کے نتیجے میں ہزاروں تاریک دل نور ایمان سے جگمگانے لگے۔ چنانچہ خواجہ غریب نواز قدس سرہ کے بعد سب سے زیادہ بندگانِ خدا آپ ہی کی تبلیغی کوششوں کے نتیجے میں

دامن اسلام میں آئے۔آپ کے تقویٰ، طہارت اور اخلاص وللّٰہیت کا چرچا عام تھا۔ اس لئے لوگ دور دراز سے سفر کی صعوبتیں برداشت کرکے آپ کی زیارت کرنے آتے اور گوہر مراد سے دامن بھر کر لوٹتے اور بحمدہ تعالیٰ آج بھی یہ نورانی سلسلہ جاری ہے۔

دلیل العارفین کے نام سے آپ نے حضرت خواجہ غریب نواز علیہ الرحمۃ والرضوان کے ملفوظات کا ایک مجموعہ ترتیب دیا۔اس کا خوبصورت تعارف خود آپ نے یوں فرمایا ہے:

''یہ صحیفۂ ربانی اور نسخۂ فقر مبانی ملک المشائخ سلطان السالکین، منہاج المتقین، قطب الاولیا، شمس الفقرا، ختم المبتدین، معین الملت والدین حسن سجزی نور اللہ مرقدہٗ کے کلمات جان پرور سن کر جمع کئے گئے ہیں۔اس مجموعہ کا نام دلیل العارفین ہے۔اس میں حسب ذیل چار قسمیں ہیں۔قسم اول، فقر وصواب میں قسم دوم مکتوبات وتسبیح میں۔قسم سوم اوراد وغیرہ میں قسم چہارم سلوک اور اس کے فائدوں کے بیان میں''۔

آپ کے وصال کی تاریخ بزم صوفیہ اور اخبار الاخیار، دونوں کے مطابق ۱۴/ربیع الاول ۶۳۳ھ مطابق ۱۲۵۶ء ہے۔

صوفی حمید الدین ناگوری (۵۷۰-۶۷۳ھ) بھی حضرت خواجہ غریب نواز کے ممتاز خلفا میں تھے۔ان کی روحانی عظمت کا اسی سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ خود آپ کے پیر ومرشد حضرت خواجہ معین الملت والدین نے آپ کو سلطان العارفین کا لقب دیا۔ایک مرید باسعید کے لئے اس سے بڑے اعزاز واکرام کی بات اور کیا ہوسکتی ہے۔چناں چہ اپنی حیات ظاہری میں بھی آپ مرکز توجہ رہے اور وصال کے بعد بھی ناگور میں آپ کا مزار پاک مرجع خلائق ہے۔آپ ۲۹/ربیع الاول ۶۷۳ھ کو واصل بحق ہوئے۔

حضرت شیخ فریدالدین گنج شکر علیہ الرحمہ بھی چشتیہ سلسلہ کے گل سرسبز ہیں۔ آپ براہ راست حضرت خواجہ غریب نواز رضی المولیٰ تعالیٰ عنہ کے خلیفہ نہیں ہیں۔



بلکہ آپ نے حضرت خواجہ کے خلیفۂ اجل حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی علیہ الرحمۃ والرضوان کے دست مبارک پر بیعت کی اور انہیں سے تمام باطنی تعلیمات حاصل کیں۔لیکن حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی (صاحب اخبار الاخیار) کے مطابق آپ حضرت خواجہ غریب نواز کی صحبت سے بھی مستفید ہوئے اور یہ بہت بڑا اعزاز ہے۔آپ کا سال ولادت ۵۶۹ھ اور سال وفات ۶۶۴ھ ہے۔آپ کا مزار پاک اجودھن میں ہے جس کا نیا نام مغل بادشاہ اکبر اعظم نے پاک پٹن شریف رکھا، جو پاکستان کے شہر ملتان میں واقع ہے۔

علامہ اقبال یہاں حاضری دیا کرتے تھے۔ملاحظہ ہو:

''میرا خیال تھا کہ شاید [پٹن شریف عرس میں ہونے والے] کے موقعہ پر حاضر نہ ہوسکوں لیکن مزید غور کرنے پر اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ مجھے اس موقعہ پر جانا چاہئے۔اس واسطے آپ کی خدمت میں اطلاعاً عرض ہے کہ میں حاضر ہوں گا۔میرے ایک دو دوست بھی ہوں گے......''(کلیات مکاتیب اقبال ج۳ ص۱۱۵)

الغرض حضرت خواجہ گنج شکر کی مقدس تعلیمات نے بھی چشتی فیضان کو عام کرنے میں کلیدی رول ادا کیا ہے۔

حضرت نظام الدین اولیا محبوب الٰہی کا نام نامی اور اسم گرامی آسمان چشتیت پر مہر نیم روز کی طرح درخشاں اور تابناک ہے۔آپ حضرت خواجہ فرید الدین گنج شکر کی بیعت سے مشرف ہوئے۔لیکن شیخ کے وصال کے بعد حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی قدس سرہ کے مزار پرانوار پر جاکر باطنی فیوض وبرکات حاصل کرتے۔بدایوں میں آپ کی ولادت باسعادت ہوئی لیکن دہلی کو اپنا مستقر بنایا اور یہیں سے آپ کے فیوض کے چشمے جاری ہوئے۔آپ نے لاکھوں گم کردہ راہ بندگان خدا کی اصلاح وتربیت فرمائی اور آج بھی آپ کے لامتناہی فیوض وبرکات کا سلسلہ جاری ہے۔آپ کے ملفوظات کے چار مجموعے ملتے ہیں۔جن میں، فوائد الفواد کو بڑی

شہرت ملی۔ اس کے مرتب آپ کے مرید وخلیفہ خواجہ حسن سجزی ہیں۔ صاحب بزم صوفیہ کے مطابق:

''فوائد الفواد کو ہر زمانہ میں جو مقبولیت حاصل رہی، وہ چشتیہ سلسلہ کے اور مشائخ کے ملفوظات کو شاید حاصل نہیں ہوئی۔'' (بزم صوفیہ ص ۲۶۶)

سب سے محترم اور قد آور شاعر علامہ اقبال کو آپ کی ذات والا صفات سے خصوصی عقیدت رہی ہے۔ ۱۹۰۵ء میں ان کا پہلا سفر یوروپ ہوا تو اس موقعہ پر آپ نے حضرت محبوب الٰہی کے آستانے پر حاضر ہوکر ایک منقبتی نظم پڑھی جو ''التجائے مسافر'' کے عنوان سے آپ کے پہلے شعری مجموعہ ''بانگ درا'' میں موجود ہے۔ اس کے یہ تین ابتدائی اشعار ملاحظہ ہوں۔

فرشتے پڑھتے ہیں جس کو وہ نام ہے تیرا
بڑی جناب تری، فیض عام ہے تیرا
ستارے عشق کے تیری کشش سے ہیں قایم
نظام مہر کی صورت، نظام ہے تیرا
تری لحد کی زیارت ہے زندگی دل کی
مسیح وخضر سے اونچا مقام ہے تیرا

آپ کا سال ولادت ۶۳۱ھ اور سال وصال ۷۲۵ھ ہے۔ جہاں آپ کا مزار پاک ہے وہ جگہ اب بستی حضرت نظام الدین اولیا کے نام سے مشہور زمانہ ہے۔

تمام چشتی بزرگوں کا تعارف اس مختصر تحریر میں ممکن نہیں۔ اس لئے میں اپنی گفتگو حضرت محبوب الٰہی کے تذکرہ پر ختم کررہا ہوں۔

حضرت خواجہ غریب نواز اور ان کے خلفائے کرام نے مذہب اسلام کی اشاعت، سلسلۂ چشتیہ کے فروغ اور اصلاح امت کے لیے جو نیٹ ورک تیار کیا تھا وہ اپنے آپ میں بے مثال ہے۔ خواجہ معظم نے خواجہ قطب جیسے شاہباز لامکانی کو اسیر



دام عنایت فرمایا۔ قطب صاحب نے حضرت بابا فرید کو جانشین کیا۔ حضرت بابا فرید کے خلفا میں حضرت محبوب الٰہی اور مخدوم علاء الدین علی احمد صابر کلیری کے بلاواسطہ اور بالواسطہ مسترشدین اور فیض یاب ہونے والوں کی تعداد کروڑوں ہے۔ حضرت محبوب الٰہی کے فیض کو حضرت چراغ دہلوی نے عام وتام کیا۔ حضرت صابر کا سلسلہ حضرت خواجہ شمس الدین ترک پانی پتی کے مبارک وجود سے آج پورے عالم کو محیط ہے۔ حضرت چراغ دہلوی نے سیدنا خواجہ بندہ نواز گیسودراز کو فیوض چشت کا وہ سمندر عطا کردیا کہ آپ کے دم قدم سے سلسلۂ چشت کا علمی اور روحانی فیض آج بھی برصغیر ہندوپاک میں جلوہ بار ہے۔

ان بزرگوں کے علاوہ حضرت صوفی حمید الدین ناگوری خلیفۂ خواجۂ بزرگ، حضرت قطب جمال الدین احمد ہانسوی خلیفۂ بابا فرید، شیخ کلیم اللہ جہان آبادی دہلوی، حضرت خواجہ نظام اورنگ آبادی، خواجہ علاء الحق پنڈوی گنج نبات، حضرت نور قطب عالم، حضرت مخدوم سید محمد اشرف جہانگیر سمنانی، حضرت مخدوم سارنگ، شیخ سعید الدین خیرآبادی، شیخ محمد مینا لکھنوی، شیخ احمد عبدالحق ردولوی، حضرت خواجہ شاہ محمد سلیمان تونسوی، حضرت محبّ النبی خواجہ فخر الدین محمد دہلوی، خواجہ قیام اصدق اور اس طرز کے نہ جانے کتنے اولیائے چشت سرزمین ہندوستان میں آرام فرما ہیں جن کے وجود با مسعود سے ان کی حیات مبارکہ میں بھی اسلام کا نور اور خواجگان چشت کا فیض تقسیم ہوتا تھا اور آج بھی ان کے آستانے سسکتی ہوئی انسانیت کو محبت اور غمگساری اور حاجت روائی کی نعمتیں تقسیم کررہے ہیں ع

خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

مختصر یہ کہ حضرت خواجہ غریب نواز رضی المولیٰ تعالیٰ عنہ کا چشتی فیضان آج بھی برصغیر ہندوپاک وبنگلہ دیش میں جاری ہے اور ان شاء اللہ تعالیٰ ہمیشہ جاری رہے گا۔

# ہندوپاک کے اکابر مشائخ چشت

مولانا ڈاکٹر محمد عاصم اعظمی
جامعہ شمس العلوم گھوسی، مئو

دنیائے اسلام میں مسلمانوں کی روحانی تعلیم وتربیت اوران کے تزکیۂ باطن کے لیے معرفت وسلوک کے جو اہم سلاسل قائم ہوئے، ان میں سلسلۂ عالیہ چشتیہ کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ اس سلسلے کی خشت اول تاج الاولیا سراج الاصفیا، ملک المشائخ مقتدائے وقت شیخ ابواسحاق شامی چشتی متوفی ۳۲۹ھ نے خراسان میں ہرات کے قریب ایک شہر چشت کے اندر ۲۶۰ھ میں رکھی اوراس مقام کو اپنی روحانی تعلیم و تربیت کا مرکز بنایا۔ اسی مقدس شہر کی طرف یہ سلسلۂ عالیہ منسوب ہوا اور اس سے وابستہ ہونے والوں کو چشتی کہا جانے لگا۔

ابتدا میں یہ سلسلہ ملک خراسان ہی تک محدود رہا۔ اس خانوادے کے تیسرے شیخ ناصح الدین حضرت خواجہ ابومحمد بن خواجہ ابواحمد چشتی (۳۳۱-۴۱۱ھ) سب سے پہلے ہندوستان تشریف لائے۔ ان کا مقصد ورود ہند، غزوہ ہند میں شرکت کرنا تھا۔ سلطان محمود غزنوی نے ۴۱۵ھ میں جب سومنات پر فوج کشی کی تو حضرت خواجہ ابو محمد چشتی نے خواب میں حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کا شرف حاصل کیا۔ حضور نے ارشاد فرمایا:

’’اے ابومحمد، تم کو سلطان مجاہد کی مدد کے لیے جانا چاہیے۔ چنانچہ رسول



گرامی کے حکم کی تعمیل میں چند درویشوں کے ساتھ سومنات آگئے اور ستر سال کی عمر میں کفار ومشرکین کے مقابلہ میں شریک جہاد ہوئے۔ ایک دن جنگ میں مشرکین غالب آگئے۔ مسلمانوں نے راہ فرار اختیار کی۔ خواجہ ابومحمد نے یہ منظر دیکھا تو اپنے مرید خاص خواجہ محمد کاکو کو میدان کارزار سے آواز دی: اے کاکو آگے بڑھ۔ کاکو نے جھپٹ کر کفار پر حملہ کر دیا اور اتنی بے جگری سے لڑا کہ مشرکین کو پسپا ہونے پر مجبور کر دیا اور لشکر اسلام کو فتح نصیب ہوئی۔‘‘ (نفحات الانس ص ۵۶)

فتح سومنات کے بعد محمود غزنوی کے ساتھ حضرت خواجہ ابومحمد چشت لوٹ گئے اور تقریباً پونے دوسو برس بعد سلطان الہند حضرت خواجہ معین الدین چشتی سنجری رحمۃ اللہ علیہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارت عظمیٰ کے ساتھ وارد ہندوستان ہوئے اور سب سے پہلے اجمیر مقدس میں سلسلۂ چشتیہ کا خانقاہی نظام قائم ہوا اور اس چشمۂ معرفت کے فیوض وبرکات سے شمالی ہند کے علاقے مستفیض ہوئے۔

شمالی ہند میں اسلامی حکومت کے قیام سے پہلے ہی جس طریقۂ روحانی کی داغ بیل حضرت خواجہ بزرگ نے ڈالی، بعد میں آپ کے نامور خلفا، مریدین، متوسلین کی مساعی جمیلہ سے ہندوستان کے طول وعرض میں خوب مشتہر ہوا اور اس کی خانقاہیں ہندوستان کے مختلف شہروں میں قائم ہوئیں، جہاں سے سالکین طریقت بہرہ مند ہوئے اور مشائخ چشت کی تربیت روحانی سے کروڑوں انسان پاکیزہ اطوار اور عبادت وریاضت کے شائق بن کر نجات اخروی کا توشہ جمع کرنے لگے۔

قدرت نے اقلیم ہند کی روحانی تربیت کے لیے ابتداءً جس روحانی خانوادے کو مختص فرمایا، وہ سلسلۂ چشتیہ ہے۔ جس کے اکابر مشائخ نے صدیوں تک ہندوستان کے افق معرفت پر شمس وقمر کی طرح ضیا پاشیاں کیں اور اس سرزمین پر سلسلۂ چشتیہ کو جو فروغ حاصل ہوا وہ اپنی نظیر آپ ہے۔ اکابر مشائخ چشت کی علمی، دینی، روحانی سرگرمیوں اور ان کی بے لوث خدمات کے نتیجے میں ہندوستان میں

تصوف وسلوک کا جو ستھرا مذاق پیدا ہوا، اس کے خوش گوار اثرات آج بھی برصغیر ہند کے چپہ چپہ میں پائے جاتے ہیں۔ ذیل میں ہند وپاک کے چند اہم اکابر مشائخ چشت کا اجمالی تذکرہ ہدیہ قارئین ہے۔

**معین الملۃ والدین سلطان الہند حضرت خواجہ غریب نواز رضی اللہ تعالیٰ عنہ:**

حضرت سلطان الہند، نیر آسمان معرفت کا اسم گرامی معین الدین ہے۔ والدین حسؔن کے نام سے پکارتے تھے، آپ نجیب الطرفین سید تھے، پدری سلسلہ نسب بارہویں پشت میں حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے توسط سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے مل جاتا ہے۔

والدہ ماجدہ بی بی ام الورع کا شجرۂ نسب حضرت امام حسن کے واسطے سے حضرت علی تک پہنچتا ہے۔ (خزینۃ الاصفیاء ج ا، ص ۲۵۷) حضرت خواجہ غیاث الدین حسن صاحب ثروت عالم اور صوفی منش انسان تھے، سیستان سے ترک وطن کر کے خراسان آئے جہاں قصبہ سنجر علاقۂ سیستان میں ۵۳۷ ھ میں حضرت خواجہ غریب نواز کی ولادت ہوئی۔

حضرت خواجہ نے صاحب علم، پارسا والدین کے آغوش میں پرورش پائی، اس لیے عام بچوں کی طرح آشنائے لہو ولعب نہ تھے۔ پیشانئ مبارک پر لمعۂ نور اور شائستہ اطوار اس امر کی غمازی کرتے تھے کہ آپ ایک غیر معمولی شخصیت ہیں اور آگے چل کر فکر وعمل، صلاح وتقویٰ کا روشن مینار ہوں گے۔

ابتدائی تعلیم پدر بزرگوار کے زیر سایہ ہوئی۔ نو برس کی عمر میں قرآن کریم حفظ کیا۔ پھر ایک مدرسہ میں داخل ہو کر تفسیر وحدیث اور فقہ کی تعلیم پائی۔ جب پندرہ سال کی عمر کو پہنچے تو والد گرامی کا سایہ اٹھ گیا۔ ترکہ میں ایک باغ اور ایک پن چکی حاصل ہوئی جس سے آپ گزر اوقات فرماتے۔



**مجذوب ابراہیم قندوزی کی ملاقات:**

ایک دن آپ اپنے باغ میں درختوں کی آبیاری کر رہے تھے کہ اس بستی کے ایک مجذوب ابراہیم قندوزی جن پر ہمیشہ جذب وسرمستی کی کیفیت طاری رہتی تھی، باغ کے اندر داخل ہوئے۔ خواجہ صاحب کی نظر ان پر پڑی تو ادب کے ساتھ سامنے گئے اور انہیں لا کر ایک سایہ دار درخت کے پاس بٹھا دیا اور تازہ انگور کا خوشہ سامنے لا کر رکھ دیا اور خود دوزانو ہو کر بیٹھ گئے۔ حضرت مجذوب نے انگور تناول فرمائے اور خوش ہو کر بغل سے کھلی کا ایک ٹکڑا نکال کر اپنے منہ میں ڈالا دندان مبارک سے چبا کر حضرت خواجہ کے منھ میں ڈال دیا۔ اس طرح آپ کو ذوق حقیقت کی لذت سے آشنا کر دیا۔

کھلی کا حلق سے اترنا تھا کہ قلب وروح میں انوار الٰہی پیدا ہوئے، شبہات کے پردے نگاہوں سے اٹھنے لگے، دل کی دنیا میں انقلاب برپا ہو گیا، دنیا سے نفرت پیدا ہو گئی۔ رشتہ ومحبت کے سارے علائق توڑ دیئے۔ باغ اور پن چکی اور ساز وسامان بیچ ڈالا۔ ساری قیمت فقرا اور مساکین میں تقسیم کر دی اور طالب حق بن کر بیک بنی و دوگوش میدان جستجو میں اتر پڑے، وطن چھوڑ دیا اور سیر وسیاحت شروع کی۔

**علم شریعت کی تحصیل:**

سالکان طریقت کا یہ دستور رہا ہے کہ وہ منزل معرفت تک پہنچنے کے لیے سب سے پہلے علوم ظاہری کا زینہ طے کرتے ہیں۔ پھر عمل کی دشوار گزار منزلوں سے آگے بڑھ کر علوم باطن کی تحصیل کرتے ہیں۔ حضرت خواجہ نے بھی یہی راہ اختیار کی اور وطن سے نکل کر سمرقند و بخارا کا رخ کیا اور وہاں کے اکابر علما سے علوم دینیہ کی تحصیل فرمائی۔

**بیعت:**

علوم دینیہ کی تکمیل کے بعد علوم معرفت کی تحصیل کے لیے روح بیقرار ہوئی تو عراق وحجاز کا رخ کیا جہاں صلحا وصوفیا کی مقتدر ہستیاں بادۂ وحدت کے متوالوں کو سرشار کر رہی تھیں، حضرت خواجہ غریب نواز نے مطالعہ ومشاہدہ کائنات اور وقت کی بر

گزیدہ روحانی شخصیتوں سے فیض اٹھانا شروع کیا مگر مرشد برحق کی جستجو میں نظر کسی شیخ طریقت پر نہیں جمی۔ بخت نے یاوری کی اور قصبہ ہارون علاقہ نیشا پور میں آئے جہاں مقتدائے مسالک اسلام، مورد فیض شہر یار مما لک عرفان، مظہر جود و منبع احسان حضرت خواجہ عثمان ہارونی قدس سرہٗ کے میخانۂ معرفت میں داخل ہوئے، خانقاہ عثانی کی جلوہ بار فضاؤں نے یقین و آگہی کے مقام سے روشناس کر دیا۔ آپ مرشد کامل کے حلقۂ ارادت میں داخل ہو گئے اور ان کے دست حق پرست پر بیعت ہو گئے۔

**مجاہدہ وسیاحت:**

حلقۂ ارادت میں داخل ہونے کے بعد خواجہ صاحب نے تزکیہ باطن کے لیے سخت مجاہدات کیے۔ ان کا تذکرہ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کا کی اس طرح فرماتے ہیں۔ ''خواجہ بزرگ نے بڑے بڑے مجاہدات کیے، آپ سات شبانہ روز افطار کرتے اور پانچ مثقال وزن کی روٹی پانی میں بھگو کر تناول فرماتے، آپ کا لباس دو چادریں تھیں جن میں پیوند لگے رہتے، پیوند لگانے کے لیے جس قسم کا کپڑا مل جاتا، اسے سی لیتے۔ (مرآۃ الاسرار ص ۵۹۵)

شیخ طریقت سے آپ کو اس درجہ عشق ہو گیا کہ سایہ کی طرح ساتھ ساتھ رہنے لگے۔ جہاں کہیں مرشد طریقت جاتے، حضرت خواجہ آپ کا بستر خواب اور توشہ اور دوسری ضروری اشیا سر پر لادے ہوئے ہمراہ چلتے۔ کامل بیس سال خدمت وطاعت مرشد میں گزارے، طویل سیر وسیاحت کے دوران سیستان، دمشق، طوس، بدخشاں، بغداد، مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ اور دیگر شہروں میں گئے اور وہاں کے صوفیا اور صلحا سے روحانی فیض حاصل کیے۔

حرمین شریفین کے ایک سفر کا واقعہ ہے کہ حضرت خواجہ عثمان ہارونی نے کعبۃ اللہ میں میزاب رحمت کے نیچے اپنے چہیتے مرید حضرت خواجہ کے لیے دعا کی اور ان کا ہاتھ پکڑ کر سپرد خدا کیا، غیب سے آواز آئی کہ ہم نے معین الدین کو قبول کیا، شیخ یہ آواز



سن کر بہت مسرور ہوئے اور بارگاہ الٰہی میں شکر ادا کیا، حج سے فراغت کے بعد روضۂ اقدس کی زیارت کے لیے مدینہ منورہ پہنچے تو حضرت خواجہ بزرگ نے دربار رسالت میں سلام و نیاز پیش کیا جواب ملا وعلیک السلام، اے سمندر اور جنگلوں کے قطب مشائخ۔ جب یہ آواز آئی تو خواجہ ہارونی صاحب نے فرمایا، کام مکمل ہو گیا۔

**خرقۂ خلافت وجانشینی:**

جب روحانیت کے استاد کامل نے اپنے مرید خاص کو حقیقت ومعرفت کا ایک ایک ورق پڑھا دیا اور تلاش حق کے تمام مراحل طے کرا دیے اور درجۂ قطبیت پر فائز کر دیا، پھر خرقۂ خلافت وجانشینی عطا فرمائی۔ پھر عصائے مبارک، نعلین چوبی (کھڑاؤں) اور مصلیٰ عنایت کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: یہ تبرکات ہمارے پیر طریقت کی یادگار ہے جو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے ہم تک پہنچے ہیں اور ہم نے تجھے دیئے ہیں۔ ان کو اس طرح اپنے پاس رکھنا جس طرح ہم نے رکھا، جس کو مرد پانا اسی کو ہماری یہ یادگار دینا، خلق سے طمع نہ رکھنا، آبادی سے دور مخلوق سے کنارہ کش رہنا، کسی سے کچھ طلب نہ کرنا۔ (انیس الارواح، ص ۳۴-۳۵)

**سیر وسیاحت:**

جب حضرت غریب نواز شیخ طریقت سے رخصت ہوئے تو مشاہدہ اور مطالعۂ عالم اور اہل اللہ کی زیارت کی غرض سے سفر کا آغاز کیا۔ دوران سفر جہاں بھی جاتے، شیخ کی ہدایت کے مطابق خود کو عام لوگوں سے علیحدہ رکھتے، علما وصلحا کی زیارت اور ان سے کمال باطنی کا کسب اور ذکر وفکر کے علاوہ کسی چیز سے سروکار نہ رکھتے۔ چنانچہ سنجان میں حضرت شیخ نجم الدین کبریٰ متوفی ۶۱۸ھ، جیل میں حضرت شیخ عبد القادر جیلانی، بغداد میں شیخ ضیاء الدین کی زیارت اور باطنی فیوض سے بہرہ مند ہوئے۔ بغداد کے دوران قیام اوحد الدین کرمانی جو ابھی عرفان کے اولین مرحلہ میں تھے، معتقد ہوئے اور حلقہ ارادت میں داخل ہو کر خلافت سے سرفراز ہوئے۔ شیخ

شہاب الدین عمر سہروردی نے بھی آپ کی خدمت عالی سے کسب فیض کیا۔

ہمدان میں خواجہ یوسف ہمدانی سے ملاقات ہوئی۔ وہاں سے تبریز آ کر شیخ ابوسعید تبریزی کی خدمت میں حاضر ہو کر کسب فیض کیا۔ اصفہان میں شیخ محمود اصفہانی کی زیارت کی۔ خواجہ قطب الدین بختیار کاکی ان دنوں اصفہان میں موجود تھے اور شیخ محمود کے حلقۂ ارادت میں داخل ہونا چاہتے تھے مگر جب ان کی نگاہ حضرت خواجہ غریب نواز پر پڑی تو دل و جان سے گرویدہ ہو گئے اور حلقۂ ارادت میں داخل ہو گئے۔ حضرت نے اپنی دو تائی انہیں عطا کر دی۔ مراحل عرفان طے کرنے کے لیے قطب صاحب نے خواجہ صاحب کی رفاقت سفر کو لازم قرار دیا اور ان کے ہمراہ حج و زیارت کے لیے روانہ ہوئے۔ ۵۸۳ھ میں مکہ معظّمہ پہنچے اور حج و زیارت سے مشرف ہو کر مدینہ منورہ کا رخ کیا۔

**بشارت:**

مدینہ منورہ میں آپ عبادات میں مشغول رہتے۔ اپنے قیمتی اوقات مسجد نبوی کے اندر ذکر و فکر میں گزارتے۔ بالآخر وہ لمحہ جاں نواز آ گیا، جب بارگاہ رسالت سے یہ مژدۂ دلنواز ملا: اے معین الدین! تو میرے دین کا معین ہے، میں نے تجھے ہندوستان کی ولایت عطا کی۔ وہاں کفر و ظلمت پھیلی ہوئی ہے، تو اجمیر جا، تیرے وجود سے ظلمت کفر دور ہوگی اور اسلام رونق پذیر ہوگا۔ (سیر الاقطاب ص ۱۲۴)

اس بشارت عظمیٰ سے حضرت خواجہ غریب نواز پر وجدانی کیفیت طاری ہوگئی، یہ بارگاہ رسالت کی حاضری اور سخت مجاہدہ و ریاضت کا تحفہ تھا لیکن وہ کچھ حیران و متردد بھی ہوئے کہ شہر اجمیر کہاں ہے، سمت سفر کیا ہوگی؟ مدینہ سے اجمیر کی مسافت کتنی ہے؟ راستہ کے پیچ و خم کیا ہیں؟ اسی فکر میں نیند آ گئی اور خواب میں تاجدار کونین حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کا شرف عظیم حاصل ہوا اور حضور نے آپ کو ایک ہی نظر میں مشرق سے مغرب تک سارے عالم کو دکھا دیا۔ تمام بلاد و امصار آپ



کی نگاہوں کے سامنے تھے، اجمیر، وہاں کا قلعہ اور پہاڑیاں نظر آئیں۔ سرکار نے ایک انار عطا کر کے ارشاد فرمایا۔ ”ہم تجھ کو خدا کے سپرد کرتے ہیں۔“ (مونس الارواح ص ۳۰)

**سفر ہند:**

جب بیدار ہوئے تو فرمان رسالت کے بموجب چالیس اولیا کے ساتھ ہندوستان کی طرف متوجہ ہوئے۔ حکم رسالت کی تعمیل میں حضرت غریب نواز ہندوستان کے لیے روانہ ہوئے۔ اثنائے راہ بغداد، بخارا، سبزہ وار، بلخ، سمرقند ہوتے ہوئے لاہور پہنچے، جہاں حضرت ابوالحسن علی بن عثمان ہجویری داتا گنج بخش علیہ الرحمہ کے مزار پر انوار پر حاضری دی، اعتکاف کیا اور روحانی فیوض سے مالا مال ہوئے۔ جب لاہور سے روانہ ہوئے تو مزار مقدس پر یہ شعر پڑھا ؎

گنج بخش فیض عالم، مظہر نور خدا　　ناقصاں را پیر کامل، کاملاں را رہنما

لاہور سے سمانا ہوتے ہوئے دہلی پہنچے۔ یہاں کھانڈے راو کے آدمیوں نے تنگ کرنا چاہا مگر آپ کے اخلاق کریمانہ سے لوگ اس قدر متاثر ہوئے کہ بہت سے راجپوت مسلمان ہو گئے اور آپ کی بزرگی اور کرامت کا چرچا سن کر لوگ جوق در جوق آنے لگے، اسلام کا نور پھیلنے لگا مسلمانوں کا ایک وسیع حلقہ بن گیا مگر آپ کی منزل مقصود اجمیر تھی، اس لیے اپنے خلیفہ حضرت قطب الدین بختیار کاکی علیہ الرحمہ کو دہلی میں خلق خدا کی ہدایت کے لیے چھوڑ کر عازم اجمیر ہوئے۔

**ورود اجمیر:**

حضرت خواجہ کی آمد کے وقت ہندوستان میں مشرق سے لے کر مغرب تک کفر و شرک کا دور دورہ تھا، توحید و صداقت کی کرن کہیں نظر نہ آتی تھی سید محمد بن مبارک کرمانی اس وقت کے حالات کا جائزہ ان الفاظ میں پیش کرتے ہیں:

ہندوستان کی مملکت میں آخری سرے تک ہر طرف کفر و کافری اور بت پرستی کا دور دورہ تھا، ہندوستان کے سرکش اور مغرور لوگ اکثر خدائی کا دعویٰ کرتے تھے اور

خدائے بزرگ و برتر کے شریک بنتے، پتھروں، درختوں، جانوروں اور چوپایوں اور گائے کے گوبر تک کو پوجتے کفر کی ان تاریکیوں میں ان کے دلوں پر قفل لگے ہوتے تھے ؎

ہم غافل از حکم دین و شریعت　　ہم بے خبر از خدا و پیمبر
نہ ہرگز کسے دیدہ ہنجار قبلہ　　نہ ہرگز شنیدہ کس اللہ اکبر

ایسے پر آشوب اور پرفتن ماحول میں حضرت خواجہ نے قدیم ہندوستان کے عظیم سیاسی و مذہبی مرکز اجمیر کو اپنے قیام کے لیے منتخب فرمایا۔ یہ جرأت مندانہ فیصلہ مردِ حق شناس کی اولوالعزمی اور بلند ہمتی اور ایمانی جرأت کا ایک درخشاں کارنامہ ہے۔ اجمیر اس زمانہ میں ہندوستان کی سب سے بڑی حکومت کا دارالسلطنت تھا جہاں پرتھوی راج کی حکومت تھی۔ دہلی بھی اس کی عمل داری میں تھا۔ اس زمانے میں اجمیر ہندوؤں کا بہت بڑا مرکز تھا۔ حضرت خواجہ غریب نواز نے شہاب الدین غوری کی فتح دہلی و اجمیر سے قبل اس مرکزی شہر کو اپنی روحانی قلمرو کی راجدھانی کے لیے منتخب کیا۔

حضرت غریب نواز کے زمانہ ورود اجمیر کے سلسلے میں تاریخ و سیر کی روایت میں اختلاف پائے جاتے ہیں، تاہم تاریخی قرائن اس امر کی توثیق کرتے ہیں کہ آپ ۵۸۷ھ میں وارد اجمیر ہوئے، جہاں روز اول ہی سے آپ کی باطل شکن کرامتوں کا ظہور ہونے لگا، جس نے ایک بوریا نشین درویش کی روحانی عظمت وقوت کا سکہ اہل اجمیر کے دلوں پر بٹھا دیا۔

شہر اجمیر میں حضرت خواجہ کی کرامتوں کا شہرہ ہوا تو وہاں کے قدامت پرست لوگوں میں اضطراب پیدا ہوا۔ انہوں نے راجہ سے درخواست کی کہ یہ اجنبی شخص جو ہمارے شہروں کے مندروں کے پاس سکونت گزیں ہے، یہاں اس کا قیام ہرگز مناسب نہیں۔ اس کے اخراج کا حکم صادر کرنا چاہیے۔ ہزاروں سال پرانی رسومات کا خاتمہ کر کے یہ شخص اپنا دین پھیلا دے گا۔



پرتھوی راج اور اس کے ساتھیوں کا حضرت کی کرامات کے پیش نظر خیال تھا کہ یہ فقیر بہت بڑا جادوگر ہے، اس کے مقابلے کے لیے جادوگروں کی بڑی جماعت اکٹھا کی جائے۔ انہیں کی مدد سے اس فقیر کو نکالنا ممکن ہوگا۔ چنانچہ انہوں نے سب سے بڑے جادوگر جے پال کو بلایا۔ جے پال نے اپنے ڈیڑھ ہزار شاگردوں کے ساتھ جو سحر میں کمال رکھتے تھے، اجمیر پہنچا۔ جے پال اور اس کے چیلوں نے حضرت خواجہ کے خلاف سحر کے کرشموں کا آغاز کیا۔ پہاڑ کی بلندیوں سے ہزاروں کی تعداد میں زہریلے سیاہ سانپ لہراتے ہوئے حضرت خواجہ کی جانب بڑھے۔ مار سیاہ کا یہ لشکر جب حدود آخر تک پہنچا، سانپوں نے لکیر پر سر رکھ دیا آگے نہ بڑھ سکے۔ جب یہ سحر ناکام ہوا، جے پال نے اپنے فن کے زور سے آگ کی بارش برسانی شروع کی، ہر طرف انگاروں کے ڈھیر لگ گئے، ہزاروں ہرے بھرے درخت جل کر راکھ ہو گئے مگر دائرہ حصار اور اس کی فضا آگ کے ان انگاروں سے بالکل محفوظ رہی۔ جب آتش سحر سے حضرت خواجہ اور ان کے ساتھیوں کو ذرہ برابر گزند نہ پہنچا تو جے پال نے اپنی دانست میں اپنے ترکش کا آخری تیر چھوڑنے کا ارادہ کیا۔ اس نے حضرت خواجہ سے خطاب کرتے ہوئے کہا: اب میرا اور تمہارا مقابلہ باقی ہے، بہتر ہے کہ اب تم فوراً اجمیر چھوڑ دو۔ ورنہ میں آسمان پر جا کر تمہارے سر پر اس قدر بلائیں برساؤں گا کہ تمہارا سنبھلنا دشوار ہو جائے گا۔ حضرت خواجہ نے تعجب سے فرمایا کہ ؎

تو کار زمیں را نکو ساختی　　کہ با آسماں نیز پرداختی

جے پال نے ہرن کا مرگ چھالا ہوا میں پھینکا اور اچھل کر اس پر بیٹھ گیا۔ دیکھتے ہی دیکھتے وہ ہوا میں پرواز کرنے لگا اور نگاہوں سے غائب ہو گیا۔ لوگ حیران تھے، دیکھو اب کیا ہوتا ہے؟ حضرت نے جے پال کا یہ کرشمہ اور لوگوں کی حیرانی دیکھی تو اپنے نعلین چوبیں (کھڑاؤں) کو حکم دیا کہ جا اور سرزنش کر، مغرور جے پال کو نیچے اتار لا۔ یہ فرمان سنتے ہی دونوں کفش پرندوں کی طرح ہوا میں اڑتے ہوئے نگاہوں سے

روپوش ہو گئے۔ چند ساعت بعد لوگوں نے یہ حیرت انگیز منظر دیکھا کہ حضرت کے پاپوش جے پال کے سر کو کوٹتے ہوئے خواجہ کے پاس لے آئے۔

کھڑاؤں کی ضرب نے منکر جے پال کو پارہ پارہ کر دیا۔ اسے معلوم ہو گیا کہ یہ درویش جادوگر نہیں بلکہ روحانیت کی غیر متزلزل طاقت کا مالک ہے۔ اس کے ادنیٰ حکم سے بے جان کھڑاؤں نہ صرف ہوا میں اڑنے کی صلاحیت سے بہرہ مند ہو جاتے ہیں بلکہ ہندوستان کے ماہر فن جادوگر کو بے بس کر کے ذلت وحقارت کے ساتھ زمین پر لانے کی قوت پالیتے ہیں۔ نگاہوں سے حجابات اٹھ چکے تھے۔ جے پال نے حضرت کے قدموں پر سر رکھ دیا اور خلوص دل کے ساتھ اسلام قبول کر لیا۔

یہ مناظر دیکھ کر پرتھوی راج خوف زدہ ہوا اور شہر کی طرف لوٹ آیا۔ حضرت خواجہ نے پرتھوی راج کو قبول اسلام کی دعوت دی مگر وہ اپنی ہٹ دھرمی پر اڑا رہا اور اس نے مسلمانوں کو ایذائیں دینی شروع کیں۔ ایک بار آپ کے مرید کو ناقابل برداشت ایذائیں دیں تو اس نے حضرت خواجہ سے شکایت کی۔ حضرت نے کسی شخص کو راجہ کے پاس بھیجا اور مسلمانوں پر ظلم وتشدد سے باز رہنے کا حکم دیا۔ حضرت کی ہدایت اسے بہت ناگوار گزری۔ اس نے ناراض ہو کر کہا، کیا ہی اچھا ہو کہ یہ فقیر یہاں سے چلا جائے اور یہ بات ہر شخص سے کہتا رہتا۔ جب راجہ کی گستاخی کی خبر حضرت کو ملی، آپ نے غضبناک ہو کر ارشاد فرمایا: ''پتھورا را زندہ گرفتیم و دادیم'' ہم نے راجہ پتھورا کو زندہ گرفتار کیا اور دے دیا۔ (مونس الارواح، ص ۳۷)۔

یہ پیشین گوئی ہندوستان میں سیاسی لحاظ سے خاص اہمیت رکھتی ہے۔ انہیں دنوں سلطان شہاب الدین غوری نے ہندوستان کا رخ کیا اور ترائن کی دوسری جنگ میں پرتھوی راج اور اس کے عظیم لشکر کو شکست فاش دی۔ پرتھوی راج گرفتار ہوا اور مارا گیا۔ اس جنگ کے بعد شمالی ہندوستان میں مسلمانوں کا اقتدار قائم ہو گیا، ہندوستان میں مسلمانوں کا عروج واقبال کا پرچم لہرانے لگا اور تبلیغ دین کے لیے راہیں ہموار



ہونے لگیں۔

**فیض دعوت:**

حضرت خواجہ خواجگان کی دینی خدمات اور ان کے روحانی فیوض وبرکات سے برصغیر ہند میں اسلام کی ہمہ گیر اشاعت ہوئی۔

**وصال:**

حضرت خواجہ غریب نواز نے ہند کی سرزمین پر دعوت حق اور تبلیغ واشاعت اسلام میں تقریباً ۴۵ سال بسر فرمائے۔ آپ نے اپنی مساعی جمیلہ اور باطنی تصرفات سے ظلمت کدۂ ہند پر اسلام کی روحانی وسیاسی اقتدار کی جڑیں مستحکم فرمائیں۔ معرفت وسلوک کا ایک شاداب باغ لگایا جس کی نسیم نکہت بار سے پورا برصغیر ہند مہک اٹھا اور آج تک چمنستان چشت کی خوشبو فضائے ہند میں رچی بسی ہوئی ہے۔ کشتگان خنجر تسلیم زندگی کی بہاروں پر موت کے ذریعہ ملنے والے وصل محبوب کو ترجیح دیتے ہیں اور زندگی کے لمحات اسی انتظار میں گزرتے ہیں۔ ان کے لیے پیغام اجل مژدۂ جانفزا ہوتا ہے، حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی حضرت خواجہ کے ساتھ آخری مجلس کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

جمعرات کا دن تھا اور یہی آخری صحبت تھی۔ اجمیر کی جامع مسجد میں قدم بوسی کا شرف حاصل ہوا۔ اہل اللہ، معززین اور عقیدت مند سبھی موجود تھے، ملک الموت پر بات چلی۔ ارشاد ہوا کہ ملک الموت کے بغیر دنیا کی کیا قیمت ہے لوگوں نے دریافت کیا ایسا کیوں؟ ارشاد ہوا کہ حدیث مبارک میں ہے کہ " الموت جسرٌ یوصل الحبیب الی الحبیب '' موت ایک پل ہے جو دوست کو دوست سے ملاتا ہے۔

اس مجلس میں مشائخ چشت کے تبرکات اور خلافت وجانشینی کی سند حضرت قطب الدین صاحب کو عطا فرمائی اور ہندوستان کے پایۂ تخت دہلی کی طرف روانہ فرمایا۔ جو مستقبل میں روحانی قلمرو کا بھی پایۂ تخت بنا۔ ۶؍رجب المرجب ۶۳۳ھ

۱۶/مارچ ۱۲۳۶ء دوشنبہ کی شب جان جان آفریں کے حوالے کی۔

**ارشادات:**

حضرت خواجہ غریب نواز کی مجالس رشد و ہدایت، تعلیم و تلقین، تربیت اخلاق اور تہذیب نفس کی درسگاہ ہوا کرتی تھیں۔ خاص خاص موقعوں پر حضرت خواجہ نے جو تلقینات و ہدایات فرمائیں، آپ کے خلیفہ اور جانشین خواجہ قطب الدین بختیار کاکی علیہ الرحمہ نے ''دلیل العارفین'' میں بعض مجلسوں کے ارشادات یکجا فرما دیے ہیں۔ ذیل میں آپ کے کچھ ارشادات نقل کیے جاتے ہیں:

☆ جس نے کچھ پایا خدمت سے پایا۔ پس لازم ہے کہ پیر کے فرمان سے ذرہ برابر تجاوز نہ کرے۔ جو کچھ اس سے نماز تسبیح اور اوراد وغیرہ کی بابت فرمائے، گوش ہوش سے سنے اور اسے بجالائے تاکہ کسی مقام پر پہنچ سکے۔ کیونکہ پیر مرید کا سنوارنے والا ہے۔ پیر جو کچھ فرمائے گا، وہ مرید کے کمال ہی کے لیے فرمائے گا۔'' (دلیل العارفین ص۲)

☆ عارف اس شخص کو کہتے ہیں جو تمام جہان کو جانتا ہو اور عقل سے لاکھوں معنی پیدا کرسکتا ہو اور بیان کرسکتا ہو اور محبت کے تمام حقائق کا جواب دے سکتا ہو اور ہر وقت بحر وحدت میں تیرتا رہے تاکہ اسرار الٰہی و انوار الٰہی کے موتی نکالتا رہے اور دیدہ ور جوہریوں کے روبرو پیش کرتا رہے۔ (ایضاً، ص۴)

☆ عاشق کا دل محبت کی آگ کا آتش کدہ ہے (سوائے حق) جو اس کے دل میں آتا ہے وہ جل کر خاکستر و ناپید ہو جاتا ہے، کیونکہ آتش محبت سے بڑھ کر دنیا میں کوئی آگ نہیں۔

☆ قبرستان میں عمدہ کھانا کھانا یا پانی پینا گناہ کبیرہ ہے۔ جو عمداً کھائے، وہ ملعون اور منافق ہے۔ کیونکہ گورستان مقام عبرت ہے، نہ کہ جائے حرص و ہوا۔ (ایضاً، ص۱۶)



☆ کون سی چیز ہے جو اللہ تعالیٰ کی قدرت میں نہیں ہے۔ مرد کو چاہیے کہ احکام الٰہی بجالانے میں کمی نہ کرے پھر جو کچھ چاہے گا مل جائے گا۔ (ایضاً ص۲۴)

☆ حق شناس کی علامت لوگوں سے فرار کرنا اور معرفت میں خاموشی اختیار کرنا ہے۔

☆ جب اللہ تعالیٰ کا نام سنے یا کلام اللہ سنے اور اس کا دل نرم ہو اور ہیبت الٰہی سے اس کا اعتقاد و ایمان زیادہ نہ ہو تو گناہ کبیرہ ہے۔

☆ اہل حقیقت کے لیے دس شرطیں لازم ہیں (۱) معرفت میں کامل ہونا اور خدا رسیدہ ہونا (۲) نہ خود رنجیدہ ہو اور نہ رنجیدہ کرے، کسی کی بدی کا خیال نہ کرے (۳) حق تعالیٰ کی راہ دکھائے اور خلق کو ایسی بات بتائے جس میں دنیا و آخرت کا فائدہ ہو (۴) تواضع (۵) عزلت (۶) ہر شخص کو عزیز و محترم جانے اور اپنے کو سب سے حقیر اور کمتر شمار کرے (۷) تسلیم و رضا (۸) ہر درد و رنج میں صبر (۹) سوز و گداز، عجز و نیاز (۱۰) قناعت و توکل (ایضاً ص ۸۷-۱۸۶)

☆ نماز دین کا رکن ہے اور رکن ستون ہوتا ہے پس جب ستون قائم ہو گیا تو مکان بھی قائم ہو گیا (ایضاً ص۹)

☆ دوستی مولا میں وہ شخص سچا ہوتا ہے کہ اگر اس کا جسم ذرہ ذرہ کر دیا جائے اور آگ میں جلا کر خاکستر کر دیا جائے تو بھی دم نہ مارے۔

☆ جب تک انسان راہ سلوک میں پہلے دنیا و مافیہا اور اپنی ذات کو ترک نہ کرے، وہ اہل سلوک میں داخل نہیں ہوسکتا۔

☆ محبت کی علامت یہ ہے کہ تو فرمانبردار ہے اور ڈرتا ہے کہ کہیں دوست اپنے آپ سے دور نہ کر دے۔ عارفوں کا ایک مرتبہ ہے، جب وہ اس مرتبہ پر پہنچ جاتے ہیں تو تمام عالم اور جو کچھ اس عالم میں ہے، اپنی دو انگلیوں کے بیچ

میں دیکھتے ہیں۔

### قطب الاقطاب حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی علیہ الرحمۃ:

قطب الاقطاب، رئیس السالکین، تاج الاصفیا حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی اوشی علیہ الرحمۃ والرضوان قصبہ اوش مضافات فرغنہ ولایت ''ماوراء النہر'' میں خانوادۂ سادات حسینی میں پیدا ہوئے۔ اسم گرامی بختیار، قطب الدین لقب ہے سیر الاقطاب کے مطابق شجرۂ نسب یہ ہے:

خواجہ قطب الدین بختیار کاکی بن سید موسیٰ بن سید احمد بن سید کمال الدین بن سید محمد بن سید احمد بن سید اسحٰق حسین بن سید معروف بن سید احمد حسینی بن سید رضی الدین بن سید حسام الدین بن سید رشید الدین بن سید جعفر بن سید محمد تقی جواد بن امام علی موسیٰ رضا بن امام موسیٰ کاظم بن امام جعفر صادق بن امام محمد باقر بن امام زین العابدین بن امام حسین بن امیر المومنین حضرت علی شیر خدا رضی اللہ عنہم۔ (ص۱۴۲)

### تعلیم وتربیت:

جب آپ نے زندگی کی پانچویں منزل میں قدم رکھا، والدۂ مہربان نے ایک صالح پڑوسی کو کچھ شیرینی دی اور اپنے لخت جگر کو ان کے ہمراہ کرتے ہوئے کہا کہ اس بچے کو کسی نیک معلم کے حوالہ کر دیجئے۔ جب مرد صالح آپ کو لے کر چلا تو راستہ میں ایک بزرگ ملے۔ دریافت کیا، اس سعید ازلی کو کہاں لئے جا رہے ہو؟ مردِ صالح نے جواب دیا، میں اس بچہ کی تعلیم وتربیت کے لیے معلم کی تلاش میں نکلا ہوں۔ پیر روشن ضمیر نے فرمایا: تم یہ کام میرے حوالے کردو۔ میں اسے ایسے معلم کے پاس لے جاؤں گا جس کے انفاس کی برکت سے یہ لڑکا صاحب کمال بن جائے گا۔ مرد صالح اس تجویز سے متفق ہوگیا اور یہ تینوں اوش کے صاحب کمال معلم ابوحفص کی خدمت میں پہنچے۔ بزرگ نے ابوحفص سے فرمایا: یہ لڑکا اولیاء اللہ سے ہوگا۔ اس پر شفقت اور خاص تربیت مبذول فرمائیے۔



جب بزرگ وہاں سے چلے گئے تو ابوحفص نے خواجہ سے پوچھا: یہ کون بزرگوار تھے جو تم کو اس مکتب میں لائے؟ آپ نے لاعلمی کا اظہار کیا تو فرمایا وہ حضرت خضر علیہ السلام تھے۔ حضرت خواجہ نے معلم ومربی کامل کی درسگاہ فیض سے قرآن و سنت اور آداب شریعت وطریقت کی تعلیم پائی۔ اپنی مساعی جمیلہ سے اخلاق ظاہری و باطنی کی تکمیل کی۔ حضرت ابوحفص کے فیض تعلیم وتربیت نے سلوک ومعرفت کا ایسا ذوق پیدا کر دیا کہ ہمہ وقت یاد الٰہی میں مصروف رہنے لگے۔ (تاریخ فرشتہ، ج۲ص۶۱۳)

### بیعت وخلافت:

اوش سے نکل کر خواجہ قطب کسی مرشد کامل کی تلاش میں تھے۔ جس کے فیض روحانی سے سلوک ومعرفت کے منازل ومسالک آسان ہو جائیں۔ اسی جستجو میں وہ اصفہان پہنچے جہاں شیخ محمود اصفہانی کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور شیخ سے مرید ہونا چاہتے تھے۔ حسن اتفاق سے انہی دنوں حضرت خواجہ غریب نواز وارد اصفہان ہوئے قطب صاحب زیارت کے لیے خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضرت کی نگاہ باطن نے طالب حق کی قلبی کیفیات کا مشاہدہ فرمایا اور ایک دوتائی جسے اوڑھے ہوئے تھے، قطب صاحب کو مرحمت فرمادی جس کا مطلب یہ تھا کہ حضرت خواجہ غریب نواز نے قطب صاحب کو شرف مریدی سے نواز دیا۔

### سیر وسیاحت:

مرشد کامل سے وابستہ ہو جانے کے بعد قطب صاحب نے شیخ کی ہم رکابی میں بلاد وامصار کے سفر کیے۔ بغداد، حرمین شریفین کی زیارت سے مستفیض ہوئے اور خواجہ بزرگ کی توجہ خاص سے مدارج سلوک طے کرنے لگے۔ اثنائے سیر وسیاحت میں مردان حق کی زیارت اور ان کے ارشادات وتعلیمات سے بہرہ مند ہوئے۔ حضرت قطب صاحب نے دو سال کی مدت میں تمام مراحل سلوک طے کر لیے تو حضرت خواجہ غریب نواز کو باطنی اشارے ملے کہ خواجہ قطب کو خلافت سے سرفراز کر دیا

جائے۔مرشد کامل نے شہر بغداد میں خواجہ ابواللیث سمرقندی کی مسجد میں سلسلۂ چشتیہ کی خلافت عطا فرمائی ۔اس مبارک ومسعود تقریب میں حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی، شیخ داؤد کرمانی، شیخ برہان الدین محمد چشتی، شیخ تاج الدین محمد اصفہانی جیسے ائمہ تصوف بھی موجود تھے۔حضرت خواجہ غریب نواز جب بغداد سے روانہ ہوئے تو آپ کے ہم رکاب رہے۔ چشت ، ہرات ،سبزوار، لاہور، سامانا کی سیاحت کرتے ہوئے دہلی وارد ہوئے۔

مرشد برحق نے اپنے چہیتے خلیفہ کو ارشاد و تبلیغ کے لیے دہلی ہی میں چھوڑا اور خود اجمیر شریف چلے گئے۔بعض تذکرہ نگاروں نے خواجہ غریب نواز کے ورود اجمیر کے بعد قطب صاحب کا دہلی آنا ذکر کیا ہے۔

### سلطان شمس الدین التمش کی عقیدت:

حضرت خواجہ قطب الدین کی ذات دہلی میں مرجع خلائق بن گئی تھی ۔علما و صوفیا،عوام وخواص آپ کے روحانی فیوض وبرکات سے مستفیض ہونے کے لیے آستانہ بوسی کیا کرتے ۔مجاہدہ و ریاضت، ذکر وفکر الٰہی کے ساتھ شمالی ہند کی نومولود اسلامی ریاست کی راجدھانی میں حضرت خواجہ غریب نواز کے مشن کی ترویج واشاعت کے لیے ہمہ تن مصروف ہو گئے۔جلیل القدر علما ومشائخ عقیدت کیش بنے اور حضرت کی زیارت کو اپنا معمول بنایا۔

سلطان دہلی التمش نے آپ کی جناب سے رشتۂ ارادت استوار کیا اور کاروبار سلطنت کی گوناگوں مصروفیات کے باوجود ہفتہ میں دوبار بارگاہ قطب میں حاضر ہوتا۔جب شیخ جمال الدین محمد بستامی شیخ الاسلام نے وفات پائی تو سلطان التمش نے خواجہ قطب کو شیخ الاسلام کا منصب پیش کیا جسے حضرت نے قبول نہ فرمایا۔ سلطان نے خواجہ نجم الدین صغریٰ کو دہلی کا شیخ الاسلام بنادیا۔

شمس الدین التمش کی ارادت وعقیدت کے باوجود کبھی شاہی دربار سے



کوئی ربط ضبط قائم نہ رکھا۔عہدے، جاگیریں اور شاہی تحائف کبھی قبول نہ فرمائے اور اس طریقہ درویشی کو صرف اپنی زندگی کا ہی اصول نہ بنایا بلکہ اپنے سلسلۂ طریقت کا قانون بنادیا کہ فقر واستغنا کے ساتھ درباری اور جاہ پسندی کا کوئی علاقہ نہیں ہے۔ اس بے نیازی کے باوجود دہلی کے اعیان واکابر آستانہ قطب پر طالب دعا اور فیض روحانی کی بھیک مانگنے کے لیے شب وروز حاضر رہتے۔

دہلی جو نہ صرف ہندوستان کی راجدھانی تھی بلکہ عالم اسلام کی نئی طاقت اور دعوت حق کا نیا مرکز تھی، یہاں علما و مشائخ ،شرفا و امراء کی خاصی تعداد موجود تھی۔ اشاعت حق اور تربیت وتزکیۂ قلوب کا کام بڑا اہم اور نازک تھا،جس کے لیے چٹانوں کی استقامت اور نسیم سحری کی سبک تازی درکار تھی جس سے کوئی دل مجروح نہ ہو اور مخالفتوں کے طوفان میں پائے استقامت کو لغزش نہ آئے۔حضرت قطب صاحب نے اس دشوار اور مشکل کام کو بڑی خوش اسلوبی کے ساتھ انجام دیا۔اگرچہ اس مہتم بالشان کام کے لیے عمر کا طویل عرصہ میسر نہ آیا، تاہم جس برگزیدہ مقصد کے لیے حضرت خواجہ غریب نواز نے ہندوستان کو اپنے پیام اور کام کے لیے مخصوص فرمایا تھا، وہ صدیوں کے لیے محفوظ رہا۔

### وفات:

قطب صاحب پوری زندگی مشعل چشت کی ضیا پاشیوں سے ہندوستان کو منور فرماتے رہے ۔سماع خواجگان چشت کے معمولات میں داخل ہے۔ قطب صاحب کو بھی سماع کا خاص ذوق تھا ۔اپنی قیام گاہ پر مجلس سماع منعقد فرماتے یا دوسرے صوفیا کی مجالس سماع میں شریک ہوتے۔ایک دن شیخ علی سنجری کی خانقاہ میں مجلس سماع گرم تھی۔ صاحب حال درویش محفل میں موجود تھے۔حضرت قطب بھی مجلس میں تشریف فرما تھے۔قوالوں نے احمد جام رحمۃ اللہ علیہ کی عارفانہ غزل گانی شروع کی۔جب وہ اس شعر پر پہنچے ؎

کشتگان خنجر تسلیم را ہر زماں از غیب جان دیگر است

تو قطب صاحب پر وجد و حال کی غیر معمولی کیفیت طاری ہوئی اور آپ بے ہوش ہو گئے۔ قاضی حمید الدین ناگوری، شیخ بدر الدین غزنوی آپ کو اسی حال میں مکان پر لائے، قوال بھی ساتھ ہی آ گئے جب ہوش آیا تو اسی شعر کی تکرار کا حکم دیتے اور سنتے ہی بے ہوش ہو جاتے، مرغ بسمل کی طرح تڑپنے لگتے۔

چار شبانہ روز یہی کیفیت رہی۔ ہاں جب نماز کا وقت آتا تو وضو کر کے فرض اور سنتیں ادا کرتے پھر سکر کا عالم طاری ہو جاتا۔ شیخ احمد جام کے اس شعر نے وارفتہ محبت ایزدی کی آتش محبت کو اس قدر مشتعل کر دیا کہ پورا وجود اس کی نذر ہو گیا۔ حکیم شمس الدین نے آپ کی نبض دیکھ کر کہا:

''مرض عشق ہے۔ آتش عشق نے دل و جگر بالکل جلا دیا ہے۔ علاج کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔''

وقت رحلت سر مبارک قاضی حمید الدین ناگوری کے زانو اور قدم شیخ بدر الدین غزنوی کی آغوش میں تھا۔ جب نزع کی کیفیت طاری ہوئی تو شیخ حمید الدین ناگوری نے عرض کیا، خلافت کے بارے میں کیا ارشاد ہوتا ہے؟ قطب صاحب نے آنکھ کھول کر فرمایا: وہ خرقہ جو مجھے حضرت خواجہ معین الدین چشتی سے ملا ہے اور مصلیٰ، عصا، نعلین چوبیں شیخ فرید الدین گنج شکر کو دو، یہ تبرکات خلافت کے ساتھ انہیں کے لیے مخصوص ہیں۔

شعر مذکور کی بار بار تکرار کی جاتی رہی، بالآخر شب دوشنبہ ۱۴ ربیع الاول ۶۳۴ھ کو کشتۂ خنجر تسلیم و رضا نے جان جان آفریں کے حوالہ کر دی۔ (سیر الاولیاء ص ۶۵/ فرشتہ ج۲ ص ۶۲۰)

**اخلاق کریمانہ و کمالات روحانی:**

حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلوی علیہ الرحمۃ رقمطراز ہیں:



''آپ کا شمار اکابر اولیا اور اجلۂ اصفیا میں ہے۔ بارگاہ ایزدی میں بہت مقبول اور ترک دنیا، گوشہ نشینی، فقر و فاقہ میں کمال تک پہنچے ہوئے تھے۔ ہمہ وقت یاد الٰہی میں محو رہتے۔ جب کوئی شخص آپ کی زیارت کے لئے آتا تو کچھ دیر کے لیے عالم ہوش میں آتے اور ملاقات کرنے والے کی طرف توجہ فرماتے۔ اگر اس وقت اپنے ملنے والے سے کچھ ارشاد فرماتے تو پھر معذوری کا اظہار فرماتے اور یاد الٰہی میں مستغرق ہو جاتے۔ (اخبار الاخیار ص ۳۰)

صاحب سیر الاولیا کے الفاظ میں:

''شیخ قطب الدین بختیار اوشی عارفوں کے سلطان، اصحاب دین اور ارباب دین کے امام، عالم خلوت کا خزانہ، خوش بختی کی دنیا کا گنجینہ، غربا و مساکین کے ملجا و ماویٰ تھے۔ ابدی سعادت و سرمدی دولت کے مالک، علم و تقویٰ، زہد و ورع، ترک و تجرید، سوز و گداز اور رموز معرفت و اسرار حقیقت میں فرد فرید تھے۔ (ص ۶۷)

**حب رسول:**

ہمہ وقت حب رسول سے سرشار رہتے۔ مجلسوں میں احادیث نبوی بیان فرماتے۔ اطاعت رسول کا ہر وقت خیال رکھتے۔ ہر شب تیس ہزار بار درود شریف پڑھ کر بارگاہ رسالت میں نذر کرتے۔ محبت و اطاعت رسول ہی اصل چشمۂ معرفت و سلوک ہے۔

رسول گرامی کی توجہ خاص کا ذکر فرماتے ہوئے ایک مرتبہ فرمایا: شروع میں مجھے قرآن شریف حفظ نہ ہوتا تھا ایک رات خواب میں زیارت سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے مشرف ہوا۔ پائے اقدس پر سر رکھ کر رونے لگا پھر عرض کی میں کلام پاک حفظ کر لوں۔ جان رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کو میرے رونے پر رحم آیا اور شفقت سے فرمایا سر اٹھاؤ، میں نے سر اٹھایا اور ارشاد فرمایا سورۂ یوسف برابر پڑھا کرو، قرآن مجید یاد ہو جائے گا۔ بیدار ہونے کے بعد سورۂ یوسف کی مواظبت کی، یہاں تک کہ پورا قرآن

حکیم یاد ہوگیا۔(فوائد السالکین مجلس ۵۰)

**عبادت وریاضت:**

شب وروز عبادت وریاضت میں مشغول رہنا آپ کا پسندیدہ معمول تھا۔ فرائض پنجگانہ کی ادائیگی فرماتے اور تین سو رکعت نفل ہر روز ادا کرتے۔ ہر روز ایک ختم قرآن کرتے۔عبادت الٰہی میں سخت ترین مجاہدہ وریاضت کے عادی تھے۔آرام اور خواب وخور سے واسطہ نہ رکھتے۔ابتدا میں آپ کچھ دیر رات میں آرام فرماتے لیکن اخیر عمر میں رات کو سونا آپ نے ترک کردیا۔ پوری رات بیدار رہتے۔ذکر جلی وخفی میں مشغول رہتے،کبھی بستر سے پشت لگا کر آرام نہ کرتے، پانچ روز کے بعد روزہ افطار کرتے،خلق خدا کی دل جوئی میں کوشش فرماتے۔تنہائی اور گوشہ نشینی محبوب تھی۔کم کھانا،کم سونا،کم بولنا آپ کا شعار تھا۔اللہ کی یاد میں مشغول رہتے اور گریہ وزاری میں وقت گزارتے۔فقر واستغنا،توکل وقناعت کا دامن کبھی ہاتھ سے نہیں چھوڑا۔خلق خدا آپ کی جانب مائل تھی،خود سلطان دہلی التمش مرید و نیاز مند تھا مگر عشق الٰہی نے دنیا سے بالکل بے نیاز کردیا تھا۔گھر میں اکثر فقر وفاقہ سے بسر ہوتی۔سلاطین وامرا سے ہرگز نذرانہ قبول نہ فرماتے۔شب وروز استغراق میں بسر کرتے۔اوقات نماز ہوش میں آتے تازہ وضو کرکے نماز ادا کرتے۔

**ارشادات عالیہ:**

آپ کے ملفوظات کا مجموعہ ’’فوائد السالکین‘‘ ہے جسے حضرت بابا فریدالدین نے مرتب فرمایا۔ذیل میں کچھ ارشادات وتعلیمات نقل کیے جاتے ہیں:

☆ انسان کی کمالیت چار چیزوں یعنی کم کھانے،کم سونے،کم بولنے اور خلقت سے کم میل جول کرنے میں ہے۔ (ص۳)

☆ اگر درویش عمدہ لباس خلق خدا کو دکھانے کے لیے پہنے تو درویش نہیں بلکہ راہ سلوک کا راہزن ہے اور جو درویش نفس کی خواہش کے مطابق عمدہ کھانا پیٹ




بھر کر کھائے تو یقین جانو کہ وہ راہ سلوک میں دروغ گو جھوٹا مدعی اور خود پرست ہے۔ جو درویش نفسانی خواہش کے مطابق خوب دل کھول کر سوتا ہے،یقیناً اس میں کوئی نعمت نہیں ہے۔(ص۴)

☆ عارف وہ شخص ہے کہ ہر لحظہ اس کے اندر عالم اسرار سے ہزارہا اسرار پیدا ہوں اور عالم سکر میں رہے اور اس عالم میں اس کے اندر اٹھارہ ہزار عالم اس کے سینے میں ڈالے جائیں تو بھی اس کو خبر نہ ہو۔(ص۱۰)

☆ مرید پر یہ لازم ہے کہ اپنے پیر کے طریقے پر ثابت قدم رہے اور اس سے ذرہ برابر نہ بڑھے تاکہ قیامت میں شرمندہ نہ ہو۔( ص۳۴)

☆ پیر میں اتنی قوت ہونا ضروری ہے کہ مرید کے قلب کی سیاہی کو اپنی باطنی قوت سے صاف کردے اور اس کو حق تعالیٰ تک پہنچادے۔

☆ جو شخص محبت کا دعویٰ کرے اور تکلیف کے وقت فریاد کرے،وہ محبت میں سچا نہیں بلکہ دروغ گو ہے۔

ان بزرگوں کے کلمات اکسیر کی خاصیت رکھتے ہیں۔اللہ تعالیٰ ہمیں ان کی برکتیں عطا فرمائے۔آمین!

**سلطان التارکین حضرت صوفی حمیدالدین ناگوری علیہ الرحمۃ:**

آپ کی کنیت ابواحمد،نام حمیدالدین،لقب سلطان التارکین اور صوفی ہے۔ آپ کا سلسلۂ نسب سعید بن زید بن عمر بن قریشی سے ملتا ہے جو حضرت عمر فاروق کے چچازاد بھائی اور بہنوئی اور عشرہ مبشرہ میں سے تھے۔آپ کے والد سلطان معزالدین محمد غوری کے ساتھ ہندوستان تشریف لائے تھے اور دہلی میں سکونت اختیار کرلی تھی۔ سلطان التارکین کا بیان ہے کہ فتح دہلی کے بعد مسلمانوں کے گھر میں پیدا ہونے والا سب سے پہلا بچہ میں ہی ہوں۔آپ نے طویل عمر پائی تھی۔حضرت خواجہ غریب نواز کے زمانہ سے لے کر شیخ المشائخ خواجہ نظام الدین اولیا کے آغاز کا عہد دیکھا ہے۔

جوانی کے ابتدائی ایام روشِ زمانہ کے مطابق لاابالی پن میں گزرے مگر حضرت غریب نواز کی نگاہ کیمیااثر نے زندگی میں انقلاب پیدا کر دیا۔عیش وتنعم کی زندگی ترک کر دی، سارا مال فقراومساکین میں تقسیم کر دیا اور شیخ طریقت کے حکم سے ناگور میں سکونت اختیار کی۔ (مرآۃ الاسرار ص۶۷۷، خزینۃ الاولیا ص۳۰۸)

توبہ کے بعد آپ کو جبراً توبہ شکنی کی ترغیب دی گئی تو ارشاد فرمایا:

''جاؤ آرام سے بیٹھو۔ میں نے اپنے ازار بند کو اس پختگی سے باندھا ہے کہ کل قیامت کے دن حوران بہشتی کے لیے بھی ڈھیلا نہ ہوگا۔(سیرالاولیا ص۱۶۷)

دنیاوی جاہ ومنصب اور نذرونیاز امرا سے پرہیز کرتے۔محنت شاقہ سے قوت لایموت فراہم کرتے۔موضع سوال مضافات ناگور میں تھوڑی سی زمین پر کاشت کرتے۔خود ہل چلاتے اور تخم ریزی کرتے۔حاصل شدہ غلہ سے اپنے اہل و عیال کا پیٹ بھرتے۔ ناگور کے مقطع کو آپ کی عسرت کا علم ہوا، کچھ روپے آپ کی بارگاہ میں لے گیا اور عرض کیا، اگر آپ تھوڑی سی زمین قبول کر لیں تو میں ان کی کاشت کا انتظام کر دوں تاکہ آپ فارغ البال ہو جائیں۔شیخ نے بڑی بے نیازی سے جواب دیا کہ خواجگان میں سے کسی نے ایسی چیز کو قبول نہیں کیا اور ایک بیگہ زمین جو میری ملکیت ہے۔میرے لیے کافی ہے۔مقطع کی کسی چیز کو بھی آپ نے قبول نہیں کیا۔

مقطع نے آپ کے حالات بادشاہ دہلی کو لکھے تو اس نے پانچ سونقرئی تنکے اور ایک گاؤں کا فرمان شیخ کی خدمت میں بھیجا اور عجز وانکساری کے ساتھ پیش کرنے کی ہدایت کی۔مقطع جب نقدی اور فرمان شاہی شیخ کے پاس لے کر پہنچا آپ نے اس سے کچھ نہ کہا اور اندرون خانہ تشریف لے گئے، جہاں ان کی پارسا بیوی اس حال میں تھیں کہ سر پر اوڑھنے کے لیے دوپٹہ نہ تھا، زیر جامہ بھی پرانا اور بوسیدہ ہو چکا تھا۔شیخ نے اہلیہ محترمہ کے توکل وقناعت کو آزمانا چاہا اور ان سے کہا کہ بادشاہ نے پانچ سونقرئی تنکے اور ایک گاؤں کی جاگیر کا فرمان بھیجا ہے تم کیا کہتی ہو، لے لوں؟



حرم محترم نے جواب دیا: اے خواجہ! کیا آپ اس تحفہ کو قبول کر کے برسوں کی طاعت وعبادت اور فقر و درویشی پر پانی پھیرنا چاہتے ہیں۔آپ فکرمند نہ ہوں، میں نے دو سیر سوت کات لیا ہے جس سے آپ کے لیے تہبند اور میرے لیے دوپٹہ تیار ہو سکتا ہے۔

صوفی صاحب اس جواب سے کافی متاثر ہوئے اور باہر آ کر شاہی فرمان اور ہدیہ پیش کرنے والے کو بڑی بے نیازی کے ساتھ یہ کہہ کر واپس کر دیا کہ جو کچھ تو لایا ہے مجھے اس کی بالکل ضرورت نہیں، میں اس کو قبول نہیں کروں گا۔(سیرالاولیا ص۱۶۸)

حضرت سلطان التارکین کی عظیم المرتبت شخصیت اور بلند پایہ ہستی کا اندازہ حضرت محدث دہلوی کے ان تعارفی کلمات سے لگایا جا سکتا ہے:

آپ خواجہ بزرگ حضرت معین الدین چشتی کے خلفائے اعظم میں سے ہیں۔تحریر وتقریر میں قدم راسخ رکھتے، خدائے تعالیٰ کے بندگان خاص میں سے ہیں۔آپ کی نظر التفات ہمیشہ شخوص ثلاثہ کے ماوراء پر پڑتی تھی۔تصوف میں عالی شان کے مالک ہیں اور فوائد طریقت کے بیان میں آپ کا مقام بہت بلند ہے۔(اخبار الاخیار ص۴۱)

### تصانیف:

معرفت کا یہ شناور علم وفضل کی دولت سے بھی مالا مال تھا۔تصنیف وتالیف کا عمدہ ذوق رکھتے تھے۔اصول الطریقہ مشہور تصنیف ہے، اچھے شاعر بھی تھے۔آپ کے گرانقدر مکاتیب بھی پائے جاتے ہیں، جو راہ طریقت وسلوک کے واردین کے لیے بہترین تحفہ ہیں۔

### مراتب طریقت:

۱- علم- تحصیل علم ناگزیر ہے کیونکہ بغیر علم عمل درست نہیں۔

۲- عمل- عمل کے بغیر نیت کا وجود نہیں۔

۳- نیت -نیت کا درست ہونا ضروری ہے، کیونکہ صحیح نیت کے بغیر باطل کے سوا کوئی عمل نہیں۔

۴- صدق- صدق ضروری ہے اس کے بغیر عشق رونما نہیں ہوتا۔

۵- عشق - عشق کے بغیر توجہ درست نہیں۔

۶- توجہ - توجہ کے بغیر سلوک حاصل نہیں ہوتا۔

۷- سلوک- سلوک کے بغیر پیش گاہ کا دروازہ نہیں کھلتا۔

۸- درپیش گاہ کا کھلنا- پیش گاہ کا دروازہ کھلنا چاہیے تاکہ مقصود ظاہر ہو۔

**ارشادات:**

۱- سلوک کا مرتبہ اول یہ ہے کہ دونوں جہاں سے باہر آئے کل شئ ھالك الاوجھهٗ کو سامنے رکھے، یہی مقصود ہے۔

کاریست ورای علم رواں راباش — دربندگہر مباش رَوکان راباش
دل ہست مقام گاہ بگزار و بیا — جان منزل آخراست کہ روجان راباش

تیرے سامنے ایک راستہ رکھا گیا ہے جو تاریک بھی ہے اور دراز بھی اور تجھ کو ایک عمر دی گئی ہے جو تاریک بھی اور کوتاہ بھی اور کوتاہ عمر میں تجھے حکم دیا گیا ہے کہ اس راہ دراز پر چل اور شب دنیا اگرچہ تاریک ہے کہ الدنیا کلھا ظلمة، اس تاریکی میں تیرے لیے مطالع عنایت سے ایک مہتاب روشن کیا گیا ہے۔

۲- آدمی کی جان جسم سے جدا ہو کر اصل کی طرف رجوع کرتی ہے۔ زندگی میں اس کو حیات طبعی کہتے ہیں۔ اپنے مرجع کو پہچانے اور حجابوں کو جانے اور عوائق وعلائق کو معلوم کرے اور اس کے اندر اس عالم کا عشق ظاہر ہو۔

۳- شریعت، طریقت کی جان ہے۔ جس طرح تم اپنے جان وتن کو ایک جانتے ہو، ارباب شریعت کی راہ منزل تو نفس و مال سے باہر آنا اور نعیم مقیم میں داخل ہونا ہے کہ ان اللہ اشتری من المومنین انفسھم واموالھم



اور اصحاب طریقت کی راہ منزل جان و دل سے باہر آنا کہ و تبتل الیہ تبتیلا اور وحدت کے ذروۂ اعلیٰ پر پہنچ جانا ہے وان الیٰ ربك المنتھیٰ

۴- مالک الملک ہر جگہ موجود ہے اینما تولوا فثمّ وجہ اللہ۔ مرد کو چاہیے کہ نصیب دنیا وآخرت کو چھوڑے پھر جہاں کہیں ہوگا، اس کے ساتھ ہو جائے گا اور جہاں جائے گا اس کا سامنا ہوگا۔ (اخبار الاخیار)

**وفات:**

صحیح قول کے مطابق آپ کی وفات ۲۹ ربیع الاخر ۶۷۲ھ میں ہوئی۔ مزار پرانوار ناگور شریف میں ہے۔

سلطان التارکین نے مدت مدید تک راجپوتانہ کو مشعل چشت کی ضیا پاشیوں سے پرنور رکھا اور آج تک ریگستانی خطہ میں آپ کا چشمۂ فیض جاری ہے۔

**حضرت سید محمد صغریٰ بلگرامی رحمۃ اللہ علیہ:**

بلگرام اتر پردیش کے ان شہرۂ آفاق قصبات میں ہے جس کے چپہ چپہ سے علوم و معارف کی کرنیں پھوٹتی تھیں اور اس خاک کے ذرے آسمان علم پر کہکشاں بن کر ضوفشانی کرتے تھے۔ اس معدن علم وفضل سے ایسے ایسے بے بہا لعل و جواہر نکلے ہیں جن کی تابانیوں سے پورا ہندوستان مستفید ہوا، جن کے عظیم علمی ادبی، دینی روحانی کارنامے برصغیر ہند کی علمی تاریخ میں زریں حروف سے لکھنے کے قابل ہیں۔ یہاں کے علما وفضلا، اصفیا وصلحا اہل ہند کے لیے باعث ناز وافتخار تھے۔ انہیں مقتدر ہستیوں میں حضرت سید محمد صغریٰ علیہ الرحمۃ والرضوان کی ذات گرامی بھی ہے جو بلگرام شریف، مارہرہ مطہرہ اور مسولی شریف کے حسینی واسطی سادات کے جداعلیٰ ہیں۔ آپ ۶۱۴ھ میں بلگرام تشریف لائے اور اسے اپنا مستقر بنایا۔

آپ کا سلسلۂ نسب یہ ہے:

سید محمد صغریٰ بن سید علی بن سید حسین بن سید ابوالفرح ثانی بن سید ابو

الفراس بن سید ابوالفرح واسطی بن سید داؤد بن سید حسین بن سید یحییٰ بن سید زید بن سید علی بن سید حسن بن سید علی عراقی بن سید حسین بن سید علی بن سید محمد بن سید عیسیٰ موتم الاشبال بن سید زید شہید بن امام زین العابدین بن امام حسین بن امیر المومنین علی بن ابی طالب زوج فاطمۃ الزہرا بنت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ۔( مآثر الکرام ،ص ۱۱)

آپ نے نجیب وشریف خاندان میں آنکھ کھولی۔ خاندان کی صالح روایات کے مطابق مروجہ نصاب تعلیم کی تحصیل کی۔ علوم دینیہ سے فراغت حاصل کرنے کے بعد سلطان شمس الدین التمش کے فوجی امرا میں شامل ہوئے اور بادشاہ دہلی کے مرشد برحق قطب الاقطاب حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رضی اللہ عنہ سے رشتۂ ارادت جوڑا اوران کے مریدان خاص کے زمرے میں شریک ہوکر دنیاوی مشاغل کے باوجود عبادت وریاضت اور تصوف وطریقت کے مراحل طے کرنے لگے مگر آپ نے فقر ودرویشی کی شان کو خلق خدا سے ہمیشہ پوشیدہ رکھا۔ مولانا غلام علی آزاد بلگرامی تحریر فرماتے ہیں:

''سید محمد صغریٰ مرید خواجہ قطب الدین بختیار کاکی اوشی قدس سرہ العزیز و مرج البحرین فضائل صوری ومعنوی دراعلائے کلمہ دین واحیا سنت واماتت بدعت قدم راسخ داشت وبا سلطان شمس الدین ایلتمش بسرمی بردوحال با کمال خود را در لباس نوکری ازنظر خلق مستوری می داشت'' (ایضاً ص ۱۱)

سید محمد صغریٰ جو خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کے مرید اور فضائل صوری ومعنوی کے مرج البحرین تھے، کلمہ دین کی سر بلندی اور احیائے سنت، اماتت بدعت میں قدم راسخ رکھتے تھے۔ سلطان شمس الدین التمش کے ساتھ رہے اور اپنے باطنی احوال با کمال کو نوکری کے لباس میں چھپا کر لوگوں کی نگاہوں سے پوشیدہ رکھتے۔

## فتح بلگرام:

۶۱۴ء میں مجاہدین اسلام کی ایک فوج کے ساتھ بلگرام آئے اور یہاں کے



متعصب اور مغرور راجہ سری، جو اپنی دولت وثروت اور قوت وطاقت کے نشہ میں مست رہتا تھا، کے مقابلے میں صف آرا ہوئے۔ گھمسان کا رن پڑا۔ بالآخر لشکر اسلام کو فتح نصیب ہوئی۔ راجہ اوراس کے اعیان وامراء قتل کردیئے گئے اور یہ علاقہ کفروشرک کے بجائے شعار اسلام کا نزہت کدہ بن گیا۔ اس فتح ونصرت کی تاریخ لفظ ''خداداد'' سے نکلتی ہے۔

حضرت سید محمد نے اس فتح عظیم کے بعد شیوخ فرشوری اور ترکمانوں کے ساتھ بلگرام میں اقامت اختیار کرلی اور سلطان شمس الدین التمش سے اس علاقے کا فرمان عشر حاصل کرلیا۔ سلطان شمس الدین کے زمانے سے سلطان ابراہیم بن سکندر لودھی تک محصول عشر پرگنۂ بلگرام معمول رہا، جو بابر بادشاہ کے زمانے سے ختم ہوگیا۔

## لقب صغریٰ:

حضرت سید محمد کا لقب صغریٰ دراصل صاحب الدعوۃ الصغریٰ ہے۔ کثرت استعمال کی وجہ سے زبانوں پر لقب کا آخری لفظ باقی رہ گیا۔ جس طرح حضرت شیخ نجم الدین کبریٰ رضی اللہ عنہ کا لقب کبریٰ، درحقیقت الطامۃ الکبریٰ تھا۔ کثرت استعمال کی وجہ سے الطامۃ حذف ہوگیا اور کبریٰ باقی رہا۔ علامہ مولانا عبدالرحمٰن جامی رحمۃ اللہ علیہ نفحات الانس میں رقم طراز ہیں:

''وے را کبریٰ ازاں لقب کردند کہ دراوائل جوانی بہ تحصیل مشغول بود باہر کہ مناظرہ کردے غالب آمدے فلقبوہ بھذا السبب الطامۃالکبریٰ ثم غلب علیہ ذاك اللقب فحذ فوابطامۃ فلقبوہ بالکبریٰ۔''

نجم الدین کبریٰ ایام جوانی میں جب تحصیل علم میں مصروف تھے، حالت یہ تھی کہ جس کے ساتھ مناظرہ کرتے، غالب آجاتے۔ اسی وجہ سے ان کا لقب الطامۃ الکبریٰ پڑا۔ یہ لقب خاصا مشہور ہوگیا، اس لیے کثرت استعمال کی وجہ سے لوگوں نے طامہ کو حذف کردیا اور کبریٰ نام ہوکر باقی رہ گیا۔ (نفحات الانس)

حضرت سید محمد نے سلطان التمش کے حکم پر ۶۲۷ھ میں ایک اونچے ٹیلے پر جو وسط شہر میں واقع تھا، حاکموں کی رہائش کے لیے ایک چھوٹا قلعہ تعمیر کیا۔ مرور ایام کی وجہ سے قلعہ کی عمارت ٹوٹ پھوٹ گئی مگر اس کا کتبہ محلّہ سید واڑہ کی مشہور مسجد سید میاں کی دیوار میں نصب کردیا گیا۔ جس کی عبارت یہ ہے۔ حامی البلاد راعی العباد ذی الامان لا هل ایمان وارث ملك سلیمان صاحب الخاتم فی ملل العالم ظل الله فی الخافقین ابو المظفر ایلتمش السلطان ناصر امیر المومنین ادام الله تمکینه فی مشهور ٦٢٧ سبع و عشرین و ستمائه "(مآثرالکرام ص ۱۳)

## وصال:

حضرت سید محمد ۳۱ رسال تک بلگرام میں زندگی کے لیل ونہار بسر کرتے رہے۔ انہوں نے رسمی طور پر رشد و ہدایت کی بساط آراستہ نہیں کی مگر آپ کی قدسی صفات ذات سے لوگ دین و شریعت کی روشنی حاصل کرتے رہے اور آپ کے نفس گرم کی بدولت اہل بلگرام میں تصوف وسلوک کی حرارت باقی رہی جسے بعد میں آنے والوں نے تیز کیا۔

۱۴ رشعبان ۶۴۵ھ سہ پہر کے وقت عالم فانی سے عالم جاودانی کی طرف رحلت فرمائی۔ مزار پاک شہر بلگرام کی شمالی جانب ایک باغ میں بڑے چبوترے پر ہے۔

## زبدۃ الکاملین شیخ کبیر حضرت خواجہ فریدالدین مسعود گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ:

ہندوستان میں خانوادہ چشت کے تیسرے روحانی سربراہ کا اسم گرامی مسعود، لقب فریدالدین اور گنج شکر ہے۔ آپ کا خاندانی تعلق کابل کے بادشاہ فرخ شاہ سے تھا۔ سلسلہ نسب امیر المومنین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ تک پہنچتا ہے۔

فریدالدین مسعود بن شیخ سلیمان بن شیخ شعیب بن شیخ محمد احمد بن شیخ یوسف بن شیخ شہاب الدین معروف بہ فرخ شاہ کابلی بن نصیر بن فخرالدین محمود بن سلیمان بن شیخ مسعود بن شیخ عبداللہ بن عمر بن خطاب رضی اللہ عنہم۔ (سیرالاقطاب، ص ۱۸۶)



حضرت کی ولادت ۵۶۹ھ مطابق ۱۱۷۳ء میں ہوئی۔

## علوم ظاہر و باطن کی تحصیل:

شیخ فرید کا خاندان شرافت اور علمی وجاہت میں ممتاز تھا۔ اس لیے بچپن ہی سے ان کی تعلیم وتربیت کا اہتمام خاندانی روایات کے مطابق ہوا۔ کھوتوال میں عربی و فارسی اور دینیات کی ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کے بعد ۱۸ برس کی عمر میں ملتان گئے جو ان دنوں علوم و معارف کا مرکز اور علم ظاہری و باطن کا سنگم تھا۔ یہاں مولانا منہاج الدین ترمذی کی مسجد کے مدرسہ میں داخل ہوکر قرآن وحدیث، فقہ وکلام اور دوسرے علوم وفنون کی تحصیل میں مصروف ہوئے۔ انہوں نے پورا قرآن شریف حفظ کرلیا تھا۔ روزانہ ایک ختم قرآن شریف آپ کا معمول تھا۔ طلب علم میں بڑی لگن اور یکسوئی دکھائی۔ جس کی بنا پر وہ اساتذہ کی توجہ کا مرکز بن گئے اور وہ شہر میں قاضی بچہ دیوان کے نام سے مشہور ہو گئے۔ ساتھ ہی ساتھ ذوق روحانی پروان چڑھنے لگا۔ ہونہار طالب علم کا علمی انہماک اور روحانی ذوق تھا، جس نے شیخ جلال الدین تبریزی قدس سرہٗ کو ان کی جانب متوجہ کیا۔ شیخ تبریزی نے ایک انار تحفہ میں دیا۔ چونکہ بابا فرید روزے سے تھے، اس لیے انار کو کسی دوسرے درویش نے کھالیا۔ افطار کے بعد آپ کو انار کے چھلکے میں دانہ ملا۔ جب انہوں نے اس دانے کو کھایا تو ایسا محسوس ہوا کہ روحانیت کی روشنی سے ان کا وجود جگمگا اٹھا۔ بعد میں جب یہ واقعہ بابا فرید نے اپنے مرشد کو سنایا تو انہوں نے فرمایا: ساری برکت اور روحانی فیض اسی ایک دانے میں تھا باقی پھل میں کچھ نہ تھا۔ دوران تعلیم ہی حضرت خواجہ بختیار کاکی ملتان تشریف لائے۔ ایک دن مسجد منہاج الدین میں وارد ہوئے۔ تحیۃ المسجد پڑھ کر بیٹھ گئے۔ بابا فرید جو اس وقت اسی مسجد میں فقہ کی کتاب نافع کا مطالعہ کررہے تھے، جب ان کی نظر حضرت شیخ بختیار کاکی کے چہرۂ انور پر پڑی، دل بیتاب ہوگیا، فرط شوق میں سر قدموں پر رکھ دیا۔ خواجہ بختیار کاکی نے دریافت فرمایا کہ تمہارے ہاتھ میں کون سی کتاب ہے؟ عرض کیا کتاب نافع

ہے۔حضرت شیخ نے فرمایا انشاءاللہ یہ کتاب نافع ہوگی۔اسی وقت حلقۂ ارادت میں داخل ہوئے اور مرشد سے روحانی نعمتیں حاصل کرنے لگے۔

جب قطب صاحب دہلی کے لیے روانہ ہوئے تو بابا فرید تین منزلوں تک ساتھ گئے۔شیخ طریقت سے جدا نہیں ہونا چاہتے تھے۔قطب صاحب نے فرمایا: بابا فرید! اس ترک وتجرد کے ساتھ مشغول رہو، اس کے بعد دہلی آؤ اور میری صحبت میں رہو۔مرشد کے حکم پر مزید تعلیم کے لیے قندھار چلے گئے، جہاں پانچ سال تک درس لیتے رہے۔

## آمد دہلی:

علوم ظاہری کے بعد دہلی آئے اور مرشد برحق کی نگرانی میں ریاضات و مجاہدے میں مصروف ہوکر سلوک ومعرفت کی منزلیں طے کرنے لگے۔اسی دوران حضرت خواجہ غریب نواز اجمیر سے دہلی تشریف لائے اور اس وقت بابا فرید چلوں کی مشقتیں اٹھا رہے تھے۔بارگاہ غریب نواز میں حاضر نہ ہوسکے۔ایک دن خواجہ غریب نواز اور خواجہ قطب، بابا فرید کی چلہ گاہ میں تشریف لے گئے۔حضرت غریب نواز نے بابا فرید کا داہنا بازو اور قطب الدین بختیار کاکی نے بایاں بازو پکڑ کر کھڑا کیا اور آسمان کی طرف منھ کر کے فرمایا۔ "الٰہی تو فرید کو قبول فرما اور درویشان کامل کے مرتبے تک پہنچادے۔ندائے غیبی آئی "میں نے فرید کو قبول کیا۔فرید فرید دہرا اور وحید عصر ہے"۔ پھر حضرت خواجہ نے اسی وقت ان کو اسم اعظم کی تعلیم دی۔اس کے بعد آپ پر علم لدنی منکشف ہوگئے اور سارے حجابات اٹھ گئے۔(سیرالاولیا ص۸۱)

پھر حضرت خواجہ غریب نواز نے ارشاد فرمایا:

بابا قطب الدین شاہباز عظیم دردام آوردی کہ بجز سدرۃ المنتہیٰ آشیانہ نمی گیرد۔ایں فرید شمع است کہ خانوادہ درویشاں منور سازد۔

بابا قطب الدین تو نے ایک ایسا عظیم شہباز زیردام کیا جس کا آشیانہ سدرۃ



المنتہیٰ ہی ہوسکتا ہے۔یہ فرید ایسی شمع ہے جو درویشوں کے خانوادے کو روشن کردے گی۔(سیرالاقطاب ص۱۸۹)

یہ شرف عظیم صرف بابا فرید کو حاصل ہوا کہ بیک وقت مرشد برحق اور ان کے مرشد طریقت دونوں نے بیک وقت دعاؤں سے سرفراز فرمایا اور بلند مقام ولایت کی بشارت عظمیٰ سے نوازا۔

## قیام ہانسی:

روحانی تعلیم وتربیت کے بعد آپ بیعت وارشاد کے مجاز بن چکے تھے مگر دہلی کی ہنگامہ خیز فضاؤں میں جی نہ لگتا تھا۔چنانچہ مرشد سے اجازت لے کر ہانسی تشریف لے گئے اور رشد وہدایت کی بساط آراستہ کی۔ ہانسی ایک ویران جگہ تھی، جہاں وسائل معیشت بھی پورے طور پر مہیا نہ تھے مگر مرشد کا حکم تھا، جاؤ کسی ویرانے میں بستی بساؤ۔

## خلافت وجانشینی:

حضرت بابا فرید فرماتے ہیں: میں مرشد کی خدمت میں تھا۔ہانسی جانے کے ارادے سے اٹھا۔مرشد کی نظر مجھ پر پڑی۔ان کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔فرمایا: میں جانتا ہوں، مولانا فریدالدین تم چلے ہی جاؤ گے۔میں نے عرض کیا۔جو آپ کا حکم ہو، ویسا ہی کروں گا۔فرمایا: جاؤ تقدیر میں یہی لکھا ہے کہ وقت آخر تم میرے پاس نہ ہوگے۔اس کے بعد حاضرین سے کہا: آؤ اس درویش کے لیے دین ودنیا اور فقر کی نعمتوں کے لیے مل کر سورۃ فاتحہ وسورۃ اخلاص پڑھیں۔پھر میرے حق میں دعا فرمائی، اس کے بعد اپنا ذاتی مصلیٰ اور عصا عطا فرماتے ہوئے کہا: میں تمہاری امانت قاضی حمیدالدین ناگوری کے حوالے کردوں گا، پانچ روز بعد وہ تم کو پہنچادے گا، ان کو حاصل کرلینا، تم ہمارے جانشین ہو۔(سیرالاولیا ص۸۲)

بابا فرید ہانسی چلے آئے۔حضرت قطب صاحب کا وقت آخر آیا تو قاضی حمید

الدین سے فرمایا: یہ میرا خرقہ یہ عصا اور یہ لکڑی کی کھڑاؤں شیخ فرید الدین کو دیدی جائے۔

قطب صاحب کی وفات کے بعد جب بابا فرید دہلی آئے تو مرشد کے برکات انہیں تفویض کر دیئے گئے۔ اب بابا صاحب قطب صاحب کے مسند رشد و ہدایت کے جانشین تھے۔ وقت کا تقاضہ تو یہ تھا کہ آپ دہلی ہی میں قیام کریں لیکن آپ نے وہاں قیام نہ کیا۔ ہانسی آگئے۔ تقریباً بارہ سال ہانسی میں قیام رہا۔ وہاں خلق خدا کے ازدحام کے سبب عبادت و ریاضت کے معمولات میں خلل پڑنے لگا تو ہانسی چھوڑنے کا فیصلہ کر لیا اور ہانسی کی خانقاہ اور سجادہ اپنے مرید و خلیفہ شیخ جمال الدین ہانسوی کے حوالے کیا اور خود خاموشی کے ساتھ اجودھن کی طرف متوجہ ہوئے۔

### اجودھن کی خانقاہ:

اجودھن دریائے ستلج کے مغرب میں اس کی ایک معاون ندی کے کنارے آباد ہے۔ اب یہ مقام پنجاب کے ضلع ساہیوال کا ایک چھوٹا سا قصبہ ہے۔ جسے ''پاک پٹن'' کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ جس زمانے میں بابا فرید وہاں پہنچے۔ وہ سنسان جنگلی علاقہ تھا۔ آبادی سے بہت دور چند درختوں کے سائے میں آپ نے ایک جھونپڑا بنایا اور ہمہ تن عبادت الٰہی میں مصروف ہو گئے۔ مگر جہاں اللہ کے ولی اپنا مستقر بناتے ہیں، وہ جگہ مقناطیسی ہو جاتی ہے۔ خود بخود لوگ اس کی طرف کھنچ کھنچ کر چلے آتے ہیں، دیکھتے ہی دیکھتے ارادت مندوں کی بھیڑ جمع ہونے لگی اور صبح و شام حاجت مندوں کی آمد و رفت سے جنگل میں منگل کی کیفیت ہو گئی۔ جھونپڑے کے قریب خانقاہ اور جماعت خانہ کی عمارتیں تعمیر ہو گئیں اور اجودھن کی خانقاہ مرجع خلائق بن گئی اور پورے خطے میں حضرت گنج شکر کا روحانی فیض عام ہونے لگا۔

حضرت بابا فرید نے توکل و قناعت کو اپنا شعار حیات بنایا تھا۔ وہ بادشاہوں، امیروں، جاگیرداروں سے ربط ضبط نہ رکھتے اور نہ ان کے نذرانے قبول فرماتے۔ اگر



نذرانے لے لیتے تو فقرا و مساکین میں تقسیم کر دیتے۔ ایک بار سلطان ناصر الدین محمود اپنے اراکین سلطنت اور لشکر کے ساتھ اجودھن پہنچا اور بابا صاحب کی زیارت سے مشرف ہوا۔ اس نے اپنے وزیر بلبن کی معرفت شیخ کی خدمت میں چند گاؤں کا معافی نامہ اور کچھ نقد رقم بھی پیش کی۔ شیخ نے نقد رقم قبول کر کے غربا و مساکین میں تقسیم کر دی اور جاگیر نامہ اس شعر کے ساتھ واپس کر دیا۔

شاہ ما را دہ دہد منت دہد　　　رازق مارزق بے منت دہد

اور بادشاہ کو یہ نصیحت کہلا بھیجی کہ ''ملک خداترس وزیروں کے حوالہ کرو''

الغ خاں نے چند گاؤں کی جاگیر کی دستاویز اور نقد رقم شیخ کبیر کے سامنے پیش کی تو آپ نے پوچھا یہ کیا ہے؟ الغ خاں نے جواب دیا، یہ جاگیر کا حکم نامہ ہے اور یہ زر نقد ہے آپ نے مسکرا کر فرمایا۔ یہ نقد تو رکھ دے کہ ہم فقیروں میں تقسیم کر دیں گے مگر جاگیر کا حکم نامہ لے جا کہ اس کے بہت سے طالب ہیں۔ (سیر الاولیا)

### اخلاق حسنہ:

شیخ کبیر حضرت بابا فرید نے علوم منقولات و معقولات کی اعلیٰ تعلیم پائی تھی۔ دین کے اخلاقی اصول کا کامل درک رکھتے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق حسنہ سے واقف تھے۔ گھر کے دینی ماحول اور اکابر علما و صلحا کی صحبت سے ان کی ذات اخلاق حسنہ اور شان صفات کمالیہ کی مظہر اتم بن گئی تھی۔ توکل و قناعت، صبر و رضا، ایثار و اخلاص، عبادت و استغراق، زہد و تقویٰ، ریاضت و مجاہدہ، ترک دنیا، استغنا، خوش اخلاقی، شیریں مقالی، خدمت خلق، عفو و درگزر آپ کا شیوہ بن گیا تھا۔ ولایت و مشیخت کے بڑے بڑے منکرین بھی آپ کے علمی تبحر اور اخلاق حسنہ کے گرویدہ ہو جایا کرتے تھے۔ حضرت بابا فرید نے پوری زندگی فقر و تنگ دستی میں بسر کی۔ لباس اور غذا میں بڑی سادگی تھی۔ اکثر جسم پر پھٹے کپڑے ہوتے۔ ایک مرتبہ پیرہن کافی بوسیدہ ہو گیا تھا۔ کسی نے نیا پیرہن پیش کیا، اسے زیب تن تو فرما لیا لیکن فوراً اتار ڈالا اور شیخ نجیب الدین

متوکل کودے کرارشادفرمایا: جوذوق مجھےاس پرانے پیراہن میں حاصل تھا،اس نئے کرتے میں نہیں ہے۔جس کمبل پردن میں وہ بیٹھتے تھے،اسی کورات کے وقت اپنابستر استراحت بناتے اورتکیہ کی جگہ سر کے نیچے مرشد کاعصارکھ لیتے۔(فوائدالفوائد،ص ۸۷)

پیران چشت کی طرح اکثر روزے رکھتے۔افطار میں ایک پیالہ شربت کا جس میں تھوڑی سی کشمش ملی ہوتی، حاضر کیا جاتا۔تو اس میں سے آدھا بلکہ دوتہائی شربت حاضرین میں تقسیم کر دیتے اور باقی ایک تہائی خودنوش فرماتے۔پھراس میں سے بھی کسی طلب گار کوعنایت فرما دیتے۔اس کے بعد دوروغنی روٹیاں لائی جاتیں۔ان میں سے ایک ٹکڑا خودتناول فرماتے اور باقی حاضرین میں بانٹ دیتے۔پھرطرح طرح کے کھانے دسترخوان پر چنے جاتے۔ان کھانوں کومہمان کھاتے لیکن خود دوسرے دن افطار تک کچھ نہ کھاتے۔ (اخبارالاخیار ص ۸۱)

تواضع اور خاکساری آپ کا شیوہ تھا۔بے حد رحم دل تھے۔عبادت و ریاضت کے بعد جو وقت بچتا ارادتمندوں کی تربیت احوال اور تزکیۂ نفوس کے لیے وقف تھا۔اہل حاجت اور پریشان حال لوگوں کی حاجت روائی اورغمگساری سے دریغ نہ فرماتے۔

**تعلیمات وارشادات:**

شیخ کبیر کے ارشادات ملفوظات کی شکل میں جمع کیے گئے ہیں،جن میں آپ کی روحانی واخلاقی تعلیمات کاعطر موجود ہے۔جوفرمودات آپ سے منسوب ہیں،وہ اعلیٰ درجہ کےصوفیوں کی تعلیمات سے ہم آہنگ ہیں اورصوفیانہ مشرب کی بلندروایات کے حامل ہیں۔ذیل میں کچھ ارشادات عالیہ پیش کیے جاتے ہیں۔

☆ صابرفقیر کوشاکرغنی پرفوقیت حاصل ہے۔کیونکہ شاکرغنی کے لیے مزیدنعمت کا وعدہ ہے لان شکر تم لا زید نکم ''اگرتم شکر بجالاؤ گےتو ہم تم پراپنی نعمت اورزیادہ کریں گے'' اورفقیر کے لیے صبر میں بشارت ہے اپنی نعمت



رفاقت کی۔ ان اللہ مع الصابرین ''اللہ صابروں کے ساتھ ہے۔''
(سیرالاولیا ص ۸۰)

☆ وہ سچ جس پرجھوٹ کا گمان گزرے،مت کہو۔جو چیز نہ خریدو،اسے نہ بیچو۔جاہ و مال کے لیے خطرہ مول نہ لو۔ہرشخص کی روٹی نہ کھاؤ،مگر ہرشخص کو کھلاؤ۔موت کوکسی حال میں فراموش نہ کرو۔

☆ بلا ومصیبت کو ہوا وہوس کا نتیجہ سمجھ۔گناہوں پرڈینگ نہ مار۔اپنے دل کو شیطان کا محل نہ بنا۔اپنے باطن کو ظاہر سے بہتر رکھ۔زیب وزینت کی کوشش نہ کر۔اپنے آپ کوحصول جاہ کے لیے ذلیل نہ کر۔

☆ جب اہل ثروت کے پاس بیٹھوتو دین کو نہ بھول جاؤ۔

☆ عزت وحشمت عدل وانصاف میں ہے۔اگر خداامارت بخشے تو اپنا ظرف اورہمت وسیع کرو۔

☆ دشمن کو باہمی مشورہ سے زیر کرو۔دوست کے ساتھ تواضع سے پیش آؤ۔

☆ ہنرکومشقت جھیل کربھی سیکھو۔دشمن کی کڑوی بات پرآپے سے باہر نہ ہوجاؤ۔

☆ اگرساری دنیا کودشمن بنانا چاہتے ہوتو مغرور بن جاؤ۔

☆ دین کوعلم دین سے تقویت دو۔

☆ اگر بلندی چاہتے ہوتو شکستہ دلوں میں بیٹھو۔

☆ آسودگی چاہتے ہوتو حسد نہ کرو۔

☆ کلاہ چارترکی کے چار خانے ہوتے ہیں،جن میں پہلا خانہ شریعت، دوسرا خانہ طریقت،تیسرا معرفت اور چوتھا خانہ حقیقت کا ہے۔جس شخص کو ان چاروں خانوں میں استقامت نصیب ہو،اسی کے لیے یہ ٹوپی سر پر رکھنا روا ہے۔

☆ زکوٰۃ تین طرح کی ہوتی ہے۔زکوٰۃ شریعت، زکوٰۃ طریقت،زکوٰۃ

حقیقت۔

زکوٰۃ شریعت تو یہ ہے کہ دوسو درہم میں سے پانچ درہم زکوٰۃ دی جائے۔

زکوٰۃ طریقت یہ ہے کہ پانچ درہم اپنے پاس رکھ کر ۱۹۵ درہم خدا کی راہ میں دے دیے جائیں۔ زکوٰۃ حقیقی یہ ہے کہ ایک پیسہ بھی اپنے پاس نہ رکھا جائے۔ جو کچھ ہو راہ مولیٰ میں بخش دیا جائے۔

وہی درویش کہلانے کا مستحق ہے جو آنکھوں سے اندھا ہو، یعنی جسے دوسروں کا عیب نظر نہ آتا ہو۔ جو بہرہ ہو، یعنی بیہودہ بات نہ سنے۔ جو گونگا ہو، یعنی نہ کہنے کی بات زبان سے نہ نکالے۔ جو لنگڑا ہو، یعنی لذت نفس کے لیے اقدام نہ اٹھائے۔ جس میں یہ چاروں باتیں نہ ہوں، وہ درویش نہیں۔

**مقام ومرتبہ:**

حضرت شیخ گنج شکر نے دہلی سے روانگی کے وقت اپنے احباب سے کہا تھا:

''جو نعمت مجھے مرشد نے بخشی ہے، وہ شہر و بیابان میں یکساں ہے۔'' یعنی خانوادہ چشت کے سربراہ کی حیثیت سے تبلیغ دین اور اصلاح باطن کا عمل جس طرح شہر میں ہو سکتا ہے، اسی طرح صحرا و بیابان میں بھی رشد و ہدایت کا مشن جاری رکھنا ممکن ہے۔ چنانچہ اجودھن جیسے غیر معروف دور افتادہ قصبہ میں حضرت بابا فرید نے ایک ایسا روحانی مرکز قائم کیا جو کسی طرح شہروں کے روحانی مراکز سے کم نہ تھا۔ شیخ فرید نے ویران مقام کو اپنا مستقر بنایا تھا، لیکن وہاں بھی حق کی جستجو کرنے والے دور دور سے کھنچ کر پروانوں کی طرح آنے لگے۔ مرشد برحق نے فرمایا تھا'' خدا کے روشن ضمیر بندے سورج کی مانند چمکتے ہیں۔ یہ لوگ نور معرفت سے سارے عالم کو روشن کرتے ہیں۔ اہل محبت کا جو مقام ہے وہ فرشتوں کو بھی حاصل نہیں ہے''۔ چنانچہ اس آفتاب کے گرد حق کی جستجو کرنے والے، روحانیت کے شیدائی، سعادتوں کے طالب، دنیا کے ستائے ہوئے انسان جمع ہونے لگے اور ہزاروں انسانوں نے معرفت وسلوک کی منزلیں طے کیں۔



**وصال:**

شیخ کبیر بابا فرید ۹۵ سال کی عمر میں ۵ محرم الحرام ۶۶۴ھ کو واصل بحق ہو گئے۔

**حضرت شیخ نظام الدین اولیا محبوب الٰہی رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۷۲۵ھ:**

اسم گرامی سید محمد، لقب شیخ المشائخ، نظام الدین، محبوب الٰہی ہے۔ آپ نجیب الطرفین حسینی سید ہیں۔ آپ کی ولادت ۲۷ صفر المظفر ۶۳۴ھ مطابق ۱۲۳۶ء بمقام بدایوں ہوئی۔ ابھی آپ پانچ ہی سال کے تھے کہ والد گرامی حضرت سید احمد علیہ الرحمہ کا سایہ سر سے اٹھ گیا اور آپ یتیم ہو گئے۔ مگر آپ کی والدہ ماجدہ نے سخت نا مساعد حالات کا مردانہ وار مقابلہ کیا اور فرزند دلبند کی تعلیم و تربیت کے لیے کمر بستہ ہو گئیں۔ قرآن شریف اور صرف ونحو کی ابتدائی کتابیں بدایوں میں پڑھ کر دہلی کا رخ کیا۔ دہلی میں آپ نے اپنے علمی ذوق کے مطابق بعض اساتذۂ فن سے بالاستیعاب علم حاصل کیا اور بعض حضرات سے جزوی تعلیم پائی۔ اپنی فطری ذہانت و جلا کے باعث رفقائے درس میں امتیازی شان پیدا کر لی۔ بحث و مباحثہ کی مجلسوں میں آپ اپنے اقران پر ہمیشہ غالب رہتے، یہی وجہ تھی کہ آپ کو نظام الدین بحاث اور نظام الدین محفل شکن کے نام سے یاد کیا جانے لگا۔ دہلی کے قابل ذکر اساتذہ مولانا شمس الدین، مولانا برہان الدین، مولانا محمد بن احمد ہیں۔

**روحانی تعلیم وتربیت:**

دہلی میں علوم اسلامی اور مروجہ فنون کی تحصیل سے فارغ ہو چکے تھے۔ چاہتے تو کسی درسگاہ کو زینت بخشتے یا حکومت کے کسی عہدہ پر فائز ہو جاتے مگر روحانیت اور باطنی کیف کے چسکے نے حضرت شیخ الشیوخ بابا فرید گنج شکر کی بارگاہ میں پہنچا دیا۔ آپ نے حضرت بابا صاحب سے داخلہ سلسلہ ہونے کی خواہش ظاہر کی تو پیر طریقت نے انہیں بلا تامل سلسلۂ چشتیہ میں داخل فرما لیا۔ جب رات ہوئی تو شیخ نے مقتدر مرید کے لیے اپنے جماعت خانہ میں چارپائی بچھانے کا حکم دیا، جب کہ برسہا برس شیخ کی

خدمت میں مجاہدہ کرنے والوں کو بھی یہ اعزاز نصیب نہیں ہوا تھا۔

حضرت شیخ نظام الدین اولیا نے دہلی سے اجودھن کے تین سفر کیے۔ تیسرے سفر میں شیخ کی روحانی تربیت پایۂ تکمیل کو پہنچ چکی تھی۔ چنانچہ مرشد کامل نے اسی سفر میں اپنی تمام روحانی ذمہ داریاں آپ کی طرف منتقل کر کے شاندار مستقبل کی بشارت دی اور ۱۳؍رمضان المبارک ۶۶۹ھ کو بابا فرید نے شیخ بدرالدین اسحٰق سے خلافت نامہ تحریر کرایا اور گراں قدر دعاؤں کے ساتھ آپ کو تفویض کیا۔ (سیر الاولیا ص ۱۲۶)

حضرت بابا فرید علیہ الرحمہ کے وصال کے بعد حضرت سلطان المشائخ ہندوستان میں خانوادۂ چشت کے چوتھے سربراہ ہوئے۔ ابتدا میں آپ کا قیام دہلی کے مختلف علاقوں میں رہا مگر ایک غیبی اشارہ پر دریائے جمنا کے کنارے غیاث پور میں سکونت گزیں ہو گئے اور وہیں خانقاہ نظامی قائم کی جو دیکھتے ہی دیکھتے خلق خدا کا مرجع بن گئی اور تیزی کے ساتھ عوام و خواص کے اصلاح باطن کی یہ تحریک ایک خوشگوار انقلاب کی صورت اختیار کر گئی۔ شیخ المشائخ کے ارشاد و ہدایت کا خوشگوار اثر دہلی اور اطراف کے مسلمانوں پر پڑا۔ اس کا اندازہ ضیاء الدین برنی کے بیان سے لگانا آسان ہوگا، جس کے بعض مندرجات نقل کیے جاتے ہیں:

شیخ الاسلام خواجہ نظام الدین نے دہلی میں بیعت عام کا دروازہ کھولا۔ گنہگاروں کو خرقہ پہناتے اور ان سے توبہ کراتے اور اپنا مرید بناتے۔ خاص و عام، عالم و جاہل، شہری و دیہاتی ہر ایک کو توبہ کراتے، جس کا یہ اثر تھا کہ جو لوگ حلقہ ارادت میں داخل ہوتے، برائیوں سے بچتے اور عبادت میں مصروف ہوتے۔ مریدوں کی اکثریت فرائض کے علاوہ نماز چاشت و اشراق کی پابند ہو گئی۔ اطراف و اکناف سے غیاث پور کی طرف آنے والے راستوں پر چبوترے اور چھپر بنا دیے گئے تھے اور وہاں طہارت و نماز کا اہتمام کر دیا گیا تھا، تاکہ حضرت کے پاس آنے جانے والے وقت سے نماز ادا کر سکیں اور ان مقامات پر آرام کر سکیں۔ حضرت کے وعظ و تذکیر کا یہ



خوش گوار اثر پڑا کہ لوگ گفتگو میں مسائل شرعیہ دریافت کرتے، نوافل، تلاوت قرآن اور ادعیہ ماثورہ کا تذکرہ کرتے۔ (ماخوذ تاریخ فیروز شاہی)

حضرت کی خانقاہ سلاطین و امرا، علما، فضلا، عوام و خواص نوکر پیشہ اور اہل حرفہ، فقرا و مساکین سب کے لیے ایک مرکز کشش بنی ہوئی تھی۔ یہاں قلب و روح کا تزکیہ اور تجلیہ بھی ہوتا تھا۔ سیرت و اخلاق کی اصلاح بھی کی جاتی تھی۔ احکام شریعت کی پاسداری کا درس بھی دیا جاتا تھا۔ ہر آنے جانے والے کے لیے ایک عام لنگر بھی کھلا ہوا تھا۔ قدم قدم پر دستگیری و رہنمائی بھی ہو رہی تھی۔

**سلاطین سے بے تعلقی:**

قیام دہلی کے ابتدائی ایام سے زندگی کے آخری دن تک دہلی کے تخت پر متعدد بادشاہ بیٹھے مگر صرف ایک بار ایک دینی ضرورت کی وجہ سے دربار شاہی میں تشریف لے گئے۔ اس کے علاوہ نہ کسی دربار میں حاضر ہوئے اور نہ ہی کسی بادشاہ کو اپنے یہاں آنے کی اجازت دی اور شاہی تحائف بھی قبول نہ کیے۔ ایک بار سلطان علاء الدین خلجی نے پچاس ہزار دینار بطور نذرانہ بھیجے مگر آپ نے اسے ہاتھ نہ لگایا اور واپس کر دیا۔

**مکارم اخلاق:**

حضرت محبوب الٰہی کی ذات مکارم اخلاق کا پیکر جمیل تھی۔ اخلاص و ایثار، دردو سوز کی دولت سے مالا مال تھی۔ حب الٰہی، عشق رسول کا جذبہ فراواں آپ کا سرمایۂ افتخار تھا۔ جود و سخا کا یہ عالم کہ آپ کے خوان نعمت سے ہر روز ہزاروں بندگان خدا انواع و اقسام کے کھانوں سے آسودہ ہوتے، آپ روزہ سے ہوتے اور افطار میں روٹی کے چند لقموں سے زیادہ تناول نہ فرماتے۔ عفو و درگزر کا یہ عالم تھا کہ اپنے بدترین دشمنوں کو بھی معاف فرما دیتے اور کسی سے انتقام نہ لیتے۔ فقر و تنگدستی کے دور میں بھی کسی کے سامنے حاجت پیش نہیں کی ہر حال میں رضائے الٰہی پر شاکر و صابر رہے۔

استغنا و بے نیازی کا یہ حال تھا کہ سلطانی نذرانے اور جاگیروں کے پروانے قبول نہ فرماتے۔

**وصال:**

۱۸؍ربیع الآخر ۷۳۵ھ مطابق ۱۳۳۴ء بروز بدھ آسمان پر آفتاب طلوع ہوا اور دوسری طرف آفتاب علم وارشاد غروب ہو گیا۔ نماز جنازہ شیخ الاسلام ابوالفتح رکن الدین نبیرہ شیخ الاسلام حضرت بہاء الدین زکریا ملتانی علیہ الرحمہ نے پڑھائی۔ قبر پر سلطان محمد تغلق نے شاندار گنبد تعمیر کرایا۔

**ارشاداتِ عالیہ:**

آپ فرمایا کرتے تھے کہ ہر عضو کو عمل کے لیے بنایا گیا ہے۔ اگر اس سے وہ کام نہ لیا جائے تو وہ عضو بے کار اور بیمار ہو جاتا ہے۔ جیسے کہ دل خالص محبت الٰہی کے لیے بنایا گیا ہے۔ محبت جھوٹے اور سچے کے فرق کو ظاہر کرتی ہے۔ یعنی محبت مرد اور نا مرد کے فرق کو ظاہر کرتی ہے۔ اگر یہ مرد سچا عاشق ہے تو اپنے محبوب کی جفاؤں اور اپنی وفا پر صبر کرے گا اور ساری عمر اس نہج پر بسر کرے گا کہ اپنے محبوب کی اتباع سے ذرہ برابر تجاوز نہ کرے اور سچی محبت کے ساتھ اس کے دروازے کو کھٹکھٹائے اور اس کی محبت میں مستقیم رہے۔ جو دولت محبت حاصل کرنا چاہتا ہے، جب تک وہ عزیز جان وتن کو رضائے دوست کے لیے مصیبتوں میں نہیں ڈالتا، اسے ہرگز سعادت حاصل نہیں ہوتی۔

☆ اصحاب طریقت اور ارباب حقیقت سب اس بات پر متفق ہیں کہ انسان کے پیدا کرنے کا سب سے بڑا مقصد محبت رب العالمین ہے۔ محبت ذات وہبی بخشش ہے اور محبت صفات کسبی ہے۔ جو وہبی ہے اس کا بندہ کے عمل اور کسب سے تعلق نہیں۔ جو کسبی ہے اس محبت میں دوام کے حاصل کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ دل کو غیر اللہ سے خالی کر کے ذکر الٰہی میں مشغول کرے۔ اس لیے فراغت ضروری ہے اور فراغت سے روکنے والی چار چیزیں ہیں۔



(۱) خلق (۲) دنیا (۳) نفس (۴) شیطان

خلق کو دور کرنے کے لیے گوشہ نشینی ہے اور دنیا کو دور کرنے کا طریقہ قناعت ہے۔ نفس اور شیطان کو دور کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ ہر لمحہ اللہ سے التجا کی جائے۔

☆ آپ فرمایا کرتے: پیر آنچہ باید کہ در احکام شریعت وطریقت وحقیقت عالم باشد و چوں ایں چنیں باشد او خود ہیچ نامشروع نہ فرماید۔ یعنی پیر ایسا ہونا چاہیے کہ احکام شریعت وطریقت وحقیقت کا علم رکھتا ہو اور اگر ایسا ہوگا تو وہ خود کسی ناجائز کام کرنے کو نہیں کہے گا۔

☆ بندہ جو بھی اطاعت کرتا ہے، چاہے مالی ہو یا بدنی یا اخلاق پاکیزہ میں سے کوئی خلق ہو تو اس میں سے اگر ایک چیز بھی قبول ہو جائے تو بندے کے سارے کام اس کی پناہ بن جاتے ہیں۔

☆ شیخ المشائخ نے ایک مرتبہ امیر حسن سنجری کو نصیحت کی کہ تمہیں چاہیئے کہ ہمیشہ طاعت وعبادت میں مشغول رہو۔ اوراد ووظائف کے پڑھنے میں محنت کرو اور چاہیے کہ مشائخ کی کتاب مطالعہ میں رہے، غرض یہ کہ مشغول رہو اور بیکار نہ رہو۔

## حضرت مخدوم شیخ علاء الدین علی احمد صابر کلیری رحمۃ اللہ علیہ

(ولادت ۵۹۲ھ/۱۱۹۵ء، وفات ۶۹۰ھ/۱۲۹۱ء) مقتدائے طریقت، کشاف دقائق عرفانی مخدوم حضرت علاء الدین احمد صابر کلیری رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت باسعادت ۱۹؍ربیع الاول ۵۹۲ھ/ ۱۱۹۵ء شب پنجشنبہ بمقام ہرات ہوئی۔ آپ کے والد شاہ عبدالرحیم عبدالسلام علیہ الرحمہ کی ذات صاحب ولایت تھی۔ اور والدہ ماجدہ بھی ولیۂ کاملہ تھیں۔ آپ کا سلسلۂ نسب حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام تک پہنچتا ہے۔ (مرآۃ الاسرار، ص ۸۵۱)

کتاب حقیقت گلزار صابری سے پتہ چلتا ہے کہ آپ کا نسبی تعلق حضرت

غوث اعظم پیران پیر علیہ الرحمہ سے ملتا ہے۔

حضرت مخدوم کی عمر ابھی پانچ سال بھی نہ ہونے پائی تھی کہ والد گرامی شاہ عبدالرحیم نے ربیع الاول ۵۹۷ھ میں دار فانی سے رحلت کی۔ اس کے بعد حضرت مخدوم پر ایسا استغراق طاری ہوا کہ کامل ایک سال تک کسی سے کلام نہ کیا۔ جب عمر کی ساتویں منزل میں قدم رکھا، والدہ محترمہ شدید عسرت وتنگدستی سے دوچار ہوئیں مگر اپنی خستہ حالی کسی پر ظاہر نہ کرتیں۔ چوتھے یا پانچویں وقت نان خشک میسر آجاتی۔ انہیں دنوں کی بات ہے، ایک دن حضرت مخدوم نے والدہ محترمہ سے فرمایا، آج بھوک برداشت نہیں ہوتی مجھے کچھ کھلا دیجئے مگر گھر میں کچھ نہیں تھا۔ مخدومہ حد درجہ پریشان ہوئیں۔ فرزند کا اصرار حد سے بڑھا تو تسلی کے لیے دیگچی میں پانی ڈال کر رکھ دیا۔ جب حضرت مخدوم کھانا طلب کرتے تو فرماتیں ابھی تیار نہیں ہوا ہے۔ بالآخر بعد مغرب نہایت بے تابی کی حالت میں کہا، اب بھوک برداشت نہیں ہوتی، مجھے کچا ہی کھلا دیجئے، خود دیگچی کے پاس گئے اور کہا چاول تیار ہوگئے ہیں۔ یہ سن کر والدہ کو بہت حیرت ہوئی۔ پاس جاکر دیکھا تو واقعی دیگچی میں خوشبودار اور خوش ذائقہ چاول تیار ہے، جسے مخدوم صاحب کو کھلایا پھر حضرت مخدوم شیخ ابوالقاسم گرگانی کو بلا کر کہا: مخدوم صابر اب تعلیم باطنی سے فیضیابی کے قابل ہو چکا ہے اگر مناسب سمجھیں تو اسے حضرت فریدالدین گنج شکر کی بارگاہ میں پہنچادیں۔

**حضرت مخدوم صابر اجودھن میں:**

چنانچہ ایک قافلہ کے ساتھ ۶۰۰ھ میں آپ اجودھن (پاک پٹن) پہنچے۔ والدہ محترمہ نے حضرت مخدوم صابر کو ان کے ماموں حضرت بابا فرید گنج شکر کی گود میں بٹھا دیا اور ان پر جذب وکشف کی کیفیت طاری ہوگئی۔ حضرت بابا فرید نے بلند اختر بھانجے کو سینے سے لگایا اور عالم کیفیت ووجد میں مخدوم صاحب کے لیے ان کی زبان سے یہ کلمات صادر ہوئے۔



مرحبا فرزند علی احمد صابر بطن الولی بطن الولی بطن الولی

تین سال میں آپ نے ظاہری علوم حاصل کیے پھر بابا فرید نے انہیں داخل سلسلہ کرلیا اور روحانیت کی تلقین وتربیت کا آغاز کیا۔

**ریاضت ومجاہدہ:**

مرید کرنے کے بعد حضرت بابا صاحب نے خانقاہ عالیہ کے لنگر کی تقسیم پر مامور کردیا۔ صبح وشام لنگر تقسیم کرتے اور خود کچھ نہ کھاتے۔ بقیہ اوقات اپنے حجرہ میں مصروف اورادواشغال رہتے (سیرالاقطاب ص۲۰۰)

گلزار صابری کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ سات سال تک آپ نے کچھ نہ کھایا اور تیرہ سال سات ماہ گیارہ دن حضرت نے لنگر تقسیم فرمایا۔

**خلافت اور ولایت دہلی:**

حضرت صابر کلیری نے جب اپنے زہد وصبر اور استغنا کے ذریعہ مقام بلند حاصل کرلیا تو حضرت بابا گنج شکر نے اپنے سلسلہ کی خلافت اور خرقہ عطا فرمایا اور ولایت دہلی کی سند تحریر فرمائی۔ روانگی کے وقت حکم ہوا ہانسی میں شیخ جمال ہانسوی سے سند پر مہر قطبیت ثبت کرالینا۔ جب ہانسی پہنچے، شیخ جمال نے پرتپاک استقبال کیا۔ نماز مغرب کے بعد سند ولایت دہلی پیش کی۔ چراغ لایا گیا جو ہوا کے جھونکے سے بجھ گیا۔ حضرت صابر نے فوراً چراغ پر پھونکا، چراغ روشن ہوگیا۔ شیخ جمال نے یہ دیکھا تو سند کو ان کے ہاتھ سے لے کر ٹکڑے ٹکڑے کردیا اور کہا "دہلی بیچاری تمہارے دم آتشیں کی تاب نہ لاسکے گی، اگر آپ دہلی جائیں گے، وہ ایک پل میں جل کر خاک ہو جائے گی۔" اس بات سے شیخ صابر جلال میں آگئے اور فرمایا "تم نے میری سند چاک کی ہے۔ میں نے تمہارے سلسلہ کو پارہ پارہ کردیا ہے۔" وہاں سے واپس کلیر آئے۔

حضرت بابا فرید نے پھر کلیر کی ولایت حضرت صابر کے حوالہ کی، اپنے دست مبارک سے فرمان خلافت تحریر فرمایا اور خرقہ مبارک عطا کرکے کلیر کی جانب

روانہ کیا۔(خزینۃ الاصفیا ا/ ۳۱۶ مرآۃ الاسرار،ص۸۵۲)

**ورود مسعود کلیر:**

مرشد کے حکم پر حضرت مخدوم صابر کلیر کی جانب روانہ ہوئے ۱۵؍ذی الحجہ ۶۵۰ھ میں شہر کلیر پہنچے۔

قاضی اور حاکم شہر حضرت کی ولایت وامامت کے صریح منکر تھے اور ان کے اثر سے چند افراد کو چھوڑ کر تمام باشندگان شہر جن میں چار سو باون علما بھی شامل تھے، حضرت کے دشمن بن گئے مگر آپ کے رعب وجلال اور ظہور کرامت کی وجہ سے دم مارنا دشوار تھا۔ ۱۰؍محرم ۶۵۱ھ بروز جمعہ حضرت مخدوم اپنے ہمراہیوں کے ساتھ نماز جمعہ کے لیے سب سے پہلے جامع مسجد پہنچے اور امامت کے مصلیٰ پر بیٹھ گئے، جب حاکم شہر زموان اور قاضی تبرک علما ومشائخ اور رؤسا کے ساتھ آئے اور تیرہ ہزار عوام مسجد میں جمع ہوئے تو قاضی تبرک حضرت کے پاس آیا۔ آپ نے فرمایا اگر تم مجھے اپنا امام تسلیم کرلو تو خیر ہے۔ ورنہ قیامت تک پشیمان رہو گے اور مغفرت کی بھی کوئی صورت نہ ہوگی۔ قاضی تبرک نے کہا تم بار بار ایسی باتیں کیوں کرتے ہو۔ مصلیٰ چھوڑ دو اور جو کچھ کرنا ہے کرلو۔ ہمارے پاس بھی تمہارے مقابلہ کے لیے ایک ماہر ساحرہ ہے جو ایسا سحر کرے گی کہ تم اس سے ہرگز نہ بچ سکو گے، حضرت مخدوم اور ان کے ساتھی وہاں سے اٹھ کر مسجد سے باہر آئے اور جب نماز شروع ہوئی،لوگ رکوع میں گئے حضرت کی مظہر جلال ذات نے مسجد کو حکم دیا تو بھی رکوع کر۔ آن واحد میں پوری مسجد زمیں بوس ہوگئی اور لوگ زمین کے اندر دھنس گئے۔ پورا شہر رفتہ رفتہ تباہ وبرباد ہوگیا۔

**عظمت وبزرگی:**

صاحب معارج الولایت کا بیان ہے:

’’ولایت حضرت صابر کی ولایت موسوی تھی اور قلب حضرت کا قلب اسرافیل پر واقع ہوا تھا۔ خیر وشر میں جو کچھ زبان معجز بیان سے صادر ہوتا، فوراً اس کا



وہیں ظہور ہوتا تھا۔ حضرت اوقات مبارک کو قلندر مشرب اور ابدال وش گزارتے تھے۔ اول اول آراستگیٔ باطن میں اس قدر مستغرق رہتے کہ اسم ظاہر پر کبھی التفات نہیں کرتے تھے۔ آخر میں کونین سے بالکل بے پرواہ ہوکر مستغرق بحر مشہودات ہو گئے تھے۔ اعلیٰ سے ادنیٰ کی طرف آتے تھے۔ ہر وقت ہر لحظہ محو ذات وحدت رہتے تھے۔ ذات مبارک مظہر جلال صمدیت تھی (بحوالہ انوار صوفیہ ص۵۰-۴۴۹)

**جنگل میں منگل:**

شہر کلیرا گرچہ ویران ہوگیا مگر آپ اس خرابہ میں مقیم رہے اور ہر روز حضرت کی زیارت اور فیض باطن سے مستفیض ہونے والوں کی بھیڑ لگی رہتی۔ دور دراز سے اس قدر ارادت مند حاضر ہوتے کہ یہ جنگل شہر کی آبادی سے بھی زیادہ بارونق معلوم ہوا کرتا تھا۔ یہ ہزار ہا افراد منکر ولایت یا خود غرض نہ ہوتے بلکہ عقیدت کیش اور اولیاء اللہ کی بارگاہوں میں ادب واحترام کا پاس ولحاظ رکھنے والے ہوا کرتے تھے، جو کلیر کے متکبر باشندوں سے ہزار گونہ افضل وبہتر تھے۔

**وصال:**

حضرت مخدوم صابر ۱۳؍ربیع الاول ۶۹۰ھ/ ۱۲۹۱ء میں بمقام کلیر شریف سلطان علاء الدین خلجی کے عہد میں رحمت حق سے پیوست ہوئے۔ چونکہ شہر کلیر ویران ہو چکا تھا اور مزار مبارک سے ہر وقت اتنا جلال ظاہر ہوتا تھا کہ کسی کا ٹھہرنا ناممکن تھا، اس لیے خدام مضافات میں جا کر مقیم ہو گئے اور گاہ بگاہ زیارت کے لیے آتے مگر وہاں ٹھہرنے کی کسی کو مجال نہ تھی۔ ہندوؤں نے مقام خالی دیکھا تو آستانۂ عالیہ کے قریب دیوی کا مندر تعمیر کیا اور انہوں نے روضۂ پاک منہدم کرنے کا ناپاک ارادہ کرلیا۔ ایک دن صحرا سے ایک شیر آیا اور اس نے بہت سے ہندوؤں کو ہلاک کر دیا اور باقی ہندو وہاں سے بھاگ کھڑے ہوئے۔ آستانہ دشمنوں سے خالی ہوگیا۔(خزینۃ الاصفیا ا/ ۳۱۸)

## حضرت خواجہ نصیرالدین محمود چراغ دہلی رحمۃ اللہ علیہ:

اسم گرامی محمود نصیرالدین، محمود گنج اور چراغ دہلی القاب۔ جدامجد سید شیخ عبداللطیف یزدی خراسان کے باشندہ تھے۔ وہ حسنی سید تھے۔ زمانے کی گردش سے تنگ آ کر انہوں نے ترک وطن کیا اور لاہور میں سکونت اختیار کی۔ یہیں شیخ نصیر الدین کے والد شیخ یحییٰ پیدا ہوئے جو جوانی میں لاہور سے اودھ آ گئے جہاں پشمینہ کی تجارت اختیار کی۔ کاروبار نے ترقی کی اور وہ شہر کے معزز اور متمول افراد میں شمار کیے جانے لگے۔ اسی شہر میں شیخ نصیرالدین کی ولادت ہوئی۔ بچپن بڑے ناز ونعم میں گزرا لیکن نو سال کے ہوئے تھے کہ والد محترم نے وصال کیا۔

## تعلیم وتجرید:

اب تعلیم وتربیت کی ساری ذمہ داری والدہ ماجدہ پر آن پڑی جو نہایت پارسا خاتون تھیں۔ صلاح وعصمت میں ان کی نظیر نہ تھی۔ انہوں نے اپنے فرزند کی تعلیم و تربیت کی طرف خاص توجہ کی اور اس دور کے اکابر علما سے اکتساب علم کرنے لگے۔ مولانا عبدالکریم شیروانی سے ہدایہ اور بزدوی پڑھی۔ مولانا شیروانی کے وصال کے بعد مولانا افتخار الدین گیلانی سے تمام علوم وفنون کی تعلیم پائی۔ ظاہری علوم وفنون کی تحصیل کا یہ سلسلہ ۲۵/سال کی عمر تک چلتا رہا۔ تکمیل علوم وفنون کے بعد باطنی علوم و اسرار کے اکتساب کے لیے محاسبہ نفس اور مجاہدہ وریاضت میں مصروف ہو گئے۔ سات سال تک مسلسل روزے رکھے۔ آبادی سے دور گردونواح کے صحراو بیابان میں ترک و تجرید کے عمل میں مصروف رہے۔ صرف دو درویشوں کی صحبت اختیار کی تاکہ نماز با جماعت قضا نہ ہو۔ عموماً سنبھالو (ایک قسم کا جنگلی پودا) کے پتوں سے افطار کرتے رہے۔ (سیر العارفین ص ۱۲۶، مونس الارواح ص ۸۱)

## محبوب الٰہی کی خدمت میں:

۴۳ سال کی عمر میں اودھ سے دہلی آئے اور حضرت شیخ المشائخ کی خدمت



میں رہنے لگے۔ جوہر قابل پر شیخ کی نظر کیمیا پڑنے لگی اور ولایت ومعرفت کے مدارج طے ہونے لگے۔ بیعت کے بعد مرشد کی خدمت میں رات دن مصروف رہنے لگے اور خانقاہ نظامی میں آپ نصیرالدین محمود گنج کے لقب سے یاد کیے جانے لگے۔ عوام و خواص آپ کے روحانی مراتب کے معترف ہونے لگے۔

## شیخ المشائخ کی ہدایت:

شیخ نصیرالدین کے مراتب ولایت میں جوں جوں ترقی ہوتی گئی، عوام و خواص میں مقبولیت بڑھتی گئی۔ لوگوں کی آمدورفت اور ملاقاتیں معمولات عبادت میں خلل انداز ہونے لگیں۔ تو حضرت امیر خسرو دہلوی کی معرفت خدمت شیخ المشائخ میں عرض پرداز ہوئے: لوگوں کی آمدورفت کی وجہ سے پورے انہاک کی ساتھ مشغول بحق نہیں ہوسکتا، اگر اجازت ہو تو پہاڑوں یا جنگلوں میں چلا جاؤں، جہاں سکون قلب اور جمعیت خاطر سے خدا کی عبادت کروں۔ حضرت شیخ المشائخ نے خواجہ نصیرالدین کی عرض داشت امیر خسرو کی زبانی سن کر فرمایا:

ان سے کہہ دو کہ تم کو مخلوق کے درمیان ہی رہنا ہوگا اور مخلوق کی بے مروتی اور بے رخی کو برداشت کرنا ہوگا اور اس کا بدلہ سخاوت و ایثار سے دینا ہوگا۔ (سیر الاولیاء ص ۲۴۸) مزید یہ بھی فرمایا:

مختلف افراد مختلف کاموں کے لیے موزوں ہوتے ہیں اس لیے میں کسی سے کہتا ہوں کہ وہ اپنے ہونٹ کو بھی بند رکھے اور اپنے دروازے کو بھی۔ کسی سے ہدایت کرتا ہوں کہ مریدوں کی تعداد بڑھائے اور کسی کو حکم دیتا ہوں کہ خلق اللہ کے درمیان ہی رہے اور ان کی جفاؤں کو برداشت کرتا رہے اور ان سے حسن سلوک کا معاملہ کرتا رہے۔ یہی مقام انبیا اور اولیا کا ہے۔ (ایضاً ص ۲۴۸)

اس ہدایت کا یہ اثر ہوا کہ شیخ نصیرالدین نے عزلت نشینی کا خیال ہمیشہ کے لیے ترک کر دیا۔ وہ شہر دہلی میں مقیم رہے، خلق خدا کی جفائیں سہتے رہے اور ان سے

کریمانہ برتاؤ کرتے رہے۔ وہ فرمایا کرتے تھے: ''اگر حکم حضرت پیر و مرشد کا نہ ہوتا تو مخلوق کے درمیان رہنا، جفا و قضائے خلق گوارہ کرنا تو کہاں میں اور کہاں یہ شہر، میں کسی بیابان میں روپوش رہتا''۔ (خیر المجالس)

## مرشد کی جانشینی:

دہلی میں مستقل سکونت کے دوران حضرت سلطان المشائخ کی خانقاہ میں آپ کا سارا وقت عبادت اور درویشوں کی خدمت میں گزرتا۔ تقویٰ، پرہیزگاری اور خاموش ریاضت کی بدولت آپ نے مرشد کے دل میں وہ جگہ پالی جو ان کے دوسرے مشہور مریدوں کو بھی میسر نہ تھی۔ صاحب سیر العارفین لکھتے ہیں:

حضرت شیخ نظام الدین اولیا کے خلفا اپنے مرشد اور شیخ نصیر الدین کی ذات پر فخر کیا کرتے تھے۔ دار الحکومت دہلی میں سلسلۂ چشتیہ نظامیہ کی سربراہی اور محبوب الٰہی کی جانشینی کے لیے جن صفات کمالیہ کی ضرورت تھی، جب شیخ المشائخ نظام الدین اولیا نے اپنے چہیتے خلیفہ شیخ نصیر الدین محمود میں بدرجہ اتم پالیں تو انہیں اپنا سجادہ نشین بنایا اور انہیں مشائخ سے جو خرقہ، عصا، کاسہ اور نعلین ملے تھے، دم واپسی یہ تبرکات ان کو عطا کر کے دہلی والوں کی جفا و قضا کو صبر و سکون سے برداشت کرنے کی تلقین فرمائی۔

۱۸/ربیع الآخر ۷۲۵ھ کو شیخ المشائخ نے دار فانی سے کوچ کیا اور شیخ نصیر الدین ہندوستان میں خانقاہ چشت کے پانچویں سربراہ کی حیثیت سے مسند ارشاد پر جلوہ بار ہوئے اور خانوادہ چشت کے سجادہ پر بیٹھ کر مشائخ چشت کی روحانی عظمت کے تحفظ اور ان کے اصلاحی و تبلیغی کاموں کو آگے بڑھایا۔ صحیح معنوں میں وہ اپنے مرشد کے سچے جانشین تھے۔ سید میر خورد لکھتے ہیں:

''آپ کے ظاہری و باطنی مجاہدات و مشغولیات کا یہ عالم تھا کہ قلم ان کے لکھنے سے قاصر ہے۔ جن لوگوں نے ان کی قدم بوسی کا شرف حاصل کیا، آپ کی شکل ہی سے جو مجسم تقویٰ تھے، ان کی عظمت کو بھانپ لیتے تھے۔ اس بزرگ کی زندگی کے



آخری سالوں میں جب وہ اوج کمال پر پہنچ چکے تھے اور وہ روح مجرد بن چکے تھے، ان کی مجلس سے وہ خوشبو آتی جو سلطان المشائخ کی مجلس سے آیا کرتی تھی، جس سے راقم الحروف کے مشام جان نے بھی راحت پائی اور میری پژمردہ روح کو کوئی تیس پینتیس سال کے لگ بھگ تر و تازگی بخشی''۔ (سیر الاولیا، ص ۲۵۲-۲۵۱)

حضرت خواجہ نصیر الدین محمود کا عظیم کارنامہ یہ ہے کہ وہ صرف صبر و تحمل سے زمانے کی سختیوں پر غالب نہ آئے بلکہ سلطان محمد تغلق کی پابندیوں کے باوجود انہوں نے سلسلۂ نظامیہ کا کام درہم برہم نہ ہونے دیا۔ ارشاد و ہدایت کے کاموں میں وہ اپنے مرشد سے پیچھے نہ رہے۔ حضرت سلطان المشائخ نے ملک کے اطراف و جوانب میں خلفا و مریدین و خواص کو بھیج کر تبلیغ و ہدایت کا جو سلسلہ قائم کیا تھا، آپ نے اسے کافی ترقی دی۔ اپنے خلیفہ خواجہ بندہ نواز گیسو دراز کو دکن بھیجا۔ اپنے بھانجے شیخ الاسلام شیخ سراج الدین کو گجرات روانہ کیا۔ ان کے علاوہ دیگر خلفا نے بیعت و ارشاد کی بساط ملک کے دور دراز خطوں میں بچھائی۔

## چراغ دہلی کا لقب:

شیخ نصیر الدین نے جس صبر و تحمل اور خلوص و انہماک کے ساتھ نامساعد حالات میں رشد و ہدایت کی اس شمع کو مدھم نہ ہونے دیا، جسے ان کے مرشد حضرت سلطان المشائخ نے روشن کیا تھا۔ عہد محمد تغلق کی اجڑی ہوئی دہلی میں استقامت و عزیمت کی چٹان بن کر جس عزم راسخ کے ساتھ سلسلے کا کام انجام دیا اور خلق خدا کی رہنمائی و اصلاح کا فریضہ انجام دیتے رہے، اس کی شہرت ہندوستان سے نکل کر عرب تک پہنچ گئی۔ حضرت سید جلال الدین بخاری مخدوم جہانیان جہاں گشت مکہ مکرمہ تشریف لے گئے اور عرصہ دراز تک وہاں کے مشہور و معروف عالم و صوفی شیخ امام عبد اللہ یافعی سے تعلیم و تربیت حاصل کرتے رہے۔ ایک بار امام یافعی نے سید جلال الدین سے فرمایا، اگر چہ شہر دہلی کے بڑے بڑے مشائخ اٹھ گئے، تاہم ان کی برکت کا اثر شیخ نصیر الدین محمود

کے اندر موجود ہے۔ان کی ذات بابرکات بہت غنیمت ہے۔وہ چراغ دہلی ہیں اور مشائخ کی رسموں کو زندہ کرنے والے ہیں۔ یہ بات سن کر حضرت جلال الدین کو شیخ نصیرالدین سے ملنے کا اشتیاق پیدا ہوا اور وہ مکہ مکرمہ سے دہلی آئے اور آپ کی قدم بوسی کر کے شیخ مکہ کی گفتگو نقل کی۔اسی وقت سے شیخ نصیرالدین محمود کا لقب چراغ دہلی ہو گیا،جس سے انہیں شہرت دوام حاصل ہو گئی۔

## تحفظ شریعت:

حضرت شیخ نصیرالدین بڑے متبحر عالم تھے۔انہوں نے پوری زندگی خدمت علم،تبلیغ دین اور پاس شریعت میں بسر کی۔آپ طریقت کے ساتھ تحفظ شریعت میں ممتاز تھے صوفیا کی حمایت میں ایسے لوگ بکثرت پائے جاتے تھے،جن پر ذوق وشوق کا غلبہ رہتا تھا اور اس غلبۂ جذب کی وجہ سے ان سے ایسے امور بھی صادر ہوتے جو بظاہر نا مناسب معلوم ہوتے ہیں لیکن چراغ دہلی نے وجدانی کیفیت کو شریعت کے دائرے سے نکلنے کا موقع نہ دیا۔ان کا ہر قدم قانون شرع کی پابندی میں اٹھتا اور ہر عمل اتباع رسول کا مظہر ہوتا۔شریعت کے حدود سے سرمو تجاوز برداشت نہ تھا سماع جو مشائخ چشت کے نزدیک مباح ہے مگر اس بات میں حضرت شیخ نے شرعی نزاکتوں کا ہمیشہ خیال رکھا۔شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے لکھا ہے کہ:

''ایک دن آپ کے کسی پیر بھائی کے ہاں مجلس تھی۔جب مزامیر کے ساتھ سماع شروع ہوا تو آپ اسی وقت اٹھ کر وہاں سے چل دیئے۔دوستوں نے روکنا چاہا تو فرمایا یہ امر خلاف سنت ہے۔سماع کے دلدادوں نے کہا،کیا سماع کے منکر ہو گئے ہو اور اپنے پیروں کا مشرب ترک کر دیا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ یہ کوئی حجت نہیں ہے۔ دلیل کتاب وسنت سے ہونی چاہیے۔بعض لوگوں نے یہ ماجرا حضرت شیخ المشائخ خواجہ نظام الدین اولیا سے بیان کیا۔وہ اپنے مریدین کی نیک نفسی اور صدق سے واقف تھے۔انہوں نے فرمایا وہ سچ کہتے ہیں۔اور حق وہی ہے جو وہ کہتے ہیں۔(اخبار



الاخیار،ص ۱۵۰)۔

شیخ نظام الدین کی مجلس سماع میں مزامیر نہ ہوتے تھے اور نہ تالی بجائی جاتی تھی۔اگر یاروں میں سے کوئی خبر کرتا کہ فلاں مزامیر سنتا ہے تو منع فرماتے کہ اچھا نہیں کرتا۔خیر المجالس میں منقول ہے کہ ایک مرتبہ کسی عزیز نے شیخ نصیرالدین کی خدمت میں عرض کیا کہ مجلس میں مزامیر،دف،نے (بانسری) اور رباب کے ساتھ صوفیوں کا رقص کرنا کس طرح روا ہے؟ شیخ نے فرمایا: مزامیر بالاجماع مباح نہیں ہے۔اگر کوئی طریقت سے گرے شریعت میں رہے اگر شریعت سے بھی گر جائے تو کہاں رہے گا اور تو اور سماع ہی میں اختلاف ہے۔علما کے نزدیک اہل سماع کے لیے بہت سی شرطوں کے ساتھ مباح ہے،لیکن مزامیر تو بالاجماع حرام ہے۔(اخبار الاخیار ص ۱۵۱-۱۵۰)

## تربیت روحانی:

شیخ نصیرالدین کا انداز تربیت بڑا مؤثر ہوتا تھا۔ان کے ارشادات دل کی گہرائیوں میں اتر جاتے تھے۔ایک دن اپنے ارادت کیشوں سے فرمایا:

اے دوستو! لباس درویشی کے حق کا لحاظ رکھو تا کہ کل قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم سے شرمندہ نہ ہو۔اس درویشی کے حق کی حفاظت یہ ہے کہ گندم نما جو فروش نہ بنو۔جفا برداشت کرو اور وفا کرو۔(سیر العارفین ص ۱۲۸)

ایک شخص نے عرض کیا: فقیروں کا کیا حال ہے اور کیوں ہے؟ ارشاد فرمایا: حال نتیجۂ صحبت اعمال ہے اور عمل دو قسم پر ہوتا ہے۔عمل جوارح معلوم ہے اور عمل قلب جسے مراقبہ کہتے ہیں۔

صاحب سیر الاولیا میر خورد کرمانی تحریر فرماتے ہیں: ایک دن میں بادشاہ دین (نصیرالدین) کی بارگاہ میں حاضر تھا اور مشاہدہ جمال شیخ میں مشغول تھا۔اسی اثنا میں آپ نے مجھے تربیت کرتے ہوئے کہا کہ آدمی کا نفس ایک درخت کی مانند ہے جو نفسیاتی خواہشات کی مدد سے آپ کی ذات میں جڑ پکڑ جاتا ہے اور مضبوط ہوتا جاتا

ہے۔اگر انسان بتدریج مسلسل عبادت وتقویٰ اور عشق ومحبت کی طاقت سے ہر روز اس درخت کو ہلاتا رہے تو اس کی جڑیں کھوکھلی ہوتی جاتی ہیں پھر اس کا قلع قمع کیا جا سکتا ہے۔ان کی یہ دلنشیں تقریر میرے دل میں مؤثر ثابت ہوئی۔حقیقت یہ ہے کہ اولیائے کرام جو نصیحت کرتے ہیں، وہ حق پر مبنی ہوتی ہے۔ چونکہ وہ شیطان اور نفس امارہ کو مسخر کر لیتے ہیں اور اپنے باطن سے دشمنوں کو بالکل باہر نکال دیتے ہیں وہ خدا کے ہو جاتے ہیں اور ماسوا اللہ سے بیزار ہوتے ہیں۔اسی بلند مقام سے نصیحت کرتے ہیں، لہٰذا اس میں تاثیر ہوتی ہے۔(سیر الاولیاص ۲۵۲)

**ارشادات:**

☆ سلوک میں ارادت ضروری شرط ہے تاکہ مرشد طریقت ذکر وفکر کی تعلیم دے سکیں۔جہاں ایک سالک کو وقفہ عارضہ ہو، وہاں مرشد دستگیری کرے۔

☆ محبت کی دو قسمیں ہیں: محبت ذات، محبت صفات۔محبت ذات وہبی ہے اور محبت صفات کسبی ہے۔ابتدا میں سالک کو خلق، دنیا، نفس، شیطان، جادۂ محبت سے گمراہ کرتے ہیں۔خلق سے پرہیز کے لیے عزلت نشینی، دنیا کو نظر انداز کرنے کے لیے قناعت پسندی اور نفس وشیطان سے بچنے کے لیے عبادت ضروری ہے۔خاص محبت یہ ہے کہ دوست کے لیے دنیا کی ہر چیز ایثار کردے اور محبت میں صادق وہی ہے کہ اسے کاٹ کر اگر ریزہ ریزہ کر دیا جائے یا آگ میں جلا دیا جائے تو بھی وہ ثابت قدم رہے گا۔(مفتاح العاشقین)

**وصال:**

۱۸؍رمضان المبارک ۷۵۷ھ شب جمعہ علم وفضل زہد وتقویٰ کے اس پیکر نورانی نے رحلت فرمائی۔

## امام العارفین قدوۃ السالکین حضرت خواجہ بندہ نواز گیسودراز رحمۃ اللہ علیہ:

اسم گرامی سید محمد، کنیت ابوالفتح، القاب صدر الدین، الولی الاکبر، الصادق ہیں۔



سلسلۂ نسب یہ ہے: سید محمد حسینی بن سید یوسف بن سید علی بن سید محمد بن سید یوسف بن سید حسن بن سید محمد بن سید علی بن سید حمزہ بن سید داؤد بن سید زید بن سید ابوالحسن جنیدی بن سید حسین بن سید ابوعبداللہ بن سید محمد بن سید عمر بن سید یحییٰ بن سید حسین بن سید زید شہید بن امام زین العابدین بن سیدنا امام حسین شہید کربلا بن سیدنا امیر المومنین علی بن ابی طالب رضوان اللہ علیہم اجمعین۔(سید محمد ص ۱۲)

آپ کے جد اعلیٰ ابوالحسن جنیدی رحمۃ اللہ علیہ ہرات سے دہلی تشریف لائے۔یہیں قیام فرمایا، جہاد میں شرکت فرمائی اور شہید ہوئے۔والد گرامی سید یوسف حسین عرف راجہ، سلطان المشائخ کے مرید اور شیخ نصیر الدین چراغ دہلی کے عقیدت مندوں میں تھے۔آپ کا شمار شرفائے دہلی میں ہوتا تھا۔خواجہ بندہ نواز کی ولادت ۴؍رجب المرجب ۷۲۱ھ کو دہلی میں ہوئی۔سلطان محمد تغلق نے دیوگری دولت آباد کو اپنا دار السلطنت بنایا اور تمام عمائدین شہر، عوام وخواص کو دہلی چھوڑ کر دولت آباد منتقل ہونے کا جبری فرمان جاری کیا تو سید یوسف حسین بھی دہلی سے دولت آباد آ گئے اور چند سال بعد وہیں ۵؍شوال ۷۳۱ھ میں وفات پائی، مزار خلدآباد میں ہے۔والد کے وصال کے وقت حضرت بندہ نواز کی عمر دس سال تین ماہ، ایک روز کی تھی۔تعلیم و تربیت کا بوجھ والدہ ماجدہ بی بی رانی کے سر پر آیا۔انہوں نے در یتیم کی تعلیم وتربیت پر جی لگا کر کوشش کی۔آپ نے قرآن مجید حفظ کیا پھر مروجہ نصاب کے مطابق صرف ونحو، تفسیر وحدیث اور فقہ واصول فقہ کی کتابیں پڑھیں۔

بچپن ہی سے گھر میں نانا اور والد کی زبانی حضرت شیخ المشائخ اور شیخ نصیر الدین چراغ دہلی کے روحانی کمالات سے آپ کے کان آشنا ہونے لگے تھے اور ان بزرگوں سے عقیدت ومحبت کا چراغ دل میں روشن ہو گیا تھا۔

نہ تنہا عشق از دیدار خیزد      بسا کیں دولت از گفتار خیزد

جب عمر پندرہ سال کی ہوئی، آپ کے ماموں ملک الامراء سید ابراہیم،

بادشاہ کے ایک جلیل القدر مقرب خاص تھے۔ان سے آپ کی والدہ کا سخت اختلاف ہو گیا۔ بہن نے دولت آباد چھوڑنے کا فیصلہ کر لیا۔ چنانچہ اپنے دو بیٹوں سید حسن اور سید محمد کو ساتھ لے کر دہلی آ گئیں۔

**بیعت:**

دہلی پہنچ کر حضرت نصیر الدین چراغ دہلی کی بارگاہ میں حاضر ہوئے۔آپ کی خانقاہ مرجع خاص و عام بنی ہوئی تھی۔آپ کا آستانہ طالبان حق کے لیے ملجاو ماوا تھا اور دہلی آپ کے رشد وہدایت کا مرکز تھا۔

بیان کیا جاتا ہے کہ جمعہ کے دن نماز کے لیے اپنے بھائی کے ساتھ گئے۔ حضرت چراغ دہلی بھی وہاں موجود تھے۔نظر پڑتے ہی دل چیخ اٹھا کہ ؎

تو محبوب جانی و جان جہانی　　فدائے تو صد عمر و صد زندگانی

نماز جمعہ کے بعد دونوں بھائی حضرت چراغ دہلی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور دونوں بیعت سے مشرف ہوئے۔اس طرح برسوں کی خواہش پوری ہوئی اور مرشد کامل کی تعلیم وتربیت سے مستفید ہونے کا موقع میسر آیا۔ بڑے بھائی سید حسین نے دنیاوی کاروبار سے علاقہ رکھا مگر آپ ہمہ تن تصوف وسلوک کی طرف مائل ہو کر چراغ دہلوی کے دامن فیض سے وابستہ ہو گئے اور سلوک ومعرفت کا آغاز فرمایا۔مرشد نے حکم دیا: اشراق اور چاشت کی نمازوں کی پابندی کی جائے اور رجب وشعبان کے روزے پورے کیے جائیں۔سلسلہ درس علوم ظاہری جاری رہے۔ چنانچہ حکم کی تعمیل میں مولانا شرف الدین کیتھلی ،مولانا تاج الدین بہادر اور قاضی رکن الدین الشریحی اور بعض دوسرے اساتذہ کے سامنے زانوئے ادب تہہ کیا۔درمیان میں معرفت کا شوق غالب آتا تو تعلیم چھوڑنے کا ارادہ کرتے مگر مرشد برحق کی سخت تاکید تھی کہ علوم ظاہری کی تکمیل ناگزیر ہے۔ چنانچہ آپ پورے انہاک کے ساتھ طلب علم میں لگ گئے اور ۱۹ سال کی عمر میں علوم ظاہری کی تحصیل سے فارغ ہوئے۔



آپ کے فیض علم سے دنیا ودین کے کام آراستہ ہوئے وکان امر اللہ قدراً مقدوراً پھر تمام تر ریاضت ومجاہدات واشغال باطنہ میں مصروف ومنہمک ہو گئے۔اس راہ میں انہوں نے کونین کو پس پشت کر ڈال کر جو مجاہدے کیے، وہ بس انہیں کا حق تھا۔

حضرت شیخ سے اپنی کیفیات باطنہ کا ذکر کیا تو فرمایا ''بعد از ہفتاد سال کود کے مرا از سر شورانیدہ است وواقعات سابق مرا یاد دہانیدہ۔'' جذب وسکر کی حالت میں بستی چھوڑ کر جنگل کی راہ لی اور کئی دن صحرا نوردی میں گزرے۔زبان پر تھا ؎

مصلحت نیست مرا سیری ازیں آب حیات　　ضاعف اللہ بہ کل زمانٍ عطشی

شیخ نصیر الدین کی تربیت کا تذکرہ کرتے ہوئے حضرت بندہ نواز ارشاد فرماتے ہیں:

''حضرت شیخ علیہ الرحمہ نے مجھ سے پوچھا: صبح کی نماز کے لیے جو وضو کرتے ہو، وہ بعد طلوع آفتاب باقی رہتا ہے؟ میں نے عرض کیا صدقۂ خواجہ باقی رہتا ہے۔فرمایا اچھا ہو جو اسی وضو سے دوگانہ اشراق پڑھ لیا کرو۔ میں عرض کی جی بہت خوب۔ پھر فرمایا کہ دوگانہ شکر النہار واستخارہ واستعاذہ بھی پڑھ لیا کرو۔ جب ۱۵ روز اس کی پابندی رہی تو حضرت نے ارشاد فرمایا کہ اگر اس میں نماز چاشت کی چار رکعتیں ملا دیا کرو تو نماز چاشت بھی ہو جایا کرے گی۔ میں نہیں کہتا کہ دوسرے کسی وقت پڑھو، بعد اشراق اسی وقت چاشت پڑھ لیا کرو تو چاشت بھی ہو جائے گی۔ میں ہمیشہ رجب میں روزے رکھا کرتا تھا۔آپ نے ایک مرتبہ ارشاد فرمایا کہ تم رجب میں روزے رکھا کرتے ہو۔ میں عرض کیا جی ہاں۔استفسار فرمایا کہ شعبان میں بھی؟ میں نے گزارش کی کہ شعبان میں نو روزے۔آپ نے ارشاد فرمایا کہ اگر اکیس دن اور رکھ لیا کرو تو تمہارے پورے تین ماہ کے روزے پورے ہو جایا کریں گے۔ میں رمضان کے بعد شش عید کے روزے بھی رکھا کرتا تھا۔انہیں ایام میں قدم بوسی کے لیے حاضر ہوا۔ ارشاد فرمایا کہ ہمارے خواجگان صوم داؤدی نہیں رکھا کرتے تھے بلکہ صوم دوام رکھا

کرتے تھے تم بھی صوم دوام رکھا کرو''۔(جوامع الکلم ۳۰؍رجب ۸۰۲ھ)

مرشد برحق کی تجریدی ہدایتوں پر عمل کر کے حضرت بندہ نواز نے سلوک و معرفت کی منزلیں طے کر لیں اور عشق الٰہی آپ کے رگ و پے میں سرایت کر گیا اور ہمیشہ جام وحدت سے سرشار رہنے لگے۔

من مست مئے عشقم ہشیار نہ خواہم شد　　من خفتۂ معشوقم بیدار نہ خواہم شد

خود مرشد برحق کو آپ کے علو مرتبت کا اعتراف تھا اور قدر و منزلت کی نظر سے دیکھتے تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ وہ اپنے چند خاص مریدوں کو لے کر حظیرہ شیر خاں تشریف لے گئے، جہاں بندہ نواز مقیم تھے اور حاضرین کی موجودگی میں چند روپے خواجہ کے سامنے رکھ کر ارشاد فرمایا ''ایں نذر ماست برائے سید محمد''۔ خود شیخ طریقت مرید کی قیام گاہ پر تشریف لے گئے اور نذرانہ پیش کیا جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مرشد برحق کے دل میں اپنے مرید صادق کی جو عظمت تھی اسے لوگوں پر واضح فرمایا اور یہ واقعہ اس امر کی غمازی بھی کر رہا ہے کہ شیخ کی نظر میں ان کی جانشینی کی اہلیت بندہ نواز کے اندر موجود ہے۔

## مرشد کی جانشینی:

حضرت شیخ نصیر الدین نے مرض الموت میں حضرت بندہ نواز کو اپنی گلیم خاص عطا کی اور فرمایا: سید محمد اسے قبول کرو۔ آپ نے قبول فرمایا تو دو وصیتیں فرمائیں (۱) اپنے ظاہری اوراد کو ترک نہ کرنا (۲) میرے متعلقین کے ساتھ رعایت ملحوظ رکھنا۔

حضرت چراغ دہلی کی عمر شریف بیاسی برس ہو چکی تھی۔ ۱۵؍رمضان المبارک ۷۵۷ھ کو مزاج ناساز ہوا۔ مرض نے شدت اختیار کی تو یاران طریقت میں سے کسی نے عرض کی کہ حق تعالیٰ کے فضل و کرم سے حضرت شیخ کے بعض تربیت یافتہ مقامات عالیہ پر فائز ہیں اور صاحب کشف و تجلی ہیں، مناسب ہے کہ ان میں سے کسی کو جانشینی کے لیے نامزد فرمایا جائے۔ چنانچہ حضرت کے حکم سے مولانا زین الدین



نے چند منتخب اور سربرآوردہ متوسلین کے ناموں کی فہرست ملاحظہ عالیہ میں پیش کی۔ اس فہرست کو دیکھ کر فرمایا ''چہ سنگے وکلوخے بستہ آوردید، ایشاں را بگوئید کہ غم ایمان خود بخورند''۔

مولانا زین الدین نے تمام نام بدل کر دوسری فہرست پیش کی۔ دونوں فہرستوں میں خواجہ بندہ نواز کا نام شامل نہ تھا۔ دوسری فہرست دیکھ کر فرمایا ''نام سید نہ نبشتید؟'' یہ عتاب آمیز جملہ سن کر حاضرین کانپ اٹھے اور فوراً حضرت خواجہ کا نام شامل کر کے تیسری مرتبہ فہرست پیش کی۔ فہرست لے کر خود اپنے دست مبارک سے ہمارے خواجہ کے اسم گرامی پر حکم صادر فرمایا (سیر محمدی، ص۲۰)

۱۸؍رمضان ۷۵۷ھ کو حضرت شیخ نصیر الدین چراغ دہلی نے رحلت فرمائی۔ حضرت خواجہ نے غسل دیا اور اس طرح اپنے شیخ کی آخری خدمت انجام دی۔ زیارت سوم کے بعد آپ سجادہ ولایت پر جلوہ افروز ہوئے اور حضرت شیخ چراغ دہلی کے خلیفہ راست کی حیثیت سے خلق خدا کی رشد و ہدایت کے عظیم الشان کام کا آغاز فرمایا۔(ایضاً)

## قیام گلبرگہ:

ہندوستان کی راجدھانی دہلی میں چوالیس سال تک حضرت بندہ نواز نے رشد و ہدایت کی شمع روشن کی اور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع میں مشائخ چشت کے طریقۂ ارشاد و تبلیغ اور تزکیہ نفوس کا مہتم بالشان کارنامہ انجام دیتے رہے، پھر ۸۰۱ھ میں آپ نے دکن کا رخ کیا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب تیمور لنگ تاخت و تاراج کرنے کے لیے دہلی میں داخل ہو رہا تھا اور پورا نظام درہم برہم ہو رہا تھا۔ آپ تمام اہل خانہ کو ساتھ لے کر گوالیار پہنچے، جہاں شیخ علاء الدین کے مکان پر ٹھہرے۔ وہاں سے بھاندیر آئے۔ بھاندیر میں بہت سے عوام و خواص آپ کے حلقۂ ارادت میں شامل ہوئے۔ وہاں سے ایلچپور آئے تو عوام و خواص علما و امراء نے پرتپاک خیر مقدم

کیا۔ وہاں سے چھترہ تشریف لائے، جہاں بہت سے لوگ مرید ہوئے۔ پھر آپ چندیری پہنچے۔ مفتیٔ چندیری کے صاحبزادے قاضی خواجگی اور دوسرے لوگ بیعت ہوئے۔ وہاں سے بڑودہ ہمبات ہوتے ہوئے دولت آباد پہنچے، وہاں سے دکن کے پایہ تخت احسن آباد گلبرگہ کا قصد فرمایا۔ سلطان فیروز شاہ استقبال کے لیے شہر سے باہر آیا اور قدم بوسی کی اور عرض کی حضور گلبرگہ ہی میں مستقل قیام فرمائیے۔ درخواست قبول ہوئی اور آپ نے گلبرگہ میں قیام فرمایا۔ گلبرگہ میں تقریباً بائیس سال تک رشد و ہدایت، بیعت وتلقین، خدمت خلق اور تصنیف وتالیف کا سلسلہ جاری رہا۔

حضرت بندہ نواز گیسو دراز رحمۃ اللہ علیہ کی روحانی شخصیت کے اثرات پورے دکن پر پڑے اور یہاں تصوف وروحانیت کا ذوق عام ہوا۔ مولانا سامانی تحریر فرماتے ہیں:

''بیشتر علماوصلحاوملوک وخواتین واصناف خلق برایشاں پیوستند''

امام دیں کہ از وتازہ شد سامانی زامرونہی وے آفاق شد نورانی (سیر محمدی)

شیخ عبدالحق محدث دہلوی لکھتے ہیں:

آپ سیادت اور علم وولایت کے جامع اور بڑے رفیع الدرجہ، عظیم البرکت اور قادرالکلام بزرگ تھے۔ آپ مشائخ چشت کا طریقہ رکھتے تھے اور اسرار طریقت میں خاص مہارت رکھتے تھے۔ (اخبارالاخیار، ص ۲۸۵)

### وصال:

حضرت سید محمد گیسودراز رحمۃ اللہ علیہ کی عمر شریف جب ۱۰۵ سال ۴ ماہ ۱۲ روز کی ہوئی تو بتاریخ ۱۶/ ذیقعدہ ۸۲۵ھ بروز دوشنبہ اشراق و چاشت کے وقت کے درمیان وصال فرمایا۔ مزار پاک گلبرگہ شریف میں مرجع خلائق ہے۔

جوامع الکلم آپ کے ارشادات عالیہ کا مجموعہ ہے جو طالبان طریقت کے لیے نسخہ کیمیا کی حیثیت رکھتا ہے۔ ایک ارشاد ملاحظہ فرمائیں:



### جوامع الکلم:

جس طرح اللہ کا ذکر اللہ کا حکم اور فرمودات کا بجالانا فرض ہے، اسی طرح پیر کے احکام اور ہدایت کو بھی سمجھنا چاہیے۔ جیسے اللہ کا فریضہ کسی عذر اور سبب کے بنا پر فوت نہیں کیا جا سکتا، اسی طرح پیر کی ہدایات اور احکام نظر انداز نہیں کیے جا سکتے۔ اللہ تعالیٰ اس پر قادر ہے کہ اپنے بندے کو کسی نبی کے واسطے کے بغیر ہدایت فرمائے لیکن اس کا طریقہ ہمیشہ سے یہ رہا ہے کہ ہر قوم کے لیے انہیں میں سے کسی کو نبی بنا کر مبعوث فرماتا ہے تاکہ وہ اس کا پیغام اس کے بندوں تک پہنچا دیں۔ یہی حال مشائخ، صوفیا اور پیروں کا ہے کہ وہ اللہ ورسول کے حکم سے لوگوں کو اللہ کی طرف بلاتے ہیں اور اس کا پیغام پہنچاتے ہیں۔ (جوامع الکلم ۱۸/رمضان المبارک ۸۰۲ھ)

### قدوۃ الکبریٰ حضرت مخدوم اشرف جہانگیر سمنانی رحمۃ اللہ علیہ:

(ولادت ۷۰۹ھ - وفات ۸۰۸ھ)

آپ کا اسم گرامی اشرف، لقب جہانگیر ہے۔ آپ کے والد سلطان ابراہیم کے یہاں مسلسل دو تین بچیاں ہی پیدا ہوئیں، کوئی اولاد نرینہ نہ ہوئی جس کی وجہ سے آپ متفکر رہنے لگے۔ ایک دن سلطان کے محل میں اچانک مشہور مجذوب ابراہیم داخل ہوئے اور فرمایا بیٹے کی خواہش رکھتے ہو؟ سلطان نے عرض کیا جو عنایت ہو تو مہربانی ہوگی۔ مجذوب نے کہا تیرے یہاں عجوبہ روزگار لڑکا ہوگا مگر اس کی قیمت ہزار اشرفی ہے۔ سلطان نے اسی وقت ایک ہزار اشرفیاں آپ کے قدموں میں ڈال دیں۔ مجذوب خوش ہوئے اور واپس لوٹے۔

اس پیش گوئی کے بعد آپ کی ولادت ایک اندازہ کے مطابق ۷۰۹ھ اور ۷۱۲ھ کے درمیان سمنان کے قصر شاہی میں ہوئی۔ اسی دن مجذوب قصر شاہی میں تشریف لائے، فرمایا: اس لڑکے کی اچھی تربیت کرنا، یہ ایک امانت ہے جو پروردگار عالم نے تمہیں عطا فرمائی ہے۔

### تخت نشینی:

سلطان ابراہیم کی وفات کے بعد ۱۵ سال کی عمر میں آپ کو سلطنت سمنان کا تاجدار بنا دیا گیا۔ آپ نے اپنے زمانے اقتدار میں عدل و انصاف کی درخشاں یادگاریں قائم کیں۔

### ترک حکومت اور سفر ہند:

ماہ رمضان کی ۲۷ ویں شب کو آپ بیدار تھے۔ حضرت خضر علیہ السلام تشریف لائے اور فرمایا سلطنت الٰہی چاہتے ہو تو یہ دنیاوی سلطنت چھوڑ کر ہندوستان جاؤ، تمہارے پیرومرشد شیخ علاء الدین وہاں ہیں۔ (مرآۃ الاسرار ص ۱۰۴)

۲۳ سال کی عمر میں ولایت سمنان کے تاجدار نے دنیاوی اقتدار کو ترک کر کے اقلیم روحانیت کی خسروی کے لیے شہر سمنان سے غربت کے دیار کی طرف قدم بڑھایا۔ روانگی سمنان سے لے کر منزل مقصود پر پہنچنے تک خضر علیہ السلام نے سترہ بار شیخ علاء الحق والدین کو خبر کی اور بتایا کہ شہر سمنان سے ایک شہباز پرواز کر چکا ہے اور تمام مشائخ وقت نے اپنے جال بچھا دیے لیکن میں اسے تمہارے پاس لا رہا ہوں۔ حضرت سید اشرف جب پنڈوہ پہنچے تو شیخ علاء الدین قیلولہ فرما رہے تھے۔ اٹھ بیٹھے اور فرمایا بوئے یار می آید۔ آپ استقبال کے لیے ایک کوس باہر گئے۔ حضرت سید اشرف کی نظر شیخ علاء الدین کے رخ زیبا پر پڑی تو دوڑ پڑے اور قدموں پر گر پڑے۔ شیخ نے والہانہ انداز سے اٹھا کر سینے سے لگایا اور فرمایا ؎

چہ خوش باشد کہ بعد از انتظارے　　بہ امیدے رسد امیدوارے

مرشد برحق نے اپنے خلیفۂ خاص کی ہر طرح روحانی تربیت فرما دی اور سلوک کے مدارج طے کرا دیے تو جون پور کی ولایت تفویض فرمائی اور مکان سکونت کچھوچھہ شریف میں متعین فرمایا۔



### تبلیغ دین اور اشاعت حق:

حضرت مخدوم اشرف جہانگیر نے کچھوچھہ شریف میں قیام کے دوران گرد و نواح بلکہ ہندوستان کے طول و عرض میں دور دور تک دین حق کی اشاعت اور مسلمانوں میں تزکیہ باطن کے لیے سفر کئے۔ آپ کے یہ اسفار محض اشاعت حق اور تبلیغ دین کے لیے تھے، جس کے خوشگوار اثرات ہر طرف قائم ہوئے۔ آپ نے اجودھیا کا سفر کیا تو وہاں کے امرا اور ارباب ثروت داخل سلسلہ ہوئے۔ اودھ میں نواب سیف خاں کو آپ سے بڑی عقیدت تھی۔ چنانچہ وہ تربیت پا کر صوری و معنوی اوصاف سے متصف ہوئے۔ حضرت نے ان کو خرقۂ خلافت عطا فرمایا۔ ردولی تشریف لے گئے تو صفی الدین سیفی اور شیخ سماء الدین صحبت خاص سے فیض یاب ہوئے۔

صاحب مرآۃ الاسرار کے مطابق بنارس کے چند ہندو علما نے آپ سے مباحثہ کیا تو آپ نے ایک بت کو زندہ کر دیا اور بت نے فوراً کلمۂ توحید پڑھا۔ یہ دیکھ کر ایک لاکھ ہندو مشرف بہ اسلام ہوئے۔

حضرت مخدوم اشرف نے سلاطین و امرا کی تربیت و اصلاح کے لیے بھی سعی بلیغ فرمائی۔ گلبرگہ، بہرائچ، اوچ، گجرات کے سفر کیے۔ حضرت مخدوم اشرف نے متعدد بار بیرون ہند کے سفر بھی کیے۔ حرمین شریفین، شام، روم، مصر، ایران گئے اور ان اسفار میں علما، صوفیا اور مشائخ عظام سے کسب فیض فرمایا اور طالبان حق کی رہنمائی کے فرائض بھی انجام دیے۔

### وصال:

۲۷ محرم الحرام ۸۰۸ھ یا ۸۰۹ھ تاریخ وصال ہے۔ مزار مقدس روح آباد کچھوچھہ شریف میں زیارت گاہ خلائق ہے۔

### علم و فضل:

حضرت مخدوم اشرف علم و فضل میں یگانۂ روزگار تھے۔ معقولات و منقولات

کے متبحر عالم تھے۔ جب علمی مسائل پر گفتگو فرماتے تو اس میں بڑی گہرائی ہوتی۔ صوفیانہ رموز و نکات بیان کرنے میں عالمانہ انداز و اسلوب اختیار فرماتے تھے۔ علم شریعت کو خاص اہمیت دیتے اور طریقت کے ساتھ شریعت کی مطابقت بھی ضروری سمجھتے تھے۔ فرماتے تھے اولیا فنا فی اللہ اور بقا باللہ کے مرتبہ پر نہیں پہنچتے، جب تک کہ وہ پیشوائے قوافل اصفیا، مقتدائے طوائف اولیا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کا ظاہراً باطناً قولاً وفعلاً اعتقاداً کامل اتباع و پیروی نہ کریں۔

پروفیسر حامد حسن قادری نے حضرت مخدوم اشرف کو اردو کا سب سے پہلا مصنف قرار دیا ہے۔ وہ رقم طراز ہیں:

خواجہ سید اشرف جہانگیر سمنانی نے اردو میں ایک رسالہ اخلاق و تصوف ۱۳۰۸ء میں تصنیف کیا۔ نثر اردو میں اس سے پہلے کوئی کتاب ثابت نہیں۔ اب تک ارباب تحقیق متفق الرائے تھے کہ شمالی ہند میں اٹھارہویں صدی عیسوی سے قبل تصنیف و تالیف اردو نثر کا کوئی وجود نہ تھا۔ یہ فخر دکن کو حاصل ہے کہ وہاں شمالی ہند سے چار سو برس پہلے اردو تصانیف کا آغاز ہوا۔ اب سید اشرف جہانگیر کے رسالۂ تصوف کی دریافت سے، وہ نظریہ باطل ہو گیا اور ثابت ہو گیا کہ دکن میں اردو زبان کی بنیاد پڑنے سے پہلے شمالی ہند میں امیر خسرو اور سید اشرف جہانگیر نے نظم و نثر دونوں کی بنیاد ڈال دی تھی۔

**تعلیمات وارشادات:**

حضرت مخدوم اشرف کی زندگی کا مقصد تبلیغ دین، تزکیۂ نفوس اور اصلاح حال تھا۔ ان کا دائرہ کار صرف عوام علما صوفیا اور طالبان حق تک محدود نہ تھا بلکہ اپنا مشن امرا و سلاطین اور ارباب ثروت کے روبرو بھی بیان فرماتے۔ وہ اس حقیقت سے خوب واقف تھے کہ امرا و سلاطین کی اصلاح پورے سماج پر اثر انداز ہوتی ہے۔

وہ سلاطین و امرا سے تعلقات کے مخالف نہیں لیکن فرمایا ہے کہ کوئی درویش سلاطین و امرا سے حظ نفسانی اور شہوت نفسانی کی غرض سے جاتا ہے تو وہ درویش



نہیں۔ درویش کو بہر حال متوکل علی اللہ ہونا چاہیے۔ وہ حکمراں طبقہ کے ظاہری و باطنی اخلاق سنوارنے میں مسلسل جدوجہد فرماتے رہے۔

☆ ایک بار فرمایا: جہاں داری اور شہریاری کو چار چیزوں سے نقصان پہنچتا ہے: سلاطین کا لذائذ دنیا میں مستغرق ہو جانا، اپنے مقربین کے ساتھ بد خلقی سے پیش آنا، سزا دینے میں زیادتی کرنا، رعیت پر ظلم کرنا۔

☆ بادشاہ اپنے اوقات کو اس طرح ترتیب دیں کہ صبح کی نماز ادا کرنے کے بعد اشراق تک وظیفہ پڑھیں پھر علما و صلحا کے ساتھ صحبت رکھیں اور چاشت کے وقت تک ان سے عدل و انصاف کے متعلق قرآن کی آیتوں کے مطالب پوچھیں۔ اسی جگہ وزیروں کو بلا لیں۔ یہ لوگ فوجیوں کی معروضات پیش کریں، ان کا مناسب جواب دیں، ہر شخص کے مدعا کو پورا کریں، اس کے بعد دربار عام ہو جس میں رعایا اور مسلمانوں کے مقدمات پیش ہوں اور شریعت کے مطابق انصاف کے ساتھ فیصلہ ہو۔

☆ کسب روزی کے ساتھ ضروری ہے کہ سالک میں سخاوت، جود و ایثار ہو۔ وہ اپنے مال میں سے تھوڑا سا کسی کو دے دیتا ہو اور تھوڑا سا رکھ لیتا ہو تو وہ سخی ہے لیکن اگر کچھ بھی نہ رکھتا ہو تو وہ جواد ہے اور سب کچھ دے کر اپنے اوپر تکلیف اٹھاتا ہو تو وہ صاحب ایثار ہے۔

☆ زندہ رہنے کے لیے کھانا فرض ہے۔ خداوند تعالیٰ کی عبادت اور کسب معاش کے لیے کھانا سنت ہے۔ سیر ہو کر کھانا مباح ہے لیکن سیری سے زیادہ کھانا حرام ہے۔ (لطائف اشرفی ج۲، ص۱۸۶)

# حضرت خواجہ غریب نوازﷺ کے مشائخ سلسلہ

ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی، بریلی

سلطان الہند خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو پہلا ہندوستانی مجدد اسلام ہونے کا شرف حاصل ہے۔ ملک ہندوستان میں آپ کے قدم رنجہ فرمانے کے بعد اسلام بہت تیزی سے پھیلا بڑھا۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے سیدنا غریب نواز نور اللہ مرقدہٗ کا ''شجرہ طریقت'' اس طرح تحریر فرمایا ہے:

''خواجہ معین الدین حسن السنجری عن خواجہ عثمان الھارونی عن الحاج شریف الزندنی عن خواجہ قطب الدین مودود الچشتی عن ابیہ خواجہ ابی احمد چشتی عن ابی اسحٰق الشامی عن الشیخ علوالدنیوری عن خواجہ ہبیرۃ البصری عن خواجہ حذیفۃ المرعشی عن السطان ابراھیم بن ادھم البلخی عن الشیخ فضیل بن عیاض عن الشیخ عبدالواحد بن زید عن الحسن البصری عن سیدنا علی کرم اللہ وجہ'' [شاہ ولی اللہ محدث دہلوی: انتباہ فی سلاسل اولیا اللہ مطبع مجتبائی دہلی ص ۸۷]

اس شجرہ طریقت میں حضرت خواجہ غریب نواز کے بعد سیدنا مولا علی کرم اللہ وجہ تک ۱۳؍واسطے ہیں۔ سلسلہ چشتیہ بہشتیہ میں حضرت عثمان ہارونی قدس سرہٗ سے سرکار مولا علی رضی اللہ عنہ تک ۱۲؍واسطے ہیں اور اس میں حضرت حاجی شریف زندنی قدس سرہٗ کا نام نہیں شامل ہے اور بھی چند ناموں میں اختلاف ہے۔

حضرت شیخ المشائخ اشرفی میاں علیہ الرحمہ والرضوان کے سلسلہ ''اشرفیہ چشتیہ'' میں حضرت ابی اسحٰق الشامی، حضرت الشیخ علوالدنیوری وغیرہ کے اسماء نہیں شامل ہیں اور سیدنا ہارونی نور اللہ مرقدہٗ سے لے کر سرکار علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ تک ۱۳؍واسطے ہیں جو حسب ذیل ہیں:



(۱) خواجہ عثمان ہارونی (۲) خواجہ حاجی شریف زندانی (۳) خواجہ قطب الدین مودود چشتی (۴) خواجہ ناصر الدین ابو یوسف چشتی (۵) خواجہ ابومحمد چشتی (۶) خواجہ ابواحمد ابدال چشتی (۷) خواجہ امین الدین ہبیرۃ البصری (۸) خواجہ خذیفہ المرعشی (۹) خواجہ سلطان ابراہیم بن ادھم (۱۰) خواجہ فضیل بن عیاض (۱۱) خواجہ عبدالواحد بن زید (۱۲) خواجہ حسن بصری (۱۴) سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین۔

## حضرت سیدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم:

مولائے کائنات باب العلم سیدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کی ذات گرامی ان گنت کمالات واوصاف کی جامع ہے۔ آپ سرکار ابد قرار صلی اللہ علیہ وسلم کے داماد، خاتون جنت سیدہ فاطمہ کے شوہر نامدار، حسنین کریمین کے والد بزرگوار ہیں۔ آپ فاتح خیبر، شیر خدا، علم وفضل، فصاحت وبلاغت، دانائی وحکمت اور سخاوت و شجاعت میں یکتا تھے۔

آپ کا اسم مبارک علی، کنیت ابوالحسن اور ابوتراب ہے۔ کعبۃ اللہ میں آپ کی ولادت عام الفیل سنہ ۳۰ میں ہوئی۔ آپ حضور جان نور صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ابو طالب کے صاحبزادے ہیں۔ نوعمر لوگوں میں سب سے پہلے مشرف با اسلام ہوئے۔ شب ہجرت سرکار ابد قرار علیہ التحیۃ والثنا کے بستر مبارک پر آپ ہی کو لیٹنے کا شرف حاصل ہوا۔ [مشکوٰۃ شریف]

سرکار مولا علی نے خیبر کی جنگ میں بے مثال شجاعت وطاقت کا مظاہرہ فرمایا اور دروازۂ خیبر کو اکھاڑ کر پھینک دیا۔ آپ چوتھے اسلامی خلیفہ ہیں۔ آپ سے بیشمار کرامتوں کا صدور ہوا ہے اور حق یہ ہے کہ ولایت وکرامت آپ ہی کے در اقدس سے تقسیم ہوتی ہیں۔ سلسلہ قادریہ وسلسلہ چشتیہ کے آپ سرخیل ہیں۔

### شہادت:

۱۷؍رمضان المبارک کو ابن ملجم خبیث نے آپ پر وار کر کے شدید زخمی کیا۔

تین روز تک آپ زخمی حالت میں بقید حیات رہے اور ۲۱ررمضان المبارک شب یکشنبہ پردہ فرمایا۔

**مزار مبارک:**

آپ کے مزار اقدس کے بارے میں مختلف اقوال ہیں ۔ اکثریت کے مطابق ''نجف اشرف'' ملک عراق میں آپ کا مزار پاک ہے۔

**حضرت خواجہ حسن بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ:**

مصنف تذکرۃ الاولیا کے مطابق آپ کا نام ''حسن'' سیدنا امیر المومنین فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے رکھا تھا کیونکہ آپ بہت ہی خوبصورت تھے ۔آپ کی والدہ ماجدہ ام المومنین سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی کنیز تھیں اور آپ نے ان کا بھی دودھ پیا تھا۔ایک روایت میں ہے کہ ایک دن آپ نے سرکار ابدقرار صلی اللہ علیہ وسلم کے پیالے سے پانی پی لیا۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دریافت کرنے پر سیدہ ام المومنین نے بتایا کہ حسن نے پانی پیا فرمایا: جس قدر پانی اس نے پیا ہے، اس قدر میرا علم اس میں اثر کر گیا۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کے لیے دعا بھی فرمائی تھی۔آپ نے ۱۲۰رصحابہ کرام کی زیارت کی تھی۔آپ کو سیدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم سے بیعت و خلافت تھی۔آپ علم و فضل میں یکتا تھے اور آپ کو خود مولائے کائنات سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے ''وعظ'' کی اجازت دی تھی۔آپ صاحب کرامت بزرگ تھے اور آپ کا شمار مشاہیر اولیائے اسلام میں ہوتا ہے۔آپ کی تاریخ وصال ۱۷رمحرم یا غرہ رجب ۱۱۰ھ ہے۔مزار مبارک بصرہ (عراق) میں ہے۔

**خواجہ عبدالواحد بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ:**

حضرت خواجہ عبدالواحد بن زید رضی اللہ عنہ کی تاریخ ولادت نہیں ملتی۔ایک روایت کے مطابق آپ کا مزار پاک بغداد شریف میں اور دوسری روایت کے مطابق بصرہ میں ہے۔آپ کا وصال پاک ۲۷رصفر المظفر ۱۷۷ھ کو ہوا۔تذکرے کے طور



پر آپ کا ایک واقع بیان کیا جا رہا ہے:

''آپ نے تین شب متواتر رب عظیم کے حضور دعا کی کہ مولا مجھے اس شخص کا دیدار کرا دے جو جنت میں میرا رفیق ہوگا۔جواب ملا: میمونہ سودا تیری رفیق جنت ہوگی۔آپ نے جب اسے تلاش کیا تو معلوم ہوا کہ وہ ایک دیوانی عورت ہے۔آپ جب ان کے نزدیک جنگل میں پہنچے تو دیکھا وہ مصروف نماز ہے اور جسم پر ایک اونی جبہ ہے جس پر لکھا ہوا ہے کہ یہ خریدی اور بیچی نہیں جا سکتی۔سامنے جب بکریوں کے ریوڑ پر نظر دوڑائی تو دیکھا بکریاں اور بھیڑیئے ایک ساتھ چر رہے ہیں۔آپ کو دیکھ کر میمونہ نے آپ کا نام لے کر پکارا تو آپ کو حیرت ہوئی، نیز اس پر بھی حیرت ہوئی کہ بھیڑیئے اور بکریاں ایک ساتھ چر رہی ہیں۔میمونہ نے انہیں نصیحت کرتے ہوئے کہا: جاؤ میں نے اپنے رب سے معاملہ درست کر لیا ہے، اس لیے مولا نے دونوں میں صلح کرا دی ہے۔ [ملخصاً۔روض الریاحین۔اردو ترجمہ ص ۱۳۸]

**حضرت خواجہ فضیل بن عیاض رضی اللہ عنہ:**

حضرت فضیل بن عیاض نور اللہ مرقدہٗ ابتدائی دور میں لوٹ مار کرتے تھے لیکن اس عالم میں بھی صوم وصلوٰۃ کے پابند تھے۔

ایک مرتبہ رات میں ایک قافلہ آکر ٹھہرا اور اس میں ایک شخص قرآن کریم کی یہ آیت تلاوت کر رہا تھا جس کا ترجمہ ہے: ''کیا اہل ایمان کے لیے اب بھی وقت نہیں آیا کہ ان کے قلوب اللہ کے ذکر سے خوف زدہ ہو جائیں ۔'' اس کا ایسا اثر آپ پر ہوا کہ تائب ہو کر سب فعل چھوڑ دیا۔آپ نے جن جن کو اذیتیں پہنچائیں تھیں، ان سے معافی طلب کر لی لیکن ایک یہودی نے معافی کی یہ شرط لگائی کہ سامنے والی پہاڑی کو یہاں سے ہٹا دو تو معاف کر دوں گا۔آپ نے پہاڑی کی مٹی اٹھانی شروع کر دی۔ اتفاق سے ایسی تیز آندھی آئی کہ وہ پوری پہاڑی اپنی جگہ سے ختم ہوگئی۔اس کے بعد اسی یہودی نے پھر کہا آپ جب تک میرا مال واپس نہیں کریں گے، معاف نہیں کروں

گا۔ میرے تکیہ کے نیچے اشرفیوں کی تھیلی رکھی ہوئی آپ اسے اٹھا کر مجھے دیدیں تا کہ میری قسم کا کفارہ ہو جائے۔ چنانچہ آپ نے تھیلی اٹھا کر یہودی کو دے دی۔ اب اس نے کہا کہ پہلے مجھے مسلمان کر لو پھر معاف کروں گا۔ آپ نے اسے کلمہ پڑھا کر مسلمان کر لیا۔ اب اس نے بتایا کہ میں نے توریت میں پڑھا تھا۔ اگر صدق دل سے تائب ہونے والا خاک کو ہاتھ لگا دے تو وہ سونا بن جاتی ہے۔ اب میری تھیلی جس میں مٹی بھری تھی، آپ کے ہاتھ لگانے سے سونا بن گئی تو مجھے یقین ہو گیا کہ آپ کی توبہ قبول ہوگئی اور آپ کا مذہب سچا ہے۔ [ملخصاً تذکرہ الاولیاء]

حضرت خواجہ فضیل بن عیاض نے امام اعظم ابوحنیفہ کی خدمت میں رہ کر علم حاصل کیا۔ آپ علم وفضل اور زہد وتقویٰ میں یکتائے زمانہ تھے۔ عمر بھر دنیا اور دنیا داروں سے دور ونفور رہے۔ خلیفہ ہارون رشید نے آپ سے ملنا چاہا مگر آپ نے اجازت نہ دی اور وہ اور ان کا وزیر جعفر برمکی آپ کے حجرہ میں بے اجازت داخل ہوئے تو آپ نے شمع بجھا دی۔ آپ صاحب کرامت بزرگ تھے۔ حضرت خواجہ عبدالواحد بن زید سے خلافت و اجازت تھی۔ ۳/ ربیع الاول ۲۸۷ھ میں آپ کا وصال ہوا۔ مزار پاک مکہ معظّمہ میں ہے۔

## حضرت خواجہ سلطان ابراہیم بن ادھم رضی اللہ عنہ:

حضرت سلطان ابراہیم کی کنیت ''ابواسحٰق'' ہے سلسلہ نسب اس طرح ہے:

سلطان ابراہیم بن ادہم بن سلیمان بن منصور بن ناصر بن عبداللہ بن حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہم۔ آپ سلطان بلخ کے ولی عہد تھے لیکن سلطنت کو ٹھکرا کر درویشی اختیار کر لی اور تارک الدنیا ہو گئے۔ علم وفضل، زہد وتقویٰ، ولایت و کرامت میں آپ کا مقام بہت بلند ہے۔ صحرا میں حضرت خضر اور حضرت الیاس علیہما السلام سے آپ کی ملاقات بھی ہوئی ہے۔ آپ سے بہت سی کرامتوں کا صدور ہوا ہے۔

۲۱/ جمادی الثانی ۲۷۶ھ میں پردہ فرمایا۔ وصال کا مادۂ تاریخ ہے ''امام اصفیاء بود (۲۷۶ھ)'' [روض الریاحین۔ تذکرہ الاولیاء وغیرہ]



## خواجہ حذیفہ مرعشی قدس سرہٗ العزیز:

آپ حضرت سلطان ابراہیم بن ادہم کے مرید وخلیفہ تھے۔ مدتوں ان کی خدمت میں رہے۔ ولایت وروحانیت میں آپ کا مقام بہت ہی بلند وبالا ہے۔ مرعش بلاد شام آپ کا وطن عزیز ہے۔

حضرت مدتوں گوشۂ خلوت میں معتکف رہے لیکن کثیر خلق خدا نے آپ کو کعبہ شریف میں مصروف طواف اور بیت المقدس میں معتکف پایا۔ آپ نے ۱۴/ شوال ۲۷۶ھ کو اس جہان فانی کو الوداع کیا۔

## خواجہ امین الدین ہبیرۃ بصری:

(م ۷/ شوال ۲۸۷ھ ہبیرۃ قریب بصرہ ملک عراق) آپ نے سترہ سال کی عمر میں علوم قرآن وحدیث وفقہ پر عبور حاصل کر لیا۔ چند سال میں حفظ قرآن کی دولت بھی حاصل کر لی۔ تیس برس تک مسلسل ریاضت ومجاہدے کئے۔ ہر دن دو ختم قرآن حکیم کے مکمل فرماتے۔ لیکن تیس سالہ ریاضت کے باوجود عقدۂ دل نہ کھلا۔ باشارۂ غیبی حضرت حذیفہ مرعشی کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ بیعت وارادت سے مشرف ہوئے۔ پھر ایک ہفتے کے مجاہدے نے ہی آپ کو قرب الٰہی کی منزل پر فائز کر دیا۔ آپ اہل دنیا سے دور ونفور رہتے اور ان کے تحائف قبول نہ کرتے۔ فرماتے، درویش کو درہم ودینار سے کیا واسطہ، درویش کو تو فقر وفاقہ اور شکستگی چاہیے۔ اگر یہ نہ ہو تو وہ ہرگز درویشی کے لائق نہیں...... آپ عابد شب بیدار اور صاحب گریہ وجذب و حال تھے۔ آپ کا وصال ۷/ شوال ۲۸۷ھ کو ہوا۔ بصرہ میں مدفون ہیں۔

## حضرت خواجہ ممشاد علو دینوری قدس سرہٗ [م ۱۴/ محرم ۲۹۹ھ/ ۲۹۸ھ] بغداد:

خواجہ، ہبیرۃ بصری کے ممتاز مرید وخلیفہ، صائم الدہر تھے۔ ابتدا میں بڑے مالدار تھے لیکن عشق الٰہی کی کشش نے دنیا سے بے نیاز کر دیا اور سب کچھ راہ خدا میں لٹا دیا اور اہل وعیال کو خدا کے سپرد کر دیا۔ سات دن کے بعد ایک کھجور سے افطار کرتے اور

چند گھونٹ پانی پی لیتے۔ حضرت خضر علیہ السلام سے اکثر وبیشتر ملاقات رہتی۔ انہیں کی رہنمائی میں حضرت خواجہ ہبیرہ بصری کی خدمت میں حاضر ہوئے اور بیعت وارادت کا شرف حاصل کیا۔ آپ کے دست مبارک پر کثیر خلق خدا ایمان کی دولت سے سرفراز ہوئی۔ آپ فرماتے تھے کہ تصوف یہ ہے کہ باطن کو صاف کرے اور خدا کے پسندیدہ اعمال کا عامل رہے اور خلق خدا سے صحبت نہ رکھے مگر بضرورت۔ ۲۹۸ھ یا ۲۹۹ھ میں وفات پائی اور بغداد شریف میں امام احمد بن حنبل کے جوار میں آسودۂ خواب ہوئے۔

**حضرت خواجہ ابواسحاق شامی چشتی [م ۱۴ ربیع الثانی ۳۲۹ھ] عکہ بلاد شام:**

مقتدائے اہل چشت اور حضرت خواجہ ممشاد کے مرید مراد تھے۔ سلسلۂ چشتیہ آپ سے ہی منسوب ہے۔ بہت سخت ریاضات ومجاہدات کئے۔ اکیس دن کے بعد افطار کیا کرتے تھے۔ سماع سے خاص ذوق تھا۔ سلب امراض باطن میں ید طولیٰ حاصل تھا۔ آپ کی محفل میں شرکت کرنے والوں کا دل دنیا سے سرد ہو جاتا۔ ۱۴ ربیع الثانی ۳۲۹ھ کو واصل بحق ہوئے۔ مزار مبارک قصبۂ عکہ میں ہے جو ملک شام کا ایک قصبہ ہے۔

**خواجہ ابواحمد ابدال چشتی قدس سرہٗ [م ۳۵۵ھ] چشت مضافات ہرات:**

قدوۃ الدین لقب، حسنی سادات سے ہیں۔ آپ قطب الابدال تھے اور خواجہ ابواسحٰق شامی کے ممتاز مرید وخلیفہ۔ سات سال کی عمر میں ہی جذب الٰہی سے سرشار رہتے اور علم لدنی کے اسرار آپ کی زبان مبارک سے بیاں ہوتے۔ ریاضت ومجاہدے کا یہ عالم کہ سات دن کے بعد تجدید وضو وافطار فرماتے۔ تین لقموں سے افطار اور تھوڑے سے پانی پر اکتفا فرماتے۔ آپ کے روئے تاباں پر خداداد ہیبت وجلال طاری رہتا۔ پیشانی مبارک ایسی روشن تھی کہ تاریکی میں اس کی روشنی میں تلاوت قرآن کر لیتے۔ سماع کا بے حد ذوق تھا۔ ایک مرتبہ سفر کے دوران آپ ایسے مقام سے گذرے جہاں کے کفار بے حد ظالم تھے اور مسلمانوں کو سخت اذیت پہنچاتے بلکہ زندہ جلا دیا کرتے تھے۔ آپ کے ساتھ بھی یہی معاملہ کرنا چاہا۔ آپ نے کلمہ طیبہ پڑھ کر آگ کے بھڑکتے شعلوں میں قدم رکھا



اور وہیں مصلیٰ بچھا کر مشغول نماز ہوئے۔ ایسی واضح کرامت دیکھ دس ہزار کفار کا تماشائی ہجوم آپ کے دست اقدس پر فوراً کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو گیا۔ یکم جمادی الثانی ۳۵۵ھ کو وصال محبوب سے شادکام ہوئے اور قصبۂ چشت میں آسودۂ خواب ہوئے۔

**خواجہ ابو محمد چشتی [م ۱۴ ربیع الآخر ۴۱۱ھ] چشت مضافات ہرات:**

والد ماجد خواجہ سید ابواحمد ابدال چشتی سے بیعت وخلافت حاصل تھی۔ شکم مادر میں ہی آپ کی زبان مبارک سے کلمۂ طیبہ کی آواز آتی تھی۔ ولادت کے فوراً بعد آپ نے سات بار کلمۂ طیبہ زبان مبارک سے ارشاد فرمایا۔ کثیر کرامات آپ سے عہد طفولیت سے ہی صادر ہونے لگیں۔ روئے زیبا ایسا روشن تھا کہ پورا گھر آپ کے وجود سے روشن ہو جاتا۔ حضرت خضر علیہ السلام نے آپ کو علوم ظاہر وباطن تعلیم فرمائے۔ لیکن ظاہری طور سے بھی آپ نے علوم شریعت کی مدرسے میں تکمیل فرمائی۔ مشائخ کی طرح آپ کو بھی سماع سے خاص ذوق تھا۔ زبان مبارک سے جو فرمادیتے فوراً ہو جاتا۔ جسے ایک محبت بھری نگاہ سے دیکھ لیتے، وہ ولی کامل ہو جاتا۔ سات دن پر افطار کرتے۔ سلطان محمود غزنوی نے معرکۂ سومنات میں آپ کو مدد کی خاطر پکارا، آپ کی غیبی مدد سے اسے فتح نصیب ہوئی۔ آپ کا وصال ۱۴ ربیع الآخر کو ہوا۔ چشت میں آرام فرما ہیں۔

**حضرت خواجہ ابو یوسف چشتی قدس سرہٗ [م ۳ رجب ۴۵۹ھ] چشت، ہرات:**

حسینی سادات سے ہیں اور حضرت خواجہ ابو محمد چشتی کے ہمشیرزادہ مرید اور خلیفہ۔ آپ کے مرشد اور ماموں نے آپ کو ناصر الدین کا لقب عطا کیا۔ علوم ظاہری کی تکمیل کے بعد آپ اپنے ماموں کی خدمت میں مرید ہونے اور علوم باطن حاصل کرنے کی غرض سے حاضر ہوئے تو مرشد گرامی نے فرمایا: اے ناصر الدین! علم الٰہی محنت اور کسب سے حاصل نہیں ہوتا بلکہ محض فضل الٰہی سے حاصل ہوتا ہے۔ پھر حضرت خواجہ ابو محمد چشتی نے انہیں اپنی تربیت میں لے لیا اور اسم اعظم تعلیم فرمایا۔ نگاہ کیمیا اثر پائی تھی، جس سمت اٹھ گئی انقلاب برپا کر دیا۔ حالت سماع میں آپ کی پیشانی اقدس

سے ایسا نور بلند ہوتا کے فضائے آسمانی تک منور ہوجاتی۔ اس عالم میں جس پر نگاہ پڑجاتی، وہ تارک الدنیا اور صاحب ولایت بن جاتا۔ آپ قائم اللیل اور صائم الدہر تھے۔ نذر قبول نہ کرتے، ساری فتوحات درویشوں اور فقرا میں تقسیم فرمادیتے۔ آپ کو قرآن حکیم حفظ نہ ہوتا تھا۔ آپ متردد رہتے۔ ایک رات مرشد گرامی کو خواب میں دیکھا کہ فرماتے ہیں: اے ابو یوسف پریشان کیوں ہوتا ہے۔ سو بار سورۂ فاتحہ پڑھا کر، قرآن مجید حفظ ہوجائے گا۔ پھر آپ کو قرآن حکیم ایسا حفظ ہوا کہ شب وروز میں پانچ ختم قرآن کیا کرتے تھے۔ اجنہ اور رجال غیب آپ سے کثرت سے مرید ہوئے۔ آپ سے بے شمار کرامات سرزد ہوئیں۔ ۳؍رجب ۴۵۹ھ کو واصل بخدا ہوئے۔ مزار اقدس قصبۂ چشت میں ہے۔

### حضرت خواجہ قطب الدین مودود چشتی [م یکم رجب ۵۲۷ھ] قصبۂ چشت:

والد ماجد خواجہ ابو یوسف چشتی کے مرید وخلیفہ، جانشین اور عکس جمیل۔ مادرزاد ولی اور قطب الاقطاب تھے۔ شمع صوفیاں اور چراغ چشتیاں کہے جاتے تھے۔ بچپن سے ہی کرامات آثار تھے۔ سات سال کی عمر مبارک میں قرآن حکیم حفظ کیا۔ اس کے بعد علوم ظاہری کی تکمیل فرمائی۔ ۲۴؍سال کی عمر میں والد ماجد کی رحلت کے بعد مسند سجادگی کو رونق بخشی۔ علم لدنی کے اسرار آپ پر منکشف تھے۔ علمی مباحث میں ہمیشہ آپ غالب رہتے۔ علم وفضل اور کرامات ووجاہت کی ان رونقوں کے باوجود حد درجہ متواضع اور خلیق تھے۔ ہر ایک سے سلام میں پہل کرتے اور آنے والے کو اٹھ کر تعظیم دیتے۔ تیس برس تک آپ نے بستر سے پیٹھ نہ لگائی۔ سماع کے شائق تھے اور ضیافت دینے کے عادی۔ مہمانوں کو نفیس ولذیذ کھانا تیار کرا کے حاضر کرتے۔ آپ سے سلسلۂ چشتیہ کو بہت فروغ ہوا۔ یکم رجب ۵۲۷ھ کو وصال محبوب سے شادکام ہوئے اور چشت میں آسودۂ خواب۔

### حضرت خواجہ حاجی شریف زندنی [م ۱۰؍رجب ۶۱۲ھ] قصبہ زندان یا زندنہ، بخارا:

بخارا کا ایک قصبہ زندنہ آپ کا مولد ومسکن تھا۔ حضرت خواجہ مودود چشتی کے



مرید وخلیفہ اور جانشین تھے اور حضرت خواجہ عثمان ہارونی کے مرشد گرامی۔ آپ دائم الوضو تھے۔ چودہ برس کی عمر سے اخیر وقت تک آپ کبھی بے وضو نہ رہے۔ دنیا اور اہل دنیا سے بالکل کنارہ کش رہے۔ فقر وفاقہ کو دوست رکھتے اور پیوند لگا لباس زیب تن فرماتے۔ جس دن فاقہ رہتا، اس روز سو رکعت نماز شکرانے کی ادا کرتے۔ فرماتے فقر وفاقہ انبیائے عظام اور اولیائے کرام کا طریقہ ہے۔ جب یہ نعمت مجھے حاصل ہو تو میں اپنے رب کا شکر کیوں نہ ادا کروں۔ سماع سے عشق تھا۔ حالت وجد میں خوب روتے، نعرے لگاتے اور اکثر بے ہوش ہوجاتے۔ نماز میں ایسی محویت طاری ہوتی تھی کہ خود سے بیگانہ ہوجاتے۔ سیدنا خواجہ عثمان ہارونی مرشد گرامی سیدنا خواجہ غریب نواز، جیسا شاہباز لامکانی آپ کا اسیر تھا۔ ایک سو بیس برس کی عمر میں ۶؍رجب ۵۸۴ھ کو اس جہان فانی کو الوداع کہا اور زندنہ میں آسودۂ خواب ہوئے۔

### حضرت خواجہ عثمان ہارونی رضی اللہ تعالیٰ عنہ:

حضرت سیدنا خواجہ عثمان ہارونی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سلطان الہند سیدنا خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رضی اللہ عنہ کے مرشد کامل ہیں۔ آپ شریعت وطریقت کے جامع اور مقتدائے اوتاد وابدال تھے۔ نیشاپور کے مضافات میں ایک موضع ہے ''ہارون''، آپ وہیں کے رہنے والے تھے۔ لہٰذا اسی نسبت سے ''ہارونی'' مشہور ہوئے۔ حضرت خواجہ غریب نواز اجمیری رضی اللہ عنہ برسہا برس آپ کی خدمت میں رہے۔ [ملخصاً سیر الاولیا]

آپ کے دست حق پرست پر ہزارہا کفار ومشرکین مسلمان ہوئے اور دولت ایمان سے مالا مال ہوئے۔ آپ کی خدمت وصحبت ومعیت میں رہنے والے سب کے سب ولی کامل ہوئے۔ آپ سیدنا حاجی شریف زندانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مرید اور خلیفۂ اکبر تھے۔ آپ کا وصال مبارک ۶۱۷ھ میں ہوا۔ مزار مبارک قصبہ زندان بخارا میں ہے۔ آپ سے بے شمار کرامتوں کا صدور ہوا ہے اور لاریب سب سے بڑی کرامت خود سیدنا خواجہ غریب نواز اجمیری رضی اللہ عنہ ہیں۔

# حضرت خواجہ غریب نواز رضی اللہ عنہ کے ملفوظات گرامی

ڈاکٹر شجاع الدین فاروقی

اے.ایم.یو علی گڑھ

اولیاءاللہ، خاصان خدا اور بزرگان دین کے احوال وکوائف، سیرت وسوانح اور ارشادات وملفوظات جمع ومرتب کرنا اور افادہ عام کے لئے ان کی نشر واشاعت معتقدین ومریدین کا معمول اور دلچسپ مشغلہ رہا ہے۔ سبھی سلاسل طریقت کے اہم بزرگوں کے ملفوظات کی اشاعت قدیم زمانہ سے ہی معمولات ابرار رہے۔ فارسی اور اردو میں اس صنف کا بہت بڑا ذخیرہ موجود ہے۔

ان احوال وکوائف سے، بزرگان طریقت کی سیرت وسوانح سے، ان کے ارشادات وفرمودات سے استفادہ کرکے ان کی پیروی کرنے اور ان کے نقش قدم پر چلنے کا جوش وجذبہ ان کے مریدین ومعتقدین میں ہمیشہ جوان اور سدا بہار رہتا ہے۔ اس لئے ان کی جمع وترتیب کا بھی خاص اہتمام کیا جاتا ہے۔ ان کی زبان فیض ترجمان سے نکلنے والے الفاظ کے معانی ومفاہیم کی تشریح کی جاتی رہی ہے، کیونکہ بزرگان دین 'قلت کلام' پر عمل کرتے ہوئے بہت کم بولتے ہیں لیکن جو کچھ بولتے ہیں، اس میں جہان معانی پوشیدہ ہوتا ہے۔ وجہ یہ کہ وہ جو کچھ کہتے ہیں، سوچ سمجھ کر کہتے ہیں، تول کر بولتے ہیں۔ بلکہ دیکھ کر بولتے ہیں ''قلندر ہرچہ گوید، دیدہ گوید''۔ (قلندر جو کچھ کہتا ہے دیکھ کر کہتا ہے)



یہاں قلندر سے مراد وہ اصحاب نہیں ہیں جو کالے پیلے کپڑے پہنے، چار ابرو کا صفایا کئے یا پھر بڑے بڑے ژولیدہ بال لئے پھرتے ہیں۔ ہاتھ پیروں میں جہنمیوں کے زیور یعنی لوہے کے کڑے، طوق، بیڑی پہنے رہتے ہیں۔ بڑا سا چمٹا بجا کر لایعنی باتیں کرتے ہیں، بلکہ وہ خاصان خدا اور مقربین بارگاہ الٰہی مراد ہیں کہ جو اس منزل ومقام ارفع پر فائز ہوتے ہیں جن کے متعلق بجا طور یہ کہا گیا ہے۔

گفتۂ او گفتۂ اللہ بود
گرچہ از حلقوم عبداللہ بود

لیکن یہ مقام رفیع سخت ریاضت ومجاہدہ اور تقرب الی اللہ کے بعد ہی حاصل ہوتا ہے، بلکہ بڑی حد تک عطیہ الٰہی ہوتا ہے۔ اس لئے معدودے چند ہی اس مقام عالی تک پہنچ پاتے ہیں۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ عالم اسلام کی تقریباً نصف آبادی برصغیر کے تین ممالک ہندوپاک اور بنگلہ دیش میں آباد ہے۔ ان تین ممالک کے ہزاروں شہروں اور لاکھوں دیہات میں آج اسلام کا جو غلغلہ بلند ہے، وہ مرہون منت ہے ان اولیائے کاملین کا جو اسلام کی تبلیغ واشاعت کے لئے برصغیر کے کونے کونے میں پہنچے اور آج وہیں کی خاک میں محوخواب، صور اسرافیل کے منتظر اور اپنی حسن کارکردگی کے صلے و ثواب کے متمنی ہیں۔ ان مبلغین کرام میں سب سے بڑا حصہ بزرگان چشت اہل بہشت کا ہے جن کے سرخیل وسرتاج خواجۂ خواجگان سلطان الہند حضرت خواجہ معین الدین چشتی سنجری اجمیری علیہ الرحمۃ والرضوان ہیں، جو اسی مقصد کے لئے ہندوستان آئے اور اپنے مقصد میں بڑی حد تک کامیاب بھی ہوئے۔ یہی نہیں ان کا قائم کردہ نیٹ ورک تقریباً آٹھ صدیوں سے اپنے کام میں مشغول ومصروف ہے اور اپنی تجلیات سے ہزاروں قلوب کو منور اور صدہا تشنگان معرفت کو سیراب کررہا ہے۔

اگر اس سلسلہ کی خدمات کا آغاز حضرت خواجہ عثمان ہارونی علیہ الرحمۃ

والرضوان سے ہوتا ہے تو اسے بام عروج پر پہنچانے والے حضرت خواجہ معین الدین چشتی سنجری اجمیری علیہ الرحمۃ والرضوان ہیں۔ اس عروج کو برقرار رکھنے والے آپ کے جانشین حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی علیہ الرحمۃ ہیں۔ اس سلسلہ اور کام کو اسی نہج پر چلانے والے ان کے جانشین حضرت بابا فرید الدین گنج شکر علیہ الرحمۃ ہیں۔ ان کے علم کو سنبھالنے والے اور ان کی فتوحات میں اضافہ کرنے والے حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء علیہ الرحمہ ہیں، حضرت کے نام و کام کو برقرار رکھنے والے ان کے خلیفہ و جانشین حضرت خواجہ نصیرالدین چراغ دہلی رحمہ اللہ ہیں اور پھر ان کے خزینے کی حفاظت کرنے والے ان کے جانشین وخلیفہ حضرت خواجہ بندہ نواز گیسودراز علیہ الرحمہ ہیں۔

ان کے بعد یوں تو سلسلہ اور اس کی خدمات آج تک باقی ہیں لیکن عروج اور آب وتاب ان کے ساتھ ہی رخصت ہوگئے۔ ان کے بعد کوئی ایسی قد آور شخصیت منصۂ شہود پر نہ آسکی جسے قصر چشتیت کے مذکورہ ستونوں میں جگہ دی جاسکے اور یہ کوئی تعجب انگیز یا محیر العقول بات بھی نہیں ہے۔ دوام تو صرف باری تعالیٰ کے لئے ہی مخصوص ہے۔ تغیر پذیری قدرت کا اٹل اصول ہے۔ "کل من علیها فان ویبقیٰ وجه ربك ذو الجلال والإكرام"۔

خانوادۂ چشتیہ کے مذکورہ بالا معماروں کی یہ بھی ایک اہم خصوصیت ہے کہ ان میں سے سبھی نے اپنے مرشد گرامی کے کچھ ملفوظات کو ضرور قلم بند کیا ہے۔ چنانچہ حضرت خواجہ معین الدین چشتی نے حضرت خواجہ عثمان ہارونی کے ملفوظات کو "انیس الارواح" کے نام سے مرتب کیا۔ خود حضرت والا کے ملفوظات کو حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی نے "دلیل العارفین" کے نام سے مرتب وشائع کیا۔ حضرت بختیار کاکی کے ملفوظات حضرت بابا فرید الدین گنج شکر نے "فوائد السالکین" کے نام سے ترتیب دیے۔ خود حضرت بابا فرید کے ملفوظات "راحت القلوب" کے نام سے



حضرت نظام الدین محبوب الٰہی کے قلم گہر بار کا نتیجہ ہیں۔ حضرت خواجہ بدر اسحٰق نے بھی ان کے ملفوظات کو "اسرار الاولیا" کے نام سے مرتب کیا ہے۔ اسی طرح حضرت محبوب الٰہی کے ملفوظات کو حضرت امیر خسرو نے "افضل الفوائد" اور "راحت المحبین" کے نام سے مرتب کیا، نیز حضرت خواجہ امیر حسن سنجری نے پانچ جلدوں میں "فوائد الفواد" کے نام سے پیش کیا۔ خواجہ نصیر الدین چراغ دہلی کے ارشادات وفرمودات مختصراً حضرت محبّ اللہ نے "مفتاح العاشقین" کے نام سے مرتب کئے ہیں۔

اس طرح اس سلسلۃ الذہب کے سبھی اہم بزرگوں کے ارشادات وفرمودات تحریری شکل میں موجود ہیں۔ ان سبھی کو مجموعی حیثیت سے "ہشت بہشت" کے نام سے بھی یکجا کردیا گیا ہے۔ اس مقالہ میں صرف حضرت خواجہ معین الدین اجمیری علیہ الرحمۃ والرضوان سے براہ راست تعلق رکھنے والے یعنی آپ کے مرتب کردہ ملفوظات سوم بہ "انیس الارواح" اور خود آپ کے ارشادات وفرمودات پر مشتمل ملفوظات یعنی "دلیل العارفین" کا ایک جائزہ پیش کیا جارہا ہے۔

"انیس الارواح" حضرت خواجۂ خواجگان چشت کا مرتبہ تقریباً ۴۵/ صفحات کا ایک مختصر رسالہ ہے جس میں ایک مختصر تمہید کے بعد اٹھائیس مجلسوں میں بیان کئے گئے حضرت خواجہ عثمان ہارونی علیہ الرحمۃ والرحوان کے ارشادات عالیہ کو قلم بند کیا گیا ہے۔ ابتدا میں حضرت نے حمد الٰہی اور صلوٰۃ وسلام بحضور رسول الانام کے بعد یہ بتایا ہے کہ اس رسالہ میں انھوں نے اپنے پیرومرشد کے ارشادات جمع کئے ہیں۔ وہ بتاتے ہیں کہ انھیں پہلی بار حضرت پیرومرشد کی زیارت وشرف ملاقات بغداد میں حضرت خواجہ جنید بغدادی کی مسجد میں حاصل ہوا۔ اس وقت دیگر مشائخ کرام بھی موجود تھے۔ انھوں نے پہلی ملاقات، داخل سلسلہ ہونے اور پیرومرشد کی معیت میں رہنے کا ذکر قدرے تفصیل سے کیا ہے۔

فرماتے ہیں: "پیرومرشد نے دوگانہ ادا کرا کے قبلہ رُخ بٹھایا پھر سورہ بقرہ

کی تلاوت کرائی پھر اکیس بار سبحان اللہ کا ورد کرا کے ہاتھ پکڑا اور آسمان کی طرف دیکھ کر فرمایا کہ میں نے تجھے خدا تک پہنچا دیا، پھر اپنے دست مبارک سے بال تراش کر چار ترکی کلاہ زیب سر کی، پھر فرمایا ہمارے خانوادے میں آٹھ پہر کا مجاہدہ ہوتا ہے، آج کا دن اور رات مجاہدے میں مشغول رہو۔ دوسرے دن آپ نے ایک ہزار بار سورہ اخلاص کا ورد کرایا پھر فرمایا کہ اوپر کی طرف دیکھئے اور بتایئے کہ کیا نظر آتا ہے۔ میں نے دیکھا اور عرض کیا کہ عرش عظیم تک سب کچھ نظر آتا ہے پھر فرمایا کہ زمین کی طرف دیکھئے اور بتایئے، میں نے دیکھ کر عرض کیا کہ حجاب عظمت تک سب کچھ نظر آتا ہے۔ پھر آنکھیں بند کرا کے فرمایا، کھولئے پھر دو انگلیاں دکھا کر فرمایا کہ ان کے درمیان کیا نظر آتا ہے۔ میں نے عرض کیا کہ اٹھارہ ہزار قسم کی مخلوقات، اس پر فرمایا، جا تیرا کام سنور گیا۔ حکم ہوا کہ پاس پڑی ہوئی اینٹ کو الٹ کر دیکھو۔ میں نے دیکھا تو اس کے نیچے ایک مٹھی سونے کے دینار تھے۔ آپ نے حکم دیا کہ انھیں لے جا کر فقرا میں صدقہ کر دو۔ پھر حکم ہوا کہ چند روز ہماری خدمت میں رہو، اس کے بعد پیرومرشد نے خانہ کعبہ کی طرف سفر اختیار کیا اور میں بھی ہم رکاب رہا۔

خانہ کعبہ میں ایک بار پھر حضرت پیرومرشد نے خدا کے سپرد کیا اور خاص میزاب رحمت کے نیچے میرے لئے مناجات کی تو آواز آئی کہ ''ہم نے معین الدین کو قبول کیا''۔ وہاں سے مدینہ منورہ میں حاضری دی۔ میرے سلام پیش کرنے پر آواز آئی ''اے مشائخان بحروبر کے قطب وعلیکم السلام' اس پر حضرت پیرومرشد نے فرمایا کہ ''اب تیرا کام مکمل ہو گیا۔''

مختلف دیار وامصار کی دس سالہ سیاحت کے بعد حضرت خواجہ صاحب، پیرومرشد کی معیت میں بغداد واپس آئے۔ وہاں پیرومرشد نے گوشہ نشینی اختیار کر لی۔ خواجہ صاحب فرماتے ہیں: میرے لئے حکم ہوا کہ چاشت کے وقت آؤ، میں تمہیں فقر کی ترغیب دوں گا تا کہ وہ میرے مریدوں اور فرزندوں کے لئے یادگار رہے۔ میں حکم



بجالایا اور اسی طرح ہر روز حاضر ہوتا رہا۔ ان صحبتوں میں آپ کی زبان گوہر فشاں سے جو کچھ سنتا، اس کو لکھ لیتا۔

چونکہ بزرگان دین کا طریقہ قلت کلام ہوتا ہے اور ''خَیرُ الکَلَامِ مَاقَلَّ وَدَلَّ'' (اچھا کلام وہ ہے جو مختصر اور مدلل ہو) میں ان کا یقین ہوتا ہے، اس لئے یہ تقاریر بہت طویل نہیں ہیں بلکہ مختصر وجامع ہیں، دریا کو کوزے میں بھرنے کا عمل ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس موقع پر تشنگان معرفت کی ایک جماعت بھی سامع ہوتی تھی نیز حضرت پیرومرشد اوقات عبادت وریاضت میں سے چند منٹ نکال کر وعظ وارشاد کا یہ سلسلہ شروع فرماتے تھے اور مختصر تقریر کے بعد پھر عبادت وریاضت میں مشغول ہو جاتے تھے، اس لئے حضرت مرتب نے تقریباً ہر مجلس کے آخر میں یہ جملے لکھے ہیں۔ 'جوں ہی کہ خواجہ صاحب نے ان فوائد کو ختم کیا آپ یاد الٰہی میں مشغول ہو گئے اور خلقت ودعا گو واپس چلے آئے۔ الحمد للہ علیٰ ذالک'۔

یہ ارشادات اٹھائیس مجلسوں کے ہیں۔ ان کا خلاصہ مندرجہ ذیل ہے۔

☆ پہلی مجلس میں ایمان اور اس کی کیفیت وکمیت پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ سعید اور خبیث روحوں کا فرق واضح کیا گیا ہے۔

☆ دوسرے دن قصہ آدم کے متعلق گفتگو فرمائی، نیز سورج گرہن اور چاند گرہن کی وجوہات اور مختلف مہینوں میں ہونے والے گرہن کے اثرات پر روشنی ڈالی گئی۔

☆ تیسری مجلس میں مختلف دیار وامصار کی تباہی وبربادی اور ان کی وجوہات پر روشنی ڈالی گئی۔ قرب قیامت کی نشانیوں کی نشان دہی کے ساتھ حضرت مہدی اور حضرت عیسیٰ کے ظہور کا حال بیان کیا گیا۔

☆ چوتھی مجلس میں عورتوں کے فرائض وفرمانبرداری پر گفتگو ہوئی۔ اس اثنا میں

غلاموں کی آزادی کی اہمیت اوراس کے اجروثواب کا بیان ہوا۔اس سلسلہ میں صحابہ کرام کا طرزِ عمل بتایا گیا کہ وہ کس طرح مختلف بہانوں سے غلاموں کوآزاد کرتے رہتے تھے۔

☆ پانچویں صحبت میں صدقہ، اس کی ضرورت واہمیت اوراس کے اجروثواب پرروشنی ڈالی گئی۔صحابہ کرام کا طرزِ عمل بتایا گیا۔ارشاد ہوا کہ زمین بھی سخی پر فخر کرتی ہے اوراس کے ہرقدم پرنیکیاں لکھی جاتی ہیں۔

☆ چھٹی مجلس میں شراب اوراس کی خباثتوں پر گفتگو ہوئی، نیز یہ بتایا گیا کہ مقربانِ الٰہی نے کس کس طرح کے مجاہدے اورنفس کشی کی ہے۔

☆ ساتویں محفل میں مومن کوتکلیف پہنچانے کے مضراثرات بیان کئے گئے، نیزنماز اورخاصانِ خدا کی نماز کی کیفیت پرروشنی ڈالی گئی۔

☆ آٹھویں مجلس میں گالی دینے اوراس کی نحوستوں پر گفتگو ہوئی۔ پھر کھانے کے طریقے پرروشنی ڈالی گئی، نیز یہ بتایا گیا کہ بعض مشائخ وبزرگانِ دین جو کسی خاص لقب یاوصف سے متصف ہیں تو وہ انہیں کیسے حاصل ہوا؟

☆ نویں صحبت میں رزقِ حلال حاصل کرنے کے لئے محنت ومشقت کی اہمیت نیزمختلف پیشوں کی ضرورت واہمیت بیان کی گئی۔ارشاد ہوا کہ روزی کمانے والا خدا کا دوست ہوتا ہے۔(الکاسب حبیب اللہ)

☆ دسویں محفل میں مصائب وابتلا میں صبر کی ضرورت اور اجروثواب پر گفتگو ہوئی، نیز بھوکے پیاسے کی ضرورت پوری کرنے والےکواجروثواب کی بشارت دی گئی۔اسی ضمن میں لڑکیوں کی پرورش اوران سے حسنِ سلوک کی ضرورت واہمیت پراظہارِ خیال کیا گیا اوراسے اللہ ورسول کی خوشنودی کا ذریعہ بتایا گیا۔



☆ گیارہویں مجلس میں بے وجہ جانوروں کو مارنے پر ملامت کی گئی خصوصاً جانوروں کوجلا ڈالنے والوں کے عذاب بتائے گئے۔

☆ بارہویں محفل میں سلام کو عام کرنے کے فوائد اوراجروثواب بیان ہوئے، نیزاس کا سنت طریقہ بتایا گیا۔

☆ تیرہویں مجلس میں نماز کے کفارے کا ذکر ہوا نیز قیام اللیل کی اہمیت بتائی گئی اوراس سلسلے میں بزرگانِ دین کے طرزِ عمل پرروشنی ڈالی گئی۔

☆ چودہویں صحبت میں سورہ فاتحہ اورسورہ اخلاص کے متعلق گفتگو ہوئی اوران سورتوں کو پابندی سے پڑھنے کی تاکید کی گئی اوران کے اجروثواب بھی بتائے گئے۔

☆ پندرہویں مجلس میں بہشت اوراہل بہشت کے متعلق گفتگو ہوئی اوروہاں کی نعمتوں پرروشنی ڈالی گئی۔

☆ سولہویں مجلس میں مسجد کی اہمیت اوراس کے آداب بیان کئے گئے نیز مسجد میں پابندی سے آنے والوں کے اجروثواب بتائے گئے۔

☆ سترہویں صحبت میں دنیا اور دولت دنیا جمع کرنے کے بارے میں گفتگو ہوئی۔اس کے مضراثرات بتائے گئے نیز حسد سے بچنے کی سخت تاکید کی گئی۔

☆ اٹھارویں مجلس میں چھینک آنے پر الحمدللہ اور جواباً یرحمک اللہ کہنے پر حاصل ہونے والے اجروثواب پر گفتگو فرمائی گئی۔

☆ انیسویں محفل میں اذان کی خیروبرکت اورموذن کو حاصل ہونے والے اجروثواب بتائے گئے۔اسی مجلس میں آپ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پانچ قسم کے لوگوں سے سخت ناراض ہوتے ہیں، اول وہ جونماز قضا کرتے ہیں، دوسرے وہ جو آزاد کردہ غلام کو پھرغلام بنا کر بیچتے ہیں،

تیسرے وہ جو ہمسائے کو ستاتے ہیں، چوتھے وہ لوگ جو ناحق کسی سے کوئی چیز چھین لیتے ہیں اور پانچویں وہ جو اپنے عیال پر ظلم وزیادتی کرتے ہیں۔ اسی اثنا میں آپ نے تاکید فرمائی کہ لباس وخوراک ہمیشہ رزق حلال کا ہونا چاہئے۔ اسی کے ساتھ توبہ کرتے رہنے اور قرآن کریم کی تلاوت کرتے رہنے کی بھی تلقین فرمائی۔ آپ نے قرآن پڑھنے اور پڑھانے والوں، سیکھنے اور سکھانے والوں کو مقرب بارگاہ الٰہی قرار دیا۔

☆ بیسویں صحبت میں آپ نے مومن کی شناخت بتاتے ہوئے فرمایا کہ مومن وہ ہے جو تین چیزوں کو دوست رکھتا ہے۔ موت، درویشی اور فاتحہ۔ آپ نے مومنین کو صدیق اللہ قرار دیا۔ اسی موقع پر آپ نے حضرت خواجہ مودود چشتی علیہ الرحمۃ کا یہ قول نقل فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تین گروہوں کی طرف نظر رحمت سے دیکھتا ہے، ایسے لوگ عرش الٰہی کے سائے میں ہوں گے۔ اول وہ جو ہمیشہ ہمت بلند رکھتے ہیں، دوسرے وہ جو ہمسایوں اور عورتوں کو خوش رکھتے ہیں، تیسرے وہ جو عاجزوں اور درویشوں کو کھانا کھلاتے ہیں۔ آپ نے اسی موقع پر یہ حدیث بھی بیان فرمائی کہ سب سے افضل نماز ہے، دوسرے درجے پر صدقہ ہے اور تیسرے درجے پر تلاوت قرآن ہے۔ آپ نے ہمسائے کے ساتھ حسن سلوک کی بارہا تاکید فرمائی اور ایسے شخص کو اپنے ساتھ جنت میں لے جانے کا وعدہ فرمایا ہے۔

☆ اکیسویں مجلس میں دوسروں کی حاجت روائی کی ضرورت واہمیت بتائی گئی اور اس کے صلے وثواب بیان کئے گئے۔

☆ بائیسویں صحبت میں آخری زمانے کے حالات پر روشنی ڈالی گئی۔ آپ نے فرمایا کہ قرب قیامت میں عالموں کو چوروں کی طرح پیٹا جائے گا اور منافقوں کو عالم سمجھا جائے گا۔ اسی مجلس میں آپ نے کفر، ایمان اسلام،



نفاق اور علم وعمل کی دو دو قسمیں بیان فرمائیں۔

☆ تیئسویں مجلس میں موت کو یاد کرنے کی اہمیت اجاگر کی گئی۔ اسی کے ساتھ انبیاء علیہم السلام کو عزت وعظمت کے ساتھ یاد کرنے کی ضرورت اور اس کے اجر بیان کئے گئے۔

☆ چوبیسویں مجلس میں مسجد میں چراغ بھیجنے، روشنی کا انتظام کرنے کی ضرورت اور اس کا صلہ وثواب بیان کیا گیا۔

☆ پچیسویں بابرکت محفل میں درویشوں کے متعلق گفتگو ہوئی۔ انھیں کھانا کھلانے کی اہمیت بتائی گئی۔ مزید ارشاد ہوا کہ تین قسم کے لوگ بہشت سے دور رکھے جائیں گے جھوٹا درویش، بخیل دولت مند اور خائن سوداگر۔ اسی مجلس میں ہر نماز کے بعد آیۃ الکرسی اور سورۃ یٰسین ایک ایک بار، سورہ اخلاص تین بار پڑھنے کی تاکید کی گئی اور اس کے اجر وثواب بتائے گئے۔

☆ چھبیسویں مجلس میں پاجامے کے پائینچے دراز اور لٹکے ہوئے رکھنے نیز آستینوں کو لمبا رکھنے کی کراہت اور اس پر ہونے والے عذاب بیان کئے گئے۔ ایسے لوگوں کو لعنتی، دوزخی اور منافق قرار دیا گیا۔

☆ ستائیسویں مجلس میں آپ نے قرب قیامت میں عالموں کی ارزانی وپریشانی بیان فرمائی اور اس کے نتیجے میں ہونے والے فتنہ وفساد اور تباہی وبربادی پر روشنی ڈالی پھر صدقے کی اہمیت وضرورت اور اس کا اجر بیان فرمایا۔

☆ اٹھائیسویں اور آخری مجلس میں آپ نے توبہ کا ذکر فرمایا۔ توبہ کی تاکید فرمائی اور اس کے نتیجے میں ہونے والے فوائد بیان فرمائے اسی آخری مجلس میں آپ نے حضرت خواجہ معین الدین کو مخاطب کر کے فرمایا کہ ”میں تیری

کمالیّت کے لئے مذکورہ باتوں کی تلقین کی ہے اور ترغیب دی ہے۔ پس چاہئے کہ جو کچھ میں نے کہا ہے، دل و جان سے اسے پورا کرو تا کہ قیامت میں شرمندہ نہ ہونا پڑے''۔ پھر ارشاد ہوا کہ ''لائق فرزند وہ ہے کہ جو کچھ اپنے پیر کی زبان سے سنے، اسے اپنے شجرے میں لکھ لے تا کہ شرمندہ نہ ہو''۔

انھیں ہدایات کے ساتھ بزرگوں سے حاصل تبرکات عصا، خرقہ، مصلّٰی اور لکڑی کی کھڑاؤں عنایت فرمائیں اور کہا کہ یہ اشیا ہمارے پیروں کی یادگار ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہم تک پہنچتی ہیں، اب ہم نے تمھیں دیں۔ مناسب یہ ہے کہ جیسا ہم نے ان چیزوں کو بحفاظت رکھا ہے، اب تم رکھیو اور جس شخص کو خلافت و جانشینی کا اہل سمجھیو، یہ بابرکت اشیا و تبرکات اس کے سپرد کیجیئو'۔

یہ فرما کر بغل گیر ہوتے ہوئے سپرد خدا کیا اور خود عالم تحیر میں چلے گئے۔

حضرت پیر و مرشد کو الوداع کہہ کر حضرت خواجہ صاحب اپنے ہم راہوں کے ساتھ سوئے ہندوستان روانہ ہوئے اور یہاں پہنچ کر اس خدمت میں مشغول ہو گئے جو ان کے لئے مقدر کر دی گئی تھی اور جو بالآخر انھیں برصغیر کا سب سے بڑا ولی اور مبلغ بنانے والی تھی۔ اس خدمت کا صلہ و ثواب اور مقام ارفع اُس دنیا میں جو ملے گا وہ اپنی جگہ، اِس دنیا میں بھی وہ آٹھ صدیوں سے عوام و خواص کے دلوں پر حکومت کر رہے ہیں۔ سلطان الہند کے لقب سے ملقب ہیں۔

حضرت خواجۂ خواجگان چشت کے یوں تو ہزارہا مرید اور درجنوں خلیفہ وصاحب اجازت درویش تھے لیکن انھوں نے شرف جانشینی حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی علیہ الرحمۃ کو بخشا تھا اور تبرکات سلسلہ انھیں کی تحویل میں دیئے تھے۔ انھوں نے آپ کی چند تقاریر، وعظ و ارشادات اور ملفوظات کو قلم بند کیا ہے اور ان کا نام ''دلیل العارفین'' رکھا ہے۔



حضرت بختیار کاکی علیہ الرحمۃ نے ''دلیل العارفین'' کی ابتدا میں اپنی پہلی حاضری اور شرف بیعت کا واقعہ مختصراً بیان کیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ ۵ رجب ۵۱۴ھ کو بغداد میں امام ابواللیث سمرقندی کی مسجد میں حاضر خدمت اقدس ہوا۔ اسی وقت شرف بیعت سے مشرف فرمایا اور چہار ترکی کلاہ میرے سر پر رکھی۔ اس دن شیخ شہاب الدین محمد سہروردی، شیخ داؤد کرمانی، شیخ برہان الدین محمد چشتی اور شیخ تاج الدین محمد صفاہانی جیسے اکابر اور بزرگ درویش ایک ہی جگہ موجود تھے اور نماز کے بارے میں گفتگو فرما رہے تھے۔ حضرت خواجہ نے نو وارد مرید کو مخاطب کر کے فرمایا کہ جب شیخ الاسلام سلطان المشائخ، خواجہ عثمان ہارونی نوراللہ مرقدہٗ کا مرید ہوا تو آٹھ سال تک آپ کے حضور ایک دم بھی آرام نہ کیا، نہ دن دیکھتا تھا نہ رات، جہاں آپ سفر کو جاتے، سونے کے کپڑے اور توشہ اٹھا کر ہمراہ ہوتا۔ جب میری خدمت دیکھی تو ایسی نعمت عطا فرمائی جس کی کوئی انتہا نہیں، پھر فرمایا: جس نے جو کچھ پایا، خدمت سے پایا۔ پس مرید کو لازم ہے کہ پیر کے فرمان سے ذرہ بھر بھی تجاوز نہ کرے اور جو کچھ اسے نماز تسبیح اوراد وغیرہ کی بابت فرمائے، گوش ہوش سے سنے اور اسے بجالائے تا کہ کسی مقام پر پہنچ سکے کیونکہ پیر و مرید کا سنوارنے والا ہوتا ہے، پیر جو کچھ فرمائے گا وہ مرید کے کمال کے لئے ہی فرمائے گا۔ (مجلس اول، دلیل العارفین۔ ص:۲)

ان ملفوظات سے حضرت خواجہ صاحب کے حقیقی خیالات ونظریات اور رجحان طبع کا پتہ چلتا ہے، یہ ملفوظات صرف بارہ مجالس کے ہیں اور صرف انسٹھ صفحات میں محیط ہیں۔ ان ملفوظات کو حضرت خواجہ قطب الدین نوراللہ مرقدہ نے چار حصوں میں تقسیم فرمایا ہے۔ قسم اول فقر و ثواب میں، قسم دوم مکتوبات و تسبیح میں، قسم سوم اوراد وغیرہ میں، قسم چہارم سلوک اور اس کے فائدوں کے بیان میں۔ آیئے اب حضرت خواجہ خواجگان کے پند و نصائح سے استفادہ کرتے ہیں اور ان مجالس میں بیان کردہ ارشادات و فرمودات کا خلاصہ پیش نظر رکھتے ہیں۔

☆ مجلس اول میں پابندیٔ نماز کی تاکید اور اس کے فوائد کا ذکر کیا گیا ہے، اتباع سنت پر زور دیا گیا ہے۔ بعض بزرگوں کے واقعات بیان کر کے یہ بتایا گیا ہے کہ وہ کس طرح سنت کے پابند تھے اور خلافت سنت کام سرزد ہو جانے پر کس طرح پشیمان ہوتے تھے۔

اسی اثنا میں عارف اور اس کے مقام پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ بعد فجر مصلے پر بیٹھ کر نماز اشراق کے انتظار کی فضیلت بیان کی گئی ہے۔

☆ مجلس دوم میں غسل جنابت اور اس کے اجر وثواب پر گفتگو ہوئی ہے۔ اسی مجلس میں ایک بار پھر نماز، اس کی صحیح ادائیگی، بزرگوں کے طریق نماز اور اتباع سنت پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ نیز عارف کی تعریف بیان کی گئی ہے۔

☆ مجلس سوم میں بھی گفتگو نماز پر ہی محیط رہی۔ وقت پر ادائیگی اور وقت کی پابندی پر بھی زور رہا۔ تاخیر سے اجتناب کی تاکید کی گئی اور نماز قضا کرنے والوں یا چھوڑنے والوں پر ہونے والے عذاب کا دردناک تذکرہ رہا۔

اسی مجلس میں صدقے کی اہمیت اور چھوٹی قسم کے ادبار پر روشنی ڈالی گئی۔

اس کے ساتھ ہی مجلس برخاست ہوئی، حاضرین آداب بجالا کر رخصت ہوئے اور حضرت خواجہ صاحب یاد الٰہی میں مشغول ہو گئے۔

☆ مجلس چہارم قدرے طویل رہی اور اس میں مختلف موضوعات پر ارشادات عالی ظہور میں آئے۔ اس میں مختلف اکابر بھی تشریف فرما رہے اور سب نے اپنے اپنے طور پر محبّ صادق کی تعریف بیان کی، پھر ہنسی کے بارے میں گفتگو ہوئی۔ ان لوگوں کے واقعات بیان ہوئے جنھوں نے ہنسنے اور قہقہے لگانے سے سخت پرہیز کیا اور خشیت الٰہی کے سبب ہر وقت رونے کو ترجیح دی۔ اسی طرح قبرستان میں کھانے پینے اور ہنسنے بولنے کی ممانعت بیان ہوئی۔ حضرت خواجہ اجمیری نے فرمایا کہ مشائخ اولیائے صفات طریقت،



اما مان دین، خواجگان معرفت دنیا و مافیہا سے بیزار ہیں کیوں کہ انھیں ہیبت وحیرت کا عذاب دکھائی دیتا ہے۔ اسی دوران آپ نے کسی مسلمان کو ستانے اور تکلیف پہنچانے کو گناہ کبیرہ قرار دیا اور اسے موجب ناراضگی خدا اور رسول بتایا۔ ایسے لوگوں کے واقعات بیان کئے جنھوں نے مخلوق کو ستایا اور پھر اس کی پاداش میں حال تباہ کو پہنچے۔

ارشاد گرامی ہوا کہ سلوک میں یہ بھی گناہ کبیرہ ہے کہ کسی کے سامنے اللہ تعالیٰ کا نام لیا جائے یا کلام اللہ پڑھا جائے اور اس کا دل نرم نہ ہو، اس پر ہیبت الٰہی طاری نہ ہو۔ ایسے لوگوں کو منافق قرار دیا گیا اور ان لوگوں کے واقعات بیان کئے گئے جو نام الٰہی سن کر بےخود و بےہوش ہو جاتے تھے۔

بالآخر یہ مجلس برخاست ہوئی اور حضرت والا تلاوت میں مشغول ہو گئے۔

☆ پانچویں محفل کا انعقاد ہوا جس میں متعدد بزرگ ہستیاں موجود تھیں۔ ارشاد فرمایا: پانچ چیزوں کو دیکھنا عبادت میں داخل ہے۔ ان میں سب سے اول والدین کے چہرے پر محبت سے نظر کرنا ہے۔ ایسے لوگوں کے واقعات بیان کئے گئے جنھوں نے حقوق والدین ادا کرنے میں ایک معیار قائم کیا۔ دوسری چیز کلام اللہ ہے جسے دیکھنا اور پڑھنا بڑے اجر وثواب کا باعث ہے۔ ایسے لوگوں کا تذکرہ کیا گیا جنھوں نے کلام اللہ کے ادب واحترام میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا تھا۔ اس عمل کے فوائد بیان کئے گئے۔ تیسرے درجے میں علماء ومشائخ کو دیکھنا اور ان سے محبت کرنا باعث اجر وثواب اور داخل حسنات ہے۔ اس کے مزید فوائد پر بھی روشنی ڈالی گئی۔ چوتھا مقام خانہ کعبہ کا ہے۔ اس کو دیکھنا بھی عبادت ہے اور اس میں عبادت کرنا نورٌ علیٰ نور ہے۔ پانچواں درجہ پیرو مرشد کا ہے۔ اس کی زیارت کرنا، اس کی خدمت بجالانا، اس کے ارشادات وہدایات پر صدق دل سے عمل

کرنا عین عبادت ہے۔ ایسے لوگوں کی حکایات بیان کی گئیں جنھوں نے اس ضمن میں ایک اعلیٰ معیار قائم کیا۔

☆ چھٹی مجلس میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ پر گفتگو ہوئی۔ زبان مبارک سے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے ایسی ایسی چیزیں پیدا فرمائی ہیں کہ اگر انسان غور کرے تو ایک پل میں دیوانہ ہو جائے۔ فرمایا کہ کون سی چیز ہے جو اللہ تعالیٰ کی قدرت میں نہیں، مرد کو چاہئے کہ اس کے احکام بجالانے میں کوئی کمی نہ کرے۔

حضرت والا نے ایسے لوگوں کا بھی ذکر کیا کہ جنھیں اللہ تعالیٰ نے کچھ کاموں کی قدرت عطا فرمادی ہے اور وہ اس کی عطا سے عجائبات دکھاتے ہیں۔ پھر عالم سُکر میں فرمایا کہ اس راہ میں اللہ تعالیٰ کے ایسے مرد بھی ہیں جو معاملہ جہان میں گزرتا ہے اور عجائبات قدرت سے جو وقوع میں آتا ہے، وہ سب ان کے پیش نظر رہتا ہے، اسے دیکھتے ہیں اور بندگان خدا کے روبرو وہ معاملہ پیش کرتے ہیں۔

آخر میں آپ نے فرمایا کہ اگر عذاب سے بچنا ہے تو اللہ کی طاعت کرو۔ مخلوق میں عاجزوں کی فریادرسی، حاجت مندوں کی حاجت روائی اور بھوکوں کو کھانا کھلانے سے بڑھ کر کوئی طاعت نہیں۔

☆ ساتویں محفل میں سورہ فاتحہ، اس کے خواص اور فوائد پر روشنی ڈالی گئی۔ حاجت برآری کے لئے سورہ فاتحہ بکثرت پڑھنے کی تاکید کی گئی اور تسمیہ میں رحیم کی میم کو الحمد سے ملا کر پڑھنے کا طریقہ بتایا گیا، ساتھ ہی آخر میں آمین کو تین بار کہنے کی تاکید کی گئی۔ آپ نے سورہ فاتحہ کو تمام درد وتکالیف کی دوا قرار دیا اور اس کے حروف والفاظ سے متعلق دقیق ولطیف نکات بیان فرمائے۔

☆ آٹھویں بابرکت مجلس میں ورد اور تسبیح کے بارے میں گفتگو فرمائی۔ ارشاد



ہوا کہ جو بھی ورد اپنے لئے مقرر کرو، اسے دن رات میں ضرور پڑھ لو۔ اس ضمن میں شب وروز کے بہت سے اوراد ووظائف کی تلقین فرمائی، ان کے اجر وثواب اور فوائد بیان فرمائے۔

☆ نویں مجلس میں بہت سے بزرگوں کی موجودگی میں سلوک کے متعلق اظہار خیال فرمایا۔ ارشاد ہوا کہ مشائخ کرام نے سلوک کے سو درجے مقرر کئے ہیں، سالک کو چاہئے کہ جب تک سویں مرتبہ پر نہ پہنچ جائے، خود کو ظاہر نہ کرے۔

بعد ازاں عشق کے بارے میں گفتگو شروع ہوئی، اس کے رموز واسرار بیان کئے گئے۔ خاصان خدا کے عشق، اس کی حقیقت اور اس کے احوال پر روشنی ڈالی گئی، عاشقان صادق کی حکایات بیان کی گئیں اور عارفوں کے مرتبے ومقام بتائے گئے۔

پھر ارشاد فرمایا: گناہ اتنا نقصان نہیں پہنچا سکتا جتنا مسلمان بھائی کو ذلیل وخوار کرنا، اس کی بے عزتی کرنا۔ آپ نے اپنے پیر ومرشد حضرت خواجہ عثمان ہارونی کے حوالے سے فرمایا کہ اگر کسی شخص میں تین خصلتیں پائی جاتی ہیں تو سمجھ لو کہ اللہ اسے دوست رکھتا ہے۔ سخاوت، شفقت اور تواضع۔ سخاوت دریا کی سی، شفقت آفتاب کی سی اور تواضع زمین کی سی۔

غرض اس مجلس میں متعدد موضوعات پر فیوض وبرکات کا سلسلہ جاری رہا لیکن دائرۂ گفتگو عشق الٰہی اور اس کے لوازمات نیز عارف اور اس کے مقام ومراتب ہی رہے۔

☆ دسویں مجلس میں صحبت اور اس کے اثرات پر اظہار خیال کیا گیا۔ ارشاد فرمایا کہ صحبت کا اثر ضرور اور گہرا ہوتا ہے۔ جو کچھ حاصل ہوتا ہے، وہ صحبت سے ہی حاصل ہوتا ہے۔ اسی اثنا میں گفتگو کا رُخ ایک بار پھر عشق ومحبت اور عارف کی طرف ہو گیا۔ عارفوں کی پہچان یہ بتائی گئی کہ وہ ہمیشہ خاموش اور

غم واندوہ میں رہتے ہیں۔ اسی سے انھیں فضیلت حاصل ہوتی ہے۔ پھر آپ نے حضرت ذوالنون مصری کے حوالے سے بتایا کہ عارف وہ ہیں کہ جن کے دل کدورت بشریت سے پاک اور دنیا وحب دنیا سے صاف ہوتے ہیں۔ جن میں یہ اوصاف پائے جاتے ہیں تو وہ اعلیٰ درجہ پر فائز ہوتے ہیں۔ اس ضمن میں اولیائے کاملین کی متعدد روایتیں بیان کی گئیں۔

☆ گیارہویں مجلس میں عارفوں کے توکل کی کیفیت بیان کی گئی۔ ارشاد فرمایا کہ حقیقی متوکل وہ ہے جو خلقت کی ہر طرح مدد کرے اور تکلیف کی حکایت وشکایت نہ کرے، مزید ارشاد فرمایا کہ اہل توکل پر تجلیات شوق میں ایک ایسا وقت آتا ہے کہ اگر اس وقت انھیں ذرہ ذرہ کر دیا جائے یا تلوار سے زخمی کر دیا جائے یا کسی اور طرح رنج والم پہنچایا جائے تو بھی انھیں مطلق خبر نہیں ہوتی۔ اس ضمن میں عارفوں کے احوال بھی بیان کئے گئے۔ اسی طرح اہل محبت کے مختلف احوال وکوائف پر روشنی ڈالی گئی اور مختلف بزرگان دین کے فرمودہ ارشادات وخیالات بیان کئے گئے۔ فنا وبقا کے متعلق ارشاد ہوا کہ بقا بقائے حق ہے اور فنا فنائے نفس، تجرید کی تعریف یہ بتائی گئی کہ صفات محبوب کو اس طرح ذہن نشین کر لیا جائے کہ محبوب ومحبّ میں فرق وامتیاز باقی نہ رہے، محبّ میں محبوب کا جلوہ نظر آئے۔

اہل محبت کی توبہ بھی مخصوص ہوتی ہے۔ حضرت والا کے مطابق اہل محبت کی توبہ تین قسم کی ہوتی ہے۔ اول ندامت، دوم گناہوں کو مطلق چھوڑ دینا، سوم اپنے تئیں ظلم وجھگڑے سے پاک رکھنا۔

☆ بارہویں اور آخری مجلس میں متعدد درویش اور اہل صفا کی موجودگی میں ملک الموت کے بارے میں گفتگو ہوئی۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ ملک الموت کے بغیر دنیا کی قیمت جو بھر بھی نہیں۔ وجہ یہ ہے کہ حدیث شریف میں آیا



ہے ”الموت جسر یوصل الحبیب الی الحبیب“ یعنی موت ایک پُل ہے جو دوست کو دوست سے ملاتا ہے۔ اس موقع پر بھی عارف کے احوال ومقام پر روشنی ڈالی گئی۔ ارشاد فرمایا: عارف آفتاب کی مانند ہوتا ہے جو سارے جہان کو روشنی عطا کرتا ہے جس کی روشنی سے کوئی چیز خالی نہیں رہتی۔

اسی مجلس میں آپ نے اس دنیا کو چھوڑ دینے کی خبر دی، نیز بزرگوں کا ورثہ اور تبرکات اپنے خلیفہ وجانشین حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کے سپرد گئے، ان کے سر پر دستار وکلاہ رکھی، حضرت شیخ عثمان ہارونی رحمۃ اللہ کا عصائے مبارک مرحمت فرمایا، زرہ پہنائی اور قرآن شریف ومصلیٰ عنایت کیا۔ فرمایا کہ یہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے ہمارے خواجگان چشت کو بطور امانت ملا ہے۔ ہم نے تجھ کو دے کر روانہ کیا، جس طرح انھوں نے ہم تک یہ امانت پہنچائی تم آگے پہنچا دینا، نیز اس کا حق ادا کرنا تاکہ قیامت کے دن ہم خواجگان کے روبرو شرمندہ نہ ہوں۔

اسی موقع پر ارشاد فرمایا کہ چار چیزیں نفیس گوہر ہیں: اول وہ درویش جو خود کو دولت مند ظاہر کرے، دوسرے وہ بھوکا جو خود کو سیر ظاہر کرے تیسرے وہ غم زدہ جو خود کو خوش وخرم ظاہر کرے، چوتھے وہ شخص جو دشمن کو بھی دوست نظر آئے۔ مراد یہ ہے کہ اپنی داخلی کیفیت کو کسی حال میں مخلوق پر ظاہر نہ ہونے دو۔

حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی اپنے پیر ومرشد کے ساتھ سفر وحضر میں برسہابرس ساتھ رہے لیکن انھوں نے یہ چند روزہ حکایات اور ارشادات وفرمودات ہی نقل فرمائے ہیں۔ ظاہر ہے یہ مشتے نمونہ از خروارے (ڈھیر میں سے ایک مٹھی بھر بطور نمونہ) کے مصداق ہے۔ اسی سے باقی تمام حیات پاک کے احوال وکوائف، ارشادات وتعلیمات، پند ونصائح کا اندازہ وقیاس لگایا جا سکتا ہے۔

بلا شبہ بزرگوں کے ملفوظات اعلیٰ وسبق آموز تعلیمات، پند ونصائح سے مملو اور معیاری طرز زندگی کا نمونہ پیش کرتے ہیں لیکن ان میں بعض محل نظر اور ایسی باتیں

بھی شامل ہیں جن کی تصدیق وتائید دوسرے ذرائع سے نہیں ہوتی، جو نہ عقل ودانش کی کسوٹی پر کھری اترتی ہیں اور نہ حدیث وسیر وتاریخ کے پیمانوں پر۔اس کی دووجوہات ہوسکتی ہیں۔ایک یہ کہ حضرات صوفیائے کرام نے ترغیب وترہیب کے لئے جیسی اور جہاں سے بھی ملی، روایت وحکایت کو بیان کردیا یا قلم بند کردیا، اس کی تحقیق کی طرف توجہ نہ فرمائی اور روایت کو درایت پر ترجیح دی۔دوسرے دانا دشمنوں اور نادان دوستوں نے بھی ان کی تحریروں میں حذف واضافہ کا عمل بھرپور انداز سے کیا۔ دانا دشمنوں نے ان سے ایسی باتیں منسوب کرکے ان کے اعتماد واعتبار کو مجروح اور کم کرنے کی کوشش کی ہے۔ان کے برعکس نادان دوستوں اور افسانہ پسند طبقوں نے ان سے اس طرح کی باتیں منسوب کرکے اپنے ذوق افسانہ پسندی کی تسکین کی اور بزعم خود یہ سمجھا کہ اس طرح ان سے منسوب ہوکر ان باتوں کو اعتماد واعتبار حاصل ہوجائے گا، معتقدین بہرحال انھیں معتبر سمجھیں گے۔حالانکہ دونوں صورتوں میں انھوں نے اہل صفا کے مقام ومرتبہ کو مجروح کیا اوران کے علم وفضل پر حرف گیری کا موقع فراہم کیا۔

یہاں ایسی تمام باتوں کا احاطہ اوران کی نشان دہی ممکن نہیں ہے۔یہ ایک الگ اور طویل موضوع ہے جس کا یہ مقالہ متحمل نہیں ہوسکتا۔البتہ بطور نمونہ ایک حکایت پیش کرنے پر اکتفا کیا جاسکتا ہے۔

''مجلس ۶ میں درج ہے۔''اللہ تعالیٰ نے کوہ قاف پیدا کیا ہے جو اتنا بڑا ہے کہ تمام دنیا کے گرد پھیلا ہوا ہے اور دنیا ومافیہا اس کے اندر ہے، قرآن شریف میں لکھا ہے۔

اسرار العارفین میں یوں لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس پہاڑ کو دنیا سے کئی گنا بڑا بنایا ہے۔چنانچہ اس پہاڑ کے پیچھے چوالیس اور جہان ہیں۔ہر جہان میں اس کے چارسو حصے ہیں۔ہر ایک حصہ اس دنیا سے چار گنا ہے۔اس پہاڑ کے پیچھے کوئی



تاریکی نہیں اور نہ ہی وہاں رات ہوتی ہے۔وہاں کی زمین سونے کی ہے اور وہاں کے رہنے والے فرشتے ہیں...... یہ پہاڑ ایک گائے کے سر پر رکھا ہے......''۔

اب ظاہر ہے اس دنیا کا موجودہ کوہ قاف جو ترکستان میں واقع ہے، ان محیر العقول باتوں سے کوئی مناسبت نہیں رکھتا اور اس بیان سے یہ بھی ظاہر نہیں ہوتا کہ کسی اور دنیا کے کوہ قاف کا ذکر ہے۔

اس قسم کے عجائب وغرائب اور بھی ہیں جن سے صرف نظر ہی بہتر ہے۔ بہرحال اس موقع پر دو بنیادی اصول ہماری رہنمائی کرتے ہیں۔''خطائے بزرگاں گرفتن خطاست' ایک بلند پایہ اخلاقی اصول ہے اور ذو معنی ہے۔اس کے ایک معنی تو یہ ہیں کہ بزرگوں کی غلطیوں کی نشان دہی کرنا اوران پر تنقید کرنا بجائے خود خطا اور خلاف ادب ہے، دوسرے معنی یہ بھی ہوسکتے ہیں کہ بزرگوں سے جو غلطیاں سرزد ہوگئی ہیں، ان کی تقلید اور پیروی غلط ہے، ان سے بچنا چاہئے۔

دوسرا عمدہ اسلامی اصول وہ ہے جو ہر موقع ومحل کے لئے انتہائی مفید وکارآمد ہے۔''خذماصفاودَع مَاکدرَ' یعنی خوبیوں کو اختیار کرو اور خامیوں سے صرف نظر کرلو۔ بہرحال ملفوظات اولیائے کرام کا غالب ترین حصہ انتہائی مفید ورہنما اصولوں، پند ونصائح اور وعظ ونصیحت سے بھرپور ہے، اس لئے ان کا مطالعہ گوش ہوش سے کرنا چاہئے، ان سے رہنمائی اور بصیرت حاصل کرنی چاہئے اور ان کو حرز جان بنانا چاہئے۔

''وما علینا الاالبلاغ وماتو فیقی الاباللہ''

# ملفوظات مشائخ چشت

مولانا صدرالوری مصباحی

جامعہ اشرفیہ، مبارک پور

مذہب اسلام کی تبلیغ واشاعت اور شجر اسلام کی آبیاری کے لیے اللہ تعالیٰ نے جن پاک باز ہستیوں کو پیدا فرمایا، ان میں حضرات اولیائے کرام وصوفیائے عظام قدس اللہ تعالیٰ اسرارھم کے اسمائے گرامی صفحات تاریخ میں بہت نمایاں طور پر نظر آتے ہیں جو عبادت وریاضت، زہد وتقویٰ، صبر وشکر، عزیمت واستقامت اور خشیت الٰہی کے ایسے پیکر جمیل تھے جنھوں نے دنیا کی زیب وآرائش سے کنارہ کش ہو کر اپنی پوری زندگی فقر ودرویشی، عشق وعرفان اور دعوت وارشاد میں گزار دی اور ان کے ناصحانہ فرمودات اور پاکیزہ کردار وعمل سے خلق خدا فیض یاب ہوتی رہی اور بڑے بڑے سلاطین زمانہ ان کی بارگاہوں میں حاضر ہو کر دارین کی سعادتوں سے بہرہ مند ہوئے۔ ان بوریا نشین درویشوں کی صالح تربیت اور ان کی نگاہ کیمیا اثر سے نامعلوم کتنے چور، ابدال ہوئے اور گداگروں نے اپنے سروں پر تاج شاہی سجایا۔ ان کی تعلیمات وفرمودات سے لاکھوں لاکھ کی تعداد میں اسلام حلقہ بگوش اِسلام ہوئے اور معصیت میں ڈوبے ہوئے خطا کاروں نے اپنے گناہوں سے توبہ کر کے دلوں کا زنگ دور کیا اور طاعت وفرماں برداری کو اپنا نصب العین بنایا اور تصوف وسلوک کی راہ اپنا کر مقام وصل سے ہمکنار ہوئے۔



یوں تو قوم کی رشد وہدایت کے لیے بہت سے سلاسل معرض وجود میں آئے جن میں سب سے افضل واعلیٰ، سلسلہ عالیہ قادریہ ہے مگر اس وقت ہمارا مطمح نظر برصغیر سلسلہ چشتیہ ہے۔ جس کا فروغ ہندوستان کے مشہور شہر اجمیر مقدس سے ہوا۔

اس سلسلہ کے رئیس ومقتدا خواجہ شریف الحق والدین ابواسحاق دمشقی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ آپ جس وقت اپنے پیر ومرشد خواجہ کریم الحق والدین علوی دینوری قدس سرہ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو پیر ومرشد نے نام دریافت کیا جس پر عرض کی۔ ابواسحٰق شامی۔ پیر ومرشد نے فرمایا۔ آج کے بعد تمھیں چشتی کہا جایا کرے گا اور یہ نسبت قیامت تک جاری رہے گی۔

خواجہ ابواسحٰق دمشقی کئی سال تک حضرت مرشد کی خدمت میں رہے اور منازل مجاہدہ سے گزر کر بڑے اعلیٰ منصب پر پہونچے۔ آخر کار مرشد برحق نے آپ کو اپنے سامنے بٹھا کر ارشاد فرمایا کہ آج سے تم ہمارے موروثی اور خاندانی نعمتوں سے مالا مال ہوئے ہو۔ تم صبح دیار چشت کی طرف روانہ ہو جانا اور وہاں گناہ گار لوگوں کی دست گیری کرنا۔ جو لوگ آپ کی اولاد سے نسبت قائم کریں گے، چشتی کہلائیں گے۔ چنانچہ پیر ومرشد کے حکم پر آپ چشت تشریف لے گئے۔ حضرت خواجہ ابواسحٰق دمشقی رحمۃ اللہ علیہ ۳۶۰ھ میں خلیفہ معتصم باللہ کے دور خلافت میں چشت تشریف لائے۔

چشت خراسان میں ایک شہر ہے جو درالخلافہ ہرات کے نزدیک ہی ایک پہاڑ کے درّہ کے پاس واقع ہے، اس مقام کو شاقلان پیراں بھی کہا جاتا ہے۔

سلسلۂ چشتیہ کے مشائخ کی تعداد بڑی لمبی ہے۔ اس بنا پر ان تمام مشائخ کے ملفوظات جمع کرنے کے لیے ایک دفتر درکار ہے اور یہ مختصر سا مضمون اپنی کوتاہ دامنی کی وجہ سے بہرحال تنگ ہوگا، اس لیے اس مقالے میں محض چند ہی مشائخ چشت کے ملفوظات جمع کیے جاسکتے ہیں۔

ملفوظات مشائخ چشت کو پڑھنے سے یہ امر عیاں ہے کہ ان مشائخ کرام

نے اپنی پاکیزہ تعلیمات اور زریں اقوال سے جہاں اعتقادات میں گمراہ و بدعقیدہ قوموں کی اصلاح فرمائی ہے، وہیں میدان عمل میں بھی ہرزاویے سے قوم مسلم کی رہنمائی کر کے کشتی امت کو ساحل سے ہمکنار کیا ہے اور قرآن واحادیث، اقوال صحابہ اور اولیائے کبار کے واقعات کی روشنی میں وعظ وتذکیر، انذار وتحذیر اور وعدو تبشیر کا فریضہ انجام دیا ہے۔ عبادات، معاملات، حقوق اللہ، حقوق العباد سے بندگانِ خدا کو آگاہ کر کے ہر ایک کو محاسبۂ نفس پر آمادہ کیا ہے۔

## خواجہ غریب نواز سید معین الدین حسن سنجری قدس سرہ:

خواجہ غریب نواز قدس کی آمد سے پہلے سرزمین ہند کا حال نہایت تاریک تھا۔ ہر طرف کفر وشرک کا دور دورہ تھا، بت پرستی عام تھی، رائے پتھورا کی حکومت تھی، اس کے ظلم واستبداد کے آگے رعایا میں سر اٹھانے کی تاب نہ تھی۔ دنیاوی اعتبار سے بڑی مضبوط طاقت کا مالک تھا۔ شاہی خزانے سے اس نے بڑے بڑے بت خانے تعمیر کر رکھے تھے۔ عیش وعشرت میں اس قدر ڈوبا ہوا تھا کہ کبھی اس کے خواب وخیال میں بھی یہ بات نہیں آئی ہوگی کہ اس کی حکومت کبھی زوال پذیر ہوگی اور کسی روحانی قوت کے ذریعہ اس کی مادی قوت نیست ونابود ہو جائے گی۔

بالآخر اہل ہند پر خاتم پیغمبران پیشوائے رسل حضور پر نور سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نگاہ رحمت پڑی اور غیر منقسم ہندوستان کی سرزمین سے کفر وشرک کی تاریکی مٹانے اور خورشید اسلام سے اسے روشن وتابناک بنانے کے لئے خواجہ غریب نواز قدس سرہ کو ہندوستان کی ولایت عطا فرمائی۔ چنانچہ کتب تاریخ میں آتا ہے کہ حضرت خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ مدینہ طیبہ میں روضہ اقدس کے پاس مقیم تھے کہ ایک دن روضۃ الرسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے آواز آئی ''اے معین الدین حسن تم ہمارے دین کے معین ہو، ہندستان کی ولایت تمھارے حوالے ہوئی۔ تم وہاں جاؤ اور اجمیر میں اقامت اختیار کرو کہ وہاں کفر پھیلا ہوا ہے اور تمہارے جانے سے اسلام کو غلبہ نصیب ہوگا''۔

اس آواز کو سننے کے بعد خواجہ غریب نواز حیرت میں پڑ گئے کہ مقام اجمیر کس جگہ واقع ہے۔ اسی فکر میں ڈوبے ہوئے تھے کہ نیند آگئی اور خواب میں رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زیارت باسعادت نصیب ہوئی۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک ہی لمحے میں مشرق سے لے کر مغرب تک سارے عالم کا مشاہدہ کرا دیا۔ کس جگہ کون سا شہر کون مقام اور کون قلعہ و پہاڑ ہے، سب کچھ ملاحظہ فرما لیا۔ اسی درمیان اجمیر کو بھی خوب اچھی طرح سے پہچان لیا اور ایک جنتی انار بھی خواجہ غریب نواز کو عطا فرمایا اور مزید ارشاد فرمایا: ہم نے تمہیں خدا کے سپرد کیا۔'' جب خواب سے بیدار ہوئے تو پورے عزم وحوصلہ کے ساتھ ہندوستان کے لیے رخت سفر باندھ لیا اور اپنے رفقا کے ساتھ اجمیر کے لیے روانہ ہو گئے۔

اِدھر رائے پتھورا کی ماں جو علم نجوم میں بڑی ماہر تھی، اس نے خواجہ غریب نواز کی ہندوستان آمد سے بارہ سال پیشتر ہی یہ پیشین گوئی کی تھی کہ ایک شخص پیدا ہوگا جو تمہارے حکومت کے زوال کا سبب بنے گا اور اس نے حضرت کا پورا حلیہ لکھ کر اپنے بیٹے کے حوالے کر دیا۔ اس پیشین گوئی کو سن کر رائے پتھورا کے دل پر خوف طاری ہو گیا۔ اس نے وہ حلیہ لکھ کر ہر طرف بھیج دیا کہ اس حلیہ کا جو بھی شخص ملے اسے گرفتار کر کے میرے پاس لایا جائے۔ مگر وہ یہ نہیں جانتا تھا کہ اللہ تعالیٰ جب کسی کی حفاظت فرمانا چاہتا ہے تو دنیا کی کوئی طاقت اس کا بال بیکا نہیں کر سکتی اور ایسا ہی ہوا۔ خواجہ غریب نواز اجمیر تشریف لائے اور آپ کی آمد کی برکت سے یہاں کی فضا بڑی تیزی سے بدلنے لگی۔ آپ کی کرامات اور تعلیمات سے متاثر ہو کر بڑے بڑے بت پرست کفر و شرک سے توبہ کر کے کلمۂ اسلام کو اپنے سینوں سے لگانے لگے۔ انسان تو انسان، وہ جن جس کی خود رائے پتھورا اور اس کے آبا واجداد پرستش کرتے تھے، اس نے بھی حضرت کے دست حق پرست پر اسلام قبول کر لیا اور حضرت نے اس جن کا نام شادی رکھا۔

## خواجہ غریب نواز کے ملفوظات:

خواجہ غریب نواز قدس سرہ العزیز کے ملفوظات، علم ومعرفت کے ایسے جواہر پارے ہیں جن سے زندگی کے ہر گوشے میں روشنی ملتی ہے۔عقائد واعمال ہوں یا آداب پیری ومریدی سب کا واضح بیان ملتا ہے۔اہم العبادات نماز کے بارے میں گفتگو کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''نماز ہی میں سرنگاہ عزت سے لوگ نزدیک ہوسکتے ہیں،اس واسطے کہ نماز مومن کی معراج ہے جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے:الصلوۃ معراج المومنین۔تمام مقاموں سے بڑھ کر یہی نماز ہے۔اللہ تعالیٰ سے ملنا پہلے نماز ہی سے شروع ہوتا ہے کہ نماز ایک راز ہے جو بندہ اپنے پروردگار سے بیان کرتا ہے''نماز میں وقت کی پابندی لازم وضروری ہے۔کسی بھی نماز میں اتنی تاخیر کرنا ناجائز وحرام ہے کہ نماز کا وقت نکل جائے اور وقت سے پہلے کوئی نماز ادا بھی نہیں کی جاسکتی۔عرفات اور مزدلفہ کے سوا جمع بین الصلاتین کی اجازت نہیں ہے۔اس مسئلے کو واضح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''وہ کیسے مسلمان ہیں جو نماز وقت پر ادا نہیں کرتے اور اس قدر دیر کرتے ہیں کہ وقت گزر جاتا ہے۔ان کی مسلمانی پر بیش ہزار افسوس جو اللہ تعالیٰ کی بندگی میں کوتاہی کرتے ہیں۔فرمایا''میرا گزر ایسے شہر سے ہوا جہاں پر یہ رسم تھی کہ لوگ وقت سے پہلے نماز کے لئے تیار ہوجاتے تھے،میں نے پوچھا کہ اس میں حکمت کیا ہے تم سب وقت سے پہلے نماز کے لئے تیار ہو؟ کہا سبب یہ ہے کہ جب وقت ہو فوراً نماز ادا کرلیں۔جب تیار نہ ہوں گے تو شاید وقت گزر جائے پھر یہ منھ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو کس طرح دکھاسکیں گے۔کیونکہ حدیث شریف میں آیا ہے:عجلوا بالتوبۃ قبل الموت وعجلوا بالصلوۃ قبل الفوت

مرنے سے پہلے توبہ کے لئے جلدی کرو اور موت ہوجانے سے پیشتر نماز



کے لئے جلدی کرو۔

امام یحییٰ زندوسی رحمۃ اللہ علیہ کے روضہ میں میں نے لکھا دیکھا ہے کہ مولانا حسام الدین محمد بخاری سے جو میرے استاذ تھے،سنا ہے کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں:من اکبر الکبائر الجمع بین الصلاتین۔سب سے بڑے گناہوں میں سے ایک یہ ہے کہ نماز میں اس قدر تاخیر کی جائے کہ وقت گزر جائے اور پھر دو نمازیں اکھٹی ادا کی جائیں۔

خواجہ عثمان ہارونی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں میں حاضر تھا۔آپ سے میں نے یہ حدیث سنی جس کی روایت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے کی ہے: پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ کیا میں تمہیں منافقوں کی نماز بتاؤں۔عرض کی: فرمایئے۔فرمایا جو شخص نماز میں اس قدر تاخیر کرے کہ سورج کی روشنی میں فرق آجائے اور اس کا رنگ زردی مائل ہوجائے پھر عرض کی کہ وقت مقرر فرمائیں۔فرمایا اس کا ٹھیک وقت یہ ہے کہ آفتاب نے اپنا اصلی رنگ نہ بدلا ہو یعنی زرد نہ پڑ گیا ہو۔بعد ازاں فرمایا کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں کہ جس کی نماز نہیں اس کا ایمان نہیں۔تفسیر محبوب قریش میں ہے کہ جو شخص پانچوں نمازیں باوقت ادا کرتا ہے،وہ قیامت کے دن اس کی رہنما بنتی ہیں۔

اسی موقعہ پر فرمایا کہ میں نے شیخ الاسلام خواجہ عثمان ہارونی رحمۃ اللہ علیہ سے سنا ہے کہ امام زاہد کی تفسیر میں اس آیت کے تحت لکھا ہے:فویل للمصلین الذین ھم عن صلاتھم ساھون۔ ان نمازیوں کے لئے ویل ہے جو اپنی نمازوں سے غفلت برتتے ہیں۔

ویل دوزخ میں ایک کنواں ہے،بعض کہتے ہیں کہ دوزخ کی ایک وادی ہے جس میں سخت سے سخت عذاب ان لوگوں کو ہوگا جو نماز میں غفلت کرتے ہیں۔

پھر ویل کی تفسیر یوں فرمائی کہ ویل نے ستر ہزار مرتبہ اللہ تعالیٰ سے روکر

پوچھا کہ ایسا سخت عذاب کن لوگوں کو ہوگا؟ حکم ہوا ان کے لئے جو نماز کو وقت پر ادا نہیں کرتے اور قضا کرتے ہیں۔

اپنے تجربات کی روشنی میں آداب مریدی بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

میں جب خواجہ عثمان ہارونی رحمۃ اللہ علیہ کا مرید ہوا تو آٹھ سال تک آپ کی خدمت میں ایک دم بھی آرام نہ کیا۔ نہ دن دیکھتا نہ رات، جہاں آپ سفر کو جاتے سونے کے کپڑے اور توشہ اٹھا کر ہمراہ ہوتا۔ جب میری خدمت دیکھی تو ایسی نعمت عطا فرمائی جس کی کوئی انتہا نہیں۔

پھر فرمایا جس نے کچھ پایا، خدمت سے پایا۔ پس مرید کو لازم ہے کہ پیر کے فرمان سے ذرہ بھر بھی تجاوز نہ کرے اور جو کچھ اسے نماز و تسبیح اوراد وغیرہ کی بابت فرمائے، گوش ہوش سے سنے اور اسے بجالائے تا کہ کسی مقام پر پہونچ سکے، کیونکہ پیر مرید کا سنوارنے والا ہے، پیر جو کچھ فرمائے گا وہ مرید کے کمال کے لئے ہی فرمائے گا۔"

سلوک اور مراتب سلوک کے بارے میں فرمایا "مشائخ نے سلوک کے سو درج مقرر کئے ہیں ان میں سترہواں مرتبہ کشف و کرامت کا ہے پس جو شخص اس سترہویں درجے میں اپنے تئیں ظاہر کردے، وہ باقی کے تراسی کس طرح حاصل کرے گا۔ سالک کو چاہئے کہ جب تک سویں مرتبہ پر نہ پہونچ جائے اپنے تئیں ظاہر نہ کرے۔ خواجگان چشت کے خاندان میں بعض نے پندرہ درج مقرر کئے ہیں کہ جب تک پندرہویں درج تک نہ پہونچ جائے، اپنے تئیں ظاہر نہ کرے پھر کامل ہوگا"۔

سلوک کی بابت لکھا ہے کہ "ایک مرتبہ خواجہ جنید بغدادی علیہ الرحمہ سے پوچھا گیا کہ آپ دیدار کیوں نہیں چاہتے؟ اگر چاہیں تو ضرور مل جائے۔ فرمایا میں ایک چیز نہیں چاہتا وہ یہ ہے کہ جو موسیٰ علیہ السلام نے مانگی اور انھیں نصیب نہ ہوئی لیکن رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بے مانگے ملی۔ پس بندے کو خواہش سے کیا واسطہ۔ اگر وہ اسی لائق ہوگا تو خود ہی حجاب اٹھ جائے گا اور تجلی ہوجائے گی پس کیا



ضرورت ہے کہ ہم خواہش کریں"۔

بعد ازاں عشق کے بارے میں فرمایا کہ "عاشق کا دل محبت کا آتش کدہ ہوتا ہے جو اس میں جائے اسے جلا دیتا ہے اور ناچیز کر دیتا ہے کیونکہ عشق کی آگ سے بڑھ کر کوئی آگ تیز نہیں ہے"۔

اسی موقعہ کے مناسب یہ حکایت بیان فرمائی کہ "رابعہ بصریہ ایک رات عشق کے شوق و اشتیاق کی وجہ سے الحریق الحریق پکارتی تھیں۔ اہل بصرہ یہ فریاد سن کر باہر نکلے تا کہ آگ بجھائیں۔ ان میں ایک شخص واصل خدا تھا، اس نے کہا کیسے بیوقوف ہیں جو رابعہ کی آگ بجھانے آئے ہیں۔ اس کے سینے میں تو عشق کی آگ بھڑکی ہوئی ہے، یہ وصال دوست کے سوا نہیں بجھے گی"۔

اس کے بعد فرمایا کہ "جب تک آدمی راہ سلوک میں پہلے دنیا و مافیہا اور پھر اپنے تئیں نہ چھوڑے وہ اہل سلوک میں داخل نہیں ہوسکتا۔

## خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ:

حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ ۵۸۲ھ میں بمقام اوش پیدا ہوئے۔ اوش نواحی فرغانہ کا ایک بڑا شہر ہے۔ جہاں آرا بیگم بنت شاہ جہاں بادشاہ لکھتی ہیں: کہ یہ ولایت ماوراء النہر کا ایک قصبہ ہے۔ والد بزرگوار سید کمال الدین احمد موسیٰ رحمۃ اللہ علیہ کا سایۂ عاطفت بچپن ہی میں سر سے اٹھ گیا، والدہ ماجدہ جو نہایت عفیفہ صالحہ عابدہ تھیں، انھوں نے تربیت کی۔ جب حضرت قطب کی عمر پانچ سال کی ہوئی تو والدہ ماجدہ نے پڑوس کے ایک صالح آدمی کے ساتھ قرآن مجید کی تعلیم کی غرض سے کسی معلم کے پاس بھیج دیا۔ راستے میں ایک بزرگ سے ملاقات ہوئی۔ انھوں نے فرمایا کہ اس بچے کو میرے ہمراہ کردو، میں اسے کسی اچھے معلم کے ساتھ بٹھادوں گا، ہمسایہ نے بچے کو اس بزرگ کے حوالے کردیا۔ وہ بزرگ بچے کو

لے کر خواجہ ابوحفص اوشی قدس سرہ کے پاس لے گئے اور فرمایا کہ احکم الحاکمین کا حکم ہے کہ اس بچے کو توجہ سے پڑھاؤ اور یہ فرما کر چلے گئے، خواجہ ابوحفص نے دست شفقت پھیر کر شاگرد سے فرمایا۔ بڑے صاحب نصیب ہو کہ حضرت خضر علیہ السلام تمہیں میرے حوالے فرما گئے ہیں: چنانچہ انھیں بزرگ سے آپ نے علوم ظاہری کی تکمیل کی۔

بلوغ کے قریب ہی علوم باطنیہ کا شوق ہوا اور خواجہ غریب نواز معین الدین حسن سنجری قدس سرہ سے بیعت ہوئے بعض لوگوں نے پانچ رجب کو مسجد ابواللیث میں آپ کا بیعت ہونا تحریر کیا ہے۔ اور کچھ ہی مدت کے بعد خرقۂ اجازت وخلافت حاصل کرلیا اور اس کے بعد مختلف شہروں میں پھرے اور اولیائے کبار کی زیارت کرتے ہوئے ہندستان تشریف لائے۔ سب سے پہلے ملتان میں شیخ بہاؤالدین زکریا ملتانی اور شیخ جلال الدین تبریزی کے پاس قیام کیا۔ تینوں بزرگوں میں بہت دوستی اور خاص محبت ہوگئی۔ اس کے بعد آپ دہلی تشریف لائے، سلطان التمش نے باہر نکل کر استقبال کیا اور بہت عزت وتکریم کے ساتھ ٹھہرایا۔ آپ دہلی کے قیام میں ایک مرتبہ اجمیر حاضر ہوئے تو دہلی والوں کو آپ کی مفارقت سخت گراں گزری، حضرت شیخ خواجہ غریب نواز کی خدمت میں التجا کی تو حضرت شیخ نے جلد ہی دہلی واپس کردیا۔

## کاکی لقب پڑنے کہ وجہ:

حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کا لقب کاکی کیوں پڑا، اس کی متعدد وجہیں بیان کی گئی ہیں جن میں زیادہ مشہور یہ ہے کہ حضرت پر اکثر فقر وفاقہ کا غلبہ رہا کرتا تھا ۔جب دو تین فاقے ہوجاتے تو اہلیہ محترمہ پڑوس کے ایک بقال کی بیوی سے بقدر کفاف قرض لے لیا کرتیں، کسی دن بقال کی عورت نے کوئی نامناسب بات کہہ دی، حضرت کو جب خبر ہوئی تو آئندہ قرض لینے سے منع فرمادیا اور فرمایا کہ ہمارے حجرہ میں جو طاق ہے، اس میں سے جب ضرورت ہو بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھ کر کاک



(روٹی کا ٹکڑا) لے لیا کرو اور خود بھی کھاؤ اور دیگر وابستگان کو بھی کھلاؤ، چنانچہ حضرت کی یہ کھلی ہوئی کرامت تھی کہ جب بھی اس طاق میں ہاتھ ڈالا جاتا تو اس میں سے بقدرت الٰہی روٹی کے گرم گرم کاک نکلتے اور وہ اہل وعیال اور دیگر لوگوں کے لئے کافی ہوتا۔

## خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کے ملفوظات:

خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ملفوظات کے ذریعہ اصلاح معاشرہ کے ساتھ آداب تصوف وسلوک کو بھی بڑے اچھوتے انداز میں بیان فرمایا ہے۔ ایک درویش کو کس طرح زندگی گزارنی چاہئے اس کی شان کیا ہونی چاہئے، اسے بڑی تفصیل کے ساتھ واضح کیا ہے، شان درویش پر روشنی ڈالتے ہوئے فرماتے ہیں:

’’اگر درویش عمدہ لباس پہنے یعنی خلقت کے دکھاوے کے لئے تو ٹھیک جانو کہ وہ درویش نہیں بلکہ راہ سلوک کا راہزن ہے اور جو درویش نفس کی خواہش کے مطابق عمدہ کھانا پیٹ بھر کھائے تو یقین جانو کہ وہ بھی راہ سلوک میں دروغ گو اور جھوٹا مدعی اور خود پرست ہے اور جو درویش کہ دولت مند کی ہم نشینی کرتا ہے، اسے درویش نہ خیال کرو بلکہ وہ طریقت کا مرتد ہے اور جو درویش نفسانی خواہش کے مطابق خوب دل کھول کر سوتا ہے یقین جانو کہ اس میں کوئی نعمت نہیں‘‘۔

اس ارشاد سے یہ مستفاد ہوا کہ ریاکاری، خواہشات نفس کی پیروی اور امرا کی ہم نشینی شان درویشی کے خلاف ہے۔ اگر کوئی درویشی کا دعویدار محض دکھاوے کے لئے عمدہ کپڑا زیب تن کرے اور اس کے پیچھے اخلاص کارفرما نہ ہو یا کوئی صرف پیٹ بھرنے اور حصول لذت کے لئے کھانا کھائے اور یہ مقصد نہ ہو کہ کھانا کھانے سے جسم میں اتنی توانائی آئے گی کہ فرائض وواجبات کی ادائیگی پر قدرت ہوگی، ورنہ اس کے بغیر عبادت میں خلل پیدا ہوگا کہ لاغری کی وجہ سے عمدہ طور پر فرائض کی ادائیگی نہیں

ہوسکتی،تو وہ حقیقت میں درویش نہیں ہوسکتا۔

اسی طرح اگر کوئی شخص صرف راحت طلبی وتنعم کے لیے سوئے اور یہ مقصد نہ ہو کہ سو لینے سے طبیعت پرسکون ہوگی اور اوامر کی ادائیگی میں نشاط حاصل ہوگا تو وہ بھی سچا درویش نہیں ہوسکتا بلکہ دعویٔ درویش میں جھوٹا ہوگا۔

پھر ایک درویش کا قصہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

’’میں ایک دفعہ ایک دریائی سیر کررہا تھا۔ایک بزرگ اور مالدار درویش کو دیکھا لیکن ساتھ ہی اسے مجاہدہ میں یہاں تک پایا کہ اس کے وجود مبارک پر ہڈیاں اور چمڑہ بھی نہ رہا تھا۔الغرض اس درویش کی یہ رسم تھی کہ جب نماز چاشت ادا کرتا اور سجادے پر بیٹھتا تو اس کے دسترخوان پر تقریباً ڈھائی من طعام ہوتا، چاشت سے ظہر کی نماز تک جو شخص آتا کھانا کھا کر چلا جاتا، اگر کوئی ننگا ہوتا تو اسے حجرے میں لے جا کر کپڑ پہناتا اور جب طعام ختم ہوجاتا اور کوئی مسکین اور عاجز آجاتا تو مصلی کے نیچے ہاتھ ڈال کر جو کچھ اس کا نصیب ہوتا اسے دے دیتا۔الغرض دعا گو چند روز اس بزرگوار کی خدمت میں رہا، جوں ہی افطار کا وقت ہوتا۔چار کھجوریں عالم غیب سے پہونچ جاتیں، ان میں سے دو مجھے دیتا اور دو خود کھالیتا۔اس کے بعد کہتا کہ جب تک درویش کم نہ کھائے اور کم نہ سوئے اور کم نہ بولے اور لوگوں کے میل جول کو ترک نہ کرے کسی مرتبے کو نہیں پہونچتا‘‘۔

ترک دنیا پر زور دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

’’سالک کے لئے دنیا سے بڑھ کر کوئی حجاب نہیں، اس واسطے کہ کوئی شخص اس وقت تک خدارسیدہ نہیں ہوتا جب تک وہ دنیا میں مشغول ہوتا ہے اور اہل سلوک نے فرمایا ہے کہ بندے اور خدا کے درمیان دنیا سے بڑھ کر اور کوئی حجاب نہیں۔پس جو شخص دنیا میں مشغول ہوجائے وہ خدا سے باز رہتا ہے۔لوگ جس قدر دنیا میں مشغول رہتے ہیں، اسی قدر خدا کی طرف سے رہ جاتے ہیں اور اس سے جدا ہوتے ہیں۔



جب دنیا میں دنیا کی محبت رکھی گئی تو تمام فرشتوں نے اس بات پر زور دیا، لیکن ابلیس لعین خوش ہوا اور کہا کہ آدم (علیہ السلام) کے فرزندوں میں فساد کی بنیاد ڈالی گئی، اس واسطے کہ اس مردار کی خاطر بھائی بھائی کو ہلاک کردے گا اور رشتہ دار قطع تعلق کرلیں گے اور کئی شہر خراب ہوجائیں گے اور آدمی ایک دوسرے سے جدا ہوجائیں گے اور ایک دوسرے سے عداوت رکھیں گے اور ہلاک ہوجائیں گے اور دنیا برقرار رہے گی۔ اس دنیا کی محبت کو لعنتی شیطان نے بڑی تعظیم وتکریم سے سرآنکھوں پر رکھا حکم ہوا: اے عزازیل! تو نے یہ کیا کیا کہ تو نے دنیا کی محبت کو بڑے ادب کے ساتھ سرآنکھوں پر رکھا۔اس نے کہا: اے پروردگار! دنیا کو سرآنکھوں پر رکھا ہے کہ جو شخص اسے دوست رکھے گا اور اس میں مشغول رہے گا، وہ میرا پیرو ہوگا اور میں اسے اور بھی اس میں مشغول رکھوں گا، یہاں تک کہ اسے تمام طاعتوں اور عبادتوں اور نیکیوں سے باز رکھوں گا، پس وہ گنہ گار میرا بن جائے گا اور میں اسے ہلاک کردوں گا اور اس کا مال دوسرے لوگ کھائیں گے اور وہ درمیان سے اٹھ جائے گا‘‘۔

حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ ارشاد آب زر سے لکھنے کے قابل ہے۔یقیناً دنیا ایک مردار جانور کی طرح ہے جس کی اللہ رب العزت کے نزدیک پسو کے پر برابر بھی حیثیت نہیں ہے۔حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

لو کانت الد نیا تعدل عنداللہ جناح بعوضۃ ماسقی کافرا شربۃ ۔

اگر دنیا اللہ تعالیٰ کے نزدی پسو کے پر برابر بھی وقعت رکھتی تو کسی کافر کو ایک قطرہ پینے کو نہ ملتا (مشکوۃ المصابیح کتاب الرقاق)

یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جب کسی بندے سے محبت فرماتا ہے تو دنیا کی آلائش سے اسے دور رکھتا ہے۔اسی بنا پر حضرات صوفیائے کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے اپنے ملفوظات میں ترک دنیا کی تعلیم دی اور سلوک کے لئے دنیا کو ایک حجاب قرار

دیا کہ کوئی دنیا دار حقیقت میں وہ درویش نہیں ہوسکتا جو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں مقرب و محبوب ہوتا ہے۔ ترمذی شریف کی حدیث ہے: قتادہ بن نعمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: إذا أحب الله عبدا حماه الدنيا كما يظل أحد كم تحمى سقيمه الماء ۔ جب اللہ تعالیٰ کسی بندے سے محبت فرماتا ہے تو اسے دنیا سے ایسے ہی محفوظ رکھتا ہے جیسے تم میں کوئی اپنے بیمار آدمی کو پانی سے بچاتا ہے۔

## خواجہ فریدالدین مسعود گنج شکر قدس سرہ:

حضرت خواجہ فریدالدین گنج شکر قدس سرہ سرزمین ہند کے کبار اولیا میں سے ہیں۔ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی اوشی رحمۃ اللہ علیہ کے مرید وخلیفہ ہیں۔ اسم گرامی مسعود اور لقب فریدالدین تھا۔ آپ کے والد ماجد شیخ جمال الدین، سلطان محمود غزنوی کے بھانجے تھے، والدہ ماجدہ مولانا وجیہ الدین خجندی کی صاحبزادی تھیں۔ بڑی صاحب ولایت خاتون تھیں۔ سلطان الاولیا شیخ نظام الدین رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

ایک مرتبہ ایک چور چوری کے ارادے سے گھر میں داخل ہوا۔ اس وقت والدہ ماجدہ نماز پڑھ رہی تھیں، چور کا گھر میں داخل ہونا تھا کہ اندھا ہوگیا۔ وہ سمجھ گیا کہ کسی بزرگ کا مکان ہے، اس نے فوراً دل میں عہد کیا کہ اگر دوبارہ میری بینائی لوٹ آئی تو آئندہ چوری نہیں کروں گا اور مسلمان ہوجاؤں گا۔ والدہ ماجدہ جب اس کے ارادے سے واقف ہوئیں تو دعا فرمائی، دعا کی برکت سے اس کی بینائی لوٹ آئی۔ دوسرے دن اپنے اہل وعیال کے ساتھ آکر مشرف باسلام ہوا۔ عبداللہ اس کا نام تجویز ہوا، بعد میں واصلان طریقت میں سے ہوگیا۔

حضرت خواجہ فریدالدین مسعود گنج شکر کے دادا قاضی شعیب ہلاکو کے



زمانے میں اپنے وطن عزیز کابل کو چھوڑ کر لاہور تشریف لے آئے تھے، وہاں کے قاضی منصور نے شاہ دہلی کو خبر دی، وہاں سے درخواست منصب آئی مگر آپ نے اسے نامنظور فرمادیا اور ملتان تشریف لے گئے۔ اسی علاقہ میں کھوٹوال کی جاگیر آپ کی خدمت میں پیش ہوئی جسے منظور فرماکر وہیں اقامت فرمائی، اور وہیں حضرت شیخ کی ولادت ۵۴۸ھ یا ۵۶۹ء میں کھوٹوال مضافات ملتان میں ہوئی۔

ملتان ہی میں نشوونما ہوئی اور علوم ظاہری کی تکمیل بھی فرمائی۔ ایک بار کا واقعہ ہے کہ آپ ملتان میں مولانا منہاج الدین ترمذی کی مسجد میں علوم دینیہ کی تعلیم میں مشغول تھے، سولہ سال کی عمر تھی۔ انھیں ایام میں حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ مسجد میں تشریف لائے، پورے اخلاص کے ساتھ ان کی بارگاہ میں حاضر ہوئے، حضرت نے فرمایا تمہارے ہاتھ میں کون سی کتاب ہے؟ عرض کیا۔ کتاب نافع جو علم فقہ میں ہے، فرمایا۔ انشاء اللہ تعالیٰ تمہارے لئے نافع ہوگی، عرض کیا۔ میرے لیے حضرت کی خدمت نافع ہوگی، اسی مجلس میں حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کے دست حق پرست پر بیعت ہوگئے۔

بزرگوں کی صحبت اور ان کے فیض سے آپ ولایت وعرفان کے بلند مراتب پر فائز ہوئے، مرشد گرامی کی ہدایت پر ریاضت ومجاہدہ کرتے رہے۔

## گنج شکر سے مشہور ہونے کی وجہ:

اس کی بہت سی وجہیں بیان کی گئی ہیں جن میں ایک یہ ہے کہ آپ نے مجاہدہ کا ارادہ فرمایا، شیخ نے بھوکا رہنا بتایا۔ آپ نے روزے رکھنے شروع کردئے، تین دن کے بعد ایک شخص چند روٹیاں لے کر حاضر ہوا، آپ نے اسے تناول فرمالیا مگر قے ہوگئی اور سب کچھ باہر نکل گیا۔ شیخ سے یہ قصہ بیان کیا تو انھوں نے فرمایا کہ تین دن کے بعد تو نے کھایا پھر بھی شرابی کے کھانے سے کھایا، اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ وہ کھانا

پیٹ میں نہ رہ سکا، اب تین دن اور بھوکے رہو اور جو غیب سے آئے اسے کھاؤ۔ تین دن گزرنے کے بعد ضعف بہت زیادہ آ گیا۔ شدت بھوک کی وجہ سے کچھ کنکریاں زمین سے اٹھا کر منہ میں ڈال لی اور بقدرت الٰہی وہ کنکریاں شکر ہو گئیں۔ حضرت شیخ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سارا قصہ بیان کیا تو حضرت شیخ نے فرمایا- اے فریدالدین جو کنکریاں تمہارے منہ میں گئیں وہ شکر ہو گئیں، کیا عجیب ہے کہ حق تعالیٰ تیرا وجود گنج شکر بنا دے۔ اسی وقت سے آپ ہر طرف اس لقب سے مشہور ہو گئے۔

**ملفوظات:**

حضرت خواجہ فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ارشادات کے ذریعہ بندگان خدا کی اصلاح ظاہر کے ساتھ اصلاح باطن بھی فرمائی ہے۔ معاشرہ میں پائی جانے والی عام برائیاں تکبر، دروغ گوئی، نفس پرستی کے نقصانات سے لوگوں کو آگاہ کیا ہے اور آداب درویشی پر گفتگو فرمائی ہے، ملفوظات کا ایک نمونہ نذر قارئین کیا جاتا ہے، فرماتے ہیں:

’’اللہ تعالیٰ سے معاملہ درست رکھنا چاہئے وہ جب دیتا ہے، اسے کوئی نہیں چھین سکتا۔ جو شخص تمام دنیا کو دشمن بنانا چاہے تکبر اختیار کرے۔ جو اپنی عزت واعتبار گنوانا چاہے وہ بے نمازی ودروغ گوئی اختیار کرے۔ درویش کو چاہیے کہ ظاہری تزئین وآرائش میں کوشش نہ کرے اور دنیوی عزت کے لئے خود کو بے قدر نہ بنائے۔ سائل کو ہرگز نہ جھڑکے، جو میسر ہو دیدے، نہ ہو تو نرمی سے منع کر دے، برا بھلا نہ کہے۔ دشمن کے ساتھ دوست ہو، دوستی میں اس سے بے خوف نہ رہنا چاہیے، جیسا کہ نفس وشیطان ہے، جو تجھ سے ڈرے تو بھی اس سے ڈرتا رہ۔ اہل اللہ کی صحبت کو غنیمت سمجھ اور ان کے ملفوظات اور سیرتوں کا مطالعہ کرتا رہ‘‘۔

متعبدوں اور درویشوں کو اصلاح ظاہر کے ساتھ اصلاح باطن کی تعلیم دیتے



ہوئے فرماتے ہیں:

’’متعبد ان لوگوں کو کہا جاتا ہے جن کا ظاہر و باطن حق سے آراستہ ہو اور کسی قسم کا ریا، حسد، بغض اور کھوٹ ان کے ظاہر و باطن میں نہ ہو۔ جو طاعت کریں خالص اللہ تعالیٰ کی خاطر کریں، نہ کہ خلقت کو دکھانے کے لئے کیوں کہ جو متعبد ظاہر میں عبادت کرے اور باطن اس کا خراب ہو، اس کی ہر ایک عبادت لپیٹ کر اس کے منہ پر ماری جاتی ہے بلکہ راہ سلوک میں تو اس بات کا بھی ڈر ہے کہ کہیں اس کے ایمان میں خلل نہ آ جائے۔ نعوذ باللہ منہا‘‘۔

پھر فرمایا کہ ’’اے درویش: بعض متعبد ایسے بھی ہوتے ہیں کہ جن کا ظاہر آراستہ ہوتا ہے اور ظاہر میں خلقت کو دکھانے کے لئے بہت عبادت کرتے ہیں لیکن باطن میں اس یار کی طرف نہیں ہوتے‘‘۔

’’اے درویش! سنو جن کا ظاہر طاعت سے آراستہ ہے لیکن باطن خراب ہے، وہ ایسے لوگ ہیں جو لوگوں کے دکھاوے کی خاطر بہت عبادت کرتے ہیں اور وہ انھیں عزیز جانتے ہیں اور ان کا دل دنیا میں مشغول ہوتا ہے‘‘۔

ایک مرتبہ بنی اسرائیل میں ایک زاہد نے پانچ سو سال اللہ تعالیٰ کی عبادت کی۔ جب وہ مر گیا تو اسے خواب میں دیکھا گیا کہ آگ کے طوق اس کے گلے میں ڈالے ہوئے ہیں اور آگ کی بیڑیاں اس کے پاؤں میں پہنائی ہوئی ہیں اور اس کے اردگرد اگرد تمام آگ ہی آگ جل رہی ہے اور فرشتے گرزیں مارتے ہیں اور وہ توبہ توبہ پکار رہا ہے۔ اس سے پوچھا گیا کہ تو زاہد تھا اور پانچ سو سال تو نے عبادت بھی کی ہے پھر تیری یہ حالت کیوں ہے؟ اس نے کہا اے مسلمانو! جو عبادت میں کرتا تھا سب دکھاوے کی تھی، محض خلقت کو دکھانے کی خاطر کیا کرتا تھا۔ باطن میں دنیا میں مشغول تھا، اس لیے وہ ساری طاعت میرے منہ پر ماری گئی اور حکم ہوا کہ زاہد سخت عذاب کے لائق ہے، اسے عذاب کرو۔

دوسرا گروہ وہ جن کا باطن آراستہ اور ظاہر خراب ہوتا ہے، وہ مجانین یعنی دیوانے ہیں۔ جو باطن میں حق تعالیٰ میں مشغول ہوتے ہیں اور ظاہر میں ان کے پاس کوئی سروسامان نہیں ہوتا۔

فرمایا: ''ایک مرتبہ میں نے ایک ایسے دیوانے کو دیکھا جو ساٹھ سال سے جنون کی حالت میں تھا اور اس طرح یادِ حق میں مشغول تھا کہ نور چمکتا تھا مگر اسے اس نور کی روشنی کی خبر نہ تھی۔ چنانچہ ایک رات اسے خلوت میں میں نے تلاوت میں مشغول دیکھا۔ اس وقت اس سے ایسا نور نکل رہا تھا جس کی روشنی عرش سے لے کر حجابِ عظمت تک جاتی تھی۔ میں آگے بڑھا تاکہ اس نعمت سے مجھے بھی کچھ مل جائے، جوں ہی میرے پاؤں کی آہٹ سنی مڑ کر دیکھا اور کہا اے درویش! چونکہ تو نے ہمارا بھید لے لیا ہے اب بہتر یہی ہے کہ اسے فاش نہ کرے یہ کہا، اور آسمان کی طرف منھ کر کے کہا- اے پروردگار! چونکہ میرا بھید تو نے ظاہر کر دیا ہے، اب میرے لیے یہاں رہنے کی جگہ نہیں، ابھی یہ بات پورے طور پر کہنے نہ پایا تھا کہ جان خدا کے حوالے کی''۔

بعد ازاں فرمایا: ''اے درویش! جن لوگوں کا ظاہر و باطن خراب ہے، وہ عوام الناس ہیں جنھیں اطاعت وغیرہ کی کچھ خبر نہیں۔ لیکن جن کا ظاہر و باطن آراستہ ہے، وہ مشائخ ہیں اگر اتفاق سے ان سے کچھ طاعت ریا کے طور پر ظاہر ہو جائے تو اپنے تئیں اس وقت تک مجاہدہ میں رہتے ہیں جب تک کہ اس ریا سے بری نہ ہو جائیں''۔

خوفِ الٰہی اور توکل کا درس دیتے ہوئے فرماتے ہیں: ''اے درویش! خوفِ حق تعالیٰ کی طرف سے بے ادب بندوں کے لیے تازیانہ ہے تاکہ وہ اللہ سے ڈر کر گناہ سے باز آجائیں اور سیدھی راہ چلیں، کلام مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

ألـم يـأن للذين آمنوا أن تخشع قلوبهم ۔ اے میرے بندو! کیا اب



بھی وہ وقت نہیں آیا کہ میرے ڈر کے مارے تمہارے دل نرم ہوں''۔

پھر فرمایا کہ ''خوف اس کے عدل اور امید اس کے فضل کی وجہ سے ہے۔ پس اس کی درگاہ کا معزز بندہ وہ ہے جس میں دونوں باتیں ہوں''۔

پھر موقعہ کی مناسبت سے اس واقعہ کو بیان فرمایا کہ ایک شخص اللہ تعالیٰ کے خوف سے چالیس سال روتا رہا۔ جب اسے موت یاد آئی تو بید کے پتے کی طرح کانپتا اور ہزار مرتبہ بیہوش ہو کر گرتا، جب ہوش میں آتا تو یہ آیت پڑھتا إن الأبـرار لـفي نعيم و إن الفجار لفي جحيم یعنی نیک لوگ بہشت میں اور بدکار نافرمان دوزخ میں جائیں گے۔ پھر نعرہ مار کر بیہوش ہو کر گر پڑتا اور کہتا مجھے معلوم نہیں کہ قیامت کے دن ان دونوں میں سے میں کس گروہ میں ہوں گا۔ جب فوت ہو گیا تو اسے خواب میں دیکھ کر پوچھا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ سے کیا سلوک کیا؟ فرمایا: جیسا دوستوں سے کرتا ہے، جب مجھے عرش کے نیچے لے گئے تو پوچھا گیا کہ اے درویش! تو اس قدر کیوں رویا کرتا تھا کیا مجھے غفار نہیں جانتا تھا؟ میں نے عرض کیا کہ میں تیری قہّاری کے سبب سے ڈرتا تھا کہ کہیں میری ساری عبادت اکارت نہ جائے، اس ڈر سے روتا تھا۔ جب یہ عرض کی تو حکم ہوا کہ جاؤ تجھے ہم نے بخش دیا''۔

طلبِ معاش میں توکل و استغنا کی تعلیم دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

''اے درویش! شریعت اور طریقت میں صادق بندہ وہ ہے جو روزی سے دل نہ لگائے بلکہ فراخ دلی سے اپنے مولیٰ کی طاعت میں مشغول رہے اور درحقیقت جان لے کہ جو کچھ میرے مقدر میں ہے مجھے مل کر رہے گا، اس سے کچھ ذرہ بھر بھی کم نہ ہوگا۔ پس اے درویش! اگر سالہا سال تو مارا مارا پھرے تو جو رزق تیری قسمت میں لکھا جا چکا ہے وہ بغیر تیری کوشش اور طلب کے تجھے مل جائے گا اور اگر تو زیادہ چاہے تو ایک ذرہ بھر بھی نہیں ملے گا۔ اے درویش! بے غم رہ کیونکہ تیرا رزق تیرے کندھے پر لکھا ہے۔ تو فراخ دلی سے اللہ تعالیٰ کے کام میں مشغول ہو کیونکہ جو تیرا مقسوم ہے وہ ضرور

بالضرور تجھے مل کر رہے گا، پھر فرمایا کہ جتنے متوکل ہیں انھیں رزق وغیرہ کا نہ غم ہے، نہ اندیشہ، اس واسطے کہ جو کچھ مقسوم میں ہے وہ مل کر ہی رہے گا پھر اندیشہ کرنے کا فائدہ ہی کیا''۔

یہ حضرت خواجہ فریدالدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کے ملفوظات طیبات کا ایک مختصر نمونہ ہے۔ صحیح یہ ہے کہ ان ملفوظات پر کوئی پورے طور پر اگر عمل کرے اور انھیں اپنے لئے مشعل راہ بنالے تو دنیا وآخرت دونوں کی سعادتوں سے بہرہ مند ہوگا۔

## حضرت خواجہ محبوب الٰہی نظام الدین اولیا قدس سرہ:

حضرت سلطان المشائخ نظام الدین اولیا محبوب الٰہی قدس سرہ اولیائے عالم کے سردار، صوفیائے نسل آدم کے پیشوا تھے، آپ کے آباء کرام بخارا کے سادات سے تھے، ''خالد'' بخارا کے ایک محلے کا نام ہے، آپ کا گھر اسی محلّہ میں واقع تھا۔ آپ کے دادا اور نانا دونوں نے ایک ساتھ ہندوستان کے لیے رخت سفر باندھا۔ پہلے لاہور قیام کیا پھر بداؤں آکر سکونت اختیار کی جو اس وقت ایک مشہور مرکز اسلام تھا، دونوں بزرگ علوم وفنون میں یکتائے روزگار تھے۔ آپ کے والد خواجہ احمد بخاری بڑے باکمال صالح بزرگ تھے، فرماں روائے وقت نے انھیں منتخب کر کے بداؤں کا قاضی مقرر کردیا تھا۔ والدہ ماجدہ حضرت بی بی زلیخا علیہا الرحمۃ صالحات وقت، عارفات عصر، مستجاب الدعوات اور صاحب تصرفات خواتین سے تھیں۔

۲۷ رصفر ۶۳۰ھ کو آپ پیدا ہوئے۔ ابھی کل پانچ سال کی عمر تھی کہ آپ کے والد مکرم سخت علیل ہوئے اور اس دارفانی سے رحلت فرماگئے۔ والدہ ماجدہ نے پوری توجہ سے تعلیم دلائی۔ بارہ سال کی عمر میں آپ نے فقہ کی ابتدائی کتابیں مختصر القدوری تک پڑھ لیں، مختصر القدوری، حضرت مولانا علاء الدین اصولی اور مولانا علی سے مکمل کی جو حضرت شیخ جلال الدین تبریزی کے شاگرد تھے، اسی زمانہ میں حضرت



خواجہ فریدالدین گنج شکر قدس سرہ کی محبت وعقیدت کا جذبہ دل میں بیدار ہوا، آئے دن محبت بڑھتی گئی۔ چنانچہ اٹھارہ سال کی عمر میں والدہ ماجدہ کو لے کر دہلی پہونچے، اتفاق سے حضرت شیخ نجیب الدین متوکل قدس سرہ العزیز کے قرب وجوار میں رہائش ملی۔ اس پیر طریقت کے فیضان صحبت کا اثر تھا کہ حضرت خواجہ فریدالدین گنج شکر کی قربت کی راہیں کھلتی گئیں۔

حضرت محبوب الٰہی چار سال تک مولانا شمس الملک شمس الدین خوارزمی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ٹھہرے، حضرت مولانا خوارزمی وقت کے مایۂ ناز عالم تھے، فضل وکمال میں انفرادی حیثیت کے مالک تھے، اس طرح بیس سال کی عمر میں حضرت شیخ گنج شکر رحمۃ اللہ کی زیارت وارادت کے مقصد سے پاک پٹن روانہ ہوئے، بابا صاحب نے دیکھتے ہی فرمایا:

اے آتش فراقت دلہا کباب کردہ     سیلاب اشتیاقت جاں ہا خراب کردہ

پندرہ رجب بروز بدھ حضرت گنج شکر سے بیعت کا شرف حاصل ہوا۔ چند ماہ قیام کیا، پھر اکتساب فیض وبرکات کے بعد دوبارہ دہلی تشریف لائے، پیر ومرشد کے حکم پر دہلی میں اقامت اختیار فرمائی اور تعلیم وتعلم کا سلسلہ جاری رکھا۔

## محبوب الٰہی کے ملفوظات:

حضرت خواجہ محبوب الٰہی کے ملفوظات میں بھی اصلاح اعمال کے ساتھ اصلاح عقائد کی بھرپور روشنی ملتی ہے۔ اگر کسی مسئلے میں کسی باطل فرقے کا اختلاف ہے تو اختلاف واضح فرمانے کے ساتھ اس فرقے کا رد بھی فرمایا اور مذہب حق کی صحیح ترجمانی کر کے امت مسلمہ کی بروقت رہنمائی فرمائی ہے، چنانچہ علم کلام کا ایک بڑا مشہور مسئلہ یہ ہے کہ گناہ کبیرہ کے ارتکاب کے سبب مومن ایمان سے خارج نہیں ہوتا، بلکہ وہ مومن ہی رہتا ہے۔ البتہ ارتکاب کبیرہ کے سبب فاسق ہوجاتا ہے جس کی

وجہ سے وہ عذاب کا مستحق ٹھہرتا ہے مگر ہمیشہ عذاب میں نہیں رہے گا بلکہ وہ عذاب سے نجات پائے گا، یہ اہل حق کا مذہب ہے۔ شرح عقائد میں ہے الکبیرۃ لاتخرج العبدالمؤمن من الإیمان ولاتدخله فی الکفر (ص۱۱۷) گناہ کبیرہ مومن بندے کو ایمان سے خارج نہیں کرتا اور نہ اسے کفر میں داخل کرتا۔

اس مسئلے میں معتزلہ کہتے ہیں کہ کبیرہ کا مرتکب مومن ہے نہ کافر، اور خوارج کا یہ کہنا ہے کہ وہ کافر ہے، اس لئے وہ ہمیشہ جہنم میں رہے گا، حضرت محبوب الٰہی قدس سرہ نے اس بارے میں بڑی بصیرت افروز گفتگو فرمائی ہے، ذیل میں فوائدالفواد سے حضرت کے ملفوظات کا ایک نمونہ اس تعلق سے نذر قارئین کیا جاتا ہے، فوائدالفواد کے مرتب حضرت امیر حسن علی سنجری فرماتے ہیں:

''پھر معتزلہ کے بارے میں گفتگو شروع ہوئی کہ وہ کہتے ہیں کہ اہل کفر اور اہل کبائر ہمیشہ عذاب میں رہیں گے، فرمایا یہ ان کی غلطی ہے۔ اصل یوں ہے کہ کافر ہمیشہ عذاب میں رہیں گے، اس واسطے کہ وہ بتوں کی پرستش پر اعتقاد رکھتے ہیں اور وہی ان کے معبود ہیں، چونکہ یہ ان کا دائمی اعتقاد ہے اور ہمیشہ کفر پر جمے رہتے ہیں، اس لیے ان کا عذاب بھی دائمی ہوگا۔ لیکن جو لوگ کبیرہ گناہ کرتے ہیں وہ ہمیشہ نہیں کرتے، کبھی گناہ کے ارتکاب سے فارغ بھی ہوتے ہیں اور جانتے ہیں کہ جو کچھ ہم نے کیا ہے، برا کیا ہے، برا کیا ہے ایسا نہیں کرنا چاہئے تھا۔ پس چونکہ ہمیشہ کے لئے کبیرہ گناہوں پر راسخ نہیں ہوتے، اس لئے انھیں عذاب بھی ہمیشہ نہیں ہوگا۔ بعد ازاں فرمایا کہ گنہگار کسی حالت میں تین باتوں کا مطیع ہوتا ہے، اول یہ کہ وہ جانتا ہے کہ جو کچھ میں کر رہا ہوں وہ ٹھیک نہیں ہے، دوسرے وہ یہ جانتا ہے کہ جو کچھ میں کر رہا ہوں اسے اللہ تعالیٰ جانتا ہے اور دیکھتا ہے، تیسرے اسے بخشش اور معافی کی امید ہوتی ہے، اور یہ تینوں کام فرماں برداروں کے ہیں، اشعریہ مذہب میں بھی یوں ہی ہے کہ جس کافر کا خاتمہ ایمان پر ہوگا وہ مومن ہے اور جس مومن کا خاتمہ کفر پر ہوگا وہ کافر ہے۔''



حق تعالیٰ کی یاد اور اطاعت و بندگی اور انسان کے مقصد حیات پر گفتگو کرتے ہوئے ناصحانہ انداز میں فرمایا:

''جو موجود ہے وہ دو عدموں کے مابین ہے اور جو وجود عدموں کے مابین ہو اسے بھی معدوم ہی جاننا چاہئے، جیسا کہ حیض کے دنوں میں کوئی عورت پہلے روز خون کا نشان دیکھے، دوسرے روز کوئی نشان نہ ہو اور تیسرے روز پھر نشان ظاہر ہو تو بیچ کے دن کو بھی پاک خیال نہ کرنا چاہئے۔ بعد ازاں فرمایا: الوجود بین العدمین کالطھر المتخلل بین الدمین''۔

خلاصہ یہ کہ جو عمر بمنزلۂ عدم ہے اس پر کیا اعتبار ہو سکتا ہے اور ایسے کم عرصے کو کیوں غفلت اور بیکاری میں برباد کرنا چاہئے۔ بعد ازاں ایک بزرگ کی بابت فرمایا کہ ''وہ ہمیشہ یاد الٰہی میں مشغول رہتے اور خلقت سے بالکل میل جول نہ کرتے۔ لوگوں نے وجہ پوچھی، جواب دیا کہ اس سے بیشتر کئی ہزار سال میں معدوم رہا، اس کے بعد بھی معدوم ہو جاؤں گا، سو جو عمر مجھے ملی ہے وہ کیوں ضائع کروں، اسے یاد حق میں ہی کیوں نہ بسر کروں۔''

توکل کے درجات و مراتب پر گفتگو کرتے ہوئے فرمایا:

''توکل کے تین مرتبے ہیں'' پہلا مرتبہ یہ ہے کہ کوئی شخص کسی آدمی کو اپنے دعویٰ کے لیے وکیل کرے اور وہ وکیل اس شخص کا دوست بھی ہو اور عالم بھی تو وہ موکل بالکل بے کھٹکے ہوگا کہ میں ایسا وکیل رکھتا ہوں جو دعویٰ کے کاموں میں بھی دانا ہے اور میرا دوست بھی ہے، اس صورت میں توکل بھی ہوگا اور سوال بھی، وہ کبھی کبھی خود وکیل سے کہے گا کہ اس دعویٰ کا جواب اس طرح دینا اور یہ کام اس طرح سرانجام دینا۔ یہ توکل کا پہلا درجہ ہے کہ توکل بھی ہوا اور سوال بھی، دوسرا مرتبہ توکل کا یہ ہے کہ ایک شیر خوار بچہ ہو جس کی ماں اسے دودھ پلاتی ہو، اسے توکل ہی ہوگا، سوال نہ ہوگا۔ بچہ یہ نہیں کہتا ہے کہ مجھے فلاں وقت دودھ دینا، صرف روتا ہے لیکن تقاضا نہیں کرتا اور نہ ہی

کہتا ہے، مجھے دودھ دے دو، اس کے دل میں شفقت مادری پر پورا بھروسہ ہوتا ہے۔
توکل کا تیسرا درجہ ہے کہ جیسے مردہ نہلانے والے کے ہاتھ، کہ مردہ نہ حرکت کرتا ہے، نہ سوال۔ جس طرح نہلانے والا چاہے اسے حرکت دے اور دھوئے۔ یہ درجہ بہت بلند اور اعلیٰ ہے۔''

اہل تصوف نے دنیا کو ایک مردار کی طرح سے قرار دیا ہے جس کے طلب گار درحقیقت کتے ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے نیک و مقرب بندے اس کے لئے کوشاں نہیں ہوتے بلکہ اللہ رب العزت اپنے صالح بندوں کو دنیا کی آلائش سے محفوظ رکھتا ہے، کہ کوئی دنیا دار آدمی اللہ کا ولی نہیں ہوسکتا۔ اسی بنا پر ارباب سلوک و معرفت نے اپنے ملفوظات میں جا بجا ترک دنیا کی تعلیم دی ہے اور خود بھی دنیا سے کنارہ کش رہے۔ خواجہ محبوب الٰہی قدس سرہ بھی ترک دنیا کے بارے میں گفتگو کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''اصل دانائی یہ ہے کہ دنیا کو ترک کیا جائے، عرض کیا گیا۔ اگر کوئی شخص وصیت کرے کہ میرے مرنے کے بعد میرے مال کا تیسرا حصہ ایسے مرد کو دینا جو سب سے عقل مند ہو تو اس کا فیصلہ کس طرح کرنا چاہئے؟ فرمایا کہ یہ مال ایسے شخص کو دینا چاہئے جو تارک الدنیا ہو، حاضرین میں سے ایک نے کہا کہ جب وہ تارک الدنیا ہوگا تو مال کیسے لے گا؟ فرمایا کہ بات تو خرچ کرنے کی ہے، سو خرچ کرنا ایسا ہی ہے۔ پھر فرمایا کہ دنیا سے مراد سونا، چاندی اور اسباب وغیرہ نہیں ہیں، بلکہ ایک بزرگ کے قول کے موافق پیٹ میں درد ہے جو تھوڑا کھاتا ہے وہ بھی تارک الدنیا ہے، اور جو پیٹ بھر کھاتا ہے وہ تارک الدنیا نہیں، پھر فرمایا: شیطان کہتا ہے کہ جو آدمی پیٹ بھر کر نماز ادا کرتا ہے میں اس کے گلے ملتا ہوں، چنانچہ جب وہ نماز پڑھ کر باہر نکلتا ہے تو معلوم ہوسکتا ہے کہ اس پر میرا غلبہ ہے، اور جو بھوکا سویا ہوا اس سے میں دور بھاگتا ہوں۔ پس جب یہ بھوکا نماز میں مشغول ہوگا تو تم اندازہ کرسکتے ہو کہ مجھے اس سے کس قدر نفرت ہے۔''



یہ محض چند مشائخ چشتیہ کے مختصر ملفوظات ہیں جو اس مضمون میں جمع کیے گئے، سارے ملفوظات جو کتابوں میں ملتے ہیں ان کا احاطہ یہاں کیا بھی نہیں جا سکتا۔ بہر حال ان مشائخ کے ارشادات اور ان کی تعلیمات سے آج بھی خلق خدا فیض پا رہی ہے، اور انھیں اپنا کر کامیابی کی منزلوں سے ہمکنار ہو رہی ہے۔ وہ ملفوظات اور ان میں درج شدہ بزرگوں کے واقعات بندگان خدا کے لئے نمونۂ عمل اور درس عبرت ہیں۔ وہ اقوال اتنے قیمتی ہیں کہ آب زر سے لکھنے کے قابل ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو بزرگوں کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

## ماٰخذ ومراجع


(۱) مشکوۃ المصابیح - از - خطیب تبریزی شیخ ولی الدین رحمۃ اللہ علیہ

(۲) دلیل العارفین - مرتب - خواجہ قطب الدین بختیار کاکی قدس سرہ

(۳) فوائد السالکین - مرتب - حضرت مسعود اجودھنی

(۴) اسرار الاولیا - مرتب - خواجہ بدر اسحٰق

(۵) فوائد الفواد - مرتب - خواجہ امیر حسن سنجری

(۶) قصر عارفاں - از - شیخ مولوی احمد علی چشتی حیدرآبادی/مترجم، پیرزادہ اقبال احمد فارقی۔

(۷) سیر الاخیار، محفل اولیا - از - علامہ شاہ مراد سہروردی

(۸) مونس الارواح - از - جہاں آرا بیگم بنت شاہ جہاں صاحب قران ثانی

(۹) شرح عقائد - از - علامہ سعد الدین تفتازانی

# انوار سورۂ فاتحہ

## ارشادات خواجہ غریب نوازؒ کی روشنی میں


علامہ سید شاہد علی رضوی حسنی برکاتی

الجامعۃ الاسلامیہ، گنج قدیم رامپور


سیدنا سلطان الہند، عطائے رسول، قدوۃ العارفین، خواجۂ خواجگان، معین الملت والدین، غریب نواز حضرت خواجہ سید معین الدین حسن سنجری چشتی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے ارشادات وملفوظات اور کلمات جان پرور زبان فیض ترجمان سے سن کر سیدنا قطب الاقطاب حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی اوشی چشتی علیہ الرحمۃ الرضوان نے جمع کئے ہیں۔ اس مجموعہ اور صحیفہ مبارکہ کا نام ''دلیل العارفین'' ہے۔ اس میں حسب ذیل چار اقسام ہیں:

۱- فقر وصواب کے بیان میں۔

۲- مکتوبات وتسبیحات کے بیان میں۔

۳- اوراد وغیرہ کے بیان میں۔

۴- سلوک اور اس کے فوائد کے بیان میں۔

فقیر نوری نے اس صحیفہ مبارکہ سے صرف قرآن کریم اور سورۂ فاتحہ کے سلسلہ میں تفسیری افادات (اسرار ونکات) اور فضائل وفوائد کو سلک تحریر میں لانے اور جواہر عالیہ وغالیہ کو چننے کی کوشش کی ہے۔ نیز حسب ضرورت تشریح وتوضیح کی غرض



سے کچھ اضافے بھی شامل تحریر کئے ہیں۔ اللہ رب العزت اپنے فضل خاص اور اپنے حبیب لبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے وسیلہ جلیلہ، حضرات خواجگان چشت خصوصاً حضرت خواجہ غریب نواز کے فیضان، خاندان برکات کے تصدق وطفیل اور سیدی و سندی حضور مفتی اعظم قطب عالم نور اللہ مرقدہٗ کی عنایت سے اس حقیر کاوش کو قبول فرمائے۔ اور ذخیرۂ آخرت بنائے۔ (آمین)

### سورۂ فاتحہ کے نام:

سورت کا کثیر الاسماء ہونا، اس کی شرافت وفضیلت کی دلیل ہے۔ کیوں کہ اسماء کی کثرت مسمّیٰ کے شرف پر دال ہے۔

جلال الملۃ والدین حضرت علامہ جلال الدین سیوطی قدس سرہٗ نے ''اتقان'' میں سورۂ فاتحہ کے پچیس (۲۵) نام ذکر کئے ہیں اور ہر ایک کے اسباب بھی بیان کئے ہیں۔ جس سے اس کی فضیلت واہمیت کا پتہ چلتا ہے۔ ذیل میں اُن کا خلاصہ تحریر کیا جاتا ہے۔

۱- **فاتحۃ الکتاب:** حدیث شریف میں یہی نام بتایا گیا ہے۔ اس سورت کو فاتحۃ الکتاب اس لئے کہتے ہیں کہ اس سے کتاب وتعلیم اور نماز کا آغاز کیا جاتا ہے اور اس لئے کہ بعض روایات کی رو سے سب سے پہلے یہی اُتری۔

۲- **فاتحۃ القرآن:** قرآن حکیم کا آغاز اسی سے ہے۔

۳- **اُم الکتاب:** ایسا ہی حدیث شریف میں آیا ہے۔ اس سورت کو ام الکتاب اس لئے کہتے ہیں کہ ساری آسمانی کتابوں کے تقریباً سارے مضامین اس میں آگئے ہیں، کیوں کہ عقائد اعمال وغیرہ سب اس میں موجود ہیں۔ نیز اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات، اس کی معبودیت، اس کی بے نیازی، بندے کی عبدیت، نیاز مندی وغیرہ تمام اس میں

موجود ہیں۔

۴۔ **اُم القرآن:** ایسے ہی حدیث شریف میں آیا ہے۔ اس سورت کو اُم القرآن اس لئے کہتے ہیں کہ ام کے معنی اصل اور یہ سورۂ مبارکہ سارے قرآن کی اصل ہے، اس لئے کہ جس قدر مضامین سارے قرآن حکیم میں تفصیل سے وارد ہیں وہ اجمالاً یہاں آ گئے ہیں۔ اس کو قرآن سے وہی نسبت ہے جو بیج کو درخت سے ہوتی ہے کیوں کہ بیج میں سارا درخت (یعنی پتے، شاخیں، پھلی، پھول وغیرہ) ہوتا ہے۔

۵۔ **القرآن العظیم:** ایسے ہی حدیث شریف میں آیا ہے۔

۶۔ **السبع المثانی:** اس سورت کو سبع مثانی اس لئے کہتے ہیں کہ اس لفظ کے معنی ہیں سات مکرر آیتیں۔ چونکہ اس میں سات آیتیں ہیں اور دوبار یہ نازل ہوئیں، اس لئے اس کا یہ نام ہوا۔ نیز نماز کی ہر رکعت میں اس سورت کی تکرار ہوتی ہے۔ نیز آدھی سورت میں رب کی حمد وثنا ہے اور باقی آدھی میں بندے کی عرض ومعروض تو گویا آدھی خالق کے لئے ہے اور آدھی مخلوق کے لئے، لہٰذا اس کو سبع مثانی کہا جاتا ہے، نیز اس طرح کی سورت کسی اور آسمانی کتاب میں نہ آئی، نیز سورہ فاتحہ کا ثواب قرآن حکیم کے ساتویں حصہ کے برابر ہے، لہٰذا جو شخص اسے سات بار پڑھے، وہ پورے قرآن شریف پڑھنے کا ثواب پائے گا۔ نیز اس کی آیتیں بھی سات ہیں اور دوزخ کے دروازے بھی سات جو شخص کہ ان سات آیتوں کے پڑھنے کا پابند ہوگا، انشاء اللہ اس پر دوزخ کے سات دروازے بند ہو جائیں گے۔ حدیث شریف میں ہے کہ ایک بار جبرئیل امین علیہ السلام نے بارگاہِ نبوت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں عرض کیا کہ میں آپ کی امت پر دوزخ کے عذاب کا خوف کرتا تھا۔ جب سورۂ فاتحہ



نازل ہوئی تو مجھے اطمینان ہو گیا کیوں کہ یہ سات آیتیں جہنم کے سات طبقوں کا قفل ہیں۔ (تفسیر کبیر)

۷۔ **الوافیہ:** وافیہ کے معنی پوری ہونے والی۔ اس سورت میں یہ خصوصیت ہے کہ یہ ہر رکعت میں پوری پڑھی جاتی ہے دوسری سورتیں اگر دو رکعت میں آدھی آدھی یا کم وبیش پڑھ دی جائیں تو جائز ہوتا ہے نیز اس لئے کہ جملہ قرآنی مضامین کو پورا کرتی ہے۔

۸۔ **الکنوز:** ایسے ہی حدیث شریف میں آیا ہے۔

۹۔ **الکافیہ:** اس کو کافیہ اس لئے کہتے ہیں کہ دوسری سورتوں کے بدلہ میں کافی ہوتی ہے لیکن اور کوئی سورت اس کا بدل نہیں ہو سکتی۔

۱۰۔ **الاساس:** اس لئے کہ یہ اصل قرآن ہے اور قرآن کی پہلی سورت ہے۔

۱۱۔ **النور:** نام سے ظاہر ہے۔

۱۲۔ **الحمد:** نام سے ظاہر ہے۔

۱۳۔ **الشکر:** نام سے ظاہر ہے۔

۱۴۔ **الحمد الاول:** نام سے ظاہر ہے۔

۱۵۔ **الحمد القصیر:** نام سے ظاہر ہے۔

اسی طرح احادیث میں ہے کہ اس کے خواص سے ظاہر ہے کہ یہ سورت شفا ہی شفا ہے۔ روحانی علاج ہے، جسمانی بھی۔ عافیہ اس کو اس لئے کہتے ہیں کہ یہ جسمانی اور روحانی بیماریوں کا علاج تریاق ہے۔ زہر اور صدہا قسم کی بیماریوں کا علاج ہے۔ ایک صحابی رسول نے دیکھا کہ ایک آدمی مرگی کے دورے میں گرفتار ہے تو اس کے کان میں یہ سورہ پڑھ دی اور اس کو آرام ہو گیا۔ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں یہ واقعہ عرض کیا تو فرمایا یہ سورت ہر بیماری کی دوا ہے۔

۱۶- **الشافیہ:** // ایضاً

۱۷- **الصلوٰۃ:** اس لئے کہ نماز کی ادائیگی اس پر موقوف ہے۔عمداً چھوڑے تو نماز ناجائز۔بھول کر ترک کرے تو سجدہ سہو کرے۔

۱۸- **سورۃ الصلوٰۃ:** // ایضاً

۱۹- **الدعاء:** اس لئے کہتے ہیں کہ اس میں بندوں کو رب تعالیٰ کا شکر کرنے اور دُعا مانگنے کا طریقہ سکھایا گیا ہے۔

۲۰- **السوال:** اس لئے کہتے ہیں کہ اس میں بندوں کو اللہ تعالیٰ سے دُعا مانگنے کا طریقہ اور ادب سکھایا گیا ہے کہ جب دُعا کرنا ہو تو پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد کرے۔اپنی محتاجی اور بندگی کا ذکر کرے۔پھر اپنی حاجت عرض کرے اور دنیوی حاجت کے مقابلہ میں آخرت کی حاجتیں زیادہ مانگے۔

۲۱- **تعلیم المسئلہ:** // ایضاً

۲۲- **المناجاۃ:** اس لئے کہتے ہیں کہ اس میں بندہ اپنے آقا سے مناجات کرتا ہے مثلاً کہتا ہے اِیَّاكَ نَعۡبُدُ وَ اِیَّاكَ نَسۡتَعِیۡن۔

۲۳- **التفویض:** اس لئے کہتے ہیں کہ اس میں بندہ اپنا معاملہ اپنے مولیٰ کے سپرد کرتا ہے۔مثلاً کہتا ہے کہ وَاِیَّاكَ نَسۡتَعِیۡن [الاتقان،۱/۱۷-۲۷،علامہ جلال الدین سیوطی]

اس سورت میں سات آیتیں ستائیس کلمے اور ایک سو چوبیس حروف ہیں۔کوئی آیت ناسخ یا منسوخ نہیں۔

**شانِ نزول:**

یہ سورت مکہ مکرمہ یا مدینہ منورہ میں یا دونوں میں نازل ہوئی۔عمر بن شرحبیل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرمایا میں ایک ندا سنا کرتا ہوں جس میں



اِقۡرَاۡ کہا جاتا ہے۔ورقہ بن نوفل کو خبر دی گئی۔عرض کیا جب یہ ندا آئے آپ باطمینان سنیں،اس کے بعد جبرئیل نے حاضر خدمت ہو کر عرض کیا فرمایئے بِسۡمِ اللہ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡم اَلۡحَمۡدُ للہ رَبِّ الۡعَالَمِیۡن،اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نزول میں یہ پہلی سورت ہے مگر دوسری روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ پہلے سورۂ اِقۡرَاۡ نازل ہوئی۔اس سورت میں تعلیماً بندوں کی زبان میں کلام کیا گیا ہے۔ [خزائن العرفان،ص۲]

**سورت:**

لفظ سورت سور سے بنا ہے۔اس کے معنی ہیں گھیرنے والی چیز،اسی لئے شہر کے آس پاس کی دیوار (شہر پناہ) کو سُوۡرُ الۡبَلَدۡ کہتے ہیں،کیونکہ وہ شہر کو گھیرے ہوئے ہوتی ہے۔قرآنِ حکیم کی اصطلاح میں سورت قرآنِ کریم کی وہ عبارت کہلاتی ہے جس میں مضمون پورا ہو گیا ہو اور اس کا کچھ نام بھی رکھ دیا ہو جیسے سورۂ فلق،سورۂ بقرہ وغیرہ۔قرآن مجید میں سب سے چھوٹی سورۂ کوثر ہے اور سب سے بڑی سورۂ بقرہ۔

**سورتوں کے نام:**

قرآن حکیم کی سورتوں کے نام اس کے مضامین یا بعض مقاصد یا بعض الفاظ سے رکھ دیئے جاتے ہیں مثلاً اس سورۃ کا نام الحمد بھی ہے،اس لئے کہ اس میں لفظ الحمد آ گیا ہے۔سورۂ بقر کا نام سورۂ بقرہ ہے،اس لئے کہ اس میں گائے کا ذکر آیا ہے اور قل ہو اللہ کا نام سورۂ اخلاص ہے،اس لئے کہ اس کا مقصود ہے اپنے دین کو خالص اللہ تعالیٰ کے لئے بنانا۔سورت کے نام کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ اس میں اول سے آخر تک وہی مضمون ہو۔سورۂ بقر میں صدہا مضامین بیان ہوئے مگر اس کا نام سورۂ بقر رکھا گیا۔

## آیت:

قرآن حکیم کی اس عبارت کو کہتے ہیں جس میں بات پوری تو ہو جائے مگر اس کا کوئی نام علیحدہ نہ رکھا گیا ہو جیسے ہم لوگ جملے اور کلام بولتے ہیں۔اس کو آیت اس لئے کہتے ہیں کہ آیت کے معنی ہیں نشانی اور قرآن حکیم کا ہر جملہ قرآنِ پاک کی حقانیت، لانے والے کی حقانیت اور بھیجنے والے کی حقانیت کی نشانی ہے۔ سب سے چھوٹی آیت مُدْهَامَّتَانِ ہے اور سب سے بڑی آیت بقر کے آخری رکوع میں ہے۔آیات اور سورت دو قسم کی ہیں۔مکی۔مدنی

**مکی:** مکی وہ ہیں جو ہجرت سے پہلے اُتریں۔خواہ کہیں اُتری ہوں۔

**مدنی:** مدنی وہ ہیں جو ہجرت کے بعد اُتریں خواہ کہیں اُتری ہوں۔

لہٰذا ہجرت کے بعد جب نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مکہ مکرمہ تشریف لاتے اور وہیں کوئی آیت نازل ہوتی تو اگرچہ وہ اُتری ہے مکہ مکرمہ میں لیکن یہ مدنی کہلائے گی کیونکہ ہجرت کے بعد نازل ہوئی۔لہٰذا سورۂ فاتحہ مکی بھی ہے، مدنی بھی۔خیال رہے کہ پچھلے رسول طالب تھے۔کلامِ الٰہی مطلوب۔اس لئے وہ کتاب لینے خاص جگہ جایا کرتے تھے، حضرت موسیٰ علیہ السلام توریت لینے طور پر تشریف لے گئے۔مگر ہمارے حضور مکی ہیں تو آیات مکی۔جب حضور مدنی ہو گئے تو آیتیں بھی مدنی ہو گئیں۔بہت سی آیتیں حضور کی مرضی کے مطابق اُتریں جیسے تبدیلیٔ قبلہ وغیرہ کی آیات۔

## سورہ فاتحہ کی آیات:

یہ سب مانتے ہیں کہ سورہ فاتحہ میں سات آیتیں ہیں، اس کا نام ''سبع مثانی'' ہے لیکن اس میں اختلاف ہے کہ سات آیتیں کون سی ہیں۔حضرت امام شافعی قدس سرہ کے نزدیک بسم اللہ پہلی آیت ہے اور صِرَاطَ الَّذِيْنَ سے وَلَا الضَّالِّيْنَ تک ایک آیت یعنی عَلَيْهِمْ پر وقف نہیں۔بلکہ ان کے یہاں بسم اللہ ہر صورت کی



پہلی آیت ہے۔اسی لیے ان کے مذہب میں امام بسم اللہ کو بلند آواز سے پڑھتا ہے اور حضرت امام اعظم ابوحنیفہ قدس سرہ کے نزدیک بسم اللہ کسی سورت کا جز نہیں پہلی آیت اَلْحَمْدُ لِلّٰہ ہے اور عَلَيْهِمْ پر وقف ہے۔[تفسیر نعیمی ۱/۲۳]

## سات آیات کی حکمت:

ایک روایت میں ہے کہ اس میں سات آیتیں ہیں۔اور ہر آیت قرآن کے ساتویں حصہ کے برابر ہے۔اور پوری سورت پورے قرآن کے برابر ہے۔اس لئے جس نے ایک بار اس کو پڑھا گویا اس نے پورا قرآن پڑھا۔ [فضائل قرآن، مولانا افتخار احمد قادری، ص۱۴۱]

حضرت امام ناصر بستی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں کہ:

اس سورت میں سات آیتیں ہیں اور خدا نے انسان کے جسم میں ہفت اندام (حصے) پیدا کئے ہیں۔جو شخص ان کو پڑھتا ہے وہ ساتوں دوزخوں سے محفوظ رہتا ہے۔[دلیل العارفین، ص۲۹]

## سورہ فاتحہ کے حروف:

سورہ فاتحہ میں ایک سو چوبیس ۱۲۴ حروف ہیں۔سیدنا سلطان الہند، عطائے رسول، خواجۂ خواجگاں، حضرت خواجہ معین الدین حسن چشتی اجمیری قدس سرہٗ ان حروف کی حکمت وفضیلت بیان کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

''مشائخِ طبقات اور اہل سلوک لکھتے ہیں کہ: اس سورت میں ایک سو چوبیس (۱۲۴) حرف ہیں اور ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر (کم وبیش) گزرے ہیں۔اس سورت کے ہر حرف کے بدلے ہزار پیغمبر کا ثواب ہے، جو ملتا ہے۔

پھر ایک سو چوبیس (۱۲۴) حروف کی تفصیل بیان کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

اَلْــحَــمْــدُ: کے پانچ حرف ہیں۔حق تعالیٰ نے پانچ وقت کی نماز

(فرض) فرمائی ہے۔ جو شخص اسے پڑھتا ہے، تو جو نقص (نقصان) اس نے پانچ نمازوں میں کیا ہے، اللہ تعالیٰ اسے معاف فرما کر اس کی پانچوں نمازوں کو قبول کر لیتا ہے۔

پھر فرمایا:

اَللّٰہ: میں تین حرف ہیں۔ اگر پانچ الحمد کے ملاؤ تو کل آٹھ ہو جاتے ہیں۔ اس کے پڑھنے والے کے لئے اللہ تعالیٰ بہشت کے آٹھوں دروازے کھول دیتا ہے، تا کہ جس دروازے سے اس کی مرضی ہو داخل ہو سکے۔

رَبِّ الْعَالَمِیْنَ: میں دس حرف ہوتے ہیں۔ دس اور آٹھ مل کر اٹھارہ ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اٹھارہ ہزار عالم پیدا کئے ہیں۔ جو شخص یہ اٹھارہ حرف پڑھتا ہے، اسے اٹھارہ ہزار عالم (کی عبادت) کا ثواب ملتا ہے۔

اَلرَّحْمٰن: میں چھ حرف ہیں۔ چھ اور اٹھارہ مل کر چوبیس ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے دن رات کے چوبیس گھنٹے بنائے ہیں۔ جو بندہ ان چوبیس حروف کو پڑھتا ہے، وہ گناہوں سے ایسا پاک ہو جاتا ہے۔ گویا کہ آج ہی ماں کے پیٹ سے پیدا ہوا۔

اَلرَّحِیْم: کے چھ حرف ہیں۔ چھ اور چوبیس مل کر تیس ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے پل صراط بمقدار تیس ہزار سالہ راہ بنایا ہے۔ جو بندہ ان تیس حرفوں کو پڑھتا ہے۔ وہ پل صراط سے بجلی کی طرح گزر جاتا ہے۔

مَالِكِ يَوْمِ الدِّيْن: میں بارہ حرف ہیں۔ بارہ اور تیس ملا کر بیالیس ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے سال کے بارہ مہینے کئے۔ جو شخص ان بارہ حرفوں کو پڑھتا ہے اس کے بارہ مہینے کے گناہ بخشے جاتے ہیں۔

اِيَّاكَ نَعْبُدُ: میں آٹھ حرف ہیں۔ آٹھ اور بیالیس پچاس ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے روز قیامت جو پچاس ہزار سال کے برابر ہوگا پیدا کیا ہے۔ جو بندہ ان پچاس حروف کو پڑھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس سے صدیقوں کا سا معاملہ



کرتا ہے۔

وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ: میں گیارہ حرف ہیں۔ گیارہ اور پچاس مل کر اکسٹھ ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان میں اکسٹھ دریا پیدا کئے ہیں۔ جو شخص ان اکسٹھ حروف کو پڑھتا ہے۔ تو اکسٹھ دریاؤں کے قطروں کے موافق نیکیاں اس کے نامۂ اعمال میں لکھی جاتی ہیں۔ اور اسی قدر بدیاں (برائیاں) اس کے نامۂ اعمال سے مٹائی جاتی ہیں۔

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْم: میں انیس حرف ہیں۔ انیس اور اکسٹھ اسی ہوتے ہیں۔ جو دنیا میں شراب پیتا ہے اسے درے لگانے کا حکم ہے۔ (اللہ تعالیٰ) اس کے پڑھنے والے کو اسی درے معاف کرتا ہے۔

صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّيْنَ ۔ آمِیْن۔ میں چوالیس حروف ہیں۔ چوالیس اور اسی ملا کر ایک سو چوبیس ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر پیدا کئے ہیں۔ جو ان ایک سو چوبیس حروف کو پڑھتا ہے۔ اسے ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر کا ثواب ملتا ہے۔ [دلیل العارفین، ص ۲۹-۳۰]

## سورہ فاتحہ میں سات حروف نہیں:

سورۂ فاتحہ بالکل رحمت کی سورت ہے۔ اس لئے اس میں اللہ تعالیٰ کے قہر، جبر اور عذاب وغیرہ کا ذکر نہیں۔ بلکہ اس میں وہ حروف بھی نہیں آئے جو جہنم وغیرہ کے اول میں آتے ہیں چنانچہ اس سورت میں سات حرف نہیں۔

۱- ث:- اس میں نہیں ہے۔ ثبور کا پہلا حرف ہے، جس کے معنی ہیں ہلاکت۔ اس کا پڑھنے والا ہلاکت سے محفوظ رہے گا۔

۲- ج:- اس میں نہیں ہے۔ جہنم کا پہلا حرف ہے، جس کے معنی ہیں دوزخ۔ اس کے پڑھنے والے کو جہنم سے نجات ہے۔

۳- خ:-اس میں نہیں ہے۔خزی کا پہلا حرف ہے،جس کے معنی ہیں خواری اس کے پڑھنے والے کو کبھی خواری نہ ہوگی۔ ہمیشہ مامون رہے گا۔

۴- ز:-اس میں نہیں ہے۔زفیر اور زقوم کا پہلا حرف ہے۔زفیر کے معنی ہیں دوزخیوں کی آواز اور زقوم کے معنی ہیں جہنمیوں کی غذا۔اس کا پڑھنے والا دونوں سے مامون ومحفوظ رہے گا۔

۵- ش:-اس میں نہیں ہے۔شہیق اور شقی کا پہلا حرف ہے۔شہیق کے معنی ہیں جہنمیوں کی آواز اور شقی کے معنی ہیں بد بخت۔اس کا پڑھنے والا جہنمیوں کی آواز سے محفوظ رہے گا۔ نیز اس کا پڑھنے والا شقی نہیں ہوسکتا۔

۶- ظ:-اس میں نہیں ہے۔ظلم وظلمت کا پہلا حرف ہے۔اس کا پڑھنے والا ظلم وظلمت سے محفوظ رہے گا۔

۷- ف:-اس میں نہیں ہے۔فراق وفرقت کا پہلا حرف ہے۔اس کے پڑھنے والے کو فراق وفرقت کی مصیبت سے نجات ہے۔[دلیل العارفین،ص۲۸-۲۹]

## سورۂ فاتحہ کے فضائل:

سورہ فاتحہ کہنے کو تو یہ قرآن مجید کی سورتوں میں سے ایک سورت ہے اور کل سورتیں ایک سو چودہ ہیں۔ بڑی ضخیم، بڑی ادق، بڑی دل آویز، لیکن اس سورت کی شان ہی نرالی ہے۔ یہ وہ مختصر لیکن حقائق ومعانی سے لبریز، دل نشیں ودل آویز جلیل القدر سورت ہے جس سے قرآن مقدس کا آغاز ہوتا ہے، جس نے تاریخ انسانی کا رخ موڑ دیا، جس نے فکر ونظر میں انقلاب پیدا کر دیا، جس نے قلب وروح کو نئی زندگی بخش دی، قرآن کریم کی سورتوں میں سب سے زیادہ فضیلت وعظمت اسی کو حاصل ہے۔ یہ قرآن مجید کا خلاصہ ہے۔قرآن تفصیل ہے اور سورہ فاتحہ اس کا اجمال ہے۔ یہ



حکمت ودانش کا خزانہ اور حقیقت ومعرفت کا گنجینہ ہے۔یہ سات قطرے ہیں جس میں سات سمندر سمودیئے گئے ہیں۔اس سورۂ مبارکہ کے ہر لفظ، ہر حرف، ہر زیروزبر اور ہر نقطہ میں معرفت کا نور ہے، کوثر کا رنگ ہے، بہشت کے پھولوں کی مہک ہے، مہر وماہ کی تابانیاں ہیں اور عشق ووجدان کی جنوں خیزیاں ہیں۔

حضور رحمت عالم نور مجسم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ سورۂ فاتحہ کی مثل تورات وانجیل وزبور میں کوئی سورت نہ اتری۔[ترمذی شریف]

ایک مرتبہ ایک فرشتہ نے آسمان سے نازل ہوکر بارگاہ نبوت میں عرض کی کہ یارسول اللہ مبارک ہو! آپ کو دو نور ایسے ملے کہ جو کسی کو نہ ملے۔ایک سورہ فاتحہ اور دوسری سورہ بقرہ کی آخری آیتیں۔[مسلم شریف ۱/۲۷۱،نسائی شریف ۱/۱۴۵]۔

حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایک سفر میں تھے۔آپ نے ایک جگہ پڑاؤ کیا۔آپ کے پہلو میں ایک شخص اترا۔اس کی طرف نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم متوجہ ہوئے اور فرمایا، کیا میں تمہیں قرآن کی سب سے افضل سورت نہ بتادوں؟ اس نے کہا: کیوں نہیں؟ حضور نے فرمایا اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِین ہے۔[ترغیب: ج۲،ص۶۱۶، حاکم، ج۱ص۵۶۰]

ایک روایت میں ہے: حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حضور رحمت عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا اے جابر کیا میں تم کو قرآن کی نازل شدہ سب سے اچھی سورت نہ بتادوں۔یہ سورۂ فاتحہ ہے۔یہ ہر مرض کے لئے شفا ہے۔[کنزالعمال: ج۱،ص۴۹۶]

رسول معظم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: سورۂ فاتحہ خزانہ عرش کے نیچے سے نازل ہوئی ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ اللہ نے آسمان سے ایک سو چار کتابیں اور صحیفے اتارے مگر سو کتابوں کے علوم چار میں رکھے۔یعنی تورات، زبور، انجیل اور فرقان۔

پھران چار کے علوم سورہ فاتحہ میں رکھے گئے۔ لہٰذا جس نے سورۂ فاتحہ سیکھ لی اس نے ساری آسمانی کتابیں سیکھ لیں۔ اور جس نے سورہ فاتحہ پڑھ لی اس نے تمام آسمانی کتابیں پڑھ لیں۔[ تفسیر کبیر، ج۱،ص۱۷۸]

سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کیا میں تمہیں قرآن کی سب سے عظیم سورت نہ بتادوں؟ وہ یہ ہے کہ الحمد لله رب العالمين یعنی سورۂ فاتحہ یہی سبع مثانی اور قرآن عظیم ہے جو مجھے عطا ہوئی۔[ بخاری، ج ۲،ص ۶۶۹، ابوداؤد ا/ ۲۰۵]

ایک روایت میں ہے کہ جس وقت یہ سورت اتری اس وقت حضرت جبرائیل امین علیہ السلام کے ساتھ ستر ہزار فرشتے آئے تھے۔[ تفسیر روح البیان]

مفسرین کرام نے فرمایا:

سورہ فاتحہ قرآن کریم کا دیباچہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ پارے کے نام کا آغاز الٓمّ سے ہوتا ہے۔ امام فخر الدین، امام جلال الدین سیوطی، امام اسمٰعیل حقی حنفی علیہم الرحمۃ والرضوان اور دیگر مفسرین کرام نے لکھا ہے کہ جمیع علوم کتب اربع ،تورات، زبور، انجیل اور فرقان میں ہیں۔ ان کے علوم قرآن کریم میں اور قرآن کریم کے تمام علوم سورۂ فاتحہ میں۔ اور صاحب روح البیان نے لکھا ہے کہ جملہ علوم بسم اللہ کی باء کے نقطہ میں ہیں۔

امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: وہی نقطہ ''میں'' ہوں۔ یعنی اس کے علوم میرے سینے میں محفوظ ہیں۔ اس کی تائید ان کے اس فرمان سے بھی ہوتی ہے۔ آپ نے ارشاد فرمایا: لو شئت ان اوقر سبعين بعيرا من تفسير ام القرآن لفعلت۔ اگر میں چاہوں تو فاتحہ کی تفسیر کے ستر اونٹ کا بوجھ لکھ دوں۔ [ تفسیر کبیر]

سلطان الہند، عطائے رسول خواجۂ خواجگان حضرت خواجہ معین الدین



حسن چشتی اجمیری سنجری قدس سرہٗ نے ارشاد فرمایا :

ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بیٹھے تھے اور یار آں حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے گرداگرد بیٹھے تھے، فرمایا کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے بہت سی کرامتیں عنایت فرمائی ہیں کہ جبرائیل علیہ السلام نے آکر کہا کہ حکم الٰہی ہے کہ میں نے تیرے پاس جو کتاب بھیجی ہے، اس میں ایک ایسی سورت ہے کہ اگر وہ تورات میں ہوتی تو موسیٰ علیہ السلام کی امت سے کوئی شخص یہودی نہ ہوتا، اگر انجیل میں ہوتی تو کوئی عیسائی بت پرست نہ ہوتا۔ اگر زبور میں ہوتی تو کوئی شخص داؤد علیہ السلام کی امت سے مغنی نہ بنتا۔ اس واسطے یہ بھیجی گئی ہے تا کہ اس کی برکت کے بعد تیری امت اللہ تعالیٰ سے مدد حاصل کرے اور قیامت کے دن دوزخ کے عذاب سے خلاصی پاوے۔ آں حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا وہ کون سی سورت ہے؟ ۔ فرمایا کہ وہ سورۂ فاتحہ ہے۔ پھر جبرائیل امین علیہ السلام نے کہا: مجھے اس خدا کی قسم جس نے آپ کو پیغمبر بنا کر بھیجا، اگر روئے زمین کے دریا سیاہی اور تمام درخت قلم بن جاویں اور ساتوں آسمان اور ساتوں زمینیں کاغذ ہو جائیں اور ابتدائے عالم سے لے کر سب فرشتے اور آدمی اس کے فضائل لکھتے رہیں۔ تو اس کی ایک فضیلت بھی نہ لکھ سکیں۔[ دلیل العارفین، ص ۲۷، ۲۸]

# ہندوستان میں سلسلۂ چشتیہ کی قدامت

**پروفیسر غلام یحییٰ انجم**
**ہمدرد یونیورسٹی، نئی دہلی**

احسان جسے عہد حاضر میں تصوف سے تعبیر کیا جاتا ہے، اس طریقۂ عبادت کا نام ہے جس میں عابد تصور کرے کہ وہ معبود کو دیکھ رہا ہے اور اگر یہ ممکن نہیں تو کم از کم یہ تصور ہو کہ معبود اسے دیکھ رہا ہے۔ اگر یہ طریقۂ عبادت کسی بندے میں پایا جائے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اس بندے کے دل سے دنیا و مافیہا کے خیالات محو ہیں۔ عبادت کا یہ انداز یا تو صحابہ و تابعین میں تھا یا پھر اولیا و بزرگان دین میں۔ چوں کہ یہ کیفیت انتہائی مجاہدہ و ریاضت کے بعد پیدا ہوتی ہے، اس لئے ہر عابد میں یہ کیفیت پیدا ہونا ممکن نہیں۔ خیر القرون میں جو شخصیات ان کیفیات سے وابستہ تھیں، وہ صحابہ و تابعین تھے۔ بعد کے ادوار میں ان کیفیات سے وابستہ ہونے والوں کو نساک و عبّاد کہا گیا لیکن جب انسان نے پوری طرح تصوف کا لبادہ اوڑھ لیا تو دوسری صدی ہجری میں انہیں صوفی کے لقب سے یاد کیا جانے لگا۔ دوسری صدی ہجری میں سب سے پہلے یہ لقب حضرت ابو ہاشم کوفی کے لئے استعمال ہوا پھر بعد میں تمام مشائخ و بزرگان دین اسی لقب سے مخاطب کئے جاتے رہے اور ان حضرات نے بھی مجاہدہ و ریاضت کے ذریعہ جس طرح تزکیۂ نفس کا فریضہ انجام دیا اور دلوں میں خوف الٰہی پیدا کرنے کی جس طرح جدو جہد فرمائی، وہ بلاشبہ ان مشائخ و بزرگان دین کا اہم کارنامہ ہے۔ جن صوفیا و مشائخ نے اس اہم کام کو آگے بڑھایا، ان میں تمام سلاسل، سلسلہ قادریہ،



چشتیہ، سہروردیہ اور نقشبندیہ کے مشائخ کرام شامل ہیں۔ برصغیر میں یکے بعد دیگرے یہ سلاسل آئے اور انہوں نے جس تندہی کے ساتھ احقاق حق اور ابطال باطل کا فریضہ انجام دیا، وہ آج ہم سب کے لئے مشعل راہ ہے۔ تاریخ مشائخ قادریہ جلد اول میں ہے:

''سلاسل قادریہ، چشتیہ، سہروردیہ اور نقشبندیہ نے ہندوستان میں زیادہ شہرت حاصل کی۔ ہر ایک نے اپنی جامع تعلیمات سے ایک خلقت کو اپنے سے قریب کیا۔ اپنی کچھ انفرادی خصوصیات کی بنا پر سلسلہ چشتیہ کو زیادہ شہرت حاصل ہوئی عوام الناس کا اکثر طبقہ اسی سلسلہ سے وابستہ ہے۔ سلسلہ قادریہ اور نقشبندیہ سے اہل علم وابستہ ہوئے۔ علما کی بھاری اکثریت سلسلہ قادریہ سے متعلق ہے اور آج بھی علما و فضلا کے طبقہ میں جو مقبولیت سلسلہ قادریہ کو حاصل ہے اور کسی سلسلہ کو نہیں۔ (۱)

ہندوستان میں سب سے پہلے چشتیہ، اس کے بعد سلسلہ قادریہ اور راقم کی تحقیق کے مطابق سلسلہ قادریہ اور چشتیہ دونوں ساتھ ساتھ ہندوستان آئے۔ سلسلہ سہروردیہ اور پھر سلسلہ نقشبندیہ علی الترتیب ہندوستان میں وارد ہوئے۔ مگر اس سلسلے میں بعض مصنفین نے اپنا جداگانہ نقطہ پیش کیا ہے۔ پروفیسر خلیق احمد نظامی لکھتے ہیں:

پندرھویں صدی کے وسط میں قادریہ اور شطاریہ سلسلے ہندوستان میں قائم ہوئے۔ قادریہ سلسلہ کو شاہ نعمت اللہ قادری نے ہندوستان میں قائم کیا۔ سید محمد غوث گیلانی، مخدوم شیخ عبدالقادر ثانی، سید موسیٰ، شیخ محدث عبدالحق دہلوی نے اس سلسلہ کو عہد مغلیہ میں فروغ دیا۔ (۲)

پروفیسر نثار احمد فاروقی نے سلسلہ قادریہ کے تعلق سے تو یہاں تک لکھا ہے کہ یہ سلسلہ تمام سلاسل کے بعد ہندوستان آیا۔ وہ اپنی کتاب نقد ملفوظات میں فرماتے ہیں:

''سلسلے کی باقاعدہ تنظیم اور خلفا و جانشین نامزد کرنے کا طریقہ تقریباً چھٹی صدی ہجری سے ملتا ہے۔ سلسلوں کی تنظیم کے بعد پہلے چشتی اور سہروردی سلسلے

ہندوستان آئے پھر نقشبندی آئے یہی تین بڑے سلسلے ہیں۔دوسرے سلسلے یہاں دیر میں پہنچے اور زیادہ فروغ بھی نہیں پا سکے،اس لئے ہم انہیں نہیں گنا رہے ہیں'' (۳)

یہ دونوں حضرات چشتی مصنفین تھے۔انہوں نے اپنے سلسلے کی عظمت کا پاس رکھتے ہوئے واضح طور پر لکھا مگر ساتھ ہی ساتھ فاروقی صاحب نے سلسلہ قادریہ کے تعلق سے جو اظہار خیال کیا وہ رغبت سلسلہ پر مبنی معلوم ہوتا ہے۔فاروقی صاحب کی یہی وہ عبارت تھی جس نے ہمیں تاریخ مشائخ قادریہ پر لکھنے کے لئے قلم اٹھانے پر مجبور کیا اور ہم نے جدید قدیم کتب ومجلّات اور شاہی دستاویزات وفرامین سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ یہ دونوں اہم سلسلے ایک ساتھ ہی ہندوستان آئے اور اپنی شبانہ روز مساعی سے ہندوستان کے گوشے گوشے میں پھیل گئے۔

سلسلہ چشتیہ کے بانی کی حیثیت سے حضرت ابواسحاق شامی علیہ الرحمہ [م ۳۲۹ھ] کا نام آتا ہے۔انہوں نے ہی اس سلسلہ کی داغ بیل ڈالی اور یہ سلسلہ ''چشت'' کے نام سے انہی کی ذات سے مشہور ہوا۔اس سلسلہ کی وجہ تسمیہ بیان کرتے ہوئے صاحب سیر الاقطاب لکھتے ہیں:

''حضرت خواجہ (ممشا دعلو دینوری) خرقہ بدو عنایت فرمود وخلیفہ خود ساخت ہمدراں ساعت آواز آمد کہ اے ابو اسحاق تو مقبول حضرت ماشد پس ہمچناں شدو بسیار از دولت وے بمنزل رسید وذات بابرکاتش مبدای چشتیاں گردید وایں سلسلہ بعد ش بچشت مشہور ومخاطب گردید'' (۴)

صاحب سیر الاقطاب کے اس موقف کی وضاحت کرتے ہوئے معین الارواح کے مصنف لکھتے ہیں:

''شرف بیعت واردات سے مشرف ہوئے تو خواجہ ممشاد علی دینوری نے دریافت فرمایا کہ تیرا نام کیا ہے تو آپ نے فرمایا کہ اس عاجز کو ابواسحاق شامی کہتے ہیں۔آپ نے فرمایا: آج سے ہم تجھے ابواسحاق چشتی کہیں گے اور جو بھی تیرے سلسلے میں تا قیام



قیامت داخل ہوگا وہ بھی چشتی کہلائے گا پس خواجہ ابواسحاق شامی حسب فرمان مرشد چشت (جو ہرات سے تیس کوس کے فاصلے پر ہے) تشریف لائے اور رشد و ہدایت میں مصروف ہو گئے۔آپ کے سلسلہ کے مشائخ میں حضرت خواجہ ابواحمد چشتی،حضرت خواجہ محمد چشتی، خواجہ ابو یوسف چشتی،اور حضرت قطب الدین مودود چشتی بھی چشت میں قیام پذیر ہوئے، بایں وجہ سے یہ سلسلہ چشتیہ کے نام سے مشہور ہوا۔چونکہ مذکورہ بالا حضرات خواجہ غریب نواز کے پیران عظام ہیں،اس لئے غریب نواز بھی چشتی کہلائے۔(۵) صاحب سیر الاقطاب دوسری جگہ اس سلسلے کی توضیح کرتے ہوئے اس طرح فرماتے ہیں:

''بدیں جہت چوں آں شمس الاولیا بخدمت پیر خود شتافت ودر بغداد دولت پای بوسی مشرف شد وفی الفور فرمود کہ چہ نام داری؟ گفت بندہ را مردم ابواسحاق چشتی می گویند۔آں حضرت بعنایت بے غایت فرمود کہ شما خواجہ چشت ہستید واسلام چشت زبرکت قدوم شما بعد از آنکہ چوں خلافت یافت و برخصت پیر خود در چشت تشریف آورد بخواجہ چشت مشہور گردید'' (٦)

(اس طرح شمس الاولیا نے جب اپنے مرشد کی خدمت میں قدم بوسی کا شرف حاصل کیا تو انہوں نے فوراً آپ کا نام دریافت کیا،آپ نے فرمایا مجھے لوگ ابو اسحاق چشتی کہتے ہیں۔حضرت نے از راہ عنایت بے غایت مجھ سے فرمایا کہ تم خواجہ چشت ہو،چشت میں اسلام آپ کی قدم کی برکت سے فروغ پائے گا پھر آپ کو خلافت نصیب ہوئی اور اپنے پیر سے رخصت ہو کر آپ چشت تشریف لائے اور خواجہ چشت کے نام سے شہرت حاصل کی)

چشتی مورخین نے ہندوستان میں سلسلہ چشتیہ کے بانی حضرت خواجہ غریب نواز علیہ الرحمتہ والرضوان کی آمد کے بارے میں مختلف الخیال ہیں مگر اس بارے میں سب کا اتفاق ہے کہ یہ سلسلہ چھٹی صدی ہجری میں ہندوستان آیا۔مگر خواجہ صاحب چھٹی صدی ہجری میں ہندوستان کب آئے،یہ بحث محل نظر ہے۔سلسلہ چشتیہ کی مستند

کتاب معین الارواح کے مصنف کی تحقیق کے بموجب خواجہ صاحب نے ہندوستان کے متعدد اسفار کئے:

۱- خواجہ غریب نواز نے ہندوستان کا پہلا سفر بغداد سے ۵۵۷ھ سے ۵۶۲ھ کے درمیان کیا۔ اس سفر میں خواجہ صاحب کا اجمیر آنا نہیں ہوا۔ ہندوستان میں کن مقامات کا آپ نے دورہ کیا اس کی بھی کوئی تفصیل نہیں ملتی۔

۲- دوسرا سفر خواجہ غریب نواز نے مدینہ منورہ سے کیا۔ مدینہ منورہ سے پہلے بغداد گئے اور پھر بغداد سے ہندوستان تشریف لائے۔ آپ کا یہ سفر ۵۸۵ھ اور ۵۸۶ھ کے درمیان ہوا تھا۔ اس سفر میں آپ اجمیر شریف بھی تشریف لائے۔ (راقم نے اسی سفر میں آپ کی معیت میں سیدنا سیف الدین عبد الوہاب جیلانی علیہ الرحمۃ الرضوان کی آمد کو مناسب سمجھا ہے۔)

۳- خواجہ غریب نواز نے ہندوستان کا تیسرا سفر ۵۸۷ھ یا ۵۸۸ھ میں کیا۔ اس سفر میں بھی آپ اجمیر شریف تشریف لائے۔

۴- چوتھا سفر بغداد شریف سے ہندوستان کا ۵۹۸ھ سے ۶۰۲ھ کے درمیان ہوا۔ اس سفر میں آپ اجمیر شریف اور دہلی بھی تشریف لائے۔

خواجہ صاحب جب سفر دوم میں اجمیر شریف تشریف لائے تو اس وقت وہاں راجہ رائے پتھوار کی حکومت تھی۔ اس کا اعتراف بیشتر مورخین نے کیا ہے۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے اخبار الاخیار جہاں آرا بیگم بنت شاہجہاں نے رسالہ مونس الارواح، بابولال نے وقائع شاہ معین چشتی اور صاحب مفتاح التواریخ نے اکبر نامہ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ سلطان معزالدین سام کے غزنی سے اجمیر آنے سے پہلے (خواجہ معین الدین چشتی) اپنے پیر سے اجازت لے کر ہندوستان آئے تھے اور اجمیر میں کہ وہاں فرمانروائے ہندوستان رائے پتھوار رہتا تھا اقامت اختیار کی"۔(۷)

یہ بات اہل علم بخوبی جانتے ہیں کہ ہندوستان اس زمانے میں کفرستان تھا



اور آج بھی ہے لیکن مسلمانوں کے ساتھ جو تعصب اس دور میں برتا جاتا تھا، آج اس میں کافی حد تک کمی آ گئی ہے۔ پہلے تو حال یہ تھا کہ تقریباً تمام ہی آبادی اہل ہنود کی تھی جو مسلمانوں کا چہرہ دیکھنا گوارا نہیں کرتے تھے، سماج سے اس منافرت کو دور کرنے کے لئے مبلغ بھیجنا ضروری تھا۔ دربار رسالت سے اسی عظیم مقصد کے تحت خواجہ صاحب ہندوستان آئے اور اجمیر پہنچ کر اپنی تبلیغی سرگرمیوں کا آغاز فرمایا۔ اجمیر کی سرزمین پر آپ نے کس جگہ نزول اجلال فرمایا اس میں بھی اختلاف ہے۔ صاحب احسن السیر کے بقول اس جگہ قیام فرمایا جہاں اس وقت اولیا مسجد ہے۔ سیر الاقطاب میں یہ روایت بھی درج ہے کہ:

"جب آپ نے لب اناساگر قیام فرمایا تو کسی نے آپ سے کہا، یہ وہی مقام ہے جہاں میر سید حسین خنگ سوار نے اس وقت قیام کیا تھا، جب وہ اجمیر تسخیر کرنے آئے تھے"(۸)

جب خواجہ صاحب نے ہندوستان کا رخ کیا تو ادائے حج کے بعد مدینہ منورہ پہنچ کر ایک عرصہ تک بقول بعض مسجد قبا میں مشغول عبادت رہے۔ انہی ایام میں ایک دن آپ کو دربار رسالت سے بشارت ہوئی کہ اے معین الدین تو میرے دین کا معین ہے۔ میں نے ولایت ہندستان تجھ کو عطا کی۔ وہاں کفر وظلمت پھیلی ہوئی ہے تو اجمیر جا۔ تیرے وجود سے ظلمت کفر دور ہوگی اور اسلام رونق پذیر ہوگا۔ آپ اس بشارت سے بہت خوش ہوئے مگر حیران تھے کہ الٰہی اجمیر کہاں ہے؟ اور کون سا مقام ہے؟ اتنے میں آپ کی آنکھ لگ گئی اور سرور عالم ﷺ نے آپ کو عالم رویا میں اپنی زیارت سے مشرف فرما کر طرفۃ العین میں آپ کو تمام شہر وقلعہ کوہستان واجمیر کا دکھایا اور ایک انار بہشتی عطا فرما کر رخصت کیا۔ صاحب سیر الاقطاب نے اس میں یہ بھی اضافہ کیا ہے کہ سرکار دو عالم ﷺ نے فرمایا: میرے فرزندوں میں سے سید حسین بہ نیت جہاد اجمیر گیا تھا، وہاں وہ شہید ہوگیا۔ تمہارے جانے سے وہاں اسلام آشکار ہوگا۔ مصنف کی اصل عبارت یہ ہے:

”نقل است کہ وقتے آں حضرت برکاب سعادت پیر خود بمکہ معظّمہ رفت ، حضرت پیر دستگیر زیر تاوداں ایستادہ در باب آنحضرت دعا ہانمود۔ آواز آمد کہ معین الدین دوست ماست اور اقبول کردم برگزیدم باز ازانجا بروضہ منورہ مقدسہ حضرت سرور کائناتﷺ رفتند وفرمودند معین الدین سلام کن سلام کرد آواز آمد علیک السلام یا قطب المشائخ بعد ازاں بہ بغداد آمد حضرت پیر معتکف شدند پس ایشان رابمسافرت نمودند و نعمتی کہ از خواجگان رسیدہ بود مرحمت فرمودند و پیر روشن ضمیر ایشاں اکثر اوقات می فرمودند کہ معین الدین ما محبوب الٰہی است۔ مراازمریداووازمریدانش فخر تمام است“ (۹)

صاحب معین الدین الارواح نے اس بیان کی تائید کی ہے اور لکھا ہے کہ:

”مخدوم جہانیاں گشت علیہ الرحمہ نے اپنے سفرنامے میں لکھا ہے کہ حضرت خواجہ کے مزار کے پائیں ایک درخت انار کا میری حاضری کے وقت تھا۔ روزانہ سات پھل اس سے اترتے تھے۔ جو شخص اس انار کو اپنے یہاں فرزند ہونے کی نیت سے کھالیتا بحکم ربی وہ صاحب اولاد ہوجاتا“ (۱۰)

خواجہ غریب نواز کی حضرت سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی سے قرابت بھی تھی۔ یہ قرابت کس طرح کی تھی؟ صاحب معین الارواح لکھتے ہیں:

”غریب نواز کی والدہ محترمہ غوث پاک کی چچازاد بہن ہیں۔ اس رشتے سے غوث پاک حضرت خواجہ غریب نواز کے ماموں ہوتے ہیں۔ (۱۱) مدینہ منورہ سے واپسی کے بعد حضرت خواجہ غریب نواز بغداد شریف تشریف لائے اور مرجع ولایت سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی سے ملاقات کی۔ حضرت خواجہ غریب نواز کا غوث اعظم حضرت سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی سے دو بار ملاقات ہونا ثابت ہے۔ ایک بار ملاقات بغداد میں مدینہ شریف سے واپسی پر ہوئی اور دوسری مرتبہ ملاقات اس وقت ہوئی جب غوث اعظم جیلان میں جودی پہاڑ کے دامن میں معتکف تھے۔ اس ملاقات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے چشتی مصنف صاحب سیر الاقطاب لکھتے ہیں:



”حضرت خواجہ ہمانجا نزول اجلال فرمود با حضرت غوث اعظم رضی اللہ تعالی عنہ ملاقات کردہ باہم نشستند وبکلمہ وکلام مشغول بودند“ (۱۲)

خواجہ صاحب علیہ الرحمہ کی غوث اعظم سے نہ صرف ملاقات ثابت ہے بلکہ یہ بھی ثابت ہے خواجہ غریب نواز نے اپنے ماموں غوث اعظم سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی سے خرقہ خلافت بھی پہنا تھا۔

صاحب اقتباس الانوار نے زبدۃ الحقائق ملفوظات خواجہ غریب نواز مرتبہ خواجہ قطب الدین بختیار کاکی سے ایک روایت نقل کی ہے، لکھتے ہیں:

”خواجہ بزرگ بہ اجازت سید کائناتﷺ خرقہ خلافت حضرت غوث اعظم وخال وے رضی اللہ عنہ پوشیدہ است و دراں وقت عمر خواجہ بزرگ پنجاہ سالگی رسیدہ بود و عمر غوث اعظم رضی اللہ عنہ بہ نود ونہ سال بوذ“ (۱۳)

(خواجہ بزرگ نے بہ اجازت (باطنی) سید کائناتﷺ اپنے ماموں غوث اعظم رضی اللہ عنہ سے خرقہ خلافت پہنا ہے۔ اس وقت حضرت خواجہ کی عمر پچاس سال کی تھی اور حضرت غوث اعظم رضی اللہ عنہ کی عمر ننانوے سال کی تھی)

ہندستان کی ولایت کی باگ ڈور سنبھالنے کے لئے بغداد جانا اور غوث پاک سے ملاقات کرنا اس لئے بھی ضروری تھا کہ دفتر ولایت بغداد میں ہے تاکہ وہاں ریکارڈ میں اس کی خانہ پری ہوسکے۔ ہمارے اس موقف کی تائید میں مسالک السالکین کے مصنف مرزا عبدالستار بیگ شہسرامی لکھتے ہیں:

”جب کوئی شخص منصب ولایت پر فائز ہوتا ہے تو پہلے بحکم ایزدی حضرت خواجہ عالم کی خدمت میں حاضر کیا جاتا ہے۔ آں حضرت اس کو آپ کی خدمت میں بھیجتے ہیں۔ آپ اگر اس کو اس لائق پاتے ہیں تو اس کا نام دفتر ولایت میں درج کرتے ہیں اور یہ دستور غوثیت مہد سے جاری ہے اور تا قیام قیامت جاری رہے گا“ (۱۴)

اس روحانی نظام کے تحت حضرت خواجہ غریب نواز بغداد آئے اور حضرت غوث اعظم سے ملاقات کی اور کئی ماہ آپ کی خدمت میں رہ کر استفادہ واستفاضہ کیا۔

ایک روایت یہ بھی ملتی ہے کہ ہندوستان جا کر اشاعت دین حق کا فریضہ انجام دینے کا الہام بغداد شریف میں ہی ہوا تھا۔ ہندوستان کی ولایت کے منصب سے سرفراز ہونے کے بعد از راہ تشکر آپ مدینہ شریف تشریف لے گئے اور سرکار دو عالم ﷺ کی خدمت میں حاضری دی۔ اس حقیقت کا انکشاف ایک چشتی مصنف نے حقیقت گلزار صابری نامی کتاب میں کیا ہے۔ یہ کتاب ساتویں بار ۱۹۹۸ء میں علامہ ارشد القادری کے مقدمہ کے ساتھ جام نور سے شائع ہوئی ہے۔

’’حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری علیہ الرحمہ جس وقت بغداد شریف آئے اس وقت آپ کو الہام ہوا کہ اشاعت اسلام کی خاطر ہندوستان تشریف لے جائیے مگر وہاں جانے سے پہلے مدینہ منورہ ضرور حاضری دیجئے، خواجہ صاحب نے بموجب حکم باطن بغداد شریف سے مدینہ منورہ تشریف لے گئے اور راستے میں اسم اعظم چشتیہ تلاوت فرماتے رہے۔ دوسری محرم ۵۷۰ھ کو بروز شنبہ کے وقت مغرب مدینہ منورہ میں داخل ہوئے۔ تیسری محرم کو آدھی رات کے وقت عالم ارواح میں سرکار دو عالم ﷺ نے آپ کو ایک شیریں انار عنایت کیا اور فرمایا معین الدین! تو اس انار کو کھالے، اس کے کھانے کی برکت سے از روئے باطن ہفت اقلیم تیرے مطیع و فرمانبردار ہو جائیں گے اور ولایت ہند تو جا کر اس کو ترقی دے گا اور دین محمدی کی مدد کرے گا اور میری طریقت کو جاری رکھے گا‘‘ (۱۵)۔

اس واقعہ سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ خواجہ صاحب بغداد شریف تشریف لے گئے۔ جن مورخین نے اس کا اعتراف کیا ہے، ان میں قادری مصنفین کے علاوہ سلسلہ چشتیہ کے بھی اہم مصنفین شامل ہیں۔ خواجہ صاحب نے جب دوسری مرتبہ ہندوستان کا سفر کیا تو فرزند غوث اعظم سیدنا سیف الدین عبدالوہاب جیلانی بھی آپ کے ہمراہ ہوگئے۔ اگر خواجہ صاحب کا یہی ایک سفر ہندوستان کا مانا جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ سلسلہ قادریہ اور سلسلہ چشتیہ دونوں ایک ساتھ ہندوستان آئے اور اگر یہ تسلیم کیا جائے کہ خواجہ صاحب نے ہندوستان کے متعدد اسفار کئے ہیں اور



دوسرے سفر ہند میں فرزند غوث اعظم سیدنا سیف الدین الوہاب جیلانی ہمراہ آئے۔ لہٰذا پہلے سفر ہند کی مناسبت سے یہ کہا جا سکتا ہے کہ مبلغ اسلام اور سلسلہ چشتیہ کے ایک مرشد کی حیثیت سے خواجہ صاحب موجودہ تمام سلاسل میں سب سے پہلے ہندوستان آئے۔ اس طرح سلسلہ چشتیہ کی قدامت واضح ہو جاتی ہے۔ مگر یہ فاصلہ صرف سالوں کا ہے، صدیوں کا نہیں جیسا کہ بعض مورخین کا خیال ہے۔

بہر حال ہندوستان آنے کے بعد خواجہ صاحب نے جس طرح اسلام کی ترویج و اشاعت فرمائی اور کفر کی تاریکی دور فرما کر اسلام کا اجالا فرمایا۔ اس کا ذکر بیشتر سوانح نگاروں نے کیا ہے۔ صاحب سیر الاقطاب لکھتے ہیں:

’’وبہندوستان بیمن قدوم میمنت لزوم طریقہ اسلام ظاہر گشت و سیاہی کفر و شرک از عرصہ روزگار بزودو و براہین ظاہرہ دلائل باہرہ آشکار نمود بدیں وجہ آں حضرت را ہند النبی می خوانند‘‘ (۱۶)

ہندوستان میں اشاعتی سرگرمیوں کے حوالے سے عین الولایت کے مصنف عزیز اللہ شاہ لکھتے ہیں:

’’حضرت خواجہ، رسول خدا کے حکم سے ہند تشریف لائے اور اپنی قوت باطنی سے تاریکی کفر کو دور کر کے سارے ہندوستان کو نور اسلام سے روشن فرمایا۔ سترہ برس کبھی بے وضو نہیں رہے مگر حوائج ضروریہ کے اوقات میں۔ ہمیشہ آنکھیں بند کئے ہوئے مستغرق رہتے تھے۔ نمازوں کے وقت آنکھیں کھولتے اور جس کی طرف دیکھتے ولی ہو جاتا اور جو شخص تین دن آپ کے پاس رہتا، صاحب کشف و کرامت ہو جاتا اور اگر کوئی فاسق آتا، تائب ہوتا۔ کلام مجید کے حافظ تھے، دن رات میں دو ختم کرتے اور جب ختم کر چکتے آواز آتی: اے معین الدین! ہم نے تیرے ختم کو قبول کیا‘‘ (۱۷)

ہندوستان میں اشاعت اسلام کے تعلق سے معین الارواح میں ہے:

’’ہندوستان ہی وہ ملک ہے جہاں دنیا کی تو ہم پرستی ختم ہو جانے کے سیکڑوں برسوں بعد بھی اب تک یہ پرستش جاری ہے۔ آپ نے ہی سب سے پہلے

شمالی ہندوستان میں آ کے علم اسلام وروحانیت بے تیغ وتفنگ بلند فرمایا۔ بلاخوف تیرو شمشیر دشمنان اسلام کے نرغہ میں حضرت امام حسین کی طرح تشریف لائے اور امام حسن کی طرح سلوک وصلح کا رویہ اختیار کر کے ہندوستان میں تبلیغ اسلام کی خدمات بہ حسن وخوبی انجام دیں اور اقتدار اسلام قائم فرمایا''۔(۱۸)

خواجہ صاحب کی ہندوستان میں آمد کے سبب ہندوستان کا نقشہ ہی بدل گیا۔ ہندوستان میں خواجہ صاحب کی آمد کے وقت اور آمد سے پہلے ہندوستان کا حال کیا تھا، اس کا صحیح نقشہ صاحب سیر الاولیا نے ان لفظوں میں کھینچا ہے:

''ہندوستان تا حد برآمدن آفتاب ہمہ دیار کفر وکافری وبت وبت پرستی بود دد متمردان ہند ہر یکے دعوی انا ربکم الاعلی می کردند وخدائے راجل وعلا شریک می گفتند وسنگ وکلوخ ودار درخت وستور وگاو سرگین ایشاں راسجدہ می کردند بظلمت کفر قفل دل ایشاں ومظلم ومحکم بود۔

ہمہ غافل ازحکم دین شریعت ہمہ بے خبرا ز خدا وپیمبر
نہ ہرگز کسے دیدہ ہنجار قبلہ نہ ہرگز شنیدہ کس اللہ اکبر

لیکن جب خواجہ صاحب ہندوستان آئے اور اشاعت اسلام کے تعلق سے جو جدو جہد فرمائی اور لوگوں نے لاکھوں کی تعداد میں اسلام قبول کیا تو ہندستان کا نقشہ ہی بدل گیا صاحب سیر اولیاء پھر فرماتے ہیں۔

''بوصول قدم مبارک آں اہل یقین کہ بحقیقت معین الدین بود، ظلمت ایں دیار بنور اسلام روشن ومنور گشت۔

از تیغ او بجائے صلیب وکلیسا در دار کفر مسجد ومحراب ومنبر است
آنجا کہ بود نعرۂ فریاد مشرکاں اکنوں خروش نعرۂ اللہ اکبر است (۱۹)



## مصادر وماخذ


۱- تاریخ مشائخ قادریہ جلد اول، غلام یحیٰی انجم ص ۳۸ کتب خانہ امجدیہ دہلی ۲۰۰۳ء
۲- تاریخ مشائخ چشت، خلیق احمد نظامی، ص ۳۴ دہلی ۱۹۵۳ء
۳- نقد ملفوظات، نثار احمد فاروقی، ص ۲۰۱ لاہور ۱۹۸۹ء
۴- سیر الاقطاب شیخ محمد الہدیہ چشتی، ص ۵۶ مطبع نامی نول کشور لکھنؤ ۱۹۱۳ء
۵- معین الارواح محمد خادم حسن زبیری، ص ۲۸ آگرہ اخبار برقی پریس آگرہ ۱۹۵۳ء
۶- سیر الاقطاب، ص ۵۶
۷- معین الارواح، ص ۹۲
۸- سیر الاقطاب شیخ محمد الہدیہ چشتی، ص ۱۲۵ مطبع منشی نول کشور لکھنؤ ۱۹۱۳ء
۹- سیر الاقطاب، ص ۱۰۳
۱۰- معین الارواح، ص ۹۷
۱۱- معین الارواح، ص ۲۲
۱۲- سیر الاقطاب، ص ۱۰۶
۱۳- معین الارواح، ص ۵۸
۱۴- مسالک السالکین، دفتر اول، عبد الستار شہسرامی، ص ۳۵۰ آگرہ ب، ت
۱۵- حقیقت گلزار صابری، محمد حسن صابری، ص ۳۸۰ مطبوعہ ۱۵۳۷ھ
۱۶- سیر الاقطاب، ص ۱۰۱
۱۷- عین الولایت، ص ۱۰۲ اعزیز اللہ شاہ نول کشور لکھنؤ ۱۹۵۳ء
۱۸- معین الارواح، ص ۱۰
۱۹- سیر الاولیا، محمد بن مبارک کرمانی، ص ۵۷ مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان لاہور ۱۹۷۸ء

# کیا خواجہ غریب نواز رضی اللہ عنہ کی ملاقات حضرت غوث اعظم رضی اللہ عنہ سے ہوئی؟

شارح بخاری مفتی محمد شریف الحق امجدی

حضرت خواجہ غریب نواز معین الدین حسن سجزی اجمیری قدس سرہٗ کی ملاقات سرکار غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہوئی ہے یا نہیں؟ ایک بہت مستند عالم نے اپنی تقریر میں بیان کیا ہے کہ وہ کاسہ مبارک جس میں انا ساگر کا سارا پانی آ گیا تھا، غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا عطیہ تھا اور بعض چشتی حضرات بیان کرتے ہیں کہ حضرت غریب نواز بغداد سرکار غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کی ضیافت روحانی کے لئے سماع کا انتظام فرمایا اور جب حضرت غریب نواز کو وجد طاری ہوا تو حضرت غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کھڑے ہو کر اپنے عصائے مبارک سے زمین بقوت دبائے رہے۔ لوگوں نے پوچھا کیا بات ہے؟ فرمایا کہ میرے بھائی معین الدین کو وجد طاری ہوا ہے اور اتنا قوی ہے کہ اگر میں زمین کو دبائے نہ رکھوں تو زمین بھی وجد کرنے لگے گی اور زلزلہ آ جائے گا اور مخلوق تباہ و برباد ہو جائے گی۔ کیا یہ دونوں روایتیں صحیح ہیں؟

**الجواب:**

پہلی گزارش یہ کہ کسی بھی مقرر سے کوئی بات سنیں اور اس پر آپ کو کچھ خلجان ہو تو خود اس مقرر سے دریافت کرلیں اور ان کی بیان کی ہوئی کسی روایت پر آپ کو کوئی شبہ ہو تو انھیں سے دریافت کرلیں کہ یہ روایت کس کتاب میں ہے۔ کیونکہ جب انھیں یاد ہوگا



آسانی سے بتا دیں گے اور میرے لئے دشواری یہ ہے کہ نہ تو یہاں ساری دنیا کی سب کتابیں ہی ہیں اور جو ہیں بھی ان سب کو میں نے پڑھا نہیں، اس لئے ایک مجہول روایت کو کسی کتاب میں ہے یا نہیں ہے، بتانا میرے لئے مشکل ہے۔ میں نے ان دونوں حضرات کے حالات پر جتنی معتبر کتابیں پڑھی ہیں کسی میں مجھے نہ تو یہ ملا کہ ان دونوں حضرات کی آپس میں ملاقات ہوئی ہے اور نہ ہی ان دونوں روایتوں میں سے کوئی روایت ملی، ان دونوں روایتوں کا حال یہ ہے کہ کسی معتبر تو معتبر غیر معتبر کتاب میں بھی نہیں ملی۔ ہاں بعض غیر معتبر کتابوں میں ملاقات کا ذکر ہے مگر وہ بھی بغداد شریف میں نہیں بلکہ سرکار غوث اعظم کے مولد شریف جیلان میں، لیکن میں نے اب تک جو سمجھا ہے، وہ یہ ہے کہ ان دونوں بزرگوں کی ملاقات نہیں ہوئی۔ اس کی تفصیل یہ ہے۔ اس پر سارے مورخین کا اتفاق ہے کہ سرکار غوث اعظم رضی اللہ عنہ کا وصال ۵۶۱ھ میں ہوا ہے۔ ''کمال عشق'' مادہ تاریخ وصال ہے اور اس پر مورخین کا قریب قریب اتفاق ہے۔ حضرت غریب نواز رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ولادت ۵۳۷ھ ہے اور اس پر بھی سب مورخین کا اتفاق ہے کہ حضرت غریب نواز کا ۱۵ سال کی عمر میں حضرت ابراہیم قندوزی مجذوب کے تبرک کھا لینے کے بعد دنیا سے دل اچاٹ ہو گیا اور طلب مولیٰ کی آگ بھڑک اٹھی اور اس پر بھی اتفاق ہے کہ اپنے والد ماجد سے جو ترکہ ملا تھا، باغ مکان وغیرہ اس کو فروخت کر کے ایک مدت تک سمرقند و بخارا وغیرہ میں جا کر قرآن مجید حفظ کیا اور علوم ظاہری میں کمال حاصل کیا۔ علم ظاہری کی تکمیل کے بعد مرشد کی تلاش میں نکلے اور قصبہ ہارون میں جا کر حضرت خواجہ عثمان ہارونی قدس سرہ سے مرید ہوئے اور بیس سال تک مرشد کی خدمت میں حاضر رہے۔ بیس سال کے بعد خلافت سے سرفراز فرمائے گئے پھر مدینہ منورہ سرکار اعظم حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہوئے۔ سرکار نے ہندستان کی ولایت عطا فرمائی اور ہندستان روانہ فرمایا۔

اب آپ لوگ خود حساب لگائیں ۱۵ سال کی عمر تک سجز اپنے مولد پاک میں رہے۔ وقائع معین الدین میں ہے کہ بیس سال تک علم ظاہر طلب فرماتے رہے تو یہ ۳۵ سال ہو گئے۔ ۵۳۷ھ میں ولادت ۵۳۷ اور ۳۵، ۵۷۲ اس سے ثابت ہوا کہ ۵۷۲ھ میں غریب نواز نے عراق کا

رخ کیا، جب کہ ۱۱ سال پہلے سرکار غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا وصال ہو چکا تھا۔ پھر ملاقات کیسے ہوئی اور جب ظاہری ملاقات نہیں ہوئی تو کاسہ مبارک عطا فرمانے اور محفل سماع سے ضیافت کرنے کا سوال ہی نہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمارے واعظین پر رحم فرمائے۔ ان کا مقصود عوام سامعین سے داد وتحسین ہوتا ہے۔ ان کو اس سے غرض نہیں ہوتی کہ بات کیسی ہے اور یہ بات آج ہی سے نہیں بلکہ متقدمین کے زمانے سے چلی آرہی ہے۔ حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے موضوعات کبیر میں ایک حکایت نقل فرمائی ہے کہ حضرت امام شعبی جو اجلۂ تابعین میں سے ہیں، فرماتے ہیں کہ میں ایک مسجد میں نماز پڑھنے کے لئے گیا تو دیکھا کہ ایک لمبی داڑھی والے شیخ وعظ بیان کر رہے ہیں، انھیں لوگ گھیرے ہوئے ہیں، اس نے بیان کیا کہ مجھ سے فلاں نے حدیث بیان کی، ان سے فلاں نے حدیث بیان کی، یہاں تک کہ کہا: نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دو صور پیدا فرمایا ہے۔ ہر صور میں دو بار پھونکا جائے گا۔ ایک بیہوشی کے لئے، ایک قیامت کے لئے۔ امام شعبی نے فرمایا کہ میں ان واعظ صاحب کے پاس گیا اور کہا اللہ سے ڈر، اور جھوٹی حدیث مت بیان کر، اللہ تعالیٰ نے صرف ایک صور پیدا کیا ہے جس میں دو بار پھونکا جائے گا تو اس نے کہا کہ اے بدکردار! تو میرا رد کرتا ہے اور اپنا جوتا اٹھا کر مجھے مارنا شروع کیا پھر پورے مجمع نے میری پٹائی شروع کی اور اس وقت تک نہیں چھوڑا جب تک میں نے یہ نہیں کہا کہ اللہ تعالیٰ نے دو صور پیدا کیا ہے تو ان لوگوں نے میری جان بخشی۔

خود میرے ساتھ اس حد تک تو نہیں مگر اس کے قریب قریب کئی حادثے ہو چکے ہیں۔ ایک بہت مشہور معروف مقرر نے بیان کیا کہ جو یہ کہے کہ قبر میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی شبیہ پیش کی جائے گی وہ کافر ہے۔ بعد تقریر میں نے ان کو ٹوکا تو وہ لڑ پڑے۔ سامعین اور اراکین بھی انھیں کے ہمنوا رہے اور وہ میرے مستقل مخالف بن گئے اور اب بھی ہیں۔ اور اب تو مقررین نے آپس میں یہ معاہدہ کر لیا ہے کہ اگر منبر پر شریف الحق رہے گا تو ہم لوگ تقریر نہیں کریں گے۔ خلاصۂ کلام یہ کہ جو شخص بھی غائر نظر سے حضرت غریب نواز قدس سرہٗ کی سوانح کا مطالعہ کرے گا، اسے ماننا پڑے گا کہ حضرت غریب نواز قدس سرہٗ اور حضور غوث اعظم قدس سرہٗ کی باہمی ظاہری ملاقات نہیں ہوئی ہے۔ بعض میاں بابا لوگ اپنی نجی مجلسوں میں فرماتے ہیں کہ میاں ان لوگوں کو کیا خبر؟ سرکار غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی والدہ ماجدہ کی زیارت کے لئے



ایک بار جیلان گئے تھے اور حضرت غریب نواز رضی اللہ تعالیٰ عنہ وہاں تشریف رکھتے تھے، ملاقات ہوئی تھی۔ اب اس کا تجزیہ کیجئے والدہ ماجدہ کی عمر مبارک جب ساٹھ سال ہوگئی تو سرکار غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ولادت ۴۷۰ھ میں ہوئی۔ سرکار کا مادہ ولادت عشق ہے اور حضرت غریب نواز قدس سرہٗ کی ولادت کے وقت سرکار غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی والدہ ماجدہ اگر باحیات رہی ہوں گی تو ان کی عمر مبارک ایک سو ستائیس سال کی ہوئی ہوگی۔ اب ظاہر ہے کہ اگر سرکار غریب نواز قدس سرہ کسی حاجت سے تنہا یا والدین کریمین کے ساتھ جیلان گئے ہوں گے تو ۵۳۷ھ کے بعد ہی گئے ہوں گے، عقلاً تو ممکن ہے کہ اس وقت تک سرکار غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی والدہ ماجدہ باحیات رہی ہوں مگر عادتاً مستبعد ہے۔ پھر میاں بابا لوگ یہ نہیں کہتے کہ دودھ پیتے بچے تھے، جب گئے تھے۔ وہ یہ کہتے ہیں کہ جب سرکار غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی والدہ ماجدہ سے ملاقات کے لئے گئے تھے تو حضرت غریب نواز وہاں چلہ کر رہے تھے۔ اب آپ لوگ خود ہی سوچ لیجے کہ ۵۳۷ھ میں پیدائش، ۱۵ سال گھر رہے، ۲۰ سال علم ظاہر حاصل کرتے رہے۔ چلہ کشی کی ابتدا مرید ہونے کے بعد کی ہوگی لیکن تمام مورخین متفق ہیں کہ ۲۰ سال تک اپنے مرشد کی خدمت میں شب وروز رہے۔ یعنی سرکار غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے وصال کے ۳۲ سال بعد غرض کہ چول کسی طرح نہیں بیٹھتی۔ ہاں یہ روایت صحیح ہے کہ جب سرکار غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا "قدمی ھذہ علی رقبۃ کل ولی اللہ" تو حضور غریب نواز رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا تھا: بل علی عینی وراسی" بلکہ میری آنکھ پر اور میرے سر پر۔ لیکن یہ بغداد میں موجود ہوتے ہوئے نہیں فرمایا تھا، جہاں کہیں بھی تھے وہیں سے سنا اور وہ عرض کیا۔ اب جبکہ ملاقات ہی ثابت نہیں تو کاسہ عطا کرنے اور سماع سے ضیافت کرنے کا سوال ہی ساقط۔

ان عقلی شواہد سے ہٹ کر صحیح یہی ہے کہ سرکار غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بغداد آنے کے بعد ان کی والدہ ماجدہ سے ملاقات نہیں ہوئی۔ بہجۃ الاسرار شریف ص ۸۷ پر ہے کہ والدہ ماجدہ نے رخصت ہوتے وقت فرمایا تھا۔ إذھب قد خرجت عنک للہ فھذا وجہ لاأراہ إلی یوم القیمۃ۔ جاؤ اللہ عزوجل کے لئے، میں اپنے حق سے دست بردار ہوئی، اس چہرے کو میں قیامت تک نہیں دیکھوں گی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

# آستانۂ خواجہ غریب نواز رضی اللہ عنہ کی تاریخی عمارتیں

علامہ مشتاق احمد نظامی

دور ہوکر بھی پاس ہے کوئی
اہتمام نظر کو کیا کیجئے

دارالخیر شہر اجمیر کے گوشہ مغرب وجنوب میں لب جھالرہ سیدی سرکار سلطان الہند معین الدین حسن سنجری اجمیری رضی اللہ عنہ کی درگاہ معلیٰ زیارت گاہ خلائق ہے، جو نہ صرف ہندوستان بلکہ پوری ملت اسلامیہ کی مرکز عقیدت ہے۔

آستانہ کی اندرونی عمارات ایک وسیع رقبہ میں تین بڑے احاطوں پر مشتمل ہیں۔ احاطہ سولہ کھمبہ بھی انہیں سے ملحق ہے۔

(۱) **احاطہ نقارخانہ:**

یہ احاطہ، عثمانی دروازہ، شاہجہانی دروازہ، بلند دروازہ، اور اکبری مسجد وغیرہ پر مشتمل ہے۔

(۲) **احاطہ صحن چراغ:**

اس احاطہ میں سماع خانہ، وسیع صحن، لنگر خانہ اور حجرے وغیرہ ہیں۔

(۳) **احاطہ آستانہ:**

اس احاطہ میں روضہ منورہ، شاہجہانی مسجد، صندلی مسجد، اولیا مسجد، قبور اور حجرے وغیرہ ہیں۔ جھالرہ اور احاطہ چار یاری کا بھی اسی احاطہ سے الحاق ہے۔



(۴) **احاطہ عمارات سولہ کھمبہ:**

اس قطعہ میں شیخ حسین اجمیری اور غریب نواز کے دیگر حضرات آسودہ خواب ہیں۔

(۵) **حدود اربعہ، چوحدی:**

درگاہ کے شمال میں درگاہ بازار، جنوب میں جھالرہ مغرب میں سڑک ترپولیہ دروازہ اور مشرق میں گلی لنگر خانہ ہے۔

درگاہ شریف کے بارہ دروازے ہیں۔ یہ شہر کے مختلف حصوں کو درگاہ سے ملاتے ہیں۔

## احاطہ اول نقارخانہ

### عثمانی دروازہ یا نظام گیٹ:

بیرونی زائرین عموماً اس دروازہ سے داخل ہوتے ہیں۔ درگاہ شریف کا یہ فلک بوس شمال رویہ دروازہ بجانب درگاہ بازار واقع ہے۔ میر عثمان علی خاں سابق والئی دکن نے ۱۳۳۰ھ میں حاضر دربار ہوکر یہ شاہانہ گیٹ تعمیر کرانے کی سعادت حاصل کی۔ تقریباً ہزار روپے اس کی تعمیر میں صرف ہوگئے۔ محراب دروازہ کی چوڑائی ۱۶ فٹ، لمبائی مع دورویہ دالان ۲۷ فٹ، بلندی تقریباً ۷۰ فٹ ہے۔ دروازے کے اوپر نقارخانہ ہے۔ یہاں پنج وقتہ نوبت مع شہنائی بجائی جاتی ہے اور ہر گھنٹہ گھڑیال بھی بجتا ہے۔

منجانب نظام حیدرآباد دکن ایک منتظم، دو چپراسی، دو گھڑیالی، چھ شہنائی نواز اور آٹھ نقارچی وغیرہ مامور ہیں جس کا صرفہ تقریباً پانچ سو روپیہ ماہوار ہے۔

### کلمہ دروازہ:

شاہجہاں نے ۱۰۴۷ھ میں بطور نذرانہ عقیدت اس کی تعمیر کرائی تھی۔ اسی لئے اس کو شاہجہانی دروازہ کہا جاتا ہے۔ محراب دروازہ کی پیشانی پر بخط جلی سنہری حرفوں میں کلمہ شریف لکھا ہے لہذا اس کو کلمہ دروازہ بھی کہتے ہیں۔ دروازہ پر آب زر

سے یہ شعر مرقوم ہے۔

بعہد شاہجہاں بادشاہ دیں پرور
زدود ظلمت کفر آفتاب دیں یکسر

اکبر بادشاہ نے رمضان ۹۸۳ھ میں بنگال فتح کرنے کے بعد دو نقارے وادی درگاہ شریف میں پیش کئے تھے جواب اس دروازہ پر رکھے ہوئے ہیں اور ایک بڑا نقارہ قلعہ چتوڑ میں تھا۔ آٹھ یا دس فٹ اس کا قطر ہے۔ کوسوں تک اس کی یہ آواز پہنچتی تھی۔ جب چتوڑ کا راجہ سوار ہوتا تھا یا قلعہ میں داخل ہوتا تھا اس وقت یہ بجتا تھا تا کہ دور دور تک خبر ہو جائے۔

**اکبری مسجد:**

یونانی شفاخانہ کے متصل ایک بلند زینہ پر اکبری مسجد کا رفیع الشان دروازہ ہے۔ اکبر نے اس مسجد کی تعمیر کا حکم اس وقت دیا تھا، جب وہ جہانگیر کی ولادت کے چھ ماہ بعد اظہار تشکر و نیاز کے لئے شعبان ۹۷۷ھ میں حاضر دربار خواجہ ہوا تھا۔

محراب مسجد ۵۶ فٹ بلند ہے۔ گنبد کے گوشوں پر مرمریں مینار ہیں۔ صحن مسجد میں ایک ہشت پہل حوض تھا، جواب مٹی سے پر کر دیا گیا ہے۔

**بلند دروازہ:**

یہ دروازہ سنگ سرخ سے تعمیر ہوا ہے لیکن اب اس کی سرخی پر چونا کاری کے باعث سفیدی آ گئی ہے۔ اس کی بلندی ۸۵ فٹ ہے، اس کا فرش سنگ مرمر اور سنگ موسیٰ کا ہے۔ محراب میں تین گولے طلائی زنجیروں میں آویزاں ہیں۔ برجیوں میں ڈھائی فٹ لمبی سنہری کلس ہیں۔ دروازہ میں شمال جانب تین مین درجہ کی دو چھتریاں ہیں۔ اوپر چڑھنے کے لئے دو طرفہ زینے ہیں۔ چونکہ یہ درگاہ شریف کی تمام عمارات سے بلند ہے، اس لئے اس کو بلند دروازہ کہتے ہیں۔ مورخین کا عام رجحان یہ ہے کہ اس کی تعمیر سلطان غیاث الدین کے عہد (۱۴۶۹ء-۱۵۰۰ء) میں ہوئی۔



## احاطہ دوم صحن چراغ

**بڑی دیگ:**

یہ دیگ اکبر بادشاہ نے ۹۷۴ھ میں پیش کی تھی۔ چتوڑ پر فوج کشی کے وقت اس نے منت مانی تھی کہ بعد فتح پاپیادہ اجمیر حاضر ہو کر ایک بڑی دیگ دربار خواجہ میں پیش کروں گا۔ چنانچہ فتحیابی کے بعد اکبر نے پاپیادہ سفر کر کے بتاریخ ۷ رمضان ۹۷۴ھ بروز یکشنبہ خواجہ بزرگ کے آستانہ پر نذر و نیاز کے لئے دیگ تیار کرائی۔

بقول ''احسن السیر'' اس میں سومن چاول پکتے ہیں اور بقول کرنل براٹن اس میں سترمن چاول پک سکتے ہیں۔

**چھوٹی دیگ:**

سلطان نورالدین جہانگیر نے یہ دیگ آگرہ میں تیار کرائی۔ آستانہ غریب نواز پر حاضر ہو کر اس میں کھانا پکوایا اور پانچ ہزار فقراء و مساکین کو اپنے سامنے کھانا کھلوایا۔ دیگ کی تیاری کی تاریخ حسب ذیل ہے

ع بدنیا باد دائم نعمت دیگ جہانگیری۔

۸۲ یا ۸۰ من چاول اس میں پک سکتے ہیں۔

**صحن چراغ:**

بلند دروازے سے گزر کر ایک وسیع صحن آتا ہے۔ اس میں پیش بلند دروازہ ایک گنبد نما ہشت پہل خوبصورت چھتری بنی ہوئی ہے۔ اس میں متعدد چراغوں کا حامل ایک چراغ دان ہے، اس لئے یہ صحن چراغ کہلاتا ہے۔ مشہور ہے کہ اس کو اکبر بادشاہ نے پیش کیا تھا۔

**محفل خانہ:**

نواب بشیر الدولہ مدار الہام دولت آصفیہ نے اپنے فرزند معین الدولہ کی

ولادت پر اسے تعمیر کرایا۔ موصوف نے دربار خواجہ میں فرزند ہونے کی منت مانگی تھی۔ خدا نے انہیں اسی سال کی عمر میں بیٹا دیا۔ مراد پوری ہونے پر بطور اظہار تشکر اسی ہزار روپئے کے صرفہ سے یہ رفیع الشان مجلس خانہ تعمیر کرایا۔ یہ عمارت ۴۶ فٹ مربع ہے۔

**خانقاہ:**

یہ عمارت محفل خانہ کی جانب مغرب ہے۔ محفل خانہ کی مغربی دیوار میں ایک دروازہ ہے جس سے خانقاہ کا راستہ ملتا ہے۔ بعد وصال سیدی سرکار غریب نواز کو یہیں غسل دیا گیا تھا۔ اس کی تعمیر کے متعلق اکبر نامہ جلد دوم صفحہ ۴۴ پر ابوالفضل نے لکھا ہے:

عمارت عالی بنا از مسجد و خانقاہ دراں حواشی لمع انداختہ۔

**ترجمہ:** (اکبر) نے ایک مسجد اور اس متصل خانقاہ تعمیر کرائی۔

خانقاہ میں رجب کی پانچ تاریخ سہ پہر کے وقت سالانہ محفل ہوتی ہے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ یہاں سرکار غریب نواز کے اہل خانہ رہتے تھے۔

**حوض و ہمال خانہ:**

محفل خانہ کے سامنے گوشۂ مشرق و جنوب میں ایک حوض اور ایک سبیل ہے، اس حوض کی چھتری "ملکہ مری" (اہلیہ جارج پنجم) کی جانب سے تعمیر ہوئی ۱۹۱۱ء میں ملکہ نے دربار خواجہ میں حاضری دی اور اس موقع پر درگاہ میں کوئی یادگار قائم کرنے کے لئے پانچسو روپے دئے تھے۔ درگاہ کے خزانے سے مزید روپیہ ملا کر یہ چھتری تیار کرائی گئی۔

**لنگر خانہ:**

صحن چراغ کے مشرق میں ٹین کے سائبان کے نیچے لنگر خانہ کا پھاٹک ہے۔ اس پھاٹک سے گزر کر ایک مختصر صحن اور دالان ہے۔ دالان میں ایک لوہے کا بہت بڑا اکڑھاؤ ایک بڑے چولھے پر رکھا ہے۔ اس میں روزانہ جو کی دلیا پکتی ہے اور غربا پر تقسیم کی جاتی ہے۔ اس لنگر خانہ کو اکبر بادشاہ نے غربا و مساکین کی آسائش کے لئے تعمیر کرایا تھا۔



**تاریخی چھتری:**

صحن لنگر خانہ میں پرانے زمانے کی ایک خوبصورت چھتری ہے۔ یہ اس واقعہ کی یادگار ہے جب اکبر بادشاہ اس مقام پر لنگر لینے آیا تھا اور اس کا پیالہ ٹوٹ گیا تھا۔ اسی سال اس تاریخی یادگار کو مسخ کر کے حجرہ بنا دیا گیا۔

## احاطہ سوم درگاہ شریف

**احاطہ چمیلی:**

احاطہ صحن چراغ کی جنوبی دیوار میں احاطہ درگاہ شریف میں جانے کے لئے دروازے ہیں۔ ایک دروازہ سماع خانہ کی دیوار سے ملا ہوا ہے۔ اس دروازے سے احاطہ درگاہ میں داخل ہونے کے بعد داہنی طرف سولہ کھمبہ میں جانے کا راستہ ہے اور بائیں ہاتھ پر مختصر سا احاطہ چمیلی پتھر کی جالیوں میں گھرا ہوا ہے۔ احاطہ کے اندر چند متبرک مزارت ہیں اور حال کے بعض تذکرہ نویسوں نے لکھا ہے۔ یہ مزارات خواجہ بزرگ کی ازدواج کے ہیں، اور یہ چمیلی والی بیوی کے نام سے مشہور ہیں۔

لیکن صاحب احسن السیر کا کہنا ہے کہ مسجد صندل خانہ کی شمالی دیوار کے متصل (احاطہ چمیلی میں) حضرت رفیع الدین بایزید خورد کا مزار ہے۔ ان مزارات پر چمیلی کی بیل چھائی رہتی ہے۔

**شاہجہانی مسجد:**

یہ مسجد روضہ مبارکہ کے مغرب میں شاہجہاں کی بنوائی ہوئی ہے۔ شاہجہاں بعہد شہزادگی اودے پور فتح کر کے جب زیارت کے لئے اجمیر حاضر ہوا، اس وقت اس نے ایک وسیع مسجد بنوانے کا خیال کیا تھا۔ جب وہ تخت نشین ہوا تو اس مسجد کی تعمیر کا حکم دیا جس پر دو لاکھ چالیس ہزار روپئے خرچ ہوئے۔ مسجد کا طول ۹۷ گز شرعی

اورعرض ۲۷ گز شرعی ہے۔ تاریخ حسب ذیل ہے:

قبلہ اہل زماں شد مسجد شاہجہاں

عہد شاہجہانی کے ملک الشعراء ابوطالب حکیم ہمدانی نے حسب ذیل مصرع سے تاریخ تعمیر نکالی ہے ع

کعبۂ حاجات دنیا مسجد شاہجہاں

مسجد نفیس سنگ مرمر کی بنی ہوئی ہے۔ اندرون وسط محراب میں سنہری حروف میں کلمۂ طیبہ لکھا ہوا ہے۔ ۱۲۶۱ھ میں جب تبرکات نبوی دہلی سے لاکر یہاں رکھے گئے، اس وقت کلمہ اور محراب سے آب خنک رسنے لگا تھا۔ بعض لوگ اسے اشک افشانی سے تعبیر کرتے ہیں۔

جب اس مسجد میں نماز جمعہ ہوتی ہے تو چار توپیں (توپ نما نال) داغی جاتی ہیں۔ ایک بوقت ادائیگی سنت، دوسری خطبہ کے وقت، تیسری بوقت اقامت، چوتھی سلام کے بعد۔

**چلہ بابا فرید گنج شکر علیہ الرحمۃ والرضوان:**

اس مقام پر بابا فریدالدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ نے چلہ کشی کی تھی۔ صندلی مسجد کے پیچھے اس کا دروازہ ہے۔ کہا جاتا ہے، پہلے سرکار غریب نواز کے خام مزار کا یہی راستہ تھا، جواب مدت دراز سے وہاں تک پہنچنے کا راستہ بند کردیا گیا ہے۔ چلہ کا دروازہ ہمیشہ مقفل رہتا ہے مگر ہر سال ماہ محرم کی پانچ تاریخ کو کھلتا ہے۔ پانچویں محرم کو بھی لوگ دور دراز سے بغرض زیارت حاضر ہوتے ہیں۔

**جنتی دروازہ:**

اس دروازہ کو ''نکی'' دروازہ بھی کہتے ہیں۔ اس کے کواڑوں پر چاندی کا پتر چڑھا ہوا ہے۔ یہ دروازہ عیدین اور حضرت خواجہ غریب نواز اور حضرت خواجہ عثمان ہارونی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے عرس کے موقع پر کھلتا ہے۔ [ کہتے ہیں ایک مرتبہ حضرت



خواجہ غریب نواز رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کسی خاص نیاز مند کو اس دروازے سے آتے ہوئے جنت کی بشارت دی تھی۔ یاد آتا ہے کہ غالباً وہ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی قدس سرہٗ تھے۔ ۱۲ ساحل]

**چار یاری احاطہ:**

شاہجہانی مسجد کی جنوبی دیوار سے ملحق حوض کے متصل احاطہ چار یاری میں جانے کا ایک چھوٹا سا دروازہ ہے۔ اس احاطہ میں ایک وسیع قبرستان ہے جس میں مولانا حسین الہ آبادی اور بعض دوسرے بزرگوں کے مزارات ہیں۔

**حوض جامع مسجد:**

جامع مسجد کے متصل ایک خوشنما حوض ہے۔ یہ ہمیشہ پانی سے بھرا رہتا ہے۔ اس حوض کے پانی پر سائبان نہیں ہے۔ اس حوض کے متصل اکثر بہشتی بھری مشکیں لئے موجود رہتے ہیں۔ زائرین انہیں پیسے دے کر حوض میں پانی ڈلواتے ہیں۔

**جھالرہ:**

درگاہ شریف کے جنوب میں ایک گہرا چشمہ جھالرہ کے نام سے مشہور ہے۔ درگاہ شریف اور شہر کے بعض محلے اس سے پانی لیتے ہیں۔ درگاہ سے ایک وسیع زینہ اس میں جانے کا ہے، بہشتی اسی زینہ سے پانی بھر کر لاتے ہیں، دوسرا زینہ اس میں سولہ کھمبے کی طرف سے بھی ہے۔ تیسرا زینہ مقبرے کے قریب سے ہے۔ جھالرہ کی مضبوط چہار دیواری شاہجہاں کی بنوائی ہوئی ہے۔

**شاہی گھاٹ:**

لب جھالرہ ارکاٹی دالان اور حوض کے درمیانی صحن کا نام شاہی گھاٹ یا سایہ گھاٹ ہے۔ اس صحن میں سنگ مرمر کی چھتری میں غریب نواز کے صاحبزادے حضرت خواجہ ابوسعید کا مزار ہے۔ اس چھتری کے بائیں میں ایک دوسری مرمریں

چھتری کے اندر حضرت خواجہ کے برادر نسبتی آرام فرما ہیں (سیرۃ الاولیاء، ص ۲۷۷) مگر بقول احسن السیر یہ مزار حضرت خواجہ کے خلف خورد خواجہ ابو صالح (خواجہ حسام الدین) کا ہے۔

**ارکاٹی دالان:**

سایہ گھاٹ کے متصل روضہ منورہ کے پائیں جانب ارکاٹی یا کرناٹکی دالان ہے۔اس میں تین در بجانب روضہ منورہ ہیں۔سنگ سپید کی خوبصورت عمارت ہے۔

**پردہ نشین مستورات کے عبادت خانے:**

روضہ منورہ کے پائیں دروازے ہر دو جانب کرناٹکی دالان کے سامنے سنگ مرمر کے دو چھوٹے سے احاطے ہیں۔بقول سیر الاولیاء صفحہ ۲۷۶، ان میں سے جو مزار بی بی حافظہ جمال کے پائیں میں ہیں، اس میں خواجہ معین الدین خورد خواجہ قیام الدین باہر یال کے مزارات ہیں لیکن صاحب ''احسن السیر'' نے ان مزارات میں شیخ بدہ مخاطب بہ سید الملک مزار کا اضافہ کیا ہے اور ان حضرات کو نبیرہ گان خواجہ بزرگ میں شمار کیا ہے۔

**دالان حاجی وزیر علی خادم درگاہ:**

ارکاٹی دالان اور سبیل سے ملحق یہ دو دالان حاجی وزیر علی خادم درگاہ نے بنوائے ہیں، ان پر مندرجہ ذیل کتبے آویزاں ہیں۔

نقل کتبہ دالان متصل ارکاٹی دالان

یہ عمارت بغرض آسائش زائرین حضرت خواجہ غریب نواز بیادگار قبلہ حاجی سید مردان علی مرحوم مغفور بصرفہ خاص خاک نشین آستانہ علیہ حاجی سید وزیر علی خادم حضرت خواجہ تعمیر ہوئی۔جمادی الاولی ۱۳۵۵ھ

نقل کتبہ دالان متصل سبیل

''یہ عمارت بغرض آسائش زائرین حضور خواجہ غریب نواز رحمتہ اللہ علیہ بیاد



گار قبلہ وکعبہ سید حافظ فتح محمد صاحب ومحترمہ مخدومہ والدہ صاحبہ بصرف خاص خاک نشین آستانہ عالیہ حاجی سید وزیر علی ربیع الاول ۱۳۶۰ھ میں تعمیر ہوئی۔

**مقبرہ شاہ قلی خاں:**

یہ مقبرہ جھالرہ کے مشرق میں ہے۔محرم کی تاریخ کو یہاں تعزیہ رکھا جاتا ہے، اس لئے اس کو امام باڑہ بھی کہتے ہیں۔

**سبیل خواجہ سنجری:**

یہ سبیل حاجی وزیر علی صاحب مرحوم خادم درگاہ شریف نے تعمیر کرائی تھی۔ ربیع الاول ۱۳۶۰ھ میں تعمیر ہوئی۔

**چھتری دروازہ:**

سبیل کے قریب درگاہ شریف کی جنوبی سمت بیرونی زائرین کی زیادہ آمد و رفت اسی دروازہ سے رہتی ہے ایام عرس میں یہ دروازہ شب بھر کھلا رہتا ہے۔خدام صاحبان میں جب کسی کی موت ہوجاتی ہے تو مرنے والے کے رشتہ دار یہاں آکر بیٹھتے ہیں۔

**کھڑکی دروازہ:**

جانب مشرق ہے، اس کے ہر دو جانب حجرے اور سہ دریاں وغیرہ بنی ہوئی ہیں، اسی دروازے کے بائیں ہاتھ پر مخدومی سید نور محمد، نذر محمد صاحب کا حجرہ ہے، یہ آستانہ کے خادم اور کلید بردار ہیں۔انتہائی مخلص، علم دوست، دیندار، مہمان نواز اور غریب پرور ہیں۔یہی حجرہ مولانا سید عبدالحق صاحب، ان کے متوسلین اور ہم لوگوں کی قیام گاہ ہے۔لوگوں کی حاضری محترمی سید نور محمد، نذر محمد صاحب کی معرفت ہوتی ہے۔

**حمیدیہ دالان:**

بیگمی دالان اور کھڑکی دروازے کے درمیان یہ دالان سید عبدالحمید صاحب

خادم درگاہ نے زائرین کی آسائش کے لئے تعمیر کرایا ہے جس کا صرفہ تقریباً پچاس ہزار روپیہ ہے۔ محفل پنجشنبہ کے موقع پر یہاں مستورات بیٹھتی ہیں۔ حسب ذیل تاریخ تعمیر اس پر کندہ ہے:

**سلام باقی غنی مجید**

**نظام سقہ کی قبر:**

یہ قبر حمیدیہ دالان کے قریب ہے۔ سنگ مرمر کے چبوترے کے گرد و جالی دار کٹہرا ہے۔ شاہان مغلیہ کے عہد میں اس مزار پر زریں شامیانہ نقرئی اسنادوں پر کھنچا رہتا تھا۔ جب عالم گیر حاضر دربار خواجہ ہوئے تو اس قبر پر دھوکا ہوا، لوگوں نے عرض کیا یہ قبر تو نظام سقہ کی ہے۔ یہ سن کر عالمگیر نے کہا۔ ''شمع پیش آفتاب پرتو ندارد''۔ جتنی بھی آرائش اس قبر پر تھی اسے لٹوا دیا۔

**اولیا مسجد:**

پہلے یہ قلندری مسجد تھی۔ بقول ''احسن السیر'' چونکہ سرکار غریب نواز اس مقام پر نماز پڑھا کرتے تھے، اس لئے اہل دل وعقیدت کیش اس میں نماز پڑھنے کو زیادہ بہتر تصور کرتے ہیں۔

**احاطہ کوچک سنگ سفید:**

پیش صحن صندل خانہ درمیانی صحن کے بالمقابل بجانب شرق سنگ سفید کا احاطہ ہے۔ اس میں شیخ تاج الدین بایزید بزرگ، ان کے اقربا اور ازدواج کے مزارات ہیں اور بعض تذکرہ میں یہ ہے کہ یہ مزارات یاگار محمد اوران کی زوجہ کے ہیں۔

**بیگمی دالان:**

گنبد شریف کے شرقی دروازے کے آگے یہ دالان جہاں آراء بنت شاہجہاں نے ۱۰۵۳ھ میں تعمیر کرایا تھا۔ اس کی چھت سنگ مرمر کے ستون کی ہے اور



فرش سنگ افشاں ابری اور طلائی کا ہے۔ ۱۸۸۵ء میں اس کی دیواروں اور کھمبوں پر نواب مشتاق علی خاں والئی رام پور نے سنہری کام کرایا اور چھت میں بمبئی کے ایک مسلمان سوداگر نے نقش و نگار بنوائے۔ دالان کی چھت میں بلوریں جھاڑ فانوس آویزاں ہیں۔ ۱۹۴۰ء میں چھت کی ایک پٹی چٹخ گئی تھی، اس کے ٹوٹ کر گر جانے کا اندیشہ تھا۔ ۱۹۴۲ء میں نواب غلام کبریا رئیس جل پائی گوڑی (بنگال) نے اس پٹی کو بدلوا دیا۔ بیگمی دالان کے صحن میں کھرنی کا ایک پرانا درخت ہے جس کے متعلق مشہور ہے کہ یہ درخت مخدوم جہانیاں جہاں گشت سمنانی رضی اللہ عنہ نے اجمیر حاضر ہونے کے وقت نصب کیا تھا۔ کہا جاتا ہے اس کی چھال پانی میں پیس کر اگر مار گزیدہ کو پلائیں تو اچھا ہو جاتا ہے۔

**توشہ:**

بیگمی دالان سے گنبد شریف میں داخل ہوتے ہوئے پہلے ایک خوبصورت شاندار دروازہ آتا ہے۔ اس دروازے سے گزر کر دائیں بائیں سمت دو حجرے ہیں۔ اس میں روضہ مبارکہ کی ضروریات کی چیزیں رکھی رہتی ہیں۔ شمالی توشہ خانہ میں روزانہ کے استعمال کی چادریں، اگردانی، چوبیں اور دیگر سامان متعلقہ رہتا ہے۔ اس میں سات قفل لگے رہتے ہیں۔ ان ساتوں کی کنجیاں سات خدام صاحبان کے پاس رہتی ہیں۔

**روضہ منورہ:**

خواجہ حسین ناگوری نے برسوں حضرت خواجہ غریب نواز کی مجاورت کی ہے۔ یہ حضرت شیخ حمید الدین ناگوری رحمہ اللہ کی اولاد میں سے ہیں۔ اس زمانے میں مزار مبارک خام تھا اور مزار شریف پر عمارت نہیں تھی۔

سلطان غیاث الدین خواجہ حسین ناگوری کو از راہ عقیدت مدعو کرتا، مگر آپ شاہانہ صحبت سے گریز کرتے۔ لیکن سرور عالم ﷺ کے موئے مبارک کی زیارت کرنے کے لئے آپ سلطان کے پاس تشریف لے گئے۔ بادشاہ نے تحائف پیش

کئے مگر آپ نے قبول نہ کئے، البتہ صاحبزادے کے دل میں لینے کا خیال گزرا۔ جس پر آپ نے صاحبزادے سے فرمایا: اگر اس کو لیتے ہو تو خواجہ غریب نواز اور اپنے جد محترم صوفی حمید الدین ناگوری کے مزارات مبارکہ کی تعمیر کراؤ۔ چنانچہ اس رقم سے خواجہ غریب نواز کے کچے مزار پر گنبد و عمارت روضہ تیار کرائی گئیں۔

گنبد شریف کا اندرونی حصہ سنگ بستہ کا ہے۔ اس میں چونے سے ریخ بندی کی گئی ہے۔ بالائی حصہ اینٹوں سے تیار کیا گیا ہے۔ لداؤ کی ڈاٹ پر چونے کا صندلہ ہے، اس پر گھٹائی کا کام ہے۔ گنبد پنچوانس میں ہے۔ کوئی دوسرا گنبد اس ڈول کا ہندوستان میں موجود نہیں۔ اس سفید گنبد پر سنہری تاجدار کلس آویزاں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت خواجہ غریب نواز کو دھولی اور سنہری کلس والا خواجہ بھی کہتے ہیں۔ یہ کلس نواب حیدر علی خان والئی برادر کلب علی خان والی رامپور نے نصب کرایا تھا۔ کہا جاتا ہے۔ پہلے عالم نام کے بنجارے نے بھی گنبد شریف پر سوا من سونے کا کلس چڑھایا تھا۔ گنبد شریف کی دیواروں پر سنہری کلسیاں ہیں۔

گنبد کے اندرونی حصہ میں لاجوردی کام ہے۔ یہ نواب مشتاق علی خان والئی رامپور نے کرایا تھا۔ چھت میں کاشانی مخمل کی زریں چھت گیری لگی ہوئی ہے۔ اس میں طلائی زنجیروں میں سنہری گولے لٹک رہے ہیں۔ ان کی قیمت بحساب گولہ تقریباً پانچ ہزار روپیہ ہے۔ اس کا سونا عہد شاہجہانی کا عمدہ سونا ہے۔ قبہ شریف کی دیواریوں پر طلائی نقش ونگار خواجہ حسین ناگوری کی عقیدت کا نتیجہ ہیں۔ غربی دیوار میں سنگ مرمر کی جالی پر ذیل کی تاریخ مرقوم ہے۔

از پئے تاریخ نقش گنبد خواجہ معیں
گفت ہاتفم معظم قبۂ عرش بریں

گنبد شریف کے اندر آب زر سے ذیل کے اشعار مرقوم ہیں۔

خواجۂ خواجگاں معین الدین — اشرف اولیاء روئے زمیں



آفتاب سپہر کون و مکاں — بادشاہ سریر ملک یقیں
در جمال و کمال او چہ سخن — ایں مبین بود بحسن و حصیں
مطلع در صفات او گفتم — در عبادت بود چودرّ یمیں
اے درت قبلہ گاہ اہل یقیں — بردرت مہرو ماہ سود جبیں
روئے بردر گہت ہمیں سانید — صد ہزاراں ملک چو خسرو چیں
خادمان درت ہمہ رضواں — درصفات روضہ ات چو خلد بریں
ذرہ خاک او عبیر سرشت — قطرۂ آب او چو ماء معیں
جانشین معین خواجہ حسین — بہر نقاشیش بگفت چنیں
کئے شود رنگ تازہ کہنہ زنو — قبلۂ خواجہ معین الدیں

الٰہی تابود خورشید و ماہی
چراغ چشتیاں را روشنائی

مزار شریف پر سیپ کا کام چھپر کھٹ صندلی بنا ہوا تھا مگر کلکتہ کے سوداگر شکر سیٹھ میمن حاجی محمد صاحب نے پچاس ہزار کے صرفہ سے گنگا جمنی طلائی نقرئی پتھر چڑھوایا ہے۔ اس کے چاروں گوشوں پر برجیاں مع کلس کے ہیں مسہری میں رنگین مخمل کی چھت گیری لگی رہتی ہے۔ اس پر سنگ طلائی، فیروزہ، ابری، یشب، اور لہسنیہ وغیرہ کی پچکاری ہے، مزار اقدس کے تعویذ میں یاقوت رمانی جڑا ہوا ہے۔ مزار پُر انوار ہمیشہ زربفت و کمخواب وغیرہ کی قیمتی قبر پوشوں سے ڈھکا رہتا ہے۔ قبر پوش پر پھولوں کی سیج اور بکثرت پھول رہتے ہیں۔ چھپر کھٹ کے بیچ میں سنہری کٹہرہ نصب تھا۔ یہ شہنشاہ جہانگیر نے بنوا کر نذر کیا تھا۔ جہانگیر نے اس کے متعلق توزک جہانگیری میں لکھا ہے کہ "بعض مرادیں بر آنے پر ۱۰۵۲ھ میں میں نے مجر طلائی جالیدار مرقد خواجہ بزرگ پر نذر کیا۔ یہ مجر ایک لاکھ دس ہزار روپے کی لاگت سے بتاریخ ۲۷ رجب المرجب تیار ہوا۔ میں نے حکم دیا کہ اسے لے جاکر روضۂ اقدس پر نصب کردیں۔ مگر وہ

کٹہرا اب موجود نہیں ہے۔اس کی مرمت راجہ جے سنگھ سوائی دوبائی جے پور نے کرائی تھی۔ان کا وزن بیالیس ہزار نوسو اکسٹھ تولہ تین ماشہ ہے مگر موجودہ دونوں کٹہرے نواب جہاں آرا بیگم بنت شاہجہاں کے بنوائے ہوئے ہیں۔

اندرون گنبد مبارک زردوزی کے شامیانے ہیں، ان میں سے ایک نواب کلب علی خاں والئی رامپور اور دوسرا نواب ابراہیم خاں والئی ریاست ٹونک کا نذر کردہ ہے۔مزار شریف کے مغربی حصہ میں محراب کے اندر زمانہ قدیم کا خوشخط قلمی کلام مجید سفید نقرئی صندوق اور نقرئی چوکی نظام کی نذر کردہ ہیں۔قرآن شریف کے اوپر کعبہ شریف کا سیاہ مخمل کا پردہ لٹکا ہوا ہے۔

**مجر بی بی حافظہ جمال:**

روضۂ منورہ کی جنوبی دیوار میں پائیں رخ تین دروازے ہیں۔درمیانی دروازہ دن بھر کھلا رہتا ہے ادھر ادھر کے دروازے بعض خاص حالات میں کھولے جاتے ہیں۔

درمیانی دروازے کے آگے سنگ مرمر کے ستونوں پر چھتری بنی ہوئی ہے۔
چھتری کے متصل روضۂ منورہ کے جنوبی دیوار سے ملحق حضرت خواجہ کی صاحبزادی بی بی حافظ جمال آسودہ ہیں۔مزار مبارک سے متصل دو چھوٹی چھوٹی قبریں ہیں۔یہ دونوں بی بی صاحبہ کے صاحبزادوں کے مزارات ہیں۔ان کا انتقال صغر سنی میں ہو گیا تھا۔

**مجر حور النساء عرف چمنی بیگم بنت شاہجہاں بادشاہ:**

یہ روضہ شریف کے غرب میں واقع ہے۔صاحب احسن السیر نے بحوالہ تزک جہانگیری و شاہجہاں نامہ لکھا ہے کہ بروز چہارشنبہ بتاریخ ۲۹/ جمادی الاولیٰ ۱۰۲۵ھ حور النساء بنت شاہجہاں نے وفات پائی اور روضہ شریف کی دیوار سے ملحق دفن کی گئی۔



**احاطہ نور:**

قبۂ مبارک کے جنوب و مغرب میں سنگ مرمر کا خوشنما احاطہ ہے۔اس کے کچھ حصے پر چھت بھی ہے۔اس احاطہ سے صحن میں آنے کے لئے دو دروازے ہیں، ایک قبہ شریف کے جنوب میں، یہ پائیں دروازہ کہلاتا ہے۔دوسرا جنتی دروازہ ہے۔ان دو دروازوں پر سنہری کلسیاں ہیں۔اس احاطہ میں لوگ قرآن خوانی کیا کرتے ہیں۔

**مسجد صندل خانہ:**

سلطان محمود خلجی نے جب قلعہ دار گجادھر کو قتل کر کے اجمیر فتح کر لیا، اس وقت بطور اظہار تشکر سلطان موصوف نے روضہ منورہ کے سرہانے کی طرف یہ مسجد تعمیر کرائی تھی۔ پھر جہانگیر اور عالمگیر نے اپنے اپنے عہد میں اضافے اور مرمت کی خدمات انجام دیں، اسی لئے اس مسجد کو تینوں بادشاہوں کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔چونکہ مزار شریف کے اترے پھول یہاں رکھے جاتے ہیں، اس لئے اسے مسجد پھول خانہ کہتے ہیں، اور سرکار غریب نواز کے مزار اقدس کے لئے یہاں صندل گھسا جاتا ہے، اس لئے اسے مسجد صندل خانہ یا صندلی مسجد بھی کہتے ہیں۔

اب آنکھوں کے سامنے روضۂ غریب نواز ہے، جو آنکھوں کی ٹھنڈک اور قلب و جگر کا قرار ہے۔

پس پردہ گماں ہوتا ہے کوئی جلوہ آرا ہے
شعاع حسن چھوٹی پڑھ رہی ہے دیکھو چلمن سے
(نظامی)



# عرس غریب نوازؒ کی اہمیت اور فائدے

خواجہ حسن نظامی ثانی، دہلی

خواجہ خواجگان حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری قدس سرہٗ کا عرس شریف دراصل ایک دینی اجتماع ہے۔ جس طرح مسجد میں اعتکاف کرنے والے کچھ وقت کے لئے اپنے آپ کو بالکل خدا کی طرف متوجہ کر لیتے ہیں اور سارے دنیوی تعلقات سے منہ موڑ لیتے ہیں، اسی طرح عرس میں آنے والے بھی چند دن ایسے گذارتے ہیں کہ ایک ایک لمحہ اللہ اور اللہ والوں کی یاد اور ان کے حضور میں بسر ہوتا ہے۔

۱۹۱۳ء میں حضرت خواجہ حسن نظامی نے مولانا ابوالکلام آزاد کو ایک خط لکھا تھا اور ان سے پوچھا تھا کہ کیا آپ اجمیری خواجہ صاحب کی درگاہ اور عرس کو کسی حیثیت سے آج کل مفید سمجھتے ہیں؟ جواب دوسطری اور جلد چاہیئے۔ مولانا نے اپنے دوسطری جواب میں لکھا تھا۔

''ایک اتنا بڑا مذہبی اجتماع کیوں نہ مفید ہو؟ البتہ ضرور ہے کہ اصلاح کی جائے۔ نیز ضرور ہے کہ تبدیلیاں ہوں!'' مولانا کو جواب کے لیے دوسطروں کا پابند کر دیا گیا تھا، اس لیے وہ یہ نہ بتا سکے کہ عرس میں انھیں کون سی اصلاحیں مطلوب تھیں اور کن تبدیلیوں کے وہ خواہش مند تھے؟ البتہ ان کے جواب سے یہ ضرور ظاہر ہوتا ہے کہ وہ عرس کو کوئی غیر مذہبی چیز نہیں سمجھتے تھے اور انھوں نے عرس کے اجتماع کو ایک



مذہبی اور دینی اجتماع ہی قرار دیا تھا۔

عرس کے لغوی معنیٰ ''شادی کی دعوت'' اور قافلے کے پڑاؤ کے ہیں۔ مومن کے لئے موت کوئی ڈراؤنی اور بھیانک چیز نہیں ہوتی، وہ اس کا متمنّی رہتا ہے۔ اس کو خوش آمدید کہتا ہے اور اہل اللہ رحلت کے دن اور وقت کو بڑا مبارک دن اور بڑی خوشی کا وقت سمجھتے ہیں، اسی لیے ان کی تاریخِ وفات، عُرس اور شادی کی دعوت سے تعبیر کی جاتی ہے۔ اس دن وہ دنیا کا سفر طے کر کے آخرت کی منزل پر اُترتے ہیں اور محبوب حقیقی اللہ تعالیٰ کے دیدار کے متمنّی ہوتے ہیں۔

خواجہ خواجگان کا پہلا عرس یا ابتدائی زمانے کے اعراس کس طرح ہوئے؟ کون کون سی رسمیں اس وقت ادا کی گئیں؟ اس کا تفصیلی اور معتبر تاریخی ریکارڈ تو تواتر کی سند کے علاوہ شاید اور کوئی موجود نہ ہو۔ تاہم قدیم تاریخوں اور تذکروں سے فاتحہ، ایصال ثواب، لنگر اور عام اجتماع کا ثبوت یقیناً ملتا ہے۔ اور یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ مرکزی خانقاہ اور درگاہ کے علاوہ بھی عرس کے اجتماع جگہ جگہ ہوتے تھے۔ چنانچہ سلطان المشائخ حضرت خواجہ نظام الدین اولیا محبوب الٰہی کو ان کے کسی ہم عصر پیر نے حضور بابا فریدالدین مسعود گنج شکر کی فاتحہ میں شرکت کا بلاوا بھیجا، تو حضرت نے ان الفاظ کے ساتھ معذرت فرمائی تھی کہ میرے یہاں بھی پیرومرشد حضرت بابا فرید گنج شکر کی فاتحہ ہے۔ حضرت محبوب الٰہی کے مرید وخلیفہ حضرت خواجہ برہان الدین غریب عرس کے طعام تبرک کو سکھا کر رکھ لیتے تھے اور پورے سال ضرورت مندوں کو یہ تبرک تقسیم فرماتے رہتے تھے اور لوگوں کا عقیدہ تھا کہ اس کی برکت سے صحت وشفا اور دوسری مرادیں حاصل ہوتی ہیں۔

دہلی میں اجمیر شریف کے عرس سے پہلے درگاہ حضرت خواجہ قطب صاحب میں چھڑیوں کا میلہ لگتا ہے اور اس میلے اور اجتماع سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ رسم بعد کے زمانے میں کسی بزرگ کی شروع کی ہوئی نہیں ہے، بلکہ حضور خواجہ صاحب اجمیری کے

ابتدائی اعراس کے دور ہی میں غالباً قائم ہوگئی ہوگی، ورنہ یہ میلہ خواجہ قطب صاحب کے بجائے رسم شروع کرنے والے بزرگ کے مزار پر لگا کرتا۔ ہندوستان میں قدیم زمانے سے جب کہ سفر دشوار تھا اور راستے غیر محفوظ تھے، یہ رواج تھا کہ کوئی شخص تیرتھ یا ترا کا ارادہ کرتا تو ایک چھڑی لے کر اور ایک جھنڈی اس میں باندھ کر اپنے گاؤں سے نکل کھڑا ہوتا اور اس چھڑی کو دیکھ کر گاؤں گاؤں اور بستی بستی کے لوگ جو یاترا کا ارادہ رکھتے، اس شخص کے ساتھ ہو لیتے اور ایک قافلہ بن جاتا۔ حضرت خواجہ صاحب اجمیری کی محبوبیت اور مقبولیت کے ڈنکے ان کے ظاہری حیات پاک ہی میں بجنے لگے تھے، اس لیے ان کے عرس میں شرکت کے لئے عقیدت مندوں نے وہی طریقہ اپنایا جو زمانہ قدیم سے ہندوستان میں رائج تھا۔

مذہبی اور روحانی پہلو سے قطع نظر عرسوں کے یہ اجتماع اور قافلوں کے یہ سفر ایک دوسرے کو جاننے پہچاننے، سمجھنے اور ساتھ رہنے سہنے کے ایسے مواقع فراہم کرتے تھے کہ اور کہیں بھی اس طرح کا مل بیٹھنا شاید ممکن نہ تھا۔ ہمارے اس دیس، اس برصغیر کا کونا کونا اپنی جگہ ایک جہانِ دیگر ہے۔ بولیاں الگ، رسم و رواج الگ، کھان پان جدا، لباس مختلف۔ اس کثرت کو وحدت، سچ پوچھیے تو عرسوں جیسے مذہبی اجتماعات ہی نے عطا کی ہے۔ اگر آپ اجازت دیں تو میں خواجہ کی بارگاہ کو میدان عرفات کی یادگار کہوں کہ یہاں بھی ہندوستان پاکستان ہی کا نہیں، ساری دنیا کا آدمی آتا ہے، اور اپنی بولیوں، اپنے رسم و رواج' اپنے کھان پان' اپنے لباس کے فرق کو بھول کر ایک خدا اور ایک انسانیت کے تصور میں غرق ہو جاتا ہے۔ عرس ہر جگہ ہوتے ہیں۔ لیکن یہ سب سے بڑی بارگاہ' اور سب سے بڑا عرس ہے۔ قدیم زمانے سے یہ عرس وہ کام اور وہ فرض انجام دے رہا ہے' جو نئی دنیا میں اخبار اور ریڈیو اور ٹیلی ویژن انجام دیتے ہیں۔

یہاں جنوب کو شمال کی' شمال کو جنوب کی' مشرق کو مغرب کی، مغرب کو مشرق



کی، ادنیٰ کو اعلیٰ کی اور اعلیٰ کو ادنیٰ کی خبر ہی نہیں ملتی۔ اپنے اصلی روپ میں دیکھنے برتنے اور برداشت کرنے کا موقع بھی فراہم ہوتا ہے اور جیو اور جینے دو کے اصول کو اپنا نے کی ضرورت بھی آشکار ہوتی ہے۔ یہاں دو گھڑی کا ملنا، ایک مستقل مفاہمت، ایک دیرپا شناسائی، ایک ازلی اور ابدی یگانگت کے احساس کو جنم دیتا ہے۔

مجھے یہ عرض کرنے کی اجازت دیجئے کہ یہ بارگاہ وہ پہلی اور آج تک کی سب سے بڑی بارگاہ ہے، جہاں غیر مسلموں کو معلوم ہوا کہ اسلام کیا ہے اور مسلمان کیسے ہیں؟ اور صرف یہی نہیں خود مسلمانوں کو بھی پتہ چلا کہ ان کے ہم وطن، ان کے ساتھ رہنے بسنے والے جو دوسرے عقائد، دوسرے رسم و رواج، دوسری معاشرت رکھتے ہیں، کس کس طرح ان کے ساتھ ہیں؟ کون سی باتیں باہم مشترک ہیں۔ کن کن اچھی باتوں کا آپس میں تبادلہ ہوسکتا ہے اور کون کون سی چیزیں ایسی ہیں جنھیں چھوڑ دینا چاہیے۔ خواجہ کا عرس آئینہ ہے اپنے آپ کو دیکھنے کا، اپنے آپ کو بنانے سنوارنے کا۔ اور آئینہ بھی ایسا آئینہ جس میں صرف ظاہری روپ ہی نظر نہیں آتا' اندر کے پردے بھی اٹھتے ہیں۔ باطن بھی نظر آتا ہے۔ وہاں کی جھاڑ و بہار و کی خبر بھی لگتی ہے، وہاں کے میل کچیل سے بھی آگاہی ہوتی ہے۔ وہاں کی اگنی، وہاں کی جوت، وہاں کی تجلی کو بھی موقعہ ملتا ہے کہ باہر آئے، جلوے دکھائے، دل پگھلیں، آنکھوں کے چشمے رواں ہوں۔

لوگ عرس کو صرف روٹی بیٹا مانگنے کی جگہ سمجھتے ہیں۔ اس پر طرح طرح کے الزام دھرتے ہیں۔ روٹی، بیٹا مانگنے کے جذبے کو حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ ایک ماورائی روحانیت کے متلاشی ایک موہوم تصور کے جو یا رہتے ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ روٹی، بیٹا ہی اصلی روحانیت اور خدا رسیدگی کی پہلی سیڑھی ہے۔ یہ پہلا تعلق اور پہلا رشتہ ہے جو پالن ہار اور پلنے والوں کے درمیان قائم ہوتا ہے۔ یہ وہ ڈور ہے جو خالق اور مخلوق کو ملاتی ہے اور پریم بندھن تک جا پہنچتی ہے۔ یہ کچا دھاگہ کہنے کو کچا دھاگہ ہے

لیکن جو اس کے تقدس سے واقف ہے، جو اس کو سنبھالنے، اس کو قائم رکھنے کا راز جانتا ہے، اس کا جذبہ یقین، اس کا ایمان اس کو دنیا کے سب سے مضبوط رشتہ سے پکی ڈور بنا دیتا ہے۔ وہ خود بڑھتا ہے خود جھکتا ہے اور اس پر چم بندھن کو ٹوٹنے نہیں دیتا۔ جس کا سب سے بڑا نشان، سب سے بڑا ثبوت خود خواجہ کی ذات پاک ہے۔ ان کا عرس ہے۔ ان کے عرس کا یہ اجتماع ہے۔

خواجہ کی دیگ لٹتی ہے تو نئے زمانے کے لوگوں کو اس میں صفائی نظر نہیں آتی۔ یہ لوگ اتنا نہیں سوچتے کہ آخر اتنی بڑی دیگ بنانے کی ضرورت ہی کیا تھی۔ یہی کھانا چھوٹی چھوٹی دیگوں میں کیوں نہیں پکا دیا جاتا، لوگوں کو بٹھا کر کیوں نہیں کھلا دیا جاتا۔ یہاں کی دونوں دیگیں اکبر اور جہانگیر دو بادشاہوں کی یادگار ہیں، لیکن ان کے بنوانے اور ایک رسم قائم کرنے کے پیچھے مجھے تو کسی اللہ والے کا ہاتھ نظر آتا ہے۔ عجوبہ پسند ذہن اسی بہانے رب العالمین کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ لکھ لٹ داتا کا دھیان ان کو آتا ہے۔ مولانا آزاد کے ذہن میں بھی عرسوں کی اصلاح کی رائے دیتے وقت غالباً اسی طرح کی اصلاحیں ہوں گی کہ دیگوں کی لوٹ اور تقسیم تبرک کا طریقہ بدلا جائے۔ چند سال پہلے ایک صاحب نے اس کی کوشش بھی کی تھی مگر نتیجہ آپ سب کو معلوم ہے کہ لوٹ میں دیگ چند منٹ میں خالی ہو جاتی ہے۔ لیکن تقسیم میں دن بھر میں بھی خالی نہ ہو سکی اور کھانا خراب ہو گیا۔

قوالی اور سماع چشتی عرسوں کی خصوصیت ہے اور اس پہاڑی ندی کی مانند ہے جو کٹاؤ کرتی ہوئی دوسرے مذاہب اور عقائد تک جا پہنچتی ہے اور بظاہر غیر کہلانے والوں نے بھی جسے اپنا لیا ہے۔ یہ اپنی بات پہنچانے کا ایسا ذریعہ ہے جس کے اثر اور نفوذ کے سلسلے میں دو رائیں نہیں ہو سکتیں۔ یہ ضرور ہے کہ رائج الوقت قوالی بہت کچھ اصلاح طلب ہو گئی ہے۔ اور ہم کو بڑی خوشی ہے کہ جہاں سے یہ چیز نکلی تھی، وہیں سے اصلاح بھی شروع ہو گئی ہے اور قوالی کے قدیم اصولوں کی طرف زور و شور سے متوجہ



کیا جا رہا ہے اور دوسری طرف نئے زمانے کے تقاضوں کو بھی پیش نظر رکھا جا رہا ہے۔ سلطان المشائخ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء محبوب الٰہی کے اشارے پر ان کے مرید اور خلیفہ اور جگت استاد حضرت مولانا فخر الدین زرادی نے ''اصول السماع'' کے نام سے سماع کے جواز اور شرائط پر جو رسالہ لکھا تھا، اس کا پہلا جملہ یہی تھا کہ صوفی جکڑ بندی کا قائل نہیں ہوتا، اصول کے ساتھ آزادی اس کا طرۂ امتیاز ہے۔ عرس اور خاص کر حضرت خواجہ غریب نواز کا سالانہ عرس مسلمانوں کا وہ واحد اجتماع ہے جہاں خود شناسی اور خدا شناسی کو دروازے بند کر کے محض گھر کی، محض پرائیوٹ بات نہیں رکھا جاتا، بلکہ سب کو دعوت دی جاتی ہے، سب کو بُلایا جاتا ہے اور سب لوگ بلا لحاظ مذہب وملت اور عقیدہ وخیال یہاں لبیک پکارتے ہوئے آتے ہیں۔ یہ عرس وہ زلیخا ہے جو حسن یوسف کی جھلک دکھا کر سب سکھیوں کی انگلیاں کٹوا دیتی ہے۔ سب کو خدا رسیدہ بنا دیتی ہے۔

# چند ممتاز چشتی اوراد

ڈاکٹر محمد افضال برکاتی

میڈیکل چیمبر، ریلوے روڈ، اٹاوہ

کسی سلسلۂ طریقت کی دعائیں ’وظائف‘ اذکار اور اشغال کو اوراد کہا جاتا ہے۔ یہ لفظ تصوف کے چند ارکان کا مجموعہ ہے جس کا مقصد عبادت میں مصروف ومنہمک فرد کو تربیت کے ذریعہ مقام ’احسان‘ سے روشناس کرانا ہے۔

یوں تو لفظ تصوف دوسری صدی ہجری میں ہی جماعت صوفیا کے وہاں علمی اصطلاح میں بولا اور سمجھا جانے لگا تھا، مگر اس کا بنیادی ماخذ (Original Source) مشہور حدیث جبریل کا تیسرا حصہ تھا جو پیغمبر اسلام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور انسانی شکل میں بھیجے گئے فرشتۂ وحی حضرت جبریل علیہ السلام کے درمیان ہوئے مبارک مکالمہ میں لفظ ’احسان‘ کے نام سے بولا اور سمجھا گیا تھا۔ اسی دور میں علم تصوف کی طرح دیگر علوم مثلاً علم تفسیر اور علم حدیث وغیرہ بھی معرض وجود میں آئے اور کسی نے بھی ان کے بدعت ہونے پر کلام نہیں کیا۔ کیوں کہ آج کی طرح اس وقت بھی یہ امر مسلم تھا کہ اللہ اور اس کے رسول کے جامع ترین (Exceptionally Most Comprehensive) کی مُراد کو بغیر تفسیر وحدیث براہ راست سمجھنا ممکن نہیں کہ جس طرح قلب کو مقام احسان کے لائق بنانا اہل تصوف کی تربیت کے بغیر ممکن نہیں ہے۔



نبی برحق صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ میں ابھی سلسلۂ وحی جاری تھا۔ قرآن وحدیث کے بحر بیکراں کی عمیق تہہ میں موجود وافر علوم کو نظم وترتیب (Systemetize) دینے کا وقت ابھی نہیں آیا تھا۔ یہاں تک کہ خود قرآن کو بھی ایک جگہ جمع نہیں کیا جاسکا تھا۔ خیر القرون گزرنے کے بعد جب یہ عظیم کار خیر شروع ہوا تو نئے اسلامی علوم معرض وجود میں آئے۔ مگر اب ملت اسلامیہ میں ملک گیری (Terretorial Aggrandizement) کی وبا زور پکڑنے لگی تھی اور عجم وبغداد میں فسق وفجور اور خون آشامی (Tyranny) کا دور شروع ہو چکا تھا جس کے نتیجہ میں سب سے زیادہ زوال پذیر ہونے والی جو چیز سامنے آئی وہ تھی: خدا اور بندے کے درمیان کا روحانی تعلق، علم بڑھ رہا تھا مگر یہ روحانی تعلق گھٹ رہا تھا۔ تب اللہ کے چند نیک بندے آگے آئے اور اس کے لئے اپنی سماجی زندگیاں وقف کر دیں۔ اور ’احسان‘ کی حقیقت صادقہ پر عمل اور اس کی تبلیغ کو اپنا مقصد حیات بنالیا اور پھر کتاب وسنت میں گہری تحقیق وتجزیہ کر کے ایک نئے علم کی بنیاد ڈالی جس کو علم تصوف کے نام سے جانا گیا اور اس پر عامل اسلاف کو صوفی کہا جانے لگا۔ اور یہ نومولود علم طریقت، حدیث مبارکہ میں مذکورہ لفظ ’احسان‘ کی شرح قرار پایا۔ علم تصوف کے عامل چار مشہور سلاسل قادریہ، چشتیہ، سہروردیہ اور نقش بندیہ میں معمولی فرق کے ساتھ کئے جانے والے الگ الگ اوراد کو ان کے سلاسل کے نام سے جانا گیا۔ شیخ محمد صدیق محدث غماری رحمۃ اللہ علیہ نے تصوف کے معنی کی تشریح زیادہ واضح طور پر کی ہے: ’’بلا شبہ تصوف وہی ہے جسے (حدیث شریف میں) احسان کہا گیا ہے۔ احسان دین کے تین ارکان میں سے ایک رکن ہے جنہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ایک کر کے بیان کیا اور انہیں دین قرار دیا، بایں طور پر فرمایا: ’’یہ جبریل علیہ السلام تھے جو تمہیں تمہارا دین سکھانے آئے تھے‘‘۔ یہ تینوں ارکان اسلام، ایمان اور احسان ہیں۔ اسلام اطاعت وعبادت ہے، ایمان نور وعقیدہ ہے اور احسان مقام مراقبہ

ومشاہدہ ہے۔(۱) دین کے دیگر تمام شعبوں کی مصداق منبع تصوف وشفاعت بھی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی ہے اور بیعت وارادت آپ ہی کی ذات گرامی سے تاریخی اور روحانی اتصال کا دوسرا نام ہے۔

**بیعت وارادت کب اور کیسے شروع ہوئے؟**

خاندان برکات کے بانی حضرت سید شاہ برکت اللہ مارہروی کے بزرگ اعلیٰ سید میر عبدالواحد بلگرامی اپنی مشہور تصنیف 'سبع سنابل شریف' میں رقم طراز ہیں: ''یاد رکھو کہ پیری اور مریدی، بیعت یعنی ایک دوسرے کے ہاتھ پر ہاتھ رکھنے اور عہد باندھنے کا نام ہے جیسا کہ پیران طریقت نے اپنے ہاتھ سچے مریدوں کے ہاتھوں پر رکھے اور رکھتے ہیں اور کلمہ استغفار اور توبہ کی تلقین کی اور کرتے ہیں اور مریدوں سے یہ عہد لیتے ہیں کہ ما اتاکم الرسول فخذوہ وما نھکم عنه فانتھوا ، جو رسول اللہ تمہیں دیں اسے لو اور جس سے تمہیں منع کریں اس سے باز رہو۔ اس بیعت کی اصل یہ ہے کہ صحابہ کرام نے رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام سے درخت کے نیچے بیعت کی تو اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہوا۔ چنانچہ ارشاد فرمایا: ''لقد رضی اللہ عن المؤمنین اذ یبایعونك تحت الشجرۃ''، کہ بے شک اللہ تعالیٰ راضی ہوا مسلمانوں سے جب اے رسول! وہ تمہارے ہاتھ پر درخت کے نیچے بیعت کرتے ہیں۔'' نیز خدائے قدوس نے ارشاد فرمایا کہ اے رسول! تمہارے صحابہ نے جو بیعت تم سے کی ہے، وہ مجھ سے کی ہے اور تمہارا وہ پیارا ہاتھ جو اصحاب کے ہاتھوں پر تھا، وہ میرا دست قدرت تھا۔ چنانچہ ارشاد فرمایا: 'ان الذین یبایعونك انما یبایعون اللہ ، ید اللہ فوق ایدیھم،'' کہ بے شک وہ لوگ جو تم سے بیعت کرتے ہیں اللہ سے بیعت کرتے ہیں، اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں پر ہے۔'' روایت ہے کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ بیعت کے وقت موجود نہ تھے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا ایک مبارک ہاتھ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ کے قائم مقام کیا اور دوسرے



مبارک ہاتھ کو دست قدرت کا نائب بنایا اور فرمایا: ''یہ اللہ کا دست قدرت ہے اور یہ عثمان کا ہاتھ ہے'' تو آپ نے اپنا ایک ہاتھ دوسرے ہاتھ پر رکھا اور بیعت کی۔ یہیں سے یہ بات ثابت ہوئی کہ صادق طالب اگر حاضر نہ ہو تو اس کی غیر حاضری میں اُسے بیعت کرنا جائز ہے۔

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مردوں کی بیعت سے فارغ ہوئے اور مکان کے اندر تشریف لے گئے تو تمام عورتیں بھی بیعت کے لئے حاضر ہوئیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ توقف فرمایا تو یہ آیت نازل ہوئی ''یایھا النبی اذا جاءك المؤمنات الآیة'' یعنی ''اے نبی جب مسلمان عورتیں تمہارے پاس حاضر آئیں اور اس چیز پر بیعت کریں کہ وہ اللہ کا شریک نہیں ٹھہرائیں گی، نہ وہ چوری کریں گی، نہ زنا کریں گی، نہ اپنی اولاد کو قتل کریں گی، نہ ایسا بہتان لائیں گی جسے وہ اپنے ہاتھوں اور پیروں کے درمیان کسب کریں اور نیک بات میں تمہاری نافرمانی نہ کریں گی تو آپ ان سے بیعت کر لیں اور ان کے لئے اللہ تعالیٰ سے استغفار کریں۔ بے شک اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے''۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کے بموجب عورتوں کو بھی بیعت کر لیا۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عورتوں کی بیعت صرف کلام سے ہوئی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دست مبارک کسی عورت کے ہاتھ سے مس نہ ہوا۔'' پیری مریدی کے اثبات میں یہ ایک مستحکم اور قطعی اصل اور وہ بنیاد ہے جسے مضبوط اور سیسہ پگھلائی ہوئی کہا جاتا ہے۔ اس میں کسی منکر کو انکار کی گنجائش نہیں۔(۲)

حضرت میر بلگرامی آگے لکھتے ہیں: ''ذکر و مراقبہ خواجگان چشت قدست اسرارہم کا اس پر اجماع ہے کہ طالب صادق کے لئے ایک ذکر اور ایک فکر کافی ہے اور وہ ذکر کلمہ لا الہ الا اللہ ہے کہ تمام ذکر اس کلمہ میں داخل ہیں اور مراقبہ یہ ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کو حاضر و ناظر جانے اور اعضا کی حرکتوں اور دل کی باتوں پر مطلع رہے۔ ائمہ

طریقت اور سادات حقیقت کے نزدیک یہ چیز ثابت ہے کہ امیر المؤمنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ عرض کیا کہ خدائے تعالیٰ کے راستوں میں سے سب سے قریب کا راستہ دکھا دیجئے، ارشاد فرمایا علی! ہمیشہ ذکر خدا کرتے رہو۔ عرض کیا کس طرح؟ حضور علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ اپنی آنکھیں بند کرو اور مجھ سے سنو۔ اس کے بعد حضور نے تین مرتبہ لا الہ الا اللہ کا ذکر فرمایا اور علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ نے سنا۔ اس کے بعد مولیٰ علی نے تین بار ذکر کیا اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو سنا۔

پھر علی مرتضیٰ [1] نے تعلیم فرمایا یہ ذکر، حضرت خواجہ حسن بصری [2] رحمۃ اللہ کو، اور ان سے حضرت خواجہ عبدالواحد [3] زید کو پہنچا، اور ان سے خواجہ فضیل کو، ان سے خواجہ [4] ابراہیم ادھم [5] بلخی کو، ان سے خواجہ حذیفہ [6] مرعشی کو، ان سے خواجہ ہبیرہ [7] بصری کو ان سے خواجہ علو دینوری کو، ان سے خواجہ ابو اسحٰق [9] شامی کو، ان سے خواجہ قدوۃ الدین [10] ابو احمد فرشانہ کو، ان سے خواجہ ناصر الدین محمد [11] ابو اسحٰق چشتی کو، ان سے خواجہ ناصر الدین [12] ابو یوسف چشتی کو، ان سے خواجہ قطب الدین مودود [13] یوسف چشتی کو، ان سے خواجہ حاجی [14] شریف زندنی کو، ان سے خواجہ عثمان [15] ہارونی کو، ان سے حضرت خواجہ معین الحق والدین [16] حسن سنجری کو، ان سے خواجہ قطب الحق والدین [17] بختیار اوشی کو، ان سے خواجہ فرید الحق والدین [18] مسعود سلیمان اجودھنی کو اور ان سے حضرت خواجہ نظام الحق [19] والدین محمد بن احمد بدایونی کو، (۲۰) ان سے خواجہ نصیر الحق محمود بن یوسف [20] رشید اَودہی کو، اور ان سے مخدوم [21] جہانیاں کو پہنچا، جب کہ حضرت مخدوم جہانیاں کو دوسری جگہوں سے بھی پہنچا تھا، پھر ان سے میر سید راجو [22] قتال کو اور ان سے مخدوم شیخ سارنگ [23] کو پہنچا، جب کہ مخدوم شیخ سارنگ کو تلقین ذکر مخدوم شیخ یوسف ابرچھی سے بھی پہنچا تھا اور مخدوم شیخ یوسف نے بندگی مخدوم جہانیاں سید جلال سے حاصل کیا تھا، نیز مخدوم شیخ سارنگ نے تلقین ذکر مخدوم شیخ قیام الدین سے بھی



پایا تھا او مخدوم شیخ قیام الدین مخدوم شیخ مینا کے چچا اور مخدوم شیخ نصیر الدین محمود اودھی کے مرید تھے اور مخدوم جہانیاں سے [25] انہیں خلافت حاصل تھی، مخدوم شیخ سارنگ سے یہ ذکر مخدوم شیخ مینا [24] کو پہنچا اور ان سے مخدوم شیخ سعد بدھن کو ان سے مخدوم شیخ عبدالصمد [26] کو جو شیخ صفی سے مشہور ہیں اور ان سے مخدوم شیخ حسین [27] محمد بن اسرائیل کو اور ان سے فقیر مؤلف [28] کو پہنچا۔ (۳) میر سید عبدالجلیل [29] مارہروی کو اپنے والد ماجد میر سید عبدالواحد بلگرامی سے، ان سے میر سید اویس بلگرامی [30] اور ان سے سید شاہ برکت اللہ مارہروی [31] کو پہنچا۔ (۴)

## پیری اور مریدی کی شرائط کیا کیا ہیں؟

پیری کی شرطوں میں سے پہلی شرط ہے سلسلہ کی صحت اور دوسری شرط یہ ہے کہ پیر عالم وعامل ہو جملہ عبادات کا، فرائض اور واجبات اور سنتوں اور نفلوں اور مستحبات کا۔ اور ان احکام کی پابندی میں کوتاہ اور سست نہ ہو۔ ہر وضو کے لئے مسواک کرے۔ داڑھی میں کنگھا کرے کہ یہ دونوں سُنتیں ہیں۔ پانچوں نمازیں اذان اقامت اور جماعت کے ساتھ ادا کرے، تعدیل ارکان کا خیال رکھے اور اسی قسم کی دوسری باتیں نگاہ میں رکھے اور اگر وہ ان باتوں کا عالم نہ ہوگا تو ان پر عمل نہ کر سکے گا تو حد شرع سے گر جائے گا۔ لہذا پیر نہیں بن سکتا، اس لئے کہ جو شخص حقیقت کے مقام سے گر جاتا ہے وہ طریقت پر آ کر رک جاتا ہے اور جو طریقت سے گرتا ہے، شریعت پر ٹھہر جاتا ہے اور جو شریعت سے گرا، گمراہ ہوا اور گمراہ شخص پیر بننے کے لائق نہیں۔ اور وہ درویش جس کی جانب مخلوق جھکی پڑتی ہو مثلاً اکثر مخلوق اس کی بیعت اور ارادت پر رجوع رکھتی ہے اس پر تو شریعت کے جزئیات میں بھی احتیاط فرض اور لازم ہے۔ اسے چاہیے کہ شریعت کے دقائق میں سے ایک شمہ بھی فوت نہ ہونے دے کہ یہ چیز اس کے مریدوں کی گمراہی کا ذریعہ بنے گی۔ ظاہر ہے کہ وہ ایسے فعل سے حجت لاتے اور اور کہتے ہیں کہ ہمارے پیر نے ایسا کام کیا ہے لہذا وہ گمراہ اور گمراہ کن ہو جاتے ہیں۔

پیر کی تیسری شرط یہ ہے کہ پیر کے عقیدے درست ہوں۔ مذہب اہل سنت و جماعت کے موافق اور وہ متصلب پکا سنی ہو، اس لئے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے تہتر فرقوں میں سے ایک کو ناجی فرمایا ہے اور بہتر فرقوں سے دُوری اور پرہیز کا حکم فرمایا ہے اور نجات پانے والا گروہ وہی ہے جو قرآن حدیث اور صحابہ کرام کے طریقوں پر کاربند ہے۔

تو مرید جب پیر میں تینوں شرطیں پائے، اس کا مرید ہو جائے کہ جائز اور مستحسن ہے اور اگر پیر میں ان تینوں شرطوں میں سے ایک بھی کم ہو تو اس سے بیعت جائز نہیں۔ اور اگر کسی نے غلطی سے اس سے بیعت کر لی ہے تو اس پر ضروری ہے کہ اس بیعت کو توڑ دے۔

(اور طریقت کی طرف آئیں تو) طریقت میں پیری کی شرطیں بہت زیادہ ہیں، ان میں سے بعض ہم لکھتے ہیں: پہلی شرط اکل حلال ہے۔ پیر کو اکل حلال میں احتیاط کلی برتنا چاہیے۔ ہرگز ہرگز کوئی ایسا لقمہ جو غیر حلال طریقہ سے حاصل کیا گیا ہو یا مشتبہ ہو، اس کے پاس نہ پھٹکے اس لئے کل لحم نبت من الحرام فالنار اولیٰ بہ ''ہر وہ گوشت جو حرام سے پیدا ہوا دوزخ ہی کے لئے مناسب ہے''۔ دوسری شرط صدق مقال سچا بول ہے۔ پیر کو چاہیے کہ ہرگز جھوٹ، غیبت اور فحش زبان پر نہ لائے کہ سچائی نجات دلاتی ہے اور جھوٹ ہلاک کرتا ہے۔ تیسری شرط دنیا کی حرص، اس کی لذتیں اس کی خواہش ترک کر دینا اور مخلوق کے اس کی جانب رجوع اور قبولیت پر کوئی توجہ نہ دینا ہے۔ چوتھی شرط مال کا نہ جمع کرنا ہے۔ اگر اسے کثرت سے فتوحات اور نذرانے میسر ہو تو چاہیے کہ راہ خدا میں خرچ کر دے، انہیں سمیٹ کر نہ رکھے۔ پانچویں شرط اچھی خصلتیں اور مخلوق کی خیر خواہی ہے۔ پیر کو چاہیے کہ مخلوق کو ایذا رسانی اور رنج دہی سے دور رہے اور ترش رُو اور بد اخلاق نہ بنے، اس لئے کہ جو شخص لوگوں کو آزار پہنچاتا ہے، اللہ تعالیٰ اس سے بیزار رہتا ہے۔ چھٹی شرط یہ کہ اپنے آپ کو عزت کی نظر سے کبھی نہ دیکھے۔ ساتویں شرط یہ ہے کہ مُرید بنانے پر حریص نہ ہو۔ اگر کوئی



شخص سچے دل سے اس کی طرف رجوع لائے اسے بیعت کرے، ورنہ فراغ خاطری سے خدائے برتر کی عبادت میں مشغول رہے اور اپنے عزیز وقت کو کہ عمر کی پونجی ہے، برباد نہ کرے۔ تمام انبیائے کرام علیہم السلام جن کو صرف خدا کی طرف بلانے اور ہدایت کے لیے مبعوث کیا گیا، اس میں بعض کی امت میں صرف ایک ہی شخص تھا اور بعض کی امت میں ایک بھی نہیں تھا۔ آٹھویں شرط مخلوق کی زیادتیوں کو برداشت کرنا اور لوگوں سے جو تکلیف پہنچے، اس پر صابر رہنا ہے۔ اس لئے کہ درویشوں کا خرقہ رضائے الٰہی کا جامہ ہے تو جو شخص اس خرقہ کو پا کر اپنی نامرادیوں کو برداشت نہ کرے، وہ محض فقر کا مدعی ہے اور خرقہ اس پر حرام۔ نویں شرط گناہوں اور نافرمانیوں کو یکسر چھوڑ دینا ہے۔ دسویں شرط یہ ہے کہ کشف اور کرامتوں کا متوالا نہ ہو بلکہ استقامت کا شیدائی ہو، اس لئے کہ خلاف عادت امور اور کشف تو بے دینوں سے بھی ظاہر ہو جاتا ہے۔ اسی وجہ سے کہا جاتا ہے الاستقامة فوق الكرامة۔ حق پر ثابت رہنا کرامت سے بڑھ کر ہے۔ یاد رکھنا چاہیے کہ وہ پہلی تین شرطیں ان دس شرطوں میں داخل ہیں۔ البتہ پیری کی شرطیں بے شمار ہیں۔ صرف وہی شرطین جن کو ہم نے بیان کیا، ان میں انحصار نہیں ہے۔

تو اب طالب صادق پیر کو جب ان شرطوں سے موصوف پائے تو اس کے ساتھ اپنی اِنابت کا پیوند، اس کے ساتھ سچی عقیدت اور حسن اعتقاد سے ملا دے۔ مرید کی سچی عقیدت اور حُسن اعتقاد جس قدر زیادہ ہوتا ہے، اس کے کام دنیا اور دین میں اتنے ہی بنتے رہتے ہیں۔ اس لئے کہ پیر پرست خدا پرست ہوتا ہے۔ پیران طریقت نے ثبوت بیعت اور اس دینی اخوت کے لئے دو نشانیاں مقرر کی ہیں۔ ایک تو کاغذی جس پر وہ اپنے پیروں کے نام لکھتے ہیں اور اس کو شجرہ کہتے ہیں، اس لئے کہ شاخ در شاخ ہونے میں درخت سے مناسبت رکھتا ہے۔ جس طرح کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے درخت کے نیچے بیعت واقع ہوئی تھی۔ اذ يبايعونك تحت

الشجرۃ۔ اسی طرح مریدوں کی اپنے پیروں کے ساتھ بیعت اس درخت کے نیچے واقع ہوتی ہے۔اس کو لکھ کر مریدوں کو دے دیتے ہیں۔ دوسری علامت ٹوپی ہے۔ مخدوم شیخ فرید گنج شکر قدس اللہ رُوحہ کے ملفوظات میں ہے کہ کلاہ اصل میں حضرت حق جل وعلا کی جانب سے ہے۔حضرت جبریل علیہ السلام بہشت سے چار ٹوپیاں لے کر حضور کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ یک ترکی، دوترکی، سہ ترکی، چہار ترکی (ایک گوشہ، دوگوشہ، تین گوشہ اور چار گوشہ والی) اور عرض کیا کہ فرمان باری ہے کہ آپ یہ چاروں ٹوپیاں سر مبارک پر رکھیں، پھر جسے چاہیں عطا فرمادیں۔رسول اللہ علیہ وسلم نے وہ چاروں ٹوپیاں سر اقدس پر رکھیں۔اس کے بعد کلاہ یک ترکی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو عنایت فرمائی اور ارشاد کیا کہ یہ تمہاری ٹوپی ہے، جسے چاہو دو۔اور کلاہِ دوترکی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سر پر رکھی اور فرمایا یہ تمہاری ٹوپی ہے جسے چاہو بخش دو اور کلاہِ سہ ترکی حضرت عثمان کے سر پر رکھی اور فرمایا یہ تمہاری ٹوپی ہے، جسے چاہو سونپ دو اور کلاہِ چہار ترکی حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سر مبارک پر رکھی اور فرمایا یہ تمہاری ٹوپی ہے جسے اس کے لائق دیکھو اور جو اس کا حق ادا کر سکے اسے عطا کردو۔ مجھے یہ فرمان تھا کہ کلاہِ چار ترکی تمہیں پہناؤں۔''

کلاہ کو انابت اور بیعت کی علامت اس لئے قرار دیا گیا ہے کہ یہ سر کا لباس ہے اور سر تمام اعضا اور جوارح سے افضل اور اشرف، عقل کا مسکن اور حواس خمسہ باطنی کا مقام ہے۔علاوہ ازیں حواس ظاہری میں سے زبان کہ کلام کی جگہ ہے اور منہ کو کہ پینے اور کھانے کی جگہ اور چہرہ کو خواص اور عوام کی نظریں اس پر پڑتی ہیں، سب سر میں داخل ہیں، گویا کہ تنہا سر ہی تمام انسان ہے۔ پھر اس کا لباس بھی مختصر ہے اس لئے کہ ایک گز کپڑے میں متعدد ٹوپیاں تیار ہو سکتی ہیں، اسی وجہ سے کلاہ کو بیعت کی علامت قرار دیا ہے اور بیعت کے وقت اپنے سر سے اتار کر مرید کے سر پر رکھ دیتے ہیں تا کہ یہ دلیل ہو اس پر کہ مرید اس برادری میں پیر سے بالکل مل گیا اور اس نے بیعت



بسر وچشم قبول کرلی اور سرتابی سے توبہ کرلی اور روگردانی سے پناہ پائی۔

مریدی کیا ہے اپنے گناہوں سے توبہ اور اپنی کوتاہیوں کی عذر خواہی کرنا۔ مریدی ایک معاملہ ہے توبہ کرنے اور بری باتوں سے چھٹکارا حاصل کرنے کا۔ چونکہ بغیر توبہ کے دین بھی نقصان میں اور بے رونق رہتا ہے، لہٰذا مریدی بے حد ضروری اور ہر شخص پر لازم ہے۔مریدی تو رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک عہد و پیمان کی بیعت ہے، نہ کہ ان جاہلوں اور فضول لوگوں کی تراشی ہوئی باتیں۔حضور سے سب سے پہلے چار اصحاب نے بیعت کی، اس کے بعد آپ کے اور اصحاب نے۔عورتوں نے بھی حضور سے دل سے بیعت کی اس لئے کہ آیۃ بـایعهن نازل ہوئی۔اس وقت سے لے کر ہمارے زمانے تک برابر جاری اور دنیا کے ہر گوشے میں پہنچی ہوئی ہے۔ اس کی ضرورت اوّل آخر میں ہے اور اس کی فرضیت ہر خاص وعام پر۔اس راستہ میں استغفار اور توبہ فرض ہے کہ آیت شریفہ توبوا الی اللہ کا حکم ہے۔اس آیت کریمہ میں جمیعا بھی فرمایا گیا ہے، اس لئے ہر شخص پر گناہوں سے توبہ کرنا لازم ہے۔تو اگر کوئی یوں اٹکلیں دوڑائے کہ یہ فرض یقینی میرے اوپر لازم نہیں ہے تو اس پر سب سے زیادہ یہ کام ضروری ہے اور اس گمان سے توبہ اور استغفار کرنا بھی۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم روزانہ استغفار کرتے اور دن میں ستّر مرتبہ اس کی تکرار فرماتے۔توبہ کا وجوب تو ہر خاص اور عام پر ہے لیکن اپنے اپنے مقام کے اعتبار سے فرق ہے۔اے دوست! تو خود توبہ نہیں کرسکتا، اپنے نفس کو کسی صاحب توبہ کے سُپرد کردے جو توبہ کی سند رکھتا ہو اور توبہ کے راستے میں ترقی کرتا جارہا ہو۔ جو خاص وعام کا مقام بھی پہچانتا ہو اور ہر مقام پر توبہ کی ایک بنیاد بھی رکھتا جاتا ہو۔توبہ کرنا ہر شخص کے ہاتھ پر زیبا نہیں ہے کہ کھوٹے سکے سوائے غم بڑھانے کے کسی کام نہیں آتے۔اے جوان! تو کب تک چاہے گا کہ بغیر پیر کے رہے، اس لئے کہ مہلت دینے اور ٹالتے رہنے میں مصیبت ہی مصیبت ہے۔اگر تیرا کوئی پیر نہیں ہے تو شیطان تیرا پیر ہے، جو دین کے راستوں میں

دھوکے اور چالوں سے ڈاکہ ڈالتا ہے۔شیطان نے اگرچہ تیرے لئے جال لگا دیئے ہیں لیکن تو اس کے دانہ اور پانی میں سے ذرہ برابر نہ لے اور بہت جلد کسی پیر کا ہاتھ پکڑ لے۔بغیر پیر کے مرجانا مردار موت کے مانند ہے۔اپنا وسیلہ آیہ وابتغوا کے ماتحت تلاش کر اور جاننے والوں سے پوچھ اور فاسئلوا (الآیہ) کو پڑھ۔ ہمارا سرتاپا وجود گناہ ہے اور مرید ہوجانا ہر گناہ کے لئے پناہ گاہ۔ مریدی دین ایمان کی چار دیواری ہے اور ہر مرد مسلمان کو اپنے دین کی فکر رہتی ہے۔

الغرض پیری اور مریدی کے حقوق اور شرائط آج کل بہت خراب اور پراگندہ حالت میں ہیں۔نہ پیروں کو پیری کے حقائق اور آثار کی کچھ خبر ہے اور نہ مریدوں میں مریدی کے آداب اور لطیف باتوں کا کچھ اثر ہے۔آج کل کوئی شخص مریدی ہی کے لائق نہیں، پیری کے قابل کہاں سے ملے گا۔اگر پیری اور مریدی کا تھوڑا سا حال بھی مُفصل لکھوں تو تمام دنیا جو پیروں اور مریدوں سے بھری ہے، یہ سمجھ بیٹھے کہ ہم سب خطا پر، غلطی اور باطل پر ہیں، حالاں کہ ایسا نہیں۔بات یہ ہے کہ صفائی قلب باقی نہیں رہی تلچھٹ رہ گئی ہے۔تو جس کو عیسیٰ علیہ السلام میسر نہ ہوں اگر جڑی بوٹیاں استعمال نہ کرے تو پھر کیا کرے اور جسے سورج کی روشنی نہ پہنچے اسے چراغ جلانا ضروری ہے۔ ہائے افسوس وہ پیری مریدی کہاں غائب ہوگئی۔(۵)

## کیا قرآن کریم میں اوراد کا حکم آیا ہے؟

جیسا کہ سطور میں گزر چکا ہے اوراد سے مراد ذکر، دعا اور خلوت گزینی (مراقبہ) لئے جاتے ہیں۔پہلے ذکر کی تعریف اور پھر آیات مبارکہ پیش کی جاتی ہیں:

ذکر: دینی اصطلاح میں ذکر سے مراد اللہ تعالیٰ کو یاد کرنا ہے۔ذکر غفلت کی ضد ہے(۶) قرآن کریم میں یہ لفظ متعدد معنوں میں استعمال ہوا ہے۔کبھی یہ کتاب اللہ کے معنی میں آیا ہے، کبھی نماز جمعہ کے لئے استعمال ہوا ہے تو کبھی علم کے معنی میں استعمال ہوا ہے لیکن بایں ہمہ کتاب اللہ میں اس لفظ کا غالب استعمال اسی معنیٰ میں



ہوا ہے جس معنیٰ میں اہل تصوف کے یہاں یہ لفظ رائج ہے یعنی تسبیح وتہلیل وتکبیر وحمد وثنا اور درود وسلام وغیرہ۔ارشاد ربانی ہے:''اے ایمان والو اللہ تعالیٰ کا خوب ذکر کیا کرو اور صبح شام اس کی پاکی بیان کیا کرو'' (الاحزاب:۴۳-۴۲) اس کے علاوہ بے شمار آیات میں ذکر الٰہی کی اہمیت ،فضیلت اور ثمرات کا ذکر ملتا ہے۔مثلاً (بقرہ:۱۱۴-۱۵۲،آل عمران:۴۱-۱۹۱،الاحزاب:۴۲-۳۵،الرعد:۲۸،النور:۳۶-۳۷،المنافقون:۹) (۷)

کیا صوفی کا رب صوفی کو یاد کرتا ہے؟ رب تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے'تم مجھے یاد کرو میں تمہیں یاد کروں گا' (البقرۃ:۱۵۳) حضرت ثابت بنانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: مجھے معلوم ہے کہ میرا پروردگار مجھے کس وقت یاد کرتا ہے۔لوگ ان سے ڈر گئے اور پوچھا آپ کو کیسے پتہ چلا؟ فرمایا جب میں اس کو یاد کرتا ہوں، وہ مجھے یاد کرتا ہے۔ (۸) اس لئے صوفی اپنے رب کو کثرت سے یاد کرتا رہتا ہے کہ ذکر کرنا اس کے رب کو پسند ہے:''اے ایمان والو اللہ کا ذکر کثرت کے ساتھ کیا کرو'' (احزاب:۴۱)''اور اپنے رب کو کثرت سے یاد کرو اور صبح شام تسبیح کیا کرو'' (آل عمران:۴۱) اور جب صوفی کا رب اس کو یاد کرتا ہے تو اسے طمانیت قلبی حاصل ہوتی ہے۔اپنے رب سے روحانی تعلق میں وہ ترقی کے مراحل طے کرتا چلا جاتا ہے، مشکل وجاں سوز لمحات میں اس کا دل اطمینان وسکون سے پُر رہتا ہے:''اللہ ہی کے ذکر میں دلوں کا چین ہے'' (رعد-۲۸) صوفی کبھی اپنے رب کو تنہائی میں یاد کرتا ہے:''اپنے رب کے نام کا ذکر کیجئے اور پوری طرح سب سے علیحدہ ہو کر اُسی کے ہو جایئے۔'' (مزمل-۸) اور کبھی حلقۂ ذکر سجا کر یاد کراتا ہے:'یاد کرائے اس لئے کہ یاد کرانا مومنین کو نفع پہنچاتا ہے' (الذاریات:۵۵) کیوں کہ وہ جانتا ہے کہ:''اللہ کا ذکر بہت بڑی چیز ہے۔'' (العنکبوت:۴۵) یاد الٰہی اس کے لئے دنیا و مافیہا سے زیادہ عزیز شے ہے:''پس جب تم نماز ادا کر چکو تو اللہ تعالیٰ کا ذکر کرو کھڑے بھی بیٹھے بھی اور لیٹے ہوئے بھی'' (النساء:۱۰۳) خشیت الٰہی اس کے دل پر چھائی ہوئی ہے۔رب تعالیٰ کے ذکر

اورخوف عذاب سے اس کا چہرہ زرد پڑ جاتا ہے: ''خوش خبری دیں ایسے خشوع کرنے والوں کو جن کا حال یہ ہے کہ جب اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان کے دل ڈر جاتے ہیں۔'' (الحج:۳۴-۳۵) اس کی ریش ولباس آنسوؤں سے تر ہو جاتے ہیں اور غفلت کے خوف سے لرزاں ترساں رہنے لگتے ہیں: ''اپنے رب کو اپنے جی میں گڑگڑاتے ہوئے اور ڈرتے ہوئے یاد کرو اور اسے دھیمی آواز سے صبح وشام یاد کرو اور غافلوں میں سے نہ ہو۔'' (الاعراف:۲۰۵) جب کہ اس کے رب نے اس کے لئے مغفرت اور اجر عظیم کا سچا وعدہ کیا ہوا ہے: ''اور بکثرت اللہ کا ذکر کرنے والے مرد اور اللہ کا ذکر کرنے والی عورتیں ان سب کے لئے اللہ نے مغفرت اور اجر عظیم تیار کر رکھا ہے۔'' (الاحزاب:۳۵)

**دُعا:** سورۂ بنی اسرائیل میں رب تبارک وتعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ''آپ فرما دیجئے اللہ کہہ کر پکارو یا رحمٰن کہہ کر پکارو سب اُسی کے اچھے نام ہیں۔'' حدیث شریف میں آیا ہے کہ اللہ کے ننانوے نام ہیں چاہے جس نام سے اُسے پکارو۔ الگ الگ اوقات کی نمازوں کے بعد سلاسل میں اللہ کے ناموں کا ورد کیا جاتا ہے کہ اس کی رحمت کو متوجہ کیا جا سکے اور دعاؤں کو ان کی مراد حاصل ہو جائے۔ سورۂ بقرہ آیت ۱۸۶ میں ہے: ''میں قریب ہوں اور ہر پکارنے والے کی پکار کا جواب دیتا ہوں۔'' تضرع وزاری صوفی کی عادت بن جاتی ہے کیوں کہ یہ اس کے رب کا حکم ہے: 'اپنے رب سے دعا کرو گڑگڑاتے اور آہستہ بے شک حد سے بڑھنے والے اُسے پسند نہیں' (الاعراف:۵۵) شاید اسی لئے سلاسل کی اپنی اپنی مخصوص دعائیں ہیں۔

## خلوت (Privacy):

تصوف میں خلوت (چلّہ/مراقبہ) کی بڑی اہمیت ہے۔ ظاہر بیں لوگ اسے صوفیا کی بدعت سمجھتے ہیں لیکن صوفیائے کرام اس کا التزام اپنے رب کی اطاعت اور اس کی حکم کی بجا آوری میں کرتے ہیں۔ ارشاد ربانی ہے: 'اپنے رب کے نام کا ذکر کیجئے اور پوری طرح سب سے علیٰحدہ ہو کر اسی کے ہو جایئے۔' (مزمل:۸) اس آیت



میں خطاب اگرچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے لیکن اس میں موجود خلوت کا حکم سبھی کے لئے عام ہے، کیوں کہ قاعدہ یہ ہے کہ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی حکم دیا جائے لیکن آپ کے ساتھ اس کے مخصوص ہونے کی کوئی دلیل نہ ہو تو پوری اُمت سے اس حکم کی بجا آوری مطلوب ہوتی ہے۔ حکم ربانی کی پیروی کے ساتھ ساتھ خلوت نشینی رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے اتباع میں ہوتی ہے۔ سرکار دو عالم نے ارشاد فرمایا: میں نے ایک ماہ غار حرا میں خلوت نشینی کی۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں: پھر آپ کو خلوت نشینی محبوب کر دی گئی اور آپ کئی کئی رات غار حرا میں خلوت نشین رہ کر عبادت کیا کرتے تھے۔'' (۹)

## کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اوراد کا حکم دیا ہے؟

اگر ہم سنت نبوی کی طرف دیکھیں تو اس میں تصوف کا 'ذکر' (یاد کرنا) بھی ملتا ہے، 'تذکیر' (یاد کرانا) بھی ملتی ہے 'مذاکرہ' (شیخ پر احوال قلب کو پیش کرنا) بھی ملتا ہے اور 'حلقہ ہائے ذکر' کا ثبوت بھی ملتا ہے۔

**ذکر:** مذکر اعظم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں: اپنے رب کا ذکر کرنے والے اور اپنے رب کا ذکر نہ کرنے والے کی مثال ایسی ہے جیسے زندہ اور مردہ یعنی ذکر کرنے والا ہی حقیقت میں زندہ ہے اور ذکر نہ کرنے والا مردہ ہے۔ شاید اسی لئے تصوف میں ذکر الٰہی کو روح کی غذا کہتے ہیں جس کے بغیر روح زندہ نہیں رہ سکتی۔ حضرت جابر سے مروی ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان عالیشان ہے: افضل ترین ذکر لا الٰہ الا اللہ ہے (ترمذی)

**تذکیر:** اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی متعدد مقام پر تذکیر کی اہمیت پر زور دیا ہے اور اس کا شوق دلایا ہے۔ حدیث قدسی ہے: میں اپنے بندے سے ویسا ہی معاملہ کرتا ہوں جیسا وہ میرے ساتھ گمان رکھتا ہے۔ اگر میرا بندہ ایک گروہ میں میرا ذکر کرتا ہے تو میں اس سے بہتر گروہ میں اس کا ذکر کرتا ہوں۔ اور مجمع میں ذکر الٰہی کرنا یا

لوگوں کو ذکر سنانا اور انہیں ذکر کرانا یہ سب تذکیر ہے۔

**مذاکرہ:** اہلِ ذکر سے سوال و استفسار مذاکرہ کہلاتا ہے۔ آیت: ''اگر تم نہیں جانتے تو اہلِ ذکر سے پوچھو (الفرقان: ۵۹) اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان: ''مشورہ کرنے والا مامون رہتا ہے'' (ترمذی) مذاکرے کو بھی شامل ہیں۔ مذاکرہ سالک کا اپنے شیخ سے مشورہ ہی ہوتا ہے۔

**حلقۂ ذکر Assembly:**

حلقۂ ذکر کا انعقاد صوفیا کے معمولات کا اہم حصہ ہے اور اس کا مرجع (Source) بھی نبوی تعلیمات ہیں۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم جنت کی کیاریوں سے گزرو تو چرلیا کرو یعنی اس سے استفادہ کرلیا کرو، عرض کیا یا رسول اللہ! جنت کی کیاریاں کیا ہیں؟ فرمایا: حلقہ ہائے ذکر (ترمذی)

**دُعا:** بلاشبہ منبع تصوف حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم متخلق باللہ ہیں اور اللہ کی عطا سے صفت رافت و رحمت متناہیہ کے مالک ہیں۔ مقامِ احسان تک رسائی آپ کی راہ نمائی کے بغیر ممکن نہیں۔ یہ آپ ہی کا ارشادِ گرامی ہے کہ 'اللہ کے ہاں دُعا سے بڑھ کر کوئی چیز گرامی نہیں (ترمذی) مزید کرم بالائے کرم یہ کہ اپنی اُمت کو بے شمار دعائیں تعلیم کی ہیں جن میں سے بعض دعائیں اہلِ تصوف کے یہاں رائج ہیں۔ ان کے علاوہ اللہ تبارک و تعالیٰ سے استغاثہ، استعانت، توسل، واسطہ، دادفریاد اور توبہ جو حضور کی دعائیہ تعلیمات سے ہیں، سلاسل کے اشجار کا لازمی جُز ہیں اور یہ صفائی و طہارت قلب کے لئے ہیں۔ ایصال ثواب دراصل مرحومین کے لئے دعائے مغفرت ہے اور یہ بھی سنت نبوی میں داخل ہے۔ مجالس ایصال ثواب (فاتحہ) و اعراس، دعا کے قبیل سے ہی ہیں۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت



کیا ہے کہ آپ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کے کچھ فرشتے زمین میں چل پھر کر ذکر کے حلقے تلاش کرتے ہیں پھر جب وہاں آجاتے ہیں تو ان کو اپنے پروں سے گھیر لیتے ہیں اور کھڑے ہو کر اپنے ہاتھ دعا کے لئے ربُّ العزت کی بارگاہ میں آسمان کی طرف اٹھاتے ہیں پھر دعا مانگتے ہیں: اے ہمارے رب! ہم تیرے بندوں میں سے ایسے بندوں کے پاس آئے ہیں جو تیری نعمتوں کی عظمت بیان کرتے ہیں اور تیری کتاب کی تلاوت کرتے ہیں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر دُرود وسلام بھیجتے ہیں اور تجھ سے دُنیا اور آخرت کے لئے سوال کرتے ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ جواب میں فرماتا ہے: میری رحمت سے ان کو ڈھانپ دو۔ وہ ایسی مجلس ہے کہ ان میں بیٹھنے والا کبھی شقی (بدبخت) نہیں ہوتا۔ (۱۰) سلاسل کے شجرے اور دعائیں دراصل اس حدیث میں موجود 'دُنیا اور آخرت کے لئے سوال' ہی کا حصہ ہیں، صوفیا کی گڑھی ہوئی بدعت نہیں۔

**خلوت:** مرشدِ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس نے چالیس صبحیں اللہ تعالیٰ کے لئے خاص کردیں، حکمت کے چشمے اس کے دل سے اس کی زبان پر بہنے لگیں گے۔ اسی لئے چالیس دن کی خلوت (چلّے) میں بڑی تاثیر ہے۔ اسی لئے حضرت آدم کی مٹی کو چالیس روز خمیر کیا گیا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تمام عمر میں پانچ چلّے مروی ہیں۔ ایک چلّہ سیدنا آدم علیہ السلام کا اور سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کا جمادی الاخریٰ کی بیس تاریخ سے لے کر ماہ رجب کے ختم تک۔ ایک چلّہ حضرت سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا بیس شعبان سے شب عید الفطر تک۔ ایک چلہ سیدنا یونس علیہ السلام کا ذی الحجہ کی پندرہویں سے محرم الحرم کی پچیس تک۔ ایک چلّہ سیدنا موسیٰ علیہ السلام کا شب نمرہ (یکم) ذی قعدہ سے لے کر شب عیدالاضحیٰ تک، اور ایک چلّہ سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بیسویں رمضان سے آخر ماہ شوال تک۔ چلّہ کشی کی جو شرطیں زیادہ اہم ہیں، ان میں سے ایک بھی ترک کرنے سے مقصود کلی حاصل نہیں ہوتا۔ (۱۱)

خاندان برکات کے مورث اعلیٰ سندالمحققین میر سید عبدالواحد بلگرامی چشتی لکھتے ہیں: ’منقول ہے کہ خواجہ نظام الحق والدین محمد بن احمد بدایونی قدس سرہٗ نے شیخ نصیرالدین محمود قدس اللہ روحہ سے فرمایا کہ تم چلّہ چشتیانہ کھینچو۔ آپ نے بعض احباب سے دریافت کیا کہ چلہ چشتیانہ کیا ہے؟ جواب دیا ایک دیوار کے پیچھے بیٹھ رہو (یعنی دنیا سے کلیۃً منقطع ہوکر)............ آگے لکھتے ہیں ’’مرید جب سیدھا پاؤں حجرۂ خلوت میں رکھے تو اعوذ باللہ اور بسم اللہ پڑھے اور پوری سورۂ والناس تین بار پڑھے۔ اس کے بعد بایاں پیر حجرہ میں رکھے اور یہ دعا پڑھے۔ عربی دُعا کا ترجمہ: الٰہی تو دنیا وآخرت میں میرا کارساز ہے تو میرے لئے ایسا رہ جیسا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے تھا اور اپنی محبت مجھے عطا فرما، الٰہی میرے پردۂ دل میں اپنی محبت ڈال اور مجھے جلال وجمال سے اپنے مخلصین میں شامل فرما۔ الٰہی مجھے اپنے جذبات ذات سے میرا نفس محو کردے۔ اے بے کسوں کے انیس الٰہی مجھے تنہا نہ چھوڑ تو بہتر وارثوں میں ہے۔ اس کے بعد مُصلے پر کھڑا ہو اور منہ قبلہ کی طرف کرے اور ایک مرتبہ اِنِّی وَجَّھْتُ وَجْھِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَالسَّمٰوٰاتِ وَالْاَرْضَ حَنِیْفًا وَّمَا اَنَا مِنَ الْمُشْرِکِیْن (میں نے اپنا چہرہ متوجہ کیا اس ذات کی جانب جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا، دراں حالیکہ سب سے یک سو ہوں اور مشرکین سے نہیں ہوں) پڑھے۔ اس کے بعد دو رکعت نمازِ جلالت الٰہی کے لئے پڑھے۔ پہلی رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد آیۃ الکرسی اور دوسری رکعت میں آمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَا اُنْزِلَ آخر سورت تک پڑھے۔ اس کے بعد سجدہ میں سر رکھے اور یوں کہے (الٰہی میری خلوت میں میرا انیس رہ اور میری تنہائی میں میرا معین۔ الٰہی میری اس خلوت کو اپنے مشاہدہ کا موجب بنادے اور مجھے اُس کام کی توفیق دے جو تجھے محبوب وپسندیدہ ہے۔ الٰہی میں تیرے غضب سے تیری پناہ مانگتا ہوں اور تجھ سے تیری رضا چاہتا ہوں۔ الٰہی مجھے بندگی نفس سے دُور رکھ۔ الٰہی میری آنکھوں سے پردہ ہٹالے اور میرے دل کا زنگ دُور کردے تاکہ میں لا الہ الا اللہ کا جمال دیکھ



سکوں۔ اس کے بعد ذکر نفی واثبات میں خاص الخاص توجہ وارادت سے مشغول ہوجائے اور کبھی ذکر ذات میں ملاحظہ اور مفہوم کے ساتھ مصروف رہے کہ اس کا ایک لحظہ بھی ذکر نفی واثبات سے خالی نہ رہے۔

چلّہ کشی کے لئے آٹھ شرطیں ہیں: اوّل خلوت گاہ میں تنہا ہونا، قبلہ رو پالتی مار کر بیٹھنا، ہاتھوں کو زانوؤں پر رکھنا، مردہ کو غسل کی نیت کرنا، خلوت گاہ کو اپنی لحد تصور کرنا اور اس جگہ سے وضو کرنے اور نماز پڑھنے کے علاوہ باہر نہ نکلنا، خلوت گاہ تاریک ہونا چاہیے۔ یہ بھی ہو کہ اس کے دروازہ پر پردہ ڈال دے تاکہ اس میں ذرا بھی روشنی نہ آسکے۔ اس کے بعد ذکر میں مشغول ہو اور تمام اندیشے دل سے نکال دے۔ دوسری شرط یہ ہے کہ ہمیشہ باوضو رہے، اس لئے کہ بے وضو ہونا شیطان کے غلبے کی راہ ہے۔

تیسری شرط ہمیشہ ہمیشہ ذکر کرنا، چوتھی شرط اندیشوں کی نفی اور ان کا دفع۔ چاہیے کہ جو خطرہ دل میں آئے خواہ نیک یا بد، اسے کلمہ لا الٰہ الا اللہ سے نفی کردے۔ اس لئے کہ جس چیز کا نقش صفحۂ دل پر پڑتا ہے خواہ نیک یا بد، وہ صفائی قلب کو نقوش قلب کے قبول سے سدّ راہ بن جاتا ہے اور جب تک صفحۂ دل ان شہوانی نقشوں سے پاک نہیں ہوتا، وہ مشاہدہ غیبی کے نقوش اور علم لُدنّی (وہ علم جو کسی کو خدا کی طرف سے براہ راست بغیر اُستاد حاصل ہو) کے قابل نہیں ہوتا اور مکاشفات روحانیہ (Internal Revealations) کے انوار وتجلیات ربّانیہ (Lustures and Manifestation of Allah) کو قبول نہیں کرتا۔

پانچویں شرط ہمیشہ روزہ رکھنا ہے کہ روزہ تعلقات بشریہ اور خواہشات نفسانیہ کو دُور کرنے میں بڑا قوی اثر رکھتا ہے۔ چھٹی شرط ہمیشہ خاموش رہنا۔ تو چاہیے کہ کسی سے بات نہ کرے مگر اپنے شیخ سے کشف واقع میں ضرورت کے مطابق۔ ساتویں شرط یہ ہے کہ اپنے دل کی توجہ شیخ کے دل سے ہمیشہ قائم رکھے کہ شیخ کے دل سے کچھ التفات مرید کے دل میں پہنچتا ہے اور آٹھویں شرط اللہ تعالیٰ سے شکایت اور

اپنے شیخ پر اعتراض کا ترک کر دینا ہے۔(۱۲)

## کیا دورِ حاضر میں اوراد کی ہمیں ضرورت ہے؟

اس پُرفتن دور میں قلب جتنا مضطرب آج ہے، پہلے نہ تھا۔ شیطان کی خون میں شمولیت (Participation) تیز ترین گردش کے ساتھ رواں دواں ہے۔ زہد وتقویٰ، صدق اخلاص، صحبت و بیعت، ذکر ومجاہدہ، خوف ومحاسبہ اور رضا وتوکل جو مرشد اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کا اہم جُزو تھے، آج مومن کی زندگی سے رخصت ہو چکے ہیں۔ یہاں تک کہ نماز جیسی افضل العبادات، عدمِ خشوع وخضوع کے سبب فراہمی سکونِ قلب اور درجہ قبولیت سے دُور ہوگئی ہے۔ پیغمبر اسلام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ انتباہ: ''اگر تم اتنی نمازیں پڑھ لو کہ کمان کی طرح خمیدہ ہو جاؤ اور اتنے روزے رکھ لو کہ تانت کی طرح بن جاؤ تب بھی بغیر تقویٰ کے تم کو یہ عبادت کوئی نفع نہ دے گی'' آج زیادہ لائق فکر بن چکا ہے۔ بایں ہمہ آج روحانی سکون کی تلاش میں 'یوگا' جیسے شرکیہ افعال سے بھی گریز نہیں کیا جا رہا ہے۔ مگر دور جتنا بھی پُرفتن ہو، اسلام کی نرم اور شفیق گود پریشان ومُضطرب مومن کو اپنے آغوش میں لینے کے لئے ہمہ وقت تیار رہتی ہے۔ سرکار ذی وقار کا فرمان کہ: ''اے گروہ صحابہ! اگر آج تم شریعت کا دسواں حصہ بھی چھوڑ دو گے تو ہلاک ہو جاؤ گے' مگر قربِ قیامت میں میری اُمت کے لوگ اگر شریعت کے دسویں حصے پر بھی عمل کرلیں گے تو نجات پا جائیں گے'' آج کے مومن کے لئے کیا کسی بڑی بشارت سے کم ہے؟ لہٰذا آج کے بے چین ومُضطرب ذہن کو روح اور جذبات کے سکون کی خاطر نہ تو شور برپا کرنے والے خطرناک ہتھیار ہاتھ میں لینے کی ضرورت ہے اور نہ یوگا جیسے خاموش زہر قاتل کو پھانک کر شرکیہ موت کی وادی میں گم ہو جانے کی ضرورت ہے' بلکہ آج تصوف اور صوفیائے کرام کے دامن کرم کی پناہ لینے کی ضرورت ہے، جہاں پر ذہنی مشکل کا شافی حل موجود ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کل کے ہندو ہندوستان کی سرزمین پر ہر مسلم حکمراں کی کمزور اقلیتی پُشت کو



مضبوط پناہ دینے والی شخصیت میں کوئی صُوفی ہی تھا۔ تاریخ کے اوراق کا مطالعہ ہمیں اس خوش خبری کا مژدہ سُنا تا رہا ہے۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ:

۱- اوراد وظائف کے مصادر ومآخذ قرآن وحدیث ہیں نہ کہ وید وپُران، جیسا کہ بعض مستشرقین (Orientalist) نے انہیں ہندو اور بودھ دھرم کی چلّہ کشی اور ریاضت کی طرف غلط منسوب کیا ہے۔

۲- طریقت چوٹی ہے نہ کہ بنیاد، جس طرح بنیاد کے بغیر چوٹی کا تصور محال ہے، اسی طرح رب تبارک وتعالیٰ کا مشاہدہ بغیر اتباع شریعت ممکن نہیں۔ منفرد تابعی حضرت نعمان بن ثابت زوطی مشہور بہ لقب امام اعظم ابوحنیفہ (وفات ۱۸۰ھ) بانیٔ فقہ حنفی خواب میں سو بار رب تعالیٰ کے دیدار سے مشرف ہوئے تھے۔(۱۵)

۳- فرائض وواجبات کو ترک کر کے اور ادو وظائف میں مشغولیت بے کار ہے۔(۱۶)

## چند ممتاز چشتی اوراد:

حضرت خواجہ غریب نواز رضی اللہ تعالیٰ سے منقول چند اوراد ووظائف پیش کئے جاتے ہیں، جو ملت اسلامیہ کے درد کا درماں اور قربِ الٰہی حاصل کرنے کا ذریعہ ہیں۔

## زیارتِ رسول مقبول صلی اللہ تعالیٰ وسلم:

حضرت خواجہ غریب نواز رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص خواب میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کرنا چاہتا ہے تو وہ پاک صاف ہو کر جمعہ کی شب کو دو رکعت نماز نفل اس طرح ادا کرے کہ ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ کے بعد ایک بار آیت الکرسی اور پندرہ بار سورۂ اخلاص پڑھے۔ سلام پھیرنے کے بعد نہایت عاجزی سے بارگاہ الٰہی میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہونے کے لئے

دعا مانگے اور پھر بستر پر چپ چاپ سوجائے۔ اللہ کے فضل سے وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرف ہوگا۔ اگر پہلی شب دُرِّ مقصود حاصل نہ ہوتو دوسری شب پھر یہی عمل کرے۔ دوسری شب بھی ناکام رہے تو تیسری شب پھر یہی عمل کرے۔ ان شاءاللہ کسی نہ کسی شب گوہرِ مقصود ہاتھ آجائے گا۔

**مصیبت سے نجات کے لئے:**

حضرت خواجہ غریب نواز قدس سرہٗ کا قول ہے کہ جو شخص مصیبت کے وقت آیت کریمہ لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ سُبْحَانَكَ اِنِّی كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ کی بکثرت تلاوت کرے، اللہ تعالیٰ اس کی مصیبت دور کرے گا۔

**آیت الکرسی کی برکات:**

حضرت خواجہ غریب نواز قدس سرہٗ سے منقول ہے کہ جو شخص آیت الکرسی پڑھ کر گھر کے اندر داخل ہوتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے گھر سے مفلسی دور کردیتا ہے اور آیت الکرسی بکثرت پڑھنے والے کا مال چوری سے محفوظ رہتا ہے اور اللہ تعالیٰ اپنی بخشش ورحمت کے دروازے اس پر کھول دیتا ہے۔

**گمشدہ کی تلاش:**

حضرت خواجہ غریب نواز قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ اگر کسی کا کوئی عزیز گم ہوگیا ہوتو وہ یہ دعا کثرت سے پڑھا کرے اللہ تعالیٰ گمشدہ کو واپس لے آئے گا۔

یا جامع الناس لیوم لا ریب فیه اجمع علی ضامن

**آنکھوں کی روشنی کا عمل:**

حضرت خواجہ غریب نواز قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ نظر کی تیزی اور آنکھوں کی ہر بیماری سے محفوظ رہنے کے لئے یہ عمل بہت مفید ہے۔ ہر نماز کے بعد لا اله الا هو القیوم دومرتبہ پڑھ کر ہاتھ کے انگوٹھوں پر دم کیا جائے اور پھر عنت الوجوه للحی



القیوم پڑھ کر دونوں آنگوٹھوں پر دم کر کے آنکھوں کے پپوٹوں پر ملے۔

**حصولِ عزت ومقبولیت کا عمل:**

اگر کوئی شخص حصولِ عزت ومقبولیت کا خواہش مند ہوتو وہ صبح کو جب سورج ایک نیزہ بلند ہوجائے، اس کی طرف منہ کر کے صدق دل سے سورۂ رحمٰن پڑھے۔ ہر دفعہ فبای الآء ربکما تکذبٰن پڑھتے وقت انگلی سے سورج کی طرف اشارہ کرے۔ چالیس بار یہ سورۂ مبارک پڑھ کر زکوٰۃ ادا کرے۔ جب کسی کے سامنے جانا ہو سورہ رحمٰن مکمل یا فبای الآء ربکما تکذبٰن تین بار پڑھ کر جائے۔ ان شاءاللہ سرخرو ہوگا اور دلی مراد برآئے گی۔

**دشمنوں پر فتح یابی اور سلامتیِ ایمان:**

حضرت خواجہ غریب نواز قدس سرہ فرماتے ہیں کہ دشمنوں پر فتح یابی، ہر کام میں ثابت قدمی اور سلامتی ایمان کے لئے یہ آیت بکثرت پڑھی چاہئے۔

رَبَّنَا اَفْرِغْ عَلَیْنَا صَبْرًا وَّثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَی الْقَوْمِ الْكَافِرِیْنَ

**دردِ شکم سے نجات:**

حضرت خواجہ غریب نواز قدس سرہ سے منقول ہے کہ کوئی شخص شدید دردِ شکم میں مبتلا ہوجائے تو پاک پانی پر سات بار سورہ الم نشرح پڑھ کر دَم کیا جائے اور پھر اس مریض کو پلا دیا جائے تو امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے دردِ شکم سے نجات دے گا۔

**امراض لادوا سے نجات کے لئے:**

حضرت خواجہ غریب نواز قدس سرہ فرماتے ہیں کہ اگر کسی شخص کو لا علاج مرض ہوتو چاہیے کہ جمعہ کے دن نماز عصر سے مغرب تک ''یا اللہ یا رحمٰن یا رحیم'' کو پڑھتا رہے، ان شاءاللہ اکیس دن میں صحت ہوگی۔ مگر بلاناغہ پڑھے اگر مرض الموت ہے تو وہ پڑھ نہ سکے گا۔

## برائے شفائے امراض:

حضرت خواجہ غریب نواز قدس سرہ فرماتے ہیں کہ سورۃ فاتحہ تمام بیماریوں کی دوا ہے، جب کوئی بیمار کسی دوا سے اچھا نہ ہو تو فجر کی نماز میں فرض اور سنت کے درمیان اکتالیس بار سورۃ فاتحہ صدق دل سے پڑھ کر مریض پر دم کرے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ مریض شفا پائے گا۔ پڑھنے کا طریقہ یہ ہے کہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کی م کو الحمد کی ''ل'' سے ملا کر پڑھے۔

## برائے معاش:

حضرت خواجہ غریب نواز قدس سرہ نے فرمایا۔ اگر کسی کو ملازمت نہ ملتی ہو اور ذریعہ معاش کی کوئی صورت نہ ہو تو اس کو چاہئے کہ غرۂ اتوار سے سورۂ یٰسین شریف کو اس ترتیب سے پڑھے کہ صبح کی نماز کے بعد طلوع آفتاب سے اول درود شریف اکتالیس بار پھر سورۂ یٰسین شریف مبین در مبین پڑھے لفظ مبین کا سات بار تکرار کرتا رہے آخر تک، بعدۂ تمام سورہ کو ایک بار پڑھے پھر درود شریف اکتالیس بار پڑھ کر دعا مانگے، چالیس یوم تک اسی طرح پڑھے اور پہلے ہی چلّہ میں کامیاب ہوگا ورنہ دوسرا چلّہ کرے اگر پھر بھی کامیاب نہ ہو تو تیسرا چلّہ بھی کرے کامیاب ہوگا اور کوئی صورت معاش کی ہوجائے گی۔

## نزع کی حالت میں:

حضرت خواجہ غریب نواز قدس سرہ نے فرمایا ہے کہ جس کو شدّت سکراتِ موت کی ہو، اس کے پاس بحالت نزع سورۂ یٰسین شریف باوضو بحضور قلب پڑھے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ سکرات موت کی سختی آسان ہوجائے گی۔

## دشمن کو مغلوب کرنے کے واسطے:

حضرت خواجہ غریب نواز قدس سرہ نے فرمایا ہے کہ اگر کسی کے دشمن زیادہ ہوں تو چاہئے کہ باوضو سو بار درود شریف پڑھے اور ہاتھ اٹھا کر جناب باری میں دشمنوں سے نجات کے لئے نہایت عجز وانکساری سے دعا کرے۔ ایک ہفتہ کامل



پڑھنے سے دشمن مغلوب ہوجائے گا۔

## برائے مایوسی اولاد:

حضرت خواجہ غریب نواز قدس سرہ فرماتے ہیں کہ بعد نماز تین مرتبہ کہے:

رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَ ذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْيُنٍ وَّاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا

## برائے دفع آسیب:

تین مرتبہ پانی پر پڑھ کر منہ پر چھینٹا مارے یا کان میں دم کرے۔

يٰاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ اِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَيْءٌ عَظِيْمٌ

## زہریلے جانور کے کاٹنے سے شفا:

جس جگہ زہریلے جانور نے کاٹا ہو اس مقام پر انگلی گھماتا ہوا ایک سانس میں سات مرتبہ پڑھ کر دم کرے۔ وَاِذَا بَطَشْتُمْ بَطَشْتُمْ جَبَّارِيْنَ

## مرض سے نجات کے لئے:

کوئی مرض ہو طشتری پر لکھ کر مریض کو پلاوے یا تعویذ لکھ کر گلے میں ڈال دے

كٓهٰيٰعٓصٓ حٰمٓ عٓسٓقٓ

## برائے مقبولیت نماز:

حضرت خواجہ غریب نواز قدس سرہ فرماتے ہیں کہ بعد نماز کلمۂ توحید تین مرتبہ پڑھنے سے نماز مقبول ہوجائے گی۔

## دیوانے کتّے کے کاٹنے کا علاج:

حضرت خواجہ غریب نواز قدس سرہ فرماتے ہیں کہ اگر کسی کو دیوانہ کتّا کاٹے تو چاہئے کہ اس آیۃ کو روٹی کے چالیس ٹکڑوں پر لکھ کر ہر روز ایک ٹکڑا چالیس دن تک کھائے:

اِنَّهُمْ يَكِيْدُوْنَ كَيْدًا وَّاَكِيْدُ كَيْدًا، فَمَهِّلِ الْكٰفِرِيْنَ اَمْهِلْهُمْ رُوَيْدًا

### برائے علاج لقوہ:

حضرت خواجہ غریب نواز فرماتے ہیں کہ اگر کسی کو لقوہ کی بیماری ہو جائے تو کسی بزرگ کامل سے سورۂ ''زلزال'' کو معہ بسم اللہ شریف لکھوا کر پاک برتن پر دھو کر پیا کرے، بلاناغہ اکیس دن پینے سے ان شاء اللہ آرام ہوگا۔

### برائے ادائے قرض:

حضرت خواجہ غریب نواز قدس سرہٗ نے فرمایا، ادائے قرض کے لئے آیت ذیل کو پانچ بار ہر نماز میں روزانہ پڑھا کرے، اکتالیس دن تک، ان شاء اللہ تعالیٰ قرض سے بہت جلد نجات پائے گا۔

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ o قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الۡمُلۡكِ تُؤۡتِی الۡمُلۡكَ مَنۡ تَشَآءُ وَتَنۡزِعُ الۡمُلۡكَ مِمَّنۡ تَشَآءُ وَتُعِزُّ مَنۡ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنۡ تَشَآءُ بِيَدِكَ الۡخَيۡرُ اِنَّكَ عَلٰی كُلِّ شَیۡءٍ قَدِيۡرٌ تُوۡلِجُ الَّيۡلَ فِی النَّهَارِ وَتُوۡلِجُ النَّهَارَ فِی الَّيۡلِ وَتُخۡرِجُ الۡحَیَّ مِنَ الۡمَيِّتِ وَتُخۡرِجُ الۡمَيِّتَ مِنَ الۡحَیِّ وَتَرۡزُقُ مَنۡ تَشَآءُ بِغَيۡرِ حِسَابٍ۔

عامل یا وظیفہ خواں ان صفات کا حامل ہو۔

۱۔ اپنی روزی حلال ذرائع سے کمائے۔
۲۔ احکامِ شریعت کی پوری پوری پابندی کرے۔
۳۔ جھوٹ نہ بولے۔

اگر کسی کو ان صفات سے تہی ہونے کے باوجود کسی عمل یا وظیفہ سے فائدہ پہنچ جائے تو یہ خداوند کریم کا خاص فضل وکرم ہوگا۔[۱۳-۱۴]

یہ وہ باتیں ہیں جن میں نہ کوئی افراط ہے اور نہ کوئی تفریط۔ تصوف اسلام کی روح ہے اور بیعت وارادت منبع تصوف وشفاعت، حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی سے تاریخی اور روحانی اتصال کا نام ہے کہ جس کو آیات قرآنیہ کی تائید وسند حاصل ہے۔ کیا آپ اس نعمت عظمیٰ سے فیض یاب ہونا چاہتے ہیں؟ تو تھام لیجئے کسی سچے پیر طریقت کا دامن کرم۔



## مصادر ومراجع


۱۔ اہل سنت کی آواز مطبوعہ ۲۰۰۶ مصطفیٰ جان رحمت منبع تصوف ڈاکٹر سید علیم اشرف جائسی دارالاشاعت برکاتی خانقاہ برکاتیہ مارہرہ مطہرہ۔ ضلع ایٹہ یوپی انڈیا۔ ص۲۱۴
۲۔ سبع سنابل شریف۔ میر عبدالواحد بلگرامی ۔ رضوی کتاب گھر غیبی نگر بھیونڈی، ضلع تھانہ مہاراشٹر، انڈیا۔ ص۱۰۵-۱۰۶
۳۔ ایضاً ص۱۲۷-۱۲۸
۴۔ اصح التواریخ، تاج العلماء سید محمد میاں قادری، برکاتی پبلشرز کراچی، مطبوعہ ۱۹۸۸ء
۵۔ سبع سنابل شریف ص۱۱۴ تا ۱۱۹
۶۔ تربیتی نصاب، پروفیسر ڈاکٹر طاہر القادری، مکتبہ رضویہ، ادبی دنیا، ۵۱۰ مٹیا محل دہلی، ۶، جلد چہارم ص۹
۷۔ اہل سنت کی آواز مطبوعہ ۲۰۰۶ ص۲۲۲
۸۔ تربیتی نصاب ص۹
۹۔ اہل سنت کی آواز ۲۰۰۶ء ص۲۲۴
۱۰۔ تربیتی نصاب ص۱۸
۱۱۔ سبع سنابل شریف ص۱۲۸-۱۲۹
۱۲۔ ایضاً ص۱۳۱-۱۳۲
۱۳۔ معین الہند خواجہ اجمیری، افضال عباسی، سب رنگ پبلی کیشنز، نئی دہلی
۱۴۔ ہندالولی غریب نواز، منشی عبدالحمید، اجمیر شریف
۱۵۔ ہمارا اسلام۔ مفتی محمد خلیل خاں قادری برکاتی، ادبی دنیا، ۵۱۰ مٹیا محل دہلی، ص۱۷۲
۱۶۔ اصح التواریخ ص۴۱۰

# سبع سنابل شریف کے چشتی گوشے

ڈاکٹر قمرالہدیٰ فریدی
شعبۂ اُردو، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی

زندہ رہنے کے لیے ہمیں حیات کے متعدد تقاضے پورے کرنے ہوتے ہیں۔ بعض کا شمار لوازمِ حیات میں ہے یعنی جن کے بغیر ہم زندہ نہیں رہ سکتے، مثلاً سانس لینا، کھانا پینا وغیرہ؛ بعض کا تعلق ضروریات حیات سے ہے، جیسے اعلیٰ تعلیم، بہتر صحت، عمدہ مکان، رنگ، روشنی، احباب اور اعزہ زندگی کے لیے ان سب کی ضرورت ہے۔

بندگی کے بھی کچھ لوازم، آداب اور شرائط ہیں۔ ان کی بجا آوری کے لیے مذہب نے کچھ اصول، طور طریقے، فرائض و مستحبات متعین کیے ہیں۔ انھیں جاننا اور ان پر عمل پیرا ہونا بھی ضروری ہے کیوں کہ ان کے بغیر انسانیت کے تقاضے پورے نہیں ہو سکتے۔ لیکن خراجِ بندگی کے ساتھ ساتھ ایک چیز اور بھی ہے جسے ہم شعورِ بندگی سے تعبیر کر سکتے ہیں۔ مثلاً سجدہ ریزی اعترافِ عبودیت ہے اور جبیں جھکے تو دل بھی جھک جائے، یہ سلیقہ شعورِ بندگی ہے۔ یعنی پہلا مرحلہ خراجِ بندگی، دوسرا شعور بندگی ہے۔ تربیتِ انسانی کے ان دو مراحل کو شریعت اور طریقت کے حوالے سے سمجھنے اور سمجھانے کی کوشش کی گئی ہے۔ جب تک آدمی کو یہ شرف حاصل تھا کہ دماغ کو دل کے ساتھ سجدہ ریز ہونے میں تامل نہ تھا، الگ سے طریقت کے اصول وضوابط سے عوام کو روشناس کرانے کی ضرورت نہ تھی۔ لیکن خیر القرون سے جیسے جیسے ہم دور



ہوتے گئے، تزکیۂ نفس کے لیے شریعت کے ساتھ ساتھ طریقت کی اصطلاح گفتگو کا موضوع بننے لگی۔

ایک زمانے تک سلوک کے منازل نگاہوں سے طے ہوتے رہے اور باطن کے اسرار و رموز علم سینہ کی صورت میں صاحبانِ خیر کو منتقل ہوتے رہے۔ لیکن وقت کا قافلہ کچھ اور آگے بڑھا تو طریقت کے غوامض زبانِ دہن سے نوکِ قلم تک آ پہنچے اور پھر یوں ہوا کہ طالبانِ حق کی رہنمائی اور معترضین کے ازالۂ شکوک کے لیے تصوف کے موضوع پر عربی اور فارسی میں متعدد کتابیں مختلف زمانوں میں منصۂ شہود پر آتی چلی گئیں۔ ان میں سے بعض تصانیف تاریخِ تصوف کا مطالعہ کرنے والوں کے لیے بہ طورِ خاص دلچسپی کا محور بنیں اور ان کی بنیاد پر مستشرقین نے بھی بہت سا لٹریچر فراہم کر دیا۔ ظاہر ہے، ان کے مطالعے کی نوعیت قطعاً جداگانہ تھی۔ فی الوقت ہمارا مقصود اہلِ دل کی وہ علمی کاوشیں ہیں جنھیں صاحبانِ خیر کی مجلسوں میں قبولِ عام کا درجہ حاصل ہوا۔ مثلاً کتاب اللمع فی التصوف (شیخ ابونصر سراج - م.۳۷۸ھ)، قوت القلوب فی معاملۃ المحبوب (شیخ ابوطالب مکی - م ۳۸۶ھ)، التعرف لمذہب اہل تصوف (شیخ ابوبکر - م ۳۹۰ھ)، طبقات الصوفیہ (ابوعبدالرحمٰن السلمی - م ۴۱۳ھ)، حلیۃ الاولیا (ابونعیم اصفہانی - م ۴۳۰ھ)، رسالہ قشیریہ (ابوقاسم قشیری - م ۴۶۸ھ)، کشف المحجوب (علی بن عثمان ہجویری - م ۴۶۵ھ)، منازل السائرین (خواجہ عبداللہ انصاری - م ۴۸۰ھ) - احیاء العلوم (امام غزالی - م ۵۰۵ھ)، فتوح الغیب (محی الدین شیخ عبدالقادر جیلانی - م ۵۶۱ھ)، غنیۃ الطالبین (محی الدین شیخ عبدالقادر جیلانی)، تذکرۃ الاولیاء (شیخ فریدالدین عطار - م ۶۲۰ یا ۶۲۷ھ)، مرصاد العباد (شیخ نجم الدین رازی - م ۶۲۰ھ)، عوارف المعارف (شیخ شہاب الدین سہروردی - م ۶۳۲ھ)، فتوحاتِ مکیہ (محی الدین ابن عربی - م ۶۳۷ھ)، فصوص الحکم (محی الدین ابن عربی)، لمعات (شیخ فخرالدین عراقی - م ۶۸۰ھ)، فوائد الفواد (حسن علاسجزی - م

۳۸ے ھ)،مکتوباتِ صدی (شیخ شرف الدین یحییٰ منیری-م) وغیرہ وغیرہ۔

فہرست سازی مدّعا نہیں ہے۔بس اتنا اشارہ کرنا مقصود ہے کہ ضرورتِ زمانہ کے لحاظ سے مختلف ادوار میں تصوف موضوعِ گفتگو رہا ہے اور اصلاحِ نفس اور اظہارِ حال کا یہ سلسلہ آج بھی دراز ہے۔

دسویں صدی ہجری کے ایک بزرگ سید عبدالواحد بلگرامی قدس سرہ (سنہ ولادت ۹۱۲ھ یا ۹۱۵ھ) نے بھی اپنے عہد کی ضرورتوں اور مسائل کے پیشِ نظر تزکیۂ نفس اور اصلاحِ عقائد کے لیے کئی کتابیں تالیف فرمائیں، سبع سنابل ان میں سے ایک ہے۔

سبع سنابل کی اہمیت اس کے مضامین کی وجہ سے بھی ہے اور صاحبِ تصنیف کی شخصیت کے سبب سے بھی ہے۔یعنی یہ محض نظری مباحث پر مشتمل کتاب نہیں ہے بلکہ اسے لکھنے والا خود بھی خاندانی وجاہت کا حامل اور تقویٰ و تصوف کا عملی نمونہ ہے۔ اس اجمال کی تفصیل کے لیے میر بلگرامی کے بارے میں ہمیں اپنی معلومات کو تھوڑی سی وسعت دینی ہوگی۔

صاحبِ سبع سنابل میر عبدالواحد بلگرامی کے اجداد عراق، واسط، غزنی اور جاجنیر سے ہوتے ہوئے بلگرام پہنچے تھے۔ بلگرام یوپی کے ضلع ہردوئی کی ایک بستی ہے۔حضرت میر عبدالواحد اسی نسبت سے بلگرامی کہلاتے ہیں۔

میر بلگرامی کا خاندان عراق سے بلگرام کب اور کس طرح پہنچا اور تازہ صورتِ حال کیا ہے، اس کی تفصیل مولانا سید محمد میاں قادری مارہروی کی اصح التواریخ (ص ۸-۹، برکاتی پبلی کیشنز، کراچی) کے حوالے سے محبّ گرامی مولانا مبارک حسین مصباحی نے اس طرح بیان کیا ہے:

''آپ کے جد اعلیٰ سید علی عراقی رضی اللہ عنہ ترکِ وطن فرما کر قریۂ واسط میں تشریف لا کر قیام پذیر ہوئے۔ یہ قریہ عراق عجم اور عراق عرب کے درمیان واقع



ہے۔حضرت سید علی عراقی کے احفاد سے حضرت ابوالفرح واسطی اپنے چار صاحب زادوں کے ساتھ سلطان غزنوی کے زمانے میں واسط سے غزنی تشریف لائے۔ان میں سے ایک صاحب زادے سید ابوفراس ہیں جو جدِّ ساداتِ بلگرام کہلاتے ہیں۔ سید ابوالفرح تو کچھ عرصے بعد ایک صاحب زادے کے ہمراہ واسط واپس تشریف لے گئے اور بقیہ تین صاحب زادوں نے ہندوستان کا قصد فرمایا۔سید ابوفراس نے جاجنیر میں اقامت اختیار فرمائی۔ان ہی کے احفاد میں سے حضرت سید محمد صغریٰ رحمۃ اللہ علیہ ہیں، جنھوں نے سلطان شمس الدین التمش کے ایما پر راجا بلگرام سے (جو سخت کافر اور بڑا سرکش تھا) جہاد کیا اور اس کے قتل کے بعد ۶۱۴ھ میں فتح پائی۔

سلطان شمس الدین نے اس فتح کی خوشی میں بلگرام کا وسیع علاقہ حضرت کی جاگیر میں دے دیا۔بلگرام کا اصل نام پہلے ''سری'' تھا۔حضرت نے تبدیل فرما کر اس کا نام بلگرام رکھا۔اس وقت سے حضرت کا خاندان حضرت میر سید عبدالواحد بلگرامی رحمۃ اللہ علیہ تک بلگرام میں رہا۔اس کے بعد حضرت میر عبدالواحد بلگرامی کے بڑے صاحب زادے حضرت سید شاہ عبدالجلیل میں مارہرہ شریف تشریف لائے، اسے آباد فرمایا۔اس وقت سے آج تک حضرت کی اولاد مارہرہ شریف میں ہے۔''(۱)

خانقاہ برکاتیہ مارہرہ شریف کے موجودہ سجادہ نشین امین ملت پروفیسر سید محمد امین میاں قادری برکاتی نے ایک مقالے میں خاندانِ برکات کا شجرۂ نسب بیان کیا ہے، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس تحریر کی روشنی میں، میر بلگرامی کے سلسلۂ نسب کو بھی تبرکاً اس مضمون کا حصہ بنالیا جائے:

سید عبدالواحد بلگرامی بن سید ابراہیم بن سید قطب الدین بن سید ماہرو بن سید بڈھ بن سید کمال بن سید قاسم بن سید حسین بن سید نصیر بن سید حسین بن سید عمر بن سید محمد صغریٰ بن سید علی بن سید حسین بن سید ابوالفرح ثانی بن سید ابوفراس بن سید ابوالفرح واسطی بن سید داؤد بن سید حسین بن سید یحییٰ بن حضرت زید سوم بن سید عمر بن

سید زید دوم بن سید علی عراقی بن سید حسین بن سید علی بن سید محمد بن سید عیسیٰ المعروف بہ موتم الاشبال بن سید زید شہید بن امام زین العابدین بن امام حسین بن حضرت علی زوج سیدہ فاطمہ زہرا بنت سرور کائنات حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ۔(۲)

یہ نسل در نسل منتقل ہونے والا دینی جذبہ ہی تھا کہ ہوش سنبھالتے ہی میر بلگرامی نے اپنے والد محترم حضرت میر ابراہیم کے مرشد برحق شیخ صفی سائی پوری کے دست مبارک پر بیعت کرلی۔۹۳۳ھ میں جب شیخ صفی کا وصال ہوا تو اس وقت میر بلگرامی کی عمر اٹھارہ سال تھی (۳)۔ ابھی سلوک کی بہت سی منزلیں طے کرنا تھیں۔ آپ نے اپنے مرشد کے خلیفہ شیخ حسین ساکن سکندرہ سے رجوع کیا۔ان سے تربیت حاصل کی اور خلافت پائی۔

شیخ حسین نے میر بلگرامی کو سلسلۂ چشتیہ کے علاوہ سلسلۂ قادریہ اور سہروردیہ کی بھی اجازت عطا فرمائی۔اجازت وخلافت حاصل ہونے کے بعد بھی آپ لوگوں کو مرید کرنے سے بچتے رہے۔ایک دن خود شیخ حسین نے آپ سے اس کی وجہ پوچھی اور تاکید کی کہ لوگوں کو بیعت کیا کرو۔حکم کی تعمیل میں آپ نے سلسلۂ بیعت دراز کیا۔ مرید نہ کرنے کا سبب کیا تھا اور شیخ نے کیوں بیعت لینے کی تاکید کی،اس کی تفصیل خود میر بلگرامی نے سبع سنابل میں درج کی ہے۔ یہ واقعہ اس قابل ہے کہ لفظ بہ لفظ پڑھا جائے:

''مخدوم شیخ حسین قدس اللہ روحہ نے جب فقیر کو خرقۂ خلافت پہنایا تو میں عرصۂ دراز تک اس حیرت وفکر میں رہا کہ اکابرین کا لباس اس ناکارہ وناسپاس کو کس مصلحت کے ماتحت عطا فرمایا ہے۔ مجھ میں یہ سکت تھی ہی نہیں کہ اسے پہنوں اور درویشوں کے حکم کی خلاف ورزی میں کوشاں رہوں کہ میں تو ان کے حکم کا فرماں بردار تھا۔ الغرض میں مدتوں اسی فکر میں غلطاں رہا۔ایک روز مخدوم نے مجھ سے دریافت کیا کہ کسی نے تمھاری بیعت کی؟ میں نے عرض کیا۔نہیں۔فرمایا کہ کسی نے خود تمھاری



طرف توجہ نہ دی یا تم نے قبول نہ کی۔ میں نے عرض کیا کہ بعض لوگوں نے رجوع کیا تھا مگر میں نے اپنی کم لیاقتی کے باعث انھیں قبول نہ کیا۔مخدوم نے مجھے ڈانٹ پلائی کہ میں نے مشائخ کے معمول کے مطابق تمھیں ایک کام سپرد کیا تھا۔تم اپنی لیاقت اور عدم لیاقت کو دیکھتے رہے۔تمھیں اس دخل اندازی اور یاوہ گوئی کی کیا ضرورت ہے اور مرشدوں کے حکم وتصرف میں تمھیں کیا اختیار؟ آئندہ ہرگز ہرگز،اگر کوئی ارادت مند رجوع کرے تو (اسے رد نہ کرنا بلکہ) برخلاف گذشتہ اسے بیعت کرنا۔اس کے بعد نرمی سے فرمایا کہ اے نیک بخت! طلبِ صادق رکھنے والوں کو، پیروں کا اپنی بیعت میں لینا اس لیے نہیں کہ ان کی نجات اپنے اوپر لازم کرلیتے ہیں بلکہ اکثر دین دار اس نیت سے بیعت لیتے ہیں کہ اس گروہ میں بہت سے وہ بھی تو ہیں جو اہلِ نجات سے ہیں۔اُن کے طفیل میں ہم بھی نجات کے اہل ہوجائیں گے۔لہٰذا اس کارِ خیر میں دیر نہ کرنی چاہیے۔''(۴)

مندرجہ بالا اقتباس کو ایک بار پھر سے پڑھیے اور غور کیجیے کہ خاصانِ خدا کیسے ہوتے تھے، کس طرح سوچتے تھے۔ وہ بیعت کو کتنا محترم، کس قدر پاکیزہ اور ارفع واعلیٰ عمل تصور کرتے تھے۔ پیری مریدی کو کاروبار سمجھنے والے آئیں اور اس آئینے میں عجز وانکسار کا عکسِ جمیل ملاحظہ فرمائیں۔

پیری مریدی کو اپنی انا کی تسکین اور معاش کا ذریعہ بنانے والوں سے بھی درخواست ہے کہ اگر کبھی خلوت میسر ہو تو بزرگوں کے طرزِ عمل کی روشنی میں اپنے کردار کا جائزہ لینے کی زحمت گوارا فرمائیں۔

اللہ کا شکر ہے کہ مکر وفریب کی کہرآلود فضا اور سود وزیاں کی کسوٹی پر ہر عمل کو پرکھنے والی اس دنیا میں خوفِ خدا سے لرزنے والے دل، طریقت کو ہدایت کے لیے اختیار کرنے والے قلوب اور تزکیۂ نفس کے لیے عہد و پیمان باندھنے والے سالکانِ باصفا اور طالبانِ ہدیٰ آج بھی موجود ہیں جن کے دم سے خانقاہیں آباد ہیں اور مجلسیں

زندہ، خواہ ان کی تعداد کتنی ہی کم کیوں نہ ہو۔ جب تک آندھیوں کی زد پر چراغ جلانے کا حوصلہ برقرار ہے، اقلیمِ عشق میں اجالوں کی حکومت رہے گی۔

المختصر سو سال سے زیادہ مدت تک اس عالمِ رنگ و بو کو منور کرنے کے بعد میر عبدالواحد بلگرامی نے ۳- رمضان المبارک ۱۰۱۷ھ شبِ جمعہ کو اپنے آبائی وطن بلگرام میں وصال فرمایا اور وہیں آسودۂ خاک ہوئے۔

حضرت میر بلگرامی (المتخلص بہ شاہدی) کے قلمی آثار میں من جملہ دیگر کتابوں کے ایک فارسی دیوان بھی تھا جو اَب معدوم ہے۔ البتہ آپ کی کئی فارسی منظومات اور کچھ ہندی اشعار دستیاب ہیں۔

دیوانِ فارسی کے علاوہ ساقی نامہ، شرح گلشنِ راز اور شرح مصطلحاتِ دیوانِ حافظ کا ذکر بھی تذکرہ نویسوں نے کیا ہے مگر فی الحال ان میں سے کسی تحریر کا کوئی خطی نسخہ موجود نہیں ہے۔ میر بلگرامی کی دستیاب منظومات و منثورات میں شرح الکافیہ فی التصوف (تالیف ۹۷۰ھ)، حقائقِ ہندی (تالیف ۹۷۴ھ)، شرح نزہتہ الارواح (تالیف ۹۸۵ھ)، شرح غوثیہ (تالیف ۹۸۷ھ)، مکاتیب ثلاثہ، حلِ شبہات، مناظرہ انبہ و خربزہ، شرح معمہ قصہ چار برادر، تفسیر مفیض المحبت، مجموعۂ اوراد اور سبع سنابل شامل ہیں (۵)۔ کم و بیش ان تمام تحریروں کا تعلق تصوف سے ہے۔

شرح الکافیہ فی التصوف میں میر بلگرامی نے عربی نحو کی مشہورِ زمانہ کتاب کافیہ (مولفہ علامہ جمال الدین ابوعمرو عثمان بن عمر المعروف بہ ابن الحاجب مالکی) کے متن: ''سے تصوف کے مسائل کا استخراج کیا ہے۔'' (٦)

اس تالیفِ لطیف کو مولانا عبدالرشید نعمانی نے اپنے مقدمے کے ساتھ جامعہ اسلامیہ بہاول پور، شمارہ اول ۱۹۶۴ء میں شائع کر دیا ہے۔

حقائقِ ہندی کا موضوع بھی اصلاً تصوف ہے۔ مؤلف نے اپنی اس فارسی تصنیف میں ہندی نظموں اور گیتوں میں مستعمل بعض الفاظ ٹیکا، مانگ، تلک، سکھی



وغیرہ کی تشریح تصوف کی اصطلاحات کے طور پر کی ہے۔ مثلاً انھوں نے بتایا ہے کہ ''مانگ'' سے اہلِ باطن کیا مراد لیتے ہیں۔ یا ''سکھی'' کا مفہوم ''یارانِ دینی'' کے نزدیک کیا ہے۔ اس کا خطی نسخہ خانقاہ برکاتیہ مارہرہ (یوپی) میں موجود ہے۔

شرح نزہتہ الارواح سید حسین بن محمد المعروف بہ امیر حسینی غزنوی کی فارسی نظم نزہتہ الارواح کی شرح ہے۔ اس کا موضوع بھی تصوف ہے۔ نظم کی شرح فارسی نثر میں کی گئی ہے۔ خطی نسخہ خانقاہ برکاتیہ مارہرہ میں محفوظ ہے۔ ڈاکٹر محمد ایوب قادری نے خانقاہ برکاتیہ مارہرہ کے علاوہ، اسلام آباد کے کتاب خانہ گنج بخش (مرکز تحقیقاتِ فارسی ایران و پاکستان) میں موجود نسخے اور اپنے خاندانی ذخیرۂ علمی میں شامل مخطوطے کا بھی ذکر کیا ہے۔ موخرالذکر نسخے کے متعلق اُن کا بیان ہے کہ ان کے والد نے اسے شاہ مہدی میاں مارہروی کو نذر کر دیا تھا۔

شرح غوثیہ ایک عربی متن ''غوثیہ'' کی منظوم شرح ہے۔ سنہ تکمیل ۹ ذی قعدہ ۹۸۷ھ ہے۔ زبان فارسی ہے۔

مکاتیب ثلاثہ، جیسا کہ عنوان سے ظاہر ہے، میر بلگرامی کے تین فارسی خطوں کا مجموعہ ہے۔ پہلا خط مفتی الٰہ داد دانش مند (لکھنؤ) کے نام ہے۔ اس میں مفتی صاحب کو سماع کا قائل کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ مجلّہ جامعہ اسلامیہ بہاول پور، جلد اول، شمارہ اول، ۱۹۶۴ء میں شرح کافیہ کے ساتھ یہ خط شائع ہو چکا ہے۔

مکاتیب ثلاثہ کے دوسرے مراسلے کے مخاطب قنوج کے شیخ عبدالعزیز ہیں اور موضوع تصوف ہے۔ اصح التواریخ (مولفہ محمد میاں قادری) میں یہ مکتوب شامل ہے۔

تیسرا مکتوب حضرت بلگرامی کے ایک عقیدت مند نواب میر صدر جہاں پہانوی کے نام ہے۔ (۷)

یہ تینوں خطوط قلمی صورت میں خانقاہ برکاتیہ مارہرہ شریف میں محفوظ ہیں۔

رسالہ حلِ شبہات میں شیخ اور مرید کے درمیان کے تعلقات، شریعت اور

طریقت کے بعض اسرار و رموز کے حوالے سے ترپن سوالات قائم کر کے ان کے جوابات دیے گئے ہیں۔ آخر میں حافظ شیرازی اور دیگر صوفیا کے یہاں مستعمل الفاظ و اصطلاحات کی متصوفانہ تشریح کی گئی ہے۔

مثنوی انبہ و خربزہ میں آم اور خربوزے کے درمیان مکالمہ ہے۔ اس میں بھی سلوک کے نکات بیان کیے گئے ہیں۔ نظم کے آخر میں آم اور خربوزے کی درخواست پر میر بلگرامی ایک حدیث کی روشنی میں خربوزے کے حق میں فیصلہ سناتے ہیں۔

شرح معمہ قصہ چار برادر بھی تصوف سے متعلق ہے۔ اس معمہ کا ذکر کرتے ہوئے ڈاکٹر محمد ایوب قادری لکھتے ہیں:

''کسی بزرگ نے سلوک کے بیان میں چار بھائیوں کا ایک معمہ تحریر فرمایا تھا۔ میر بلگرامی نے اس معمہ کی شرح فارسی زبان میں اس طرح لکھی ہے کہ سلوک کے منازل و مدارج کا مکمل نقشہ آنکھوں کے سامنے آ جاتا ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ سالک کس طرح اس راہ میں داخل ہوتا ہے، کیسے کیسے حالات سے اُسے گزرنا پڑتا ہے اور آخر میں وہ کس طرح فائز المرام ہوتا ہے۔ اس کتاب کا خطی نسخہ خانقاہ برکاتیہ مارہرہ میں موجود ہے۔'' (۸)

تفسیر مفیض المحبت کے بارے میں ڈاکٹر محمد ایوب قادری نے یہ اطلاع فراہم کی ہے:

''حضرت شاہ آل احمد اچھے میاں مارہروی کی کتاب ''آئینِ احمدی'' میں تفسیر مفیض المحبت کا ایک اقتباس درج ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کتاب ان کے سامنے ضرور تھی اور اس کا پورا نام مفیض المحبت و مورث المعرفت ہے اور یہ کتاب تفسیر حسینی سے مقتبس ہے۔'' (۹)

حضرت میر بلگرامی کے اوراد و وظائف، اعمال اور تعویذات کا ایک قلمی نسخہ بھی خانقاہ برکاتیہ مارہرہ شریف میں موجود ہے۔ ان میں سے بعض وظائف و اعمال



اصح التواریخ، جلد اول (مؤلفہ مولانا محمد میاں قادری) میں مندرج ہیں۔

میر بلگرامی کی سب سے اہم تصنیف سبع سنابل ہے۔ اس کی زبان فارسی اور سنہ تکمیل ۹۶۹ھ ہے۔ ۱۲۹۹ھ میں مطبع نظامی کانپور سے اس کی اشاعت عمل میں آئی تھی۔ جس خطی نسخے کی بنیاد پر یہ کتاب شائع ہوئی تھی، فی الوقت وہ مخطوطہ نایاب ہے۔ دیگر مخطوطے جن کا اب تک علم ہو سکا ہے، اس طرح ہیں۔ خطی نسخہ مرقومہ ۲۰۔ ذی الحجہ ۱۲۸۲ھ روز یکشنبہ؟ یہ مخطوطہ مولانا محمد میاں قادری مارہروی کو بمبئی میں ملا تھا۔ دوسرا مخطوطہ مکتوبہ سترہ سنہ جلوس محمد شاہی، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کی مولانا آزاد لائبریری کے سبحان اللہ کلکشن کی ملکیت ہے۔ تیسرا خطی نسخہ صوفی عبدالحمید اشرفی ساکن قصبہ اوجھیانوی، ضلع بدایوں (م ۱۹۴۵ء) کے ذخیرۂ علمی میں ڈاکٹر محمد ایوب قادری کی نظر سے گزرا تھا۔ ممکن ہے، کچھ اور مخطوطے ذاتی کتاب خانوں میں موجود ہوں۔

سردست سبع سنابل کا جو اُردو ترجمہ دستیاب ہے، اس کے مترجم معتبر عالمِ دین حضرت مفتی محمد خلیل خاں قادری برکاتی ہیں اور مقدمہ نگار ہیں مشہور محقق ڈاکٹر محمد ایوب قادری۔ ۱۹۸۱ء میں یہ ترجمہ حامد اینڈ کمپنی لاہور سے منظر عام پر آیا۔ ہندوستان میں یہی نسخہ رضوی کتاب گھر، بھیونڈی، ضلع تھانہ، مہاراشٹر سے شائع ہوا، (سنہ ندارد)۔ فی الحال یہی ترجمہ پیش نظر ہے۔ کتاب سات سنابل (خوشے، بہ الفاظ دیگر ابواب) پر مشتمل ہے جن کے عنوانات حسبِ ذیل ہیں:

پہلا سنبلہ: عقیدوں اور مذہبوں میں۔
دوسرا سنبلہ: پیری مریدی اور اس کی حقیقت اور ماہیت کے بیان میں۔
تیسرا سنبلہ: ترکِ دنیا، قناعت، توکل اور تبتل کے بیان میں۔
چوتھا سنبلہ: درویشوں کی عبادتوں اور اچھی عادتوں کا بیان، ان ہی میں وضو پر ہمیشگی ہے۔
پانچواں سنبلہ: خوف اور امید میں۔

چھٹا سنبلہ: حقائقِ وحدت اور آثارِ محبت و معرفت کے ظہور میں۔

ساتواں سنبلہ: فوائد متفرقہ میں۔

کتاب اصلاً عقائد کی درستگی اور شریعت و طریقت کے مابین تعلقات کی وضاحت کے لیے لکھی گئی ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ طریقت شریعت سے الگ نہیں ہے بلکہ تزکیۂ نفس کا ایک ذریعہ ہے۔ مصنف نے اپنے مطمحِ نظر کی صراحت قرآن و حدیث کی روشنی میں کی ہے اور لوگوں کی اصلاح کے لیے متعدد بزرگوں کے اقوال و اعمال پیش کیے ہیں۔

کتاب کا ایک قابلِ ذکر پہلو مصنف کا چشتی رنگ ہے جو جابجا نمایاں ہے۔ مختلف ابواب میں بالعموم اور ساتویں سنبلہ میں بالخصوص سلسلۂ چشتیہ مینائیہ کے اکابر شیوخ کے احوال بیان کیے گئے ہیں۔

آگے بڑھنے سے قبل یہ نکتہ ذہن نشین کر لینا ضروری ہے کہ جتنے سلسلے ہیں سب کا مقصود ایک ہی ہے۔ اس لیے ہمارے لیے تمام سلاسلِ طریقت اور پیرانِ عظام محترم ہیں۔ کتابِ محبت کا یہ پہلا سبق ہے، جسے ہمہ وقت ہر مبتدی کے پیش نظر رہنا چاہیے۔

تمام سلاسل طریقت میں تزکیۂ نفس اور تکمیلِ سلوک کے لیے ذکر، اوراد و وظائف، خلوت نشینی، مراقبہ وغیرہ پر کم و بیش زور دیا گیا ہے۔ سلسلۂ چشتیہ میں صفائی قلب، حصولِ درجات اور ''نسبتِ عشق'' کے فروغ کے لیے سب سے زیادہ اصرار ذکرِ الٰہی پر ہے۔

ہم اُس کا ذکر کرتے ہیں جس سے ہمیں محبت ہوتی ہے۔ اسی بات کو بہ الفاظ دیگر کہنے والے نے یوں بھی کہا ہے کہ جس کا ذکر ہم کثرت سے کرتے ہیں، اس سے ہمیں محبت ہو جاتی ہے۔ یعنی ذکر، ذاکر کو مذکور کے بہت قریب کر دیتا ہے۔ اس نکتے کو محبوب الٰہی حضرت نظام الدین علیہ الرحمہ نے ''محبتِ ذات'' اور ''محبتِ صفات'' کی



اصطلاحوں کے ذریعے اس طرح واضح کیا ہے:

''محبت ذات از مواہب است و محبت صفات از مکاسب و طریقِ اکتسابِ محبت دوام ذکر است مع تخلیۃ القلب عما سواہ۔'' (۱۰)

چشتی صوفیا کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ عشقِ الٰہی کا ظہور یادِ الٰہی کے بغیر ممکن نہیں۔ ذکر سے غفلت خدا سے دوری پیدا کرتی ہے۔ جب بندہ اللہ کی یاد سے غافل ہوتا ہے تو شیطان اس کے دل پر قابض ہو جاتا ہے اور اسے ہوسِ دنیا میں مبتلا کر دیتا ہے۔ اس لیے آدمی کو ہر آن ربِّ کائنات کے ذکر میں مشغول رہنا چاہیے۔ ذکر کی یہ کثرت ماسوا تصورات کو خاکستر کر دیتی ہے اور دل کی ہر دھڑکن یادِ الٰہی میں مصروف ہو جاتی ہے۔ جب سالک اس مقام پر پہنچ جاتا ہے تو اس کی خاموشی بھی ذکرِ الٰہی کا آئینہ بن جاتی ہے۔

کلمہ طیبہ لا الٰہ الا اللہ کو افضل الذکر بتایا گیا ہے اور اس کی مداومت پر زور دیا گیا ہے۔ صاحب سبع سنابل لکھتے ہیں:

''خواجگان چشت قدست اسرارہم کا اس پر اجماع ہے کہ طالب صادق کے لیے ایک ذکر اور ایک فکر کافی ہے اور وہ ذکر کلمہ لا الٰہ الا اللہ ہے کہ تمام ذکر اس کلمہ میں داخل ہیں اور مراقبہ یہ ہے کہ انسان اللہ تعالےٰ کو حاضر و ناظر جانے اور اعضا کی حرکتوں اور دل کی باتوں پر مطلع رہے۔ ائمۂ طریقت اور ساداتِ حقیقت کے نزدیک یہ چیز ثابت ہے کہ امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے ایک مرتبہ حضورِ اقدس صلے اللہ علیہ وسلم سے یہ عرض کیا کہ خدائے تعالےٰ کے راستوں میں سے سب سے قریب کا راستہ دکھا دیجیے۔ ارشاد فرمایا: علی ہمیشہ ذکرِ خدا کرتے رہو۔ عرض کیا کس طرح؟ حضور علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ اپنی آنکھیں بند کرو اور مجھ سے سنو۔ اس کے بعد حضور نے تین مرتبہ لا الٰہ الا اللہ کا ذکر فرمایا اور علی مرتضےٰ کرم اللہ وجہہ نے سنا۔ اس کے بعد مولیٰ علی نے تین بار ذکر کیا اور حضورِ اقدس صلے اللہ علیہ وسلم نے اُس کو سنا۔

پھر علی مرتضیٰ نے تعلیم فرمایا یہ ذکر، حضرت خواجہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کو اور اُن سے حضرت خواجہ عبدالواحد زید کو پہنچا اور اُن سے خواجہ فضیل کو، اُن سے خواجہ ابراہیم ادھم بلخی کو، اُن سے خواجہ حذیفہ مرعشی کو، اُن سے خواجہ ہبیرہ بصری کو، اُن سے خواجہ علود نیوری کو، اُن سے خواجہ ابواسحٰق شامی کو، اُن سے خواجہ قدوۃ الدین ابواحمد فرشانہ کو، اُن سے خواجہ ناصرالدین محمد ابواسحٰق چشتی کو، اُن سے خواجہ ناصر الدین ابو یوسف چشتی کو، اُن سے حضرت خواجہ قطب الدین مودود یوسف چشتی کو، اُن سے خواجہ حاجی شریف زندنی کو، اُن سے خواجہ عثمان ہارونی کو، اُن سے حضرت خواجہ معین الحق والدین حسن سجزی کو، اُن سے خواجہ قطب الحق والدین بختیار اوشی کو، اُن سے خواجہ فریدالحق والدین مسعود سلیمان اجودھنی کو، اوران سے حضرت خواجہ نظام الحق والدین محمد بن احمد بدایونی کو، ان سے خواجہ نصیرالحق والدین محمود بن یوسف رشید اودھی کو، اور اُن سے مخدوم جہانیاں کو پہنچا جب کہ حضرت مخدوم جہانیاں کو دوسری اور جگہوں سے بھی پہنچا تھا، پھر اُن سے میر سید راجو قتال کو اور اُن سے مخدوم شیخ سارنگ کو پہنچا۔ جب کہ مخدوم شیخ سارنگ کو تلقینِ ذکر مخدوم شیخ یوسف ابرچھی سے بھی پہنچا تھا اور مخدوم شیخ یوسف نے بندگی مخدوم جہانیاں سید جلال سے حاصل کیا تھا۔ نیز مخدوم شیخ سارنگ نے تلقین ذکر مخدوم شیخ قیام الدین سے بھی پایا تھا۔ اور مخدوم شیخ قیام الدین مخدوم شیخ مینا کے چچا اور مخدوم شیخ نصیرالدین محمود اودھی کے مرید تھے، اور مخدوم جہانیاں سے انھیں خلافت حاصل تھی۔ مخدوم شیخ سارنگ سے یہ ذکر مخدوم شیخ مینا کو پہنچا، اور اُن سے مخدوم شیخ سعد بدہن کو، اُن سے مخدوم شیخ عبدالصمد کو جو شیخ صفی مشہور ہیں، اور اُن سے مخدوم شیخ حسین محمد بنی اسرائیل کو اور اُن سے اس فقیر مولف کو پہنچا۔'' (ص ص ۱۲۷-۱۲۸)

ذکر کی دو صورتیں ہیں۔ ذکرِ خفی اور ذکرِ جہری، یعنی بندہ بغیر آواز کے کلمہ طیبہ کو وظیفہ بنائے یا بہ آوازِ بلند اس کا ورد کرے۔ دونوں صورتوں کی سندیں موجود



ہیں۔ بہ قول حضرتِ میر بلگرامی:

''ذکرِ خفی کی سند یہ ہے کہ سانس نکلتے وقت لا الہ کا تصور بامعنی کرے اور سانس لیتے وقت الا اللہ، مع معنی کے تصور کرے اور معنی یہ ہیں کہ لا معبود و لا مقصود و لا موجود الّا الله ۔ ان تینوں کے تصور کے دوران ایک ہی معنی کا ارادہ کرے۔ یہ ذکر ہر وقت ہوسکتا ہے یعنی اس پر کھڑے، بیٹھے، لیٹے، تنہائی میں، مجمع میں، چلتے ہوئے، ٹھہرے ہوئے، کھانے پینے کی حالت میں، غرض ہر طور پر عمل کیا جاسکتا ہے۔ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے بھی ارشاد فرمایا کہ خیر الذکرِ الخفی۔ سب سے اچھا ذکر، ذکرِ خفی ہے۔ لہٰذا اس پر اتنی ہمیشگی برتے کہ کوئی سانس آنے جانے میں اس سے خالی نہ رہے۔ بلکہ اس حد تک پہنچ جائے کہ سوتے میں بھی کوئی سانس نکلنے اور اندر جانے میں ذکر اور معنی ذکر کے تصور سے بے کار نہ رہے اور یہ بات تجربہ شدہ ہے کہ جب جاگتے میں کوئی سانس بے کار نہیں گذرتا تو سوتے میں بھی ضائع نہیں ہوتا۔

ہر نفس زا نفاسِ عمرت گو ہریست     گوہرِ انفاس را ضائع مکن

تیری عمر کی سانسوں میں سے ہر سانس ایک گوہر ہے تو ان نفیس گوہروں کو برباد مت کر۔

اور جب زندگی میں اس تصور اور خیال میں رہے گا تو موت کے بعد بھی اسی تصور اور خیال پر قائم رہے گا اور کل بروز قیامت بھی اسی حال پر اس کا حشر ہوگا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ تم جس طور پر زندگی گزارتے ہو، اسی طور پر مروگے اور جس حال میں مروگے، اسی حال پر اٹھائے جاؤ گے۔ اور یہ ذکر وہ سوئی ہے کہ دل کا پیوند اللہ تعالیٰ کی یاد کے ساتھ، صدق کے ڈورے سے سی دیتی اور فاذکرونی اذکرکم کے عمل خانہ میں رفوگری سکھاتی ہے۔'' (ص ص ۲۵۷-۲۵۸)

بعض صوفیا نے ذکرِ خفی کو اختیار کیا ہے، مقصد یہ کہ طالب و مطلوب کے درمیان آواز بھی حائل نہ ہونے پائے اور بعض مشائخ ذکر بالجہر کو پسند کرتے ہیں۔

منشا یہ کہ دل کے ساتھ ساتھ سماعت بھی شریک ذکر ہو جائے۔ میر بلگرامی بھی ذکر جہری کو ترجیح دیتے ہیں، لکھتے ہیں:

''ہاں اگر کوئی چاہے کہ دل کی گہرائیوں سے دینی علوم کو، جو ابدی زندگی کا سرمایہ ہیں، نکال لے، تو یہ ذکرِ خفی سے حاصل نہیں ہو سکتا کہ کنواں سوئی سے نہیں کھودا جا سکتا۔ اس کنویں کی کدال ذکرِ جہر ہے۔ تو جو کوئی ذکرِ جہر پر شرائط و آداب اور حضوریِ قلب کے ساتھ ہیشگی کرے گا، تھوڑی ہی مدت میں دل کی گہرائی سے دینی علوم باہر نکال سکتا ہے اور جب وہ ذکرِ جہر شروع کرتا ہے تو اس میں ایک عجیب ذوق وشوق اور لذّت پیدا ہو جاتی ہے۔

موسیٰ علیہ السلام نے مناجات کی کہ الٰہی وہ عبادت تعلیم فرما جو بہت شاق اور دشوار تر ہو۔ فرمان ہوا کہ ذکر جہر کرو۔ موسیٰ علیہ السلام جس قدر ذکر جہر کرتے، ذوق و شوق اور سکونِ قلب میں زیادتی ہوتی۔ پھر عرض کیا کہ الٰہی میں نے تو ایسی عبادت کا سوال کیا تھا کہ اس میں مشقت وصعوبت ہو۔ اس ذکر جہر میں تو مجھے راحت وسکون ملتا ہے۔ فرمان ہوا کہ اے موسیٰ! تم میرے نام کی دشواری اور سختی کیا جانو۔ فرعون سے پوچھو کہ اُس نے اپنی تمام عزت و وجاہت اور بادشاہت کو تباہ کر کے، اپنے آپ کو اپنے عزیزوں اور قریبوں کے ساتھ دریائے نیل کو سونپ دیا مگر ایک مرتبہ بھی میرا نام لینا اُسے میسر نہ ہوا۔ تم کہ میرے نام کے ذکر سے راحت اور آرام پاتے ہو، یہ میری توفیق اور مہربانی ہے کہ میں نے تم پر مبذول فرمائی۔

یہ بھی ضروری ہے کہ ذکر جہر میں ایسا شوق پیدا کرے کہ اپنی جان، عزت اور مال ومنال کو اس ذکر پر قربان کر سکے۔'' (ص ۲۵۸-۲۵۹)

آیات، احادیث اور روایات کی روشنی میں ذکر جہری کی فضیلت بیان کرتے ہوئے صاحبِ سبع سنابل رقم طراز ہیں:

آیات اس باب میں کثیر ہیں۔ ازاں جملہ ایک یہ آیت ہے: ادعوا ربکم



تضرعاً و خفیة اِنه لا یحبُ المعتدین. خزانہ میں ہے کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ ظاہر و پوشیدہ اپنے رب کو پکارو۔ اس لیے کہ تضرع ضراعة سے ماخوذ ہے اور اس کے معنی ہیں شدتِ حاجت کا اظہار، اور خفیۃ جہر اور سر میں مشترک اور متضاد معنی کا حامل ہے۔ ایسا ہی لطائف القشیری میں ہے اور املاء التفسیر میں ہے کہ یہ بھی کہا گیا کہ معنی یہ ہیں کہ اُسے پکارو اور اس کی طرف اپنی حاجتیں بیان کرو، گریہ وزاری سے اور تنہائی میں۔ ضراعۃ ذلت وخواری کا ہے اور خفیہ وہ ہے جس میں ریا کا دخل نہ ہو۔

ثبوتِ جہر میں یہ آیت ہے: اذکرو الله ذکرا کثیر اور یذکرون الله قیاماً و قُعودا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے کوئی چیز فرض نہ کی مگر یہ کہ اُس کے لیے ایک حد مقرر فرما دی۔ سوائے ذکر کے کہ اس کے لیے کوئی حد مقرر نہ کی جہاں اس کی انتہا ہو، بلکہ بندوں کو حکم دیا کہ وہ ہر حال میں اللہ کا ذکر کرتے رہیں۔ اور فرمایا: اذکرو الله ذکرا کثیراً یعنی اللہ کا ذکر کثرت سے کرتے رہو۔ رات میں، دن میں، سفر میں، حضر میں، مالداری میں، فقیری میں، کھلے چھپے، غرض یہ کہ ہر حال میں۔

انہیں آیات میں اللہ تعالیٰ کا قول یہ ہے: ان تبدو الصدقات فنعمّا ھی۔ اگر صدقے کھل کر دو تو بڑی اچھی چیز ہے۔ عقیدۂ شیخ ابونجیب سہروردی میں بیان کیا گیا ہے کہ مراد اس سے یہ ہے کہ بندہ سنت اور فرض کے مابین ذکر جہری کو اختیار کرے۔

انہیں میں سے ایک یہ آیت ہے: ان ابراھیم لا وّاهٌ حلیم۔ تفسیر درمعانی میں ہے کہ اوّاہ وہ ہے جس کی آواز ذکر و دعا اور تلاوتِ قرآن میں ظاہر ہو۔ تفسیر النبی میں ذکر کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے قول سبّح اسم ربك الاعلیٰ میں چار تاویلیں ہیں اور تمام کا حاصل یہ ہے کہ اپنی آواز کو بلند کرو اور اس باب میں جو احکام وارد ہیں، انہیں ذہن نشین رکھو۔

اور احادیث جو اس باب میں وارد ہیں، انہیں میں وہ حدیث بھی ہے جو روضۃ العلما میں حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ جس شخص نے اللہ کی راہ میں بلند آواز سے اللہ اکبر کہا، اللہ تعالیٰ اس کے لیے اپنی بڑی رضا لکھ دے گا۔ الحدیث۔ انہیں میں وہ حدیث ہے جو خزانۃ الجلالی میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ذکر کا سننے والا بھی ذکر میں شریک ہے۔ انہیں میں وہ حدیث ہے جو مصابیح میں حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز کا سلام پھیرتے تو بلند آواز سے فرماتے لا اله الا الله وحده لاشريك له الى آخره اور وہ حدیث بھی ہے جسے بخاری، مسلم اور ترمذی نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ (اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے) میں اپنے بندے کے گمان کے ساتھ ہوں اور میں اُس کے ساتھ ہوں جب وہ میرا ذکر کرے، تو اگر وہ میرا ذکر اپنے دل میں کرتا ہے تو میں بھی اس کو تنہا یاد فرماتا ہوں اور جب وہ ذکر مجمع کے ساتھ کرتا ہے تو میں اس کے مجمع سے بہتر مجمع میں اس کا ذکر فرماتا ہوں:

معرفۃ المریدین اور دلیل السالکین میں لکھا ہے کہ 'اکثر صبح کے وقت ذکر' بلند آواز سے کرے تاکہ اہل ذوق بھی اُس سے لطف اندوز ہوں۔ غرض یہ کہ ذکر جہری بڑی برکتوں کا موجب ہے۔ اور یاد رکھنا چاہیے کہ آیات واحادیث وروایات ذکر جہر کے بارے میں بہت زیادہ ہیں اور اُن میں سے اکثر حصہ مجمع سلوک میں ہے کہ مخدوم شیخ سعد بدہن قدس سرہ کی تصنیف ہے۔ یہاں ان میں بعض حصہ محض تبرک کے لیے لکھ دیا گیا ہے۔ جسے شوق ہو وہ اس متبرک کتاب کا مطالعہ کرے کہ ذکر جہری اور ذکر خفی کے متعلق وافی وشافی بیان پر مشتمل ہے۔'' (ص ۲۵۵-۲۵۷)

مشائخ نے ذکرِ خفی اور ذکر جہری کے آداب و اثرات پر بھی روشنی ڈالی ہے۔ صاحبِ سبع سنابل ذکر بالجہر کا طریقہ بتاتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:



سند ذکر جہر جو ہمیں بزرگوں سے پہنچی ہے، یہ ہے کہ ذکر کرنے والا باوضو ہو اور قبلہ کی جانب منہ کرکے، پالتی مار کر اس طرح بیٹھے کہ سیدھے پاؤں کی انگلیاں سیدھے زانو کے درمیان ہوں۔ اس وقت کلمہ لا الہٰ کو ناف سے بلند آواز سے کھینچے اور سر سیدھی جانب لے جائے۔ اس کے بعد الا اللہ کی ضرب بائیں جانب مارے۔ اسی حال پر اس وقت تک رہے کہ سانس ساتھ دے اور قوت باقی رہے۔ جب طاقت جواب دے دے تو خاموش ہو جائے اور محمد رسول اللہ کہے۔ اسے ذکر نفی واثبات کہتے ہیں اور وہ معنی جو ہم پہلے بیان کر آئے ہیں، دل میں حاضر رکھے۔ یہ بھی ضروری ہے کہ ذکر کی حالت میں پیر و مرشد کی روحانیت کو اپنی مدد پر حاضر جانے اور پیر کا مشاہدہ اپنے تصور سے جدا نہ کرے۔ جب خاموش ہو تو جب تک ہو سکے، دم روکے رہے اور دم روکنے کی حالت میں دل میں اللہ اللہ کا ذکر کرے، جس کے معنی یہ ہیں کہ ہم تجھے چاہتے ہیں ہم تجھے چاہتے ہیں۔ جب سانس چھوڑے تو آہستہ آہستہ۔ اس کے بعد اثبات کا ذکر کرے یعنی الا الله الّا الله ۔ اس کے بعد ذات کا ذکر کرے (یعنی اللہ اللہ)۔ اس سے فارغ ہو کر سانس روکے اور جب تک ہو سکے، دم نہ توڑے اور جب طاقتِ ضبط نہ رہے تو تھوڑا تھوڑا چھوڑے اور ذکر اور حبسِ نفس سے فارغ ہو کر یہ دعا پڑھے۔ اللهم انّا ذكر ناك، علىٰ قَدر قلة عَقلنا و عِلمِنا و فَهمِنا فا ذكُرنا عندك علىٰ قدر سعة رحمتك و فضلك يا خير الذاكرين وَيا ارحَمَ الراحمين اور اس میں اتنی مشق پیدا کرے کہ دن رات میں چار ہزار مرتبہ ذکر کر سکے۔ اس سے کم نہیں۔

دوسری صورت ذکر اویسی بدلائی طیفوری اور خرازی۔ مرید زانوے ادب پر (دوزانو) قبلہ رو بیٹھے، اور اپنے دونوں ہاتھ اپنے منہ کے برابر اٹھا لے اور کلمہ نفی شروع کرے۔ اُس کے بعد بندھے ہوئے ہاتھ نفی کی مدّ کے ساتھ فضا میں اٹھائے اور کھول دے۔ اس کے بعد فضا میں پھر بند کر لے اور منہ ہی منہ میں الا اللہ کی ضرب کرے۔

اس کا خیال رکھے کہ جب ہاتھ اخراج نفی کے وقت فضا کی طرف لے جائے تو زانو پر کھڑا ہو جائے اور ضرب کے وقت بیٹھ جائے۔ اس ذکر میں دو رمز ہیں۔ اول یہ کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ ہر چیز کی محبت میں نے دل سے نکال کر فضا میں پھینک دی۔ دوم یہ کہ کلمۂ اثبات کی ضرب کے وقت، میں نے خدا کی محبت اور معرفت لامکاں سے کھینچ کر ڈالی اور جلوۂ ذاتِ حق کو دل میں بسایا۔

تیسری صورت ذکر بدلائی۔ کلمۂ نفی کو اُسی طریقہ پر منہ سے کھینچے اور صرف سیدھا ہاتھ منہ کے قریب رکھے اور یہ بندھا ہوا ہاتھ فضا میں بلند کرے اور کھول دے۔ پھر فضا میں اسے بلند کرے اور کلمۂ اثبات کی منہ ہی منہ میں ضرب لگائے۔ پھر ہاتھ کھول دے۔ اس کے بعد الٹا ہاتھ باندھے اور ایسا ہی کرے۔ یہ دونوں ذکر بڑی تاثیر رکھتے ہیں۔ یاد رہے کہ لا الہ الا اللہ کے ذکر کے وقت محمد رسول اللہ نہیں کہا جاتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر کو اللہ تعالیٰ کے ذکر سے خاص تعلق ہے کہ حدیث قدسی میں ہے: اذا ذکرتُ ذکرت مَعی۔ جب میرا ذکر کیا جاتا ہے تو تم میرے ساتھ مذکور ہوتے ہو۔'' (ص ۲۶۰-۲۶۲)۔

اسی سلسلے کا ایک اور اقتباس ملاحظہ ہو:

''مخدوم ملت شیخ مینا قدس سرہ جب ذکر شروع فرماتے تو پہلے تین مرتبہ درود شریف پڑھ کر یہ آیت کریمہ پڑھتے: فإن تولوا فقل حسبی اللہ لا الہ الا ھو علیہ توکلت و ھورب العرش العظیم .اور اس کے بعد کلمہ طیبہ لا الٰہ الا اللہ بلند آواز سے پڑھتے اور تیسری مرتبہ محمد رسول اللہ فرماتے۔ اس کے بعد بلند آواز سے ذکر شروع کرتے جب تک ذوق طاری رہتا اور سانس ساتھ دیتا، آپ ذکر جہری میں مشغول رہتے۔ جب اپنی حالت پر واپس آتے تو پھر محمد رسول اللہ کہتے اور اس سے فارغ ہو کر پھر درود شریف پڑھتے اور یہ دعا کرتے۔ اللھم انا ذکرناك علی قدر قلة عقلنا و علمنا و فھمنا فاذکرنا عندك علی قدرسعة رحمتك وفضلك



یا خیر الذاکرین یا ارحم الراحمین۔ (الٰہی ہم نے کم عقلی، بے علمی اور اپنی نافہمی کے تحت تیرا ذکر کیا۔ تو ہمیں اپنی رحمتوں کی وسعت اور فضل کے مطابق ہمارا ذکر فرمایا اور یاد رکھ۔ اے سب سے بہتر یاد فرمانے اور رحم فرمانے والے)۔ مخدوم ملت شیخ مینا قدس سرہ فرماتے ہیں کہ ذکر کی حالت میں حلقہ باندھنا، مشائخ کی سنت اور جائز و پسندیدہ ہے۔ اگر کوئی جماعت کو یک جا کر لے اور مجمع کے ساتھ ذکر کرے تو اور اچھا ہے۔'' (ص ۲۵۴)

مشائخ عظام نے احتسابِ نفس اور تزکیۂ قلب کے لیے خلوت نشینی کی بھی تاکید کی ہے۔ تنہا نشینی کے لیے بالعموم چالیس روز کی مدت مقرر کی گئی ہے۔ یہ قول صاحبِ سبع سنابل:

''اب رہی خلوت تو وہ چالیس روز سے کم نہیں ہونا چاہیے، اس لیے کہ چالیس دن (چلے) میں بڑی تاثیر ہے۔ اس لیے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی مٹی کو چالیس روز خمیر کیا گیا تھا۔ نبی صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ من اخلص للّٰہ اربعین صباحاً ظھرت ینابیع الحکمة من قلبه علی لسانه ۔جس نے چالیس صبحیں اللہ تعالےٰ کے لیے خالص کر دیں، حکمت کے چشمے اُس کے دل سے اُس کی زبان پر بہنے لگیں گے۔

منقول ہے کہ خواجہ نظام الحق والدین محمد بن احمد بدایونی قدس سرہ نے شیخ نصیر الدین محمود قدس اللہ روحہ سے فرمایا کہ چلہ چشتیانہ کھینچو۔ آپ نے بعض احباب سے دریافت کیا کہ چلہ چشتیانہ کیا ہے؟ جواب دیا کہ ایک دیوار کے پیچھے بیٹھ رہو (یعنی دنیا سے کلیۂ منقطع ہو کر)۔'' (ص ۱۲۸)

یادِ الٰہی کے لیے حجرۂ تنہائی میں جا بیٹھنے کے آداب پر روشنی ڈالتے ہوئے حضرت میر بلگرامی لکھتے ہیں:

''مرید جب سیدھا پاؤں حجرۂ خلوت میں رکھے تو اعوذ باللہ اور بسم اللہ

پڑھے اور پوری سورۂ الناس تین بار پڑھے۔اس کے بعد بایاں پیر حجرہ میں رکھے اور یہ دعا پڑھے:

اَللّٰھُمَّ انتَ وَلِییّ فِی الدُّنیَا وَالا خِرة کُن لِی کَمَا کُنتَ لِمُحمَّدٍ عَلَیہِ الصَّلاۃُ والسَّلامُ وَارزُقنِی مَحبتّك. اللّٰھُمَ ارزُقنِی حُبَّكَ فِی شَغفِی وَاَجذِبنِی بَجَلالِكَ وَ جَمَالِكَ. وَاجعَلنِی مِنَ المُخلِصِین. اَللّٰھُمَّ اُمحُ نَفسِی بِجَذبَاتِ ذَاتِكَ یاانیسَ مَن لَااَنِیسَ لَہٗ رَبِّ لَا تَذَرنِی فَرداًوَّاَنتَ خَیرُالوَارِثین. (الٰہی تو دنیا وآخرت میں میرا کارساز ہے۔تو میرے لیے ایسا رہ جیسا کہ محمد صلے اللہ علیہ وسلم کے لیے تھا اور اپنی محبت مجھے عطا فرما۔الٰہی میرے پردۂ دل میں اپنی محبت ڈال اور مجھے اپنے جلال و جمال سے اپنے مخلصین میں شامل فرما۔الٰہی مجھے اپنے جذباتِ ذات سے میرا نفس محو کردے۔اے بے کسوں کے انیس، الٰہی مجھے تنہا نہ چھوڑ، تو بہتر وارثوں میں ہے)۔اس کے بعد مصلے پر کھڑا ہو اور منہ قبلہ کی طرف کرے اور ایک مرتبہ اِنّی وَجَّھتُ وَجھِیَ لِلَّذِی فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالاَرضَ حَنِیفاً وَّ مَا اَنَا مِنَ المُشرِکِین۔ (میں نے اپنا چہرہ متوجہ کیا اُس ذات کی جانب، جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور دراں حالیکہ میں سب سے یکسو ہوں اور مشرکین سے نہیں ہوں) پڑھے۔اس کے بعد دو رکعت نمازِ جلالتِ الٰہی کے لیے پڑھے، پہلی رکعت میں سورۃ فاتحہ کے بعد آیۃ الکرسی اور دوسری رکعت میں آمن الرسول بمآ انزل آخر سورۃ تک پڑھے۔اس کے بعد سجدہ میں سر رکھے اور یوں کہے۔

اللھم کن لی انیسا فی خلوتی و معینا فی و حدتی اللھم اجعل لی خلوتی ھذہ موجبۃ لمشا ھدتك وو فقنی فیہ لما تحب و ترضی. اللھم انی اعوذبك من سخطك و اسئلك رضا ك اللھم جنبنی ان اعبد الھوی. اللھم اکشف الغطاء عن عینی وارفع العین عن قلبی حتی اشاھد جمال لا الہ الا اللہ.



(الٰہی میری خلوت میں میرا انیس رہ اور میری تنہائی میں میرا معین۔الٰہی میری اس خلوت کو اپنے مشاہدہ کا موجب بنادے اور مجھے اُس کام کی توفیق دے جو تجھے محبوب و پسندیدہ ہے۔الٰہی میں تیرے غضب سے تیری پناہ مانگتا ہوں اور تجھ سے تیری رضا چاہتا ہوں۔الٰہی مجھے بندگی نفس سے دور رکھ۔الٰہی میری آنکھوں سے پردہ ہٹادے اور میرے دل کا زنگ دور کردے تاکہ میں لا الہ الا اللہ کا جمال دیکھ سکوں)

اس کے بعد ذکر نفی و اثبات میں خاص الخاص توجہ وارادت سے مشغول ہو جائے اور کبھی ذکر ذات میں ملاحظہ اور مفہوم کے ساتھ مصروف رہے کہ اس کا ایک لحظہ بھی ذکر نفی و اثبات سے خالی نہ رہے۔'' (ص ص ۱۲۹-۱۳۰)

گوشہ نشینی سے خاطر خواہ فائدہ اٹھانے کے لیے مشائخ طریقت نے بعض اہم امور کی طرف توجہ دلائی ہے۔سبع سنابل میں چلہ کشی کی آٹھ شرطیں بتائی گئی ہیں:

''چلہ کشی کے لیے آٹھ شرطیں ہیں۔اول خلوت گاہ میں تنہا ہونا۔قبلہ رو پالتی مار کر بیٹھنا۔ہاتھوں کو زانوؤں پر رکھنا۔مردہ کو غسل کی نیت کرنا۔خلوت گاہ کو اپنی لحد تصور کرنا اور اس جگہ سے وضو کرنا اور نماز پڑھنے کے علاوہ باہر نہ نکلنا۔خلوت گاہ تاریک ہونا چاہیے۔یہ بھی ہو کہ اس کے دروازے پر پردہ ڈال دے تاکہ اس میں ذرا بھی روشنی نہ آسکے اور نہ کسی کی آواز پہنچ سکے کہ وہ آواز جو اس کو دوسری طرف مشغول کردے دیکھنے سننے یا کہنے میں۔اس لیے کہ جب یہ محسوسات میں مشغول ہوگا، عالم غیب سے محروم رہے گا۔اس کے بعد ذکر میں مشغول ہو۔

دوسری شرط یہ ہے کہ ہمیشہ باوضو رہے اس لیے کہ بے وضو ہونا شیطان کے غلبہ کی راہ ہے تاکہ وہ اس پر غالب نہ ہو۔

تیسری شرط ہمیشہ ہمیشہ ذکر کرنا ہے۔چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

یذکرون اللہ قیاماو قعود اا لا یۃ (وہ ذکر کرتے ہیں اللہ کا کھڑے ہوکر بیٹھ کر اور اپنے پہلوؤں پر) اور یہ دوام ذکر کی جانب اشارہ ہے۔

چوتھی شرط اندیشوں کی نفی اور اُن کا دفع۔ چاہیے کہ جو خطرہ دل میں آئے خواہ نیک یا بد، اُسے کلمہ لا الہ الا اللہ سے نفی کر دے۔ اس لیے کہ جس چیز کا نقش صفحۂ دل پر پڑتا ہے خواہ نیک یا بد، وہ صفائی قلب کو نقوشِ قلب کے قبول سے سدِّ راہ بن جاتا ہے اور جب تک صفحۂ دل ان شہوانی نقشوں سے پاک نہیں ہوتا، وہ مشاہدۂ غیبی کے نقوش اور علم لدنی کے قابل نہیں ہوتا اور مکاشفاتِ روحانیہ کے انوار اور تجلیاتِ ربانیہ کو قبول نہیں کرتا۔

پانچویں شرط ہمیشہ روزہ رکھنا ہے تو خلوت گزیں ہمیشہ روزہ دار رہے کہ روزہ تعلقاتِ بشریہ اور خواہشات نفسانیہ کے دور کرنے میں بڑا قوی اثر رکھتا ہے۔

چھٹی شرط ہمیشہ خاموش رہنا۔ تو چاہیے کہ کسی سے بات نہ کرے مگر اپنے شیخ سے کشف واقع میں ضرورت کے مطابق۔

ساتویں شرط اپنے دل کی توجہ شیخ کے دل سے ہمیشہ قائم رکھو تا کہ شیخ کے دل سے کچھ التفات مرید کے دل کو پہنچتا رہے۔

آٹھویں شرط اللہ تعالیٰ سے شکایت اور اپنے شیخ پر اعتراض کا ترک کر دینا ہے۔ شیخ کا جو قول اور فعل، حال یا مآل دیکھے، اس پر کوئی اعتراض نہ کرے...... بزرگوں نے فرمایا ہے کہ اگر کوئی مرید اپنے شیخ کی ولایت سے مردود ہو جاتا ہے تو کوئی شیخ اس کو مقام پر نہیں پہنچا سکتا۔''

اسے ہم بدتوفیقی ہی کہیں گے اگر اس مقام پر پہنچ کر ''مقاماتِ سلوک'' اور ''احوال'' کے حوالے سے حضرت میر بلگرامی قدس سرہٗ کے ارشادات سے مستفید نہ ہوں۔ ملاحظہ فرمائیں: (ص ۱۳۵-۱۳۶)

''مقاماتِ سلوک کا بیان یہ ہے کہ بندہ اپنی عبادتوں میں خداوند تعالیٰ کے روبرو قیام کرے۔ سب سے پہلا مقام انتباہ ہے اور وہ اب غفلت سے بیدار ہونے کا نام ہے۔ اس کے بعد توبہ ہے اور وہ خدائے تعالیٰ کی جانب رجوع کرنے، اپنے



گناہوں اور معصیت کو ترک کرنے اور ہمیشہ نادم ہونے کا نام ہے اور بکثرت استغفار کے بعد انابت ہے اور وہ غفلت سے باز رہ کر ذکر میں مشغول ہونا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ توبہ حق سے ڈرنا اور انابت، اس کی طرف رغبت کرنا ہے۔ اس کے بعد ورع ہے اور وہ اس چیز کا ترک کر دینا ہے جس کے حلال ہونے میں کچھ شبہ ہو۔ اس کے بعد نفس کا محاسبہ ہے اور وہ نفس کی خیر خواہی ہے نفع ونقصان میں، زیادتی اور کمی میں۔ اس کے بعد ارادت ہے اور وہ راحت ترک کر کے اطاعت اور عبادت میں مسلسل کوشش کا نام ہے۔ اس کے بعد زہد ہے یعنی دنیا کی حلال چیزوں کا ترک کر دینا، اس سے باز رہنا اور اس کی خواہشیں چھوڑ دینا۔ اس کے بعد فقر ہے اور وہ تمام چیزوں سے ہاتھ کھینچ لینا اور دل کو ہر اُس چیز سے باز رکھنا ہے جو درست نہ ہو۔ اس کے بعد صدق ہے اور وہ ظاہر و باطن میں یکسانیت ہے۔ اس کے بعد تصبر ہے یعنی نفس کو سختیاں برداشت کرنے اور کڑوے گھونٹ پینے کا عادی بنانا ہے۔ اس کے بعد رضا یعنی بلا سے لذت حاصل کرنا ہے۔ اس کے بعد اخلاص ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے ساتھ اپنے معاملات میں سے مخلوق کو نکال دینا۔ اس کے بعد خدائے تعالیٰ پر توکل ہے اور وہ رزاق مطلق حق سبحانہٗ پر بھروسا کرنا اور دوسروں سے کوئی طمع نہ کرنے کا نام ہے۔

اب رہے احوال — تو وہ نام ہے دل کے معاملات کا، جو صفائے اذکار سے اُس پر نازل ہوتے ہیں۔ حضرت جنید فرماتے ہیں کہ حال دل پر نازل ہونے والا وہ حادثہ ہے جو ہمیشہ نہیں رہتا۔ انہیں (معاملات) میں سے ایک مراقبہ ہے یعنی صفائے یقین سے مغیبات پر نظر کرنا۔ اس کے بعد قرب ہے اور وہ اپنے ارادوں کو اس کے ماسوا کی طرف سے سمیٹ کر حق تعالیٰ کی جانب جمع کرنا ہے۔ اس کے بعد محبت ہے اور وہ اپنے محبوب کے ساتھ اس کی پسندیدہ اور غیر پسندیدہ چیزوں میں موافقت کرنا ہے۔ اس کے بعد رجاء ہے یعنی اللہ تعالیٰ کے وعدوں کی تصدیق۔ اس کے بعد خوف ہے یعنی دلوں کی نگرانی رب تعالیٰ کی سخت گرفت اور عذاب کے مدِّ نظر۔ اس کے بعد

حیا ہے یعنی دل کو کشادگی سے سمیٹ لینا۔اس کے بعد شوق ہے یعنی محبوب کا ذکر سن کر وجد میں آ جانا۔اس کے بعد اُنس ہے یعنی اپنے تمام کاموں میں اللہ تعالیٰ کی جانب سکون اور فروتنی ہے۔اس کے بعد طمانیت ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کی قضا و قدر کی راہوں میں پُرسکون رہنے کا نام ہے۔اس کے بعد یقین ہے یعنی ایسی تصدیق کہ اس کے ساتھ شک کا شائبہ نہ رہے۔اس کے بعد مشاہدہ ہے اور وہ رویت یقینی اور رویت عینی میں فرق کرنا ہے، جیسا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا: اعبدالله کانك تراہ فان لم تکن تراہ فانه یراك ۔تم اللہ کی عبادت اس طرح کرو گویا تم اُسے دیکھ رہے ہو۔اگر یہ نہ ہو تو (کم از کم یہ سمجھو) کہ وہ تمھیں ملاحظہ فرما رہا ہے۔''

یہ درجہ احوال کا آخری درجہ ہے۔لہٰذا مرید صادق کو چاہیے کہ ان ذکر شدہ امور میں سعی و مشق جاری رکھے تا کہ اُس کو تمام اخلاق، حالات اور مقامات رفتہ رفتہ حاصل ہوتے رہیں اور وہ حقیقتاً مرید بن جائے۔اس کے بعد وہ خوشبوئیں، وہ تجلیاں اور وہ عطائیں ہیں جو لکھنے میں نہیں آ سکتی ہیں۔وان تعدو انعمة الله لا تحصوها ۔ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو اگر تم شمار کرنا چاہو تو شمار نہ کر سکو گے۔'' (ص۱۳۴-۱۳۶)

چشتی سلسلے میں سماع کو ''تکان و ملال'' دور کرنے کا ایک ذریعہ قرار دیا گیا ہے۔حضرت میر بلگرامی نے چشتی بزرگوں کے شغل سماع پر بھی روشنی ڈالی ہے اور علما کے اختلافات کا بھی ذکر کیا ہے۔اس سلسلے میں صاحبِ سبع سنابل کا موقف یہ ہے:

''مسئلہ سماع میں اگرچہ علما کا سخت اختلاف ہے مگر گروہ صوفیا کا اس امر پر ہے کہ اہل سماع کے لیے، سماع بالذات اور ان کی صورت بنانے والوں کے لیے ان کے طفیل میں مباح ہے۔حضرت جنید بغدادی قدس سرہٗ کے متعلق دریافت کیا گیا تو فرمایا کہ بندہ جو چیز خدا کی حضوری کے لیے کرے، وہ اس کے لیے مباح ہے۔اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: فبشر عبادی الذین یستمعون القول فیتبعون احسنه (اے محبوب میرے ان بندوں کو بشارت دیجیے جو بات سنتے پھر اچھی سے اچھی بات کی



پیروی کرتے ہیں)۔

جاننا چاہیے کہ اہلِ سماع کے حالت سماع میں مختلف درجات ہیں۔بعض وہ لوگ جن میں بحالتِ سماع، اندوہ یا خوف یا شوق پیدا ہوتا ہے۔وہ روتے، چلاتے، نعرے لگاتے اور محویت کے عالم میں اپنے کپڑے پھاڑ دیتے ہیں۔جب بعض حضرات میں رجا، فرحت اور دلی مسرت پیدا ہوتی ہے اور وہ عالمِ وجد میں رقص کرتے اور تالیاں بجانے لگتے ہیں۔

جاننا چاہیے کہ جس طرح سماع میں منفعتیں اور فائدے بکثرت ہیں، اسی طرح لغزشیں اور گمراہیاں بھی بے شمار ہیں۔چنانچہ جب نصیر آبادی سے یہ کہا گیا کہ آپ سماع کے بہت حریص ہیں'' تو فرمایا کہ ہاں وہ اس سے اچھا ہے کہ ہم گوشہ نشین ہو کر لوگوں کی غیبتیں کریں۔'' یہ سن کر ابو عمر بن نجید نے فرمایا: ''افسوس اے ابوالقاسم (تم یہ نہیں جانتے) کہ سماع کی ایک لغزش برسہا برس لوگوں کی غیبت سے بدتر ہے''۔

اور اگر سماع کا منکر سماع کے فائدوں کا، اس کی آفتوں سے مقابلہ کرے تو ہم جواب دیں گے کہ ان آفتوں کا دفع کرنا واجب ہے مگر اُن کے صرف واقع ہونے کے امکان سے، سماع کا ترک لازم نہیں آتا۔اس لیے کہ نماز جو بہترین عمل اور اہم العبادات ہے، وہ بعض کے حق میں موجب فلاح ہے۔چنانچہ ارشاد ہے: قد افلح المومنون الذین هم فی صلوٰتهم خاشعون ۔ جب کہ بعض کے حق میں تباہی کی موجب ہے۔چنانچہ ارشاد ہے: فویل للمصلین الذین هم عن صلوٰتهم ساهون لیکن نماز میں سہو اور غفلت کے احتمال کے باوجود، جو باعثِ تباہی ہے، نماز کا ترک جائز نہ ہوگا۔یہی حال سماع کا ہے۔

اور اگر منکر یہ کہے کہ قوالوں کا بلانا اور لوگوں کو سماع کی خاطر جمع کرنا بدعت ہے۔رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور صحابہ و تابعین رضوان اللہ تعالےٰ علیہم اجمعین کے زمانہ میں نہ تھا، تو ہم جواب دیں گے کہ اگرچہ یہ نو پید و بدعت ہے مگر کسی سنت سے

مزاحم نہیں، لہٰذا سیئہ نہ ہوئی، خصوصاً جب کہ وہ فوائد پر مشتمل ہے۔ اور مشائخ متاخرین نے اسے مستحسن جانا ہے۔'' (ص۳۵۹-۳۶۰)

''اہل سماع'' کے لیے بہ وقتِ ضرورت سماع کو مباح قرار دیتے ہوئے حضرت میر بلگرامی نے اس کے فائدے پر اس طرح روشنی ڈالی ہے:

''سماع کے من جملہ فوائد میں سے ایک فائدہ یہ ہے کہ وہ تکان و ملال جو طالبانِ حق کی راہ میں آزردگی دل کی موجب ہوتی ہے اور وہ ایک قسم کی بندش و نا اُمیدی جو ان لوگوں کے لیے، ان کے اعمال کے فتور اور احوال کے قصور کی باعث بنتی ہے۔ مشائخ متاخرین نے اس عارضہ کے دفع کے لیے اس روحانی ترکیب کو مقرر کیا ہے جس میں اچھی آوازوں مناسب لحنوں اور شوق انگیز شعروں کا جو خلافِ شرع نہ ہوں، ذکر ہے۔ اور طالبوں کو حاجت کے وقت اس میں مصروف ہونے کی اجازت دی ہے تاکہ وہ تکان و ملال دور ہو اور پھر نئے شوق سے اپنے معاملات کی طرف متوجہ ہوں۔'' (ص۳۶۱)

ظاہر ہے، صاحبِ سبع سنابل کا سماع سے لگاؤ، ان کے چشتی رنگ کی وجہ سے ہے۔

حقوق اللہ کے ساتھ ساتھ حقوق العباد بھی تصوف کا ایک اہم موضوع ہے۔ اللہ کی رضا کے حصول کے لیے صوفیا نے اوراد و وظائف کے ساتھ ساتھ حسنِ خلق اور حسنِ عمل کو لازمی قرار دیا ہے۔ ''صاحبانِ وصول'' ہر دور میں اخلاقِ فاضلہ کی تہذیب پر زور دیتے رہے ہیں۔ یہی مذہب سکھاتا ہے۔ یہی اصحابِ طریقت کا مقصود ہے۔ سبع سنابل کا یہ اقتباس بار بار پڑھے جانے کے قابل ہے:

''مرید حقیقی صادق الارادت کو چاہیے کہ مکارمِ اخلاق حاصل کرے اور مقامات و حالات پر مشق جاری رکھے۔ مکارمِ اخلاق یہ ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:



''کیا میں تمھیں اپنے سب سے زیادہ اور ان لوگوں کی خبر نہ دوں جو قیامت کے روز مجھ سے قریب تر ہوں گے۔ عرض کیا گیا۔ ہاں یا رسول اللہ! ارشاد فرمایا کہ یہ وہ لوگ ہیں جن کے اخلاق اچھے ہیں۔ جو نرم عادات والے ہیں۔ جو الفت رکھتے اور الفت سکھاتے ہیں۔ اور مہربانی کرنا، محبت برتنا، بہادری دکھانا، چشم پوشی کرنا، عیب کو چھپانا، دوسرے کی خطا سے درگزر کرنا، صبر کرنا، راضی رہنا، بشارت و بردباری، تواضع، خیر خواہی، شفقت، برداشت، موافقت، احسان، مدارات، ایثار، خدمت، الفت، بشاشت، کرم، جواں مردی، بذل جاہ، مروت، دوستی، آہستگی، عفو، گناہ سے درگزر کرنا، سخاوت، جود، وفا، حیا، تلطف، کشادہ روئی، تمکین، وقار، دعا، ثنا، حسنِ ظن، فروتنی، بھائیوں کی توقیر، بڑوں کی تعظیم، چھوٹوں اور بوڑھوں پر رحم، جو دوسروں کو دے اسے حقیر جاننا اور جو دوسروں سے ملے اسے بڑا سمجھنا، اس کی عادتوں میں داخل ہو۔'' (ص۱۳۴)

قارئین کرام! مضمون خاصا طویل ہو چکا ہے اور گفتگو ہنوز تشنہ ہے۔ کیا کیجیے! ذکر و فکر، لفظ و معنی کے اسرار بے شمار، ترسیل و ابلاغ کی دنیا محدود، قلم عاجز، نگاہ حیراں! بس آخری چند سطریں اور ملاحظہ فرمائیں اور محتاجِ دعا قمر الہدیٰ کو اجازت دیں:

''مخدومِ ملت شیخ مینا قدس سرہ نے فرمایا کہ رابعہ رضی اللہ عنہا مناجات میں یہ کہتیں کہ: خدایا! اگر رابعہ نے دوزخ کی آگ سے ڈر کر تیری عبادت کی ہے تو اسے دوزخ میں جلا دے اور اگر بہشت کی امید میں تیری پرستش کی ہے تو جنت رابعہ پر حرام کر دے اور اگر تیری عبادت صرف تیرے لیے کی ہے تو اپنے دیدار سے محروم نہ رکھ۔''
(سبع سنابل۔ص۲۲۲)

یاد نہیں، کتنی بار یہ روایت نگاہ سے گزری، اس سے قبل بھی، اب بھی! جانے کتنی مرتبہ دل نے کہا، پہلے بھی، آج بھی......

خداوندا!

تیری دنیا تیرے نیک بندوں سے آباد

تیری عنایتیں بے شمار
تیرا ابرِ کرم لازوال
طالبانِ حق کی آہِ صبح گاہی کا صدقہ!
عشقِ حقیقی کی لذتوں سے سرشار نفوسِ قدسیہ کا واسطہ
الٰہی!
ہم گنہ گاروں کی لاج رکھ لے!
تیرے حوالے ہمارے صدف کی آبرو!

## حواشی

۱- ماہنامہ اشرفیہ، مبارک پور، خصوصی شمارہ، سیدین نمبر، ص ص ۲۷۷-۲۷۸، اکتوبر ۲۰۰۲ء

۲- ڈاکٹر سید محمد امین میاں برکاتی، ماہنامہ اشرفیہ، سیدین نمبر ص ص ۱۹۷-۱۹۸۔

۳- ڈاکٹر محمد ایوب قادری، مقدمہ، سبع سنابل شریف، اُردو ترجمہ مفتی محمد خلیل خاں برکاتی، ص ۱۰، رضوی کتاب گھر، بھیونڈی، ب، ت۔

۴- سبع سنابل (اُردو ترجمہ)، ص ص ۴۰۱-۴۰۲۔

۵- ڈاکٹر محمد ایوب قادری، مقدمہ، سبع سنابل، ص ص ۱۸-۱۹۔

۶- مولانا عبدالرشید نعمانی، مقدمہ، شرح الکافیہ فی التصوف، مشمولہ، مجلّہ جامعہ اسلامیہ بہاول پور، ص ۱۰۱، شمارہ اول، ۱۹۶۴ء۔ بہ حوالہ: مقدمہ، سبع سنابل ص-۲۱۔

۷- بہ قول ڈاکٹر محمد ایوب قادری: ''نواب میر صدر جہاں پہانی (ضلع ہردوئی،



یوپی، بھارت) کے رہنے والے، عالم و فاضل تھے۔ دورِ اکبری میں شیخ عبدالنبی کی وساطت سے مفتی مقرر ہوئے۔ اکتسویں سنہ جلوس اکبری میں حکیم ہمام کی معیت میں توران کی سفارت پر گئے۔ دربارِ اکبری کے رنگ میں رنگ گئے۔ سات صدی سے دو ہزاری منصب تک پہنچے۔ شہزادہ سلیم کے اتالیق بھی رہے۔ دورِ جہاں گیری میں چار ہزاری منصب تک ترقی کی۔ صدرالصدوری کے منصب پر فائز ہوئے۔ موزوں طبع تھے۔ کبھی کبھی شعر بھی کہتے تھے۔ ۱۰۲۷ھ/ ۱۶۱۲ء میں فوت ہوئے۔'' (مقدمہ، سبع سنابل، حاشیہ، ص ۳۰۔)

۸- مقدمہ، سبع سنابل، ص ۳۵۔

۹- ایضاً، ص ۳۵-۳۵۔

۱۰- مکتوب بہ نام مولانا فخر الدین مروزی، مشمولہ سیر الاولیا مولفہ میر خورد کرمانی۔ ص ۲۶۴-۲۶۵-لاہور، ۱۹۷۸ء۔

بہ حوالہ پروفیسر لطیف اللہ، تصوف اور سریت۔ ص ۲۱۵-۲۱۶۔ لاہور، ۱۹۹۰ء۔

# خانوادہ برکاتیہ اور فیضان چشت

مولانا اسید الحق عاصم القادری، بدایوں شریف

پورب کا قصبہ بلگرام بڑا مردم خیز واقع ہوا ہے۔ جلیل القدر علما، عظیم المرتبت اہل تصوف وسلوک، بلند پایہ مصنفین ومؤلفین اور ادبا وشعرا کا مولد ومسکن رہا ہے۔ یہاں کے ارباب فضل وکمال کی شہرت ہندستان کی سرحدوں سے نکل کر پورے عالم اسلام میں پھیلی اور ایک عالم نے اس کے دریائے علوم ظاہر وباطن سے فیض حاصل کیا۔

بلگرام میں سادات زیدیہ کا خانوادہ اپنی شرافت ونجابت، فضل وکمال، علم حقائق ومعارف، خدمت دین ومذہب اور مخلوق خدا کی ظاہری وباطنی اصلاح کے میدانوں میں اپنی ایک نمایاں شان اور خصوصی امتیاز رکھتا ہے۔ اسی خانوادہ کی عظیم وجلیل شخصیات حضرت میر عبدالواحد بلگرامی اور میر غلام علی آزاد بلگرامی علمی حلقوں میں کسی تعارف کی محتاج نہیں ہیں۔

حضرت میر عبدالواحد بلگرامی عہد اکبری کے امام تصوف اور نامور شیخ طریقت ہیں، علم تصوف وسلوک میں آپ کی مشہور زمانہ کتاب سبع سنابل کے بارے میں اہل کشف وحال نے فرمایا کہ یہ کتاب بارگاہ رسالت میں درجۂ قبولیت رکھتی ہے۔ آپ کے فرزند حضرت میر عبدالجلیل بلگرامی نے بلگرام کی سکونت ترک فرما کر مارہرہ (ضلع ایٹہ، یوپی) کو اپنی اصلاحی اور تبلیغی سرگرمیوں کا مرکز بنایا۔

آپ کے پوتے صاحب البرکات سیدنا شاہ برکت اللہ مارہروی نے باقاعدہ



مارہرہ میں سکونت اختیار کی اور رشد وہدایت کے لئے خانقاہ کی بنیاد ڈالی، یہی خانقاہ آج پورے عالم میں خانقاہ برکاتیہ مارہرہ مطہرہ کے نام سے جانی جاتی ہے۔ یوپی کا یہ گمنام قصبہ صاحب البرکات کی نسبت اور ان کے فیض سے آج طریقت ومعرفت اور رشد وہدایت کی علامت بن گیا ہے۔ مارہرہ کے تعلق سے بدایوں کے ایک شاعر نے بڑی سچی بات کہی ہے ؎

بہ جستجوئے مرشد چوں دویدیم
بجز مارہرہ مارہرہ ندیدیم

صاحب البرکات کے سلسلۂ اخلاف وخلفا میں ہر زمانے میں عظیم المرتبت ہستیاں جلوہ گر ہوتی رہیں، جنھوں نے اپنے اپنے عہد میں میدانِ ظاہر وباطن میں ملت کی قیادت ورہنمائی کی۔ اس سلسلۃ الذہب میں قطب الوقت شمس الدین ابوالفضل آل احمد اچھے میاں مارہروی قدس سرہٗ کی ذات گرامی وہ نمایاں امتیاز وخصوصیت رکھتی ہے جن کو بجا طور پر ''شمس مارہرہ'' اور ''فخر خاندان برکات'' کہا جاتا ہے۔

خانوادہ برکات کا ایک خصوصی امتیاز یہ بھی ہے کہ اس میں ہر دور میں شریعت وطریقت کی جامع شخصیات ظاہر ہوئیں، آخری دور میں تاجدار مارہرہ سیدنا شاہ ابوالحسین احمد نوری مارہروی قدس سرہ کی ذات گرامی فخر اسلاف بن کر سامنے آئی، جس کے ذریعے سے فیضان برکاتیت دور دور تک پہنچا۔

اسلام کی تبلیغ واشاعت اور اصلاح احوال کے سلسلے میں خانقاہوں اور صوفیہ کرام کی جلیل القدر خدمات ایک تاریخی حقیقت ہے جس سے تاریخ کے واقف کار کو انکار کی گنجائش نہیں ہے، بالخصوص برصغیر ہندوپاک میں جو آج کلمۂ توحید کی صدائیں گونج رہی ہیں، ان میں خانقاہوں کی تبلیغی مساعی اور صوفیہ کی بے لوث دعوتی کوششوں کا ایک بڑا حصہ ہے۔ ہندوپاک میں تبلیغ اسلام کی کوششوں کا منصفانہ جائزہ لیا جائے تو اس حقیقت کے اعتراف میں کسی منصف مزاج کو باک نہیں ہونا چاہیے کہ اس میں

سلسلۂ چشت اہل بہشت کے صوفیہ اور چشتی خانقاہوں کی عظیم الشان اور مخلصانہ خدمات کو بڑا دخل ہے، یوں تو تمام سلاسل کے بزرگوں نے اپنے اپنے انداز میں تبلیغ اسلام، دعوت وارشاد اور اصلاح احوال کے لیے مخلصانہ جدو جہد کی ہے۔ مگر یہ ایک ناقابل انکار تاریخی حقیقت ہے کہ برصغیر ہندو پاک میں چشتی خانقاہوں کو ایک امتیازی حیثیت حاصل ہے۔ سلسلۂ چشتیہ کی ہندوستان آمد اور اس کی نشر واشاعت کے سلسلہ میں علامہ شمس بریلوی لکھتے ہیں:

''چشتی سلسلے کی برصغیر پاک و ہند میں ابتدا خواجۂ خواجگاں معین الدین سنجری اجمیری رحمۃ اللہ علیہ کے پاک انفاس سے ہوئی اور حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ، قدوۃ الاولیا حضرت بابا مسعود فرید الدین گنج شکر اور آپ کے عظیم جانشین خواجہ نظام الدین اولیا قدس اللہ اسرارہم نے چشتی سلسلے کی ترویج میں جو کوششیں فرمائیں وہ تاریخ کے صفحات پر ثبت ہیں۔ حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ حضرت سید محمود المعروف بہ چراغ دہلوی نے بذاتِ خود جس پامردی سے حکومت وقت کی ایذا رسانیوں کا مقابلہ کیا وہ تاریخ کے صفحات پر ثبت ہیں۔ آپ کے خلیفۂ نامور حضرت سید محمد گیسودراز بندہ نواز رحمۃ اللہ علیہ نے دکن کی سرزمین میں پہنچ کر اپنی روحانی عظمتوں کا لوہا منوالیا اور آپ کے انفاسِ قدسیہ سے چشتی سلسلے کو دکن میں بڑا فروغ حاصل ہوا اور آج تک اس سلسلے کی برکات وہاں جاری وساری ہیں۔ آگرہ اور اَودھ میں رُدولی شریف کے بزرگوں اور صابری سلسلے نے جو چشتیہ سلسلے کی شمع سے روشن کیے ہوئے چراغ ہیں، ہر طرف ظلمت کو مٹا کر نور پھیلایا۔ فتح پور سیکری کے عظیم چشتی بزرگ حضرت سلیم چشتی مغلیہ سلاطین اعظم کے سروں کا تاج تھے''۔ (مقدمہ فوائد الفواد، ص: ۷،۸)

سلسلہ خواہ قادری ہو یا چشتی، سہروردی ہو یا نقشبندی ان تمام سلاسل کی انتہا بارگاہ رسالت مآب ﷺ تک ہوتی ہے۔ وہی تمام سلاسل کے امام ہیں اور سب اہل



سلاسل انھیں کے نائبین ووارثین ہیں۔

محترم حامد بخش بدایونی مرحوم نے بڑے پتے کی بات کہی ہے ؎

یہ سب گل ہیں گلزار طیبہ کے حامد
کوئی قادری ہے، کوئی سنجری ہے

صاحب البرکات سیدنا شاہ برکت اللہ مارہروی قدس سرہٗ اپنے والد محترم سیدنا شاہ اویس بلگرامی کے دست حق پرست پر بیعت ہوئے اور والد گرامی نے آپ کو سلاسل خمسہ یعنی قادریہ، چشتیہ، نقشبندیہ، سہروردیہ اور مداریہ کی اجازت وخلافت عطا فرمائی۔ اگر چہ حضرت سیدنا اویس بلگرامی نے حضرت صاحب البرکات کو ان تمام سلاسل کی اجازت وخلافت عطا فرمائی، مگر صاحب البرکات نے اپنے والد گرامی سے سلسلۂ چشتیہ نظامیہ میں ہی بیعت کی تھی (مدائح حضور نور ص ۲۷، غلام شبر قادری) یہ اس لیے کہ خاندان بلگرام میں گوکہ تمام سلاسل موجود تھے لیکن بلگرامی مشائخ پر نسبت چشتیت غالب تھی اور ان حضرات نے سلسلۂ چشتیہ ہی کا اجرا کیا اور عموماً اسی میں بیعت لیا کرتے تھے۔ حضرت میر عبد الواحد بلگرامی مشہور چشتی بزرگ عارف باللہ حضرت مخدوم صفی سائی پوری سے شرف بیعت رکھتے تھے، جو ظاہر ہے کہ سلسلۂ چشتیہ ہی میں تھے۔ حضرت میر صاحب کو خلافت اپنے پیر بھائی سید شاہ حسین سکندر پوری سے تھی۔ لہٰذا بلگرام سے اسی سلسلۂ مخدوم صفی کا اجرا کیا گیا اور حضور صاحب البرکات کو اپنے والد گرامی کے واسطے سے ابتدائے سلوک میں اسی سلسلۂ چشتیہ کا فیض پہنچا۔ گویا یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ ''خانقاہ برکات'' کی اولین بنیادیں اسی نسبت چشت اہل بہشت پر قائم ہیں اور اس نسبت چشتیت کا فیض آج بھی سلسلۂ برکاتیہ میں جاری وساری ہے۔ والد محترم سے اجازت وخلافت حاصل کرنے کے بعد صاحب البرکات مجاہدات اور ریاضت کی طرف مائل ہوئے، یہ وہ دور تھا جب نور العارفین سیدنا شاہ فضل اللہ کالپوی قدس سرہٗ مسند رشد وہدایت پر جلوہ گر تھے، صاحب البرکات نے آپ

کا شہرہ سنا اور شوق زیارت میں کالپی شریف کی طرف رخت سفر باندھا، جب آپ کالپی شریف حاضر ہوئے اور سیدنا شاہ فضل اللہ کی نگاہ آپ پر پڑی تو انھوں نے صاحب البرکات کو سینے سے لگایا اور فرمایا:

''دریا بدریا پیوست'' - (ایک دریا دوسرے دریا میں سما گیا)

یہ جملہ آپ نے تین بار فرمایا۔

سیدنا شاہ فضل اللہ کالپوی کی فیض صحبت کے نتیجہ میں آپ نے مقامات سلوک طے کیے، آپ خود فرماتے ہیں:

''روز ازل نصیبۂ عشقی ز راہ عشق
باشاہ کالپی ہمہ پیماں نوشتہ اند''

سیدنا شاہ فضل اللہ کالپوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے حضور صاحب البرکات کو تمام سلاسل کی اجازت وخلافت عطا فرمائی، مشائخ کالپی پر نسبت قادریت غالب تھی، اس لیے صاحب البرکات نے کالپی سے واپس آ کر سلسلۂ قادریہ کا اجرا فرمایا اور آج بھی خانوادۂ برکات اور اس کی فیض یافتہ خانقاہوں سے اسی سلسلۂ قادریہ کالپویہ میں بیعت لی جاتی ہے۔

صاحب البرکات کو اپنے والد سیدنا شاہ اویس بلگرامی سے جس آبائی سلسلے کی اجازت وخلافت حاصل تھی اس کو سلسلۂ قدیمہ کہا جاتا ہے اور کالپی شریف سے جن سلاسل کی اجازت عطا فرمائی گئی ان کو سلاسل جدیدہ کہا جاتا ہے۔

خانوادہ برکات کا سلسلۂ قدیمہ ہو یا سلسلۂ جدیدہ دونوں میں خواجۂ خواجگاں سلطان الہند غریب نواز کے واسطے سے فیضان چشت موجود ہے۔

خانوادۂ برکات میں فیضان چشت جس آبائی سلسلہ سے آیا ہے، وہ اس طرح ہے:

(۱) سیدنا شاہ برکت اللہ مارہروی، (۲) سیدنا شاہ اویس بلگرامی، (۳) سیدنا شاہ میر عبدالجلیل بلگرامی، (۴) سیدنا شاہ میر عبدالواحد بلگرامی، (۵) سیدنا شاہ حسین



سکندر آبادی، (۶) حضرت مخدوم صفی، (۷) حضرت شیخ سعد الدین خیر آبادی، (۸) حضرت شاہ مینا لکھنوی، (۹) حضرت شیخ سارنگ مجھگواں شریف، (۱۰) حضرت سید صدر الدین عرف راجو قتال، (۱۱) حضرت سید جلال الدین مخدوم جہانیاں، (۱۲) حضرت خواجہ نصیر الدین عرف چراغ دہلی، (۱۳) سلطان المشائخ محبوب الٰہی نظام الدین اولیا بدایونی، (۱۴) سیدنا شاہ فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ، (۱۵) قطب الاقطاب خواجہ قطب الدین بختیار کا کی رحمۃ اللہ علیہ، (۱۶) خواجۂ خواجگاں سلطان الہند غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ۔

یہ سلسلہ چشتیہ قدیمہ کہلاتا ہے۔ صاحب البرکات کا سلسلۂ چشتیہ جدیدہ کالپویہ اس طرح ہے:

(۱) صاحب البرکات سیدنا شاہ برکت اللہ مارہروی، (۲) سیدنا شاہ فضل اللہ کالپوی، (۳) سیدنا شاہ سید احمد کالپوی، (۴) سیدنا شاہ سید محمد کالپوی، (۵) سیدنا شاہ جمال اولیا، (۶) حضرت سید جلال بخاری، (۷) حضرت شیخ بہاء الدین، (۸) حضرت شیخ سالار، (۹) حضرت شیخ بہاء الدین جونپوری، (۱۰) حضرت شیخ فتح اللہ بدایونی، (۱۱) حضرت شیخ صدر الدین، (۱۲) حضرت خواجہ نصیر الدین عرف چراغ دہلی، (۱۳) سلطان المشائخ محبوب الٰہی نظام الدین اولیا بدایونی، (۱۴) سیدنا شاہ فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ، (۱۵) قطب الاقطاب خواجہ قطب الدین بختیار کا کی رحمۃ اللہ علیہ، (۱۶) خواجۂ خواجگاں سلطان الہند غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ۔

خانوادۂ برکاتیہ کے صوفیا و مشائخ ہمیشہ اپنی اس قدیم نسبت چشتیت پر فخر کرتے رہے ہیں اور خانوادے سے جاری ہونے والی اجازتوں اور خلافتوں کے ذریعے فیضان چشت کو عام کرتے رہے ہیں اور آج بھی یہ سلسلۂ خیر و برکت جاری ہے۔ رب قدیر و مقتدر اس سلسلۂ خیر و برکت کو تا قیامت جاری و ساری رکھے اور سلسلۂ برکاتیہ کے توسط سے قادری اور چشتی فیضان عام ہوتا رہے۔

# وحدۃ الوجود-مشائخ چشت کا منظورِ نگاہ نظریہ

علامہ محمد احمد مصباحی

الجامعۃ الاشرفیہ مبارک پور

وحدۃ الوجود ایک خالص عرفانی مسئلہ ہے جسے سید المکاشفین شیخ اکبر محمد بن علی بن محمد حاتمی طائی معروف بہ محی الدین ابن عربی قدس سرہٗ (۵۶۰ھ-۶۳۸ھ) نے اپنی تصانیف میں شرح وبسط سے بیان کیا ہے۔حاصل یہ ہے کہ وجود صرف ایک ہے جو عین ذات باری تعالیٰ ہے۔باقی سب اس کے مظاہر اور پرتو ہیں۔امام احمد رضا قدس سرہٗ فرماتے ہیں:

''مرتبۂ وجود میں صرف حق عزوجل ہے کہ ہستی حقیقۃً اسی کی ذات سے خاص ہے۔وحدتِ وجود کے جس قدر معنی عقل میں آسکتے ہیں یہی ہیں کہ وجود واحد، موجود واحد، باقی سب مظاہر ہیں کہ اپنی حد ذات میں اصلاً وجود ہستی میں بہرہ نہیں رکھتے۔ ''کل شئی هالك الا وجهه''

اور حاشا یہ معنی ہرگز نہیں کہ من وتو، زید وعمرو، ہر شئی خدا ہے۔یہ اہل اتحاد کا قول ہے جو ایک فرقہ کافروں کا ہے۔اور پہلی بات اہل توحید کا مذہب ہے جو اہل اسلام وایمان حقیقی ہیں۔[۱]

مشائخ قادریہ وچشتیہ وغیرہم ہمیشہ وحدۃ الوجود کے قائل رہے اور اہل ظاہر نے اس پر جو اعتراضات کیے ان کے جوابات بھی دیے اور ثابت کیا کہ یہ معنی قرآن



وسنت کے خلاف نہیں۔یہ بھی کہا گیا کہ مسئلۂ وحدت الوجود عقول متوسط کے فہم وادراک سے ماورا ہے اور صرف کشف وشہود کے ذریعہ اس سے آگاہ ہی ہوسکتی ہے۔لیکن علامہ فضل حق خیرآبادی نے خاص معقولی طرز پر بحث کرتے ہوئے بیان فرمایا کہ صوفیہ کے اسرار واصول سے قطع نظر نگاہ عقل میں بھی حق یہی ہے کہ مصداق وجود صرف ایک حقیقت واجبہ ہے۔باقی سب اس کے مظاہر اور تعینات ہیں۔اس بارے میں انہوں نے ایک مفصل رسالہ ''الروض المجود'' تحریر فرمایا جس کا تذکرہ میں نے اپنی کئی مضامین میں کیا ہے۔یہاں چاہتا ہوں کہ مختصراً اس کے چند اقتباسات بھی پیش کروں تاکہ اس کی تحقیقات سے کسی قدر آشنائی ہوسکے۔علامہ فضل حق خیرآبادی چشتی (۱۲۱۲ھ-۱۲۷۸ھ) فرماتے ہیں:

''نظر جتنی زیادہ دقیق اور صاف ہوگی اس سے حاصل ہونے والا علم بھی اتنا ہی زیادہ حق اور کامل ہوگا۔اور صوفیۂ کرام کا حصہ دقت نظر، پاکیزگی اسرار اور درستی افکار میں دوسروں سے زیادہ ہے تو رب سے متعلق ان کا اعتقاد بھی کسی انحراف سے بعید تر اور قبول وایمان کے لئے مناسب ولائق تر ہوگا۔ان سے متعلق یہ خیال نہیں کیا جاسکتا کہ ان کا عقیدہ اسلام کے برخلاف، یا تقاضائے عقل کے برعکس ہے۔یہ بات کسی طرح لائق التفات نہیں کہ صوفیہ کا مذہب عقل کے احکام وطریق سے ماورا ہے۔اس لیے اس کی تائید یا تردید میں مصروف ہونا مناسب نہیں۔صوفیہ کا طریقہ خلاف عقل نہیں ہوسکتا۔حجۃ الاسلام امام محمد غزالی (۴۵۰ھ-۵۰۵ھ) احیاء العلوم میں فرماتے ہیں: یقین رکھو کہ طریق ولایت میں کوئی ایسا امر ظاہر نہیں ہوسکتا جسے عقل محال قرار دے۔ہاں طریق ولایت میں ایسی بات ظاہر ہوسکتی ہے جس سے عقل قاصر وعاجز ہو یعنی وہ ایسی بات ہے کہ صرف عقل سے اس کا ادراک نہیں ہوسکتا۔ایک وہ امر ہوتا ہے جسے عقل محال قرار دیتی ہے اور ایک امر وہ ہوتا ہے جو عقل کی دست رس میں نہیں۔دونوں میں بڑا فرق ہے۔جو اس فرق کو سمجھنے سے قاصر ہو وہ ہمارے خطاب

کے لائق نہیں‘‘۔انتہی ۔ ۲

اس تمہید کے بعد وہ فرماتے ہیں کہ واضح ہوگیا کہ مذہب صوفیہ طریقۂ عقل کے خلاف نہیں بلکہ عقل کی میزان صحیح پر تُلا ہوا ہے۔اس لیے پہلے ہم اسے دلیل عقلی سے بیان کریں گے تاکہ کسی تشدد پسند فلسفی کے لیے شک کی گنجایش نہ رہے پھر اسے نقلی دلائل سے مضبوط کریں گے تاکہ کسی تکلف پسند متکلم کے لیے طعن و تشنیع کا موقع نہ رہے۔

آگے رقم طراز ہیں:

وجود حقیقی ایک حقیقت واحدہ ہے جس میں اقسام وانواع حاصل کرانے والی فصلوں اور اشخاص بنانے والے عوارض کے ذریعہ اختلاف نہیں ہوتا بلکہ یہ بالذات مطلق رہتے ہوئے خود ہی متعین ہوتی ہے۔اس کا تعین اس کی حقیقت سے زائد نہیں ہوتا مگر اعتباری طور پر۔ یہ بالذات واجب بھی ہے،کسی اور کی معلول نہیں، اس لیے کہ اس کے سوا کوئی موجود نہیں۔

اور جب یہ بالذات مطلق رہتے ہوئے خود ہی متعین ہوتی ہے تو یہی مابہ الاشتراک ہے ان اشیا میں جو ایک دوسرے کی غیر اور باہم جداگانہ ہیں۔اسی طرح وہ ان اشیا کے درمیان بالذات مابہ الامتیاز بھی ہے، بغیر اس کے کہ کوئی امر اس کی طرف مضاف ہو یا کوئی معنی اس پر زائد ہو۔

اس کے تعیّنات ممکن ہیں اور خود وہ حقیقت، واجب ہے، جیسے تعیّنات باہم متغایر ہیں اور وہ واحد ہے۔ وہ حقیقت حقہ کسی ایک تعین میں میں محدود یا کسی ایک تشخص میں محصور نہیں۔ یہ اپنے تعینات میں بہت سے اطوار رکھتی ہے۔ وحدت کے باوجود کثرت میں نمایاں ہے۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے:

اے کہ ذاتِ خویش را مطلق مقید ساختی
رنگ ہاے مختلف را صورت خود ساختی ۳



اس اجمال کے بعد تفصیل دلیل کے لیے پہلے وہ چار مقدمات پیش کرتے ہیں:

**پہلا مقدمہ:**

وجود بمعنی مصدری جسے ’’ہستی‘‘ اور ’’ہونا‘‘ کہا جاتا ہے ایک فطری بدیہی امر ہے۔ یہ اشیا کے درمیان مشترک اور اذہان کے اندر اشیا سے مُنتزَع ہے۔ خارج میں موجود نہیں۔ یہ بدیہی بات ہے جس سے کسی مکابر کو بھی اختلاف نہیں۔

**دوسرا مقدمہ:**

وجود مصدری جو اشیا سے منتزع ہے، اس کے لیے واقع میں کوئی ایسا منشأ انتزاع ہونا ضروری ہے جو محض اعتبار کرنے والے کے اعتبار یا فرض کرنے والے کے فرض کے تابع نہ ہو۔ ورنہ انتزاع وجود محض ایک اختراعی امر اور وہمی عمل ہو جائے گا۔ وہ منشأ انتزاع واقع میں موجود اور نفس الامر میں متحقق ہونا ضروری ہے تاکہ محض امر اختراعی نہ ٹھہرے۔ اس لیے کہ امور انتزاعیہ کی واقعیت یہی ہے کہ ان کا منشأ انتزاع واقع میں موجود ہو۔

**تیسرا مقدمہ:**

وجود مصدری کا منشأ انتزاع خود حقیقت موجودہ ہے، اس کے بغیر کہ کوئی امر اس پر زائد، یا کوئی معنی اس کے ساتھ منضم ہو۔

اس لیے کہ انتزاع کا منشأ اگر نفس حقیقت نہ ہو بلکہ حقیقت مع امر زائد ہو تو وہ امر یا تو انضمامی ہوگا یا انتزاعی؟ دونوں صورتیں باطل ہیں (تفصیل کتاب میں مذکورہ ہے) تو مصداق وجود کسی فرض فارض یا زیادتی عارض کے بغیر خود حقیقت موجودہ کا ہونا ثابت ہے۔

**چوتھا مقدمہ:**

وجود کو اصل حقیقت سے، جو مصداق وجود ہے وہی نسبت ہے جو انسانیت کو

ماہیت انسانیہ اور حیوانیت کو ماہیت حیوانیہ سے ہے۔ اس لیے کہ وجود نفس حقیقت سے زائد کوئی معنی نہیں جیسے انسانیت کا مفہوم حقیقت انسانیت سے زائد کوئی معنی نہیں۔ اس کا بیان تیسرے مقدمے میں ہو چکا ہے۔

ان مقدمات کی تمہید کے بعد ہم کہتے ہیں کہ وجود مصدری چھوٹی بڑی تمام چیزوں سے منتزع ہے تو اس کے لیے کوئی ایسا منشأ انتزاع ہونا ضروری ہے جو واقعی ہو، محض فرضی واعتباری نہ ہو۔ یہ بھی ضروری ہے کہ وہ منشأ نفس ذات اور اصل حقیقت ہو اور اس کی جانب وجود کی نسبت اسی طرح ہو جیسے انسان کی طرف انسانیت اور حیوان کی طرف حیوانیت کی نسبت ہے۔ یہ بھی ضروری ہے کہ وہ معنی وجود کا مصداق کسی امر کی زیادتی اور کسی معنی کی اضافت کے بغیر خود ہی ہو۔ اور محال ہے کہ وہ منشا اشیا سے مبائن یا مفارق کوئی امر ہو۔ اس لیے کہ وجود خود ان اشیا کے حقائق سے منتزع ہے۔

یہ بھی ضروری ہے کہ وہ منشا حقیقت واحدہ ہو۔ اس لیے کہ اگر کئی حقائق ہوں تو وجود کی نسبت اپنے منشا کی جانب نسبت انسانیت بہ انسان کی طرح نہ ہوگی جیسا کہ چوتھے مقدمے میں ثابت ہوا۔

اور محال ہے کہ وہ حقیقت واحدہ اشیا سے منضم یا منتزع کوئی امر ہو جیسا کہ تیسرے مقدمے میں ثابت ہوا۔

اسی طرح یہ بھی محال ہے کہ اشیا سے مبائن کوئی امر ہو، ورنہ ان سے وجود کا انتزاع نہ ہو سکے گا۔ وہ حقیقت کسی خاص تعین سے مقید بھی نہیں۔ اسی طرح وہ کلی مبہم نہیں ورنہ بذاتہ مصداقِ وجود نہ ہو سکے گی۔ بلکہ اپنے حصول میں خارجی محصلات کی محتاج ہوگی۔ تو یہ مطلق ہے یعنی ہر قید سے معرّا اور تعین کی صالح ہے۔

وہ کسی کی معلول بھی نہیں ہو سکتی، اس لیے کہ اس کے ماسوا نہ کوئی موجود ہے، نہ کسی کی کوئی اصلیت۔ اور جو چیزیں متغایر اور اس سے مبائن نظر آ رہی ہیں، یہ سب اسی کے شیون اور تعیّنات ہیں جو اسی سے پیدا اور اسی سے جلوہ نما ہیں۔



اس تفصیل سے واضح ہو گیا کہ مصداق وجود جسے وجود حقیقی کہا جاتا ہے وہ، ایک حقیقت واحدہ واجبہ ہے جو سب میں پھیلی ہوئی اور ہر تعین وقید سے مطلق ہے۔ اب یہ بھی جان لو کہ وہ حقیقت جب اشیا کی کوئی انضمامی صفت نہیں، نہ کوئی وصف انتزاعی، نہ کوئی امر مبائن تو یہ ہر شی کا عین ہے۔ نہ اس معنی میں کہ ہر شی وہی حقیقت مطلقہ ہے بلکہ اس طرح کہ وہ حقیقت کسی امر کی زیادتی اور کسی معنی کے انضمام کے بغیر خود گوناگوں تعیّنات کے ساتھ جلوہ گر ہوتی اور طرح طرح کے اَطوار میں نمایاں ہوتی ہے۔ تو ایک تعین کے اعتبار سے وہ ایک شی ہے اور دوسرے تعین کے اعتبار سے دوسری شی ہے''۔[۱۲]

اس کی مزید تفصیل کے بعد بحر اور تعیّنات امواج کی مثال سے اس کی توضیح فرمائی ہے، اس کے بعد اس مسلک پر دس اعتراضات مع جوابات رقم فرمائے ہیں۔ پھر چند آیات پیش کر کے دلیل شرعی نقلی سے اس کی موافقت ثابت کی ہے۔

ملک العلما بحر العلوم مولانا عبد العلی فرنگی محلی علیہ الرحمہ (۱۱۴۳ھ-۱۲۲۵ھ) نے بھی اس موضوع پر عربی میں ایک رسالہ " وحدة الوجود وشهود الحق فی کل موجود" لکھا تھا۔ پھر نواب انور الدین خان بہادر کی فرمائش پر اسے فارسی میں لکھا۔ شاہ ابو الحسن زید فاروقی نے اردو میں اس کا ترجمہ کیا اور مکتوبات مجدد الف ثانی سے اخذ کرتے ہوئے متعدد حواشی بھی لکھے۔ یہ ترجمہ پہلی بار غالباً ۱۳۹۱ھ/۱۹۷۱ء میں شایع ہوا۔ مسلک وحدۃ الوجود کی توضیح وتفہیم کے لیے اس سے بھی کچھ اقتباس یہاں نقل کیا جاتا ہے۔ بحر العلوم فرماتے ہیں:

''وجود سے مراد اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ وجود اس کی حقیقت کا عین ہے۔ اور یہ وجود، مصدری وجود نہیں کیوں کہ مصدری وجود ایک انتزاعی امر ہے جس کا معنی'' ہونا'' ہے۔

ایسے انتزاعی مفہوم سے اللہ تعالیٰ بالا وبرتر ہے بلکہ وجود سے مراد وہ حقیقت

ہے جو مصدری وجود کا مصداق ہے جو نفس وجود ہے، وہ اپنے مرتبۂ ذات میں کثرت سے پاک ہے۔

اللہ تعالیٰ کے سوا جو کچھ ہے وہ عالم شیونات وتعینات ہے۔ تمام شیونات وتعینات اس کے مظاہر ہیں اور وہ ان میں جاری وساری ہے، اس کی سرایت وہ نہیں جس کے حلولی کی قائل ہیں یا جس کا بیان اتحادی کرتے ہیں بلکہ یہ سریان مثل اس سریان کے ہے جو گنتی کے اعداد میں ایک کا ہے۔ گنتی کے تمام اعداد بجز اکائیوں کے اور کچھ نہیں۔ عالم میں ایک ہی عین یعنی ایک ہی ذات کا ظہور ہے۔ کثرت میں وہی ظاہر ہے۔ اپنی ذات سے کثرت کا وجود نہیں۔ اللہ کی ذات سے اس کا ظہور ہوا۔ اللہ ہی کی ذات اس کثرت میں ظاہر ہے۔ اللہ ہی اوّل ہے۔ اللہ ہی آخر ہے۔ اللہ ہی ظاہر ہے۔ اللہ ہی باطن ہے۔ اللہ ان کے شریک بنانے سے پاک ہے''۔ ۵؎

سیدنا شاہ ابوالحسین احمد نوری قدس سرہٗ (م ۱۳۲۴ھ) فرماتے ہیں: ''وحدت کی دو قسمیں ہیں۔ ایک وجودی دوسری شہودی۔ وجودی کے معنی یہ ہیں کہ سالک کے علم اور نظر دونوں سے اللہ کے سوا جو کچھ بھی ہے اس کا شعور ختم ہو جائے اور اس کی نظر وعلم میں اللہ کے سوا سب کچھ فنا ہونے کے بعد ذات باری تعالیٰ باقی رہے۔ یہی سالک کے مقام کی انتہا ہے۔ اس مقام پر آنے کے بعد سالک ولی ہو جاتا ہے۔ سیر الی اللہ کے ختم ہونے کے یہی معنی ہیں اور اسی کو مقام لاہوت کہتے ہیں۔ سیر وسلوک قادریہ میں یہ چوتھا مقام ہے۔ اس کے بعد سیر فی اللہ ہے کہ اس سے مراد ذات بحت باری تعالیٰ میں، جس کی کوئی حد نہیں، ترقی حاصل کرنا شروع ہوتا ہے اور حدیث شریف ماعرفناك حق معرفتك (ہم نے جیسا کہ تیرا حق تھا تجھے نہ پہچانا) اسی سیر کی خبر دیتی ہے قادریہ، چشتیہ، سہروردیہ وغیرہم تمام اولیاء اللہ کا یہی مسلک ہے۔ ایک قلیل تعداد وحدت شہود کی طرف گئی ہے اور اس کو سالک کا ابتدائی مقام جانتے ہیں۔ وحدت شہودی کے بھی یہی معنی ہیں لیکن اس میں موجودات کا انکار صرف سالک کی نظر سے



ہوتا ہے، اس کے علم سے نہیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے سوا تمام موجودات اس کے علم میں تو باقی رہتے ہیں صرف نظر سے ختم ہو جاتے ہیں۔ نظر میں صرف ذات باری باقی رہتی ہے۔ باقی سب نظر سے ہلاک اور فانی ہو جاتے ہیں مگر سالک کے علم میں باقی رہتے ہیں۔ جیسے سورج نکلنے پر ستارے۔ کہ سب ستارے نظر سے غائب ہو جاتے ہیں، نظر کے سامنے صرف سورج ہوتا ہے لیکن وہ جانتا ہے کہ ستاروں کا وجود ویسے ہی باقی ہے بس نظر سے چھپ گیا ہے''۔ ۶؎

امام احمد رضا قادری بریلوی قدس سرہٗ (۱۲۷۲ھ-۱۳۴۰ھ) فرماتے ہیں:

حقیقی وجود صرف اللہ کے لئے ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
سب سے سچی بات جو عرب نے کہی وہ لبید شاعر کا یہ قول ہے: '' الا کل شیٔ ما خلا اللہ باطل'' ہمارے نزدیک ثابت ہو چکا ہے کہ کلمۂ لا الہ الا اللہ کا معنی عوام کے نزدیک یہ ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اور خواص کے نزدیک یہ ہے کہ اللہ کے سوا کوئی مقصود نہیں اور اخص الخواص کے نزدیک یہ ہے کہ اللہ کے سوا کوئی مشہود نہیں۔ اور جو مقام نہایت تک پہنچ گئے ان کے نزدیک یہ ہے کہ خدا کے سوا کوئی موجود نہیں۔ اور سب حق ہے۔ مدارِ ایمان اول پر ہے۔ مدارِ اصلاح دوم پر، کمالِ سلوک سوم پر اور وصول الی اللہ کا مدار چہارم پر ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان چاروں معانی سے حظ کامل عطا فرمائے، اپنے احسان وکرم سے۔ ۷؎

یہاں بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ صوفیہ واجب اور ممکن میں اتحاد کے قائل ہیں، واجب کو عین ممکن اور ممکن کو عین واجب جانتے ہیں اور ''ہمہ اوست'' کا دعویٰ کرتے ہیں۔ لیکن صوفیہ کا دامن اس الزام سے بری ہے۔ وہ ممکن کو ظل، عکس، پرتو، مظہر کہتے ہیں اور ظل بہر حال اصل سے جدا اور اصل کا غیر ہوتا ہے۔ ظلّیت کی صراحت کے باوجود ان کے کلام سے عینیت ثابت کرنا غلط ہے، اگر کسی سے کوئی ایسی عبارت منقول ہے تو اس کی تاویل ضروری ہے کیوں کہ حلول واتحاد کی نفی میں صوفیۂ

کرام کی صریح عبارات موجود ہیں۔شیخ عبدالوہاب شعرانی فرماتے ہیں کہ یہ بات ملحدین نے شیخ اکبر کے خلاف پھیلائی ہے۔امام شعرانی نے شیخ اکبر کی کتابوں سے ان کا مذہب اور حلول واتحاد کی نفی نقل کرکے واضح کیا ہے کہ شیخ اس خیال باطل سے بلاشبہ بری ہیں۔چند عبارتیں یہاں بھی پیش کی جاتی ہیں۔

شیخ اکبر فرماتے ہیں: جو حلول کا قائل ہے وہ بیمار ہے کیوں کہ حلول کا قول ایک لاعلاج مرض ہے اور اتحاد کے قائل اہل الحاد ہیں جیسے حلول کے قائل اہل جہل وفضول ہیں۔(فتوحات۔باب الاسرار)

حادث حوادث سے خالی نہیں ہوسکتا۔اگر قدیم کا حلول حادث میں ہوتو مجسمہ کی بات درست ہوجائے۔قدیم نہ حلول کرنے والا ہے، نہ اس میں کوئی شی حلول کرنے والی ہے۔عاشق جب کہتا ہے" انا من اھوی ومن اھوی انا" تو یہ زبان عشق ومحبت کا کلام ہے۔زبانِ علم وتحقیق کا کلام نہیں۔اسی لیے ایسا قائل جب سکر سے صحو میں آتا ہے تو اپنے قول سے رجوع کرتا ہے۔(فتوحات۔باب الاسرار)

اگر یہ صحیح ہے کہ انسان، انسانیت سے اور ملک، ملکیت سے ترقی کرکے خالق جل وعلا سے متحد ہوجائے اور خلق، حق ہوجائے تو کسی کو کسی علم پر اعتماد نہ رہے اور محال واجب ہوجائے جب کہ قلب حقائق کی کوئی راہ نہیں۔(فتوحات باب ۳۱۴)

خلقت کبھی مرتبۂ حق عزوجل میں نہیں ہوسکتی، جیسے معلول کبھی مرتبۂ علت میں نہیں ہوسکتا۔(فتوحات باب ۴۸)

کمال عرفان یہ ہے کہ عبد اور رب دونوں کا مشاہدہ ہو، جو عارف کسی بھی وقت مشاہدۂ عبد کی نفی کرے، وہ عارف نہیں۔اس وقت وہ صاحب حال ہے اور صاحب حال سُکر والا ہے جسے تحقیق نہیں ہوتی۔(لواقح الانوار)

فتوحات باب ۳۶۷ میں لکھتے ہیں:''بعض مکاشفات میں میری روح کی ملاقات حضرت ہارون علیہ السلام سے ہوئی۔ میں نے عرض کیا: اے اللہ کے نبی!



آپ نے یہ کیسے کہا" فلا تشمت بی الاعداء" (مجھ پر دشمنوں کو نہ ہنسا) وہ اعدا کون ہیں جن کا آپ مشاہدہ کررہے ہیں۔جب کہ ہم لوگوں میں سے سالک ایسے مقام پر پہنچ جاتا ہے کہ اللہ کے سوا کسی کا مشاہدہ نہیں کرتا۔حضرت ہارون علیہ السلام نے جواب دیا۔تم نے جو کہا تمہارے مشاہدے کے لحاظ سے صحیح ہے۔لیکن یہ بتاؤ کہ جب تم خدا کے سوا کسی چیز کا مشاہدہ نہیں کرتے تو کیا اس وقت نفس الامر سے عالم زائل ہوگیا، جیسا کہ تمہارے مشاہدے میں زائل ہے یا نفس الامر میں عالم باقی اور غیر زائل ہے۔صرف تم اس کے مشاہدے سے محجوب ہو، اس لئے کہ ایک ایسی عظیم تجلی تمہارے قلوب پر واقع ہوئی جس نے عالم کو تمہارے شہود سے روپوش کردیا؟ میں نے عرض کیا: نفس الامر میں عالم، باقی وغیرہ زائل ہے۔صرف ہم اس کے مشاہدے سے محجوب ہوگئے۔فرمایا: اس شہود میں خدا سے متعلق تمہارے عرفان میں کمی ہے جس قدر کہ مشاہدۂ عالم میں کمی ہے۔اس لیے کہ سارا عالم اللہ کی نشانی ہے۔اس جواب سے حضرت ہارون علیہ السلام نے مجھے ایسی معرفت کا افادہ فرمایا جو مجھے پہلے حاصل نہ تھی۔انتہی۔سیدی علی بن وفا رحمۃ اللہ فرماتے کہ اگر کلام قوم میں کہیں اتحاد کا ذکر آیا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ بندے کی مراد، حق کی مراد میں فنا ہے جیسے کہا جاتا ہے کہ فلاں فلاں میں اتحاد ہے، جب ہر ایک دوسرے کے منشا کے مطابق کام کرتا ہے''۔[۸]

ان اقتباسات سے واضح ہے کہ حلول واتحاد کے قول سے صوفیہ کرام کس قدر دور ہیں اور ان کی جانب اس خیال باطل کا انتساب کتنا غلط اور گمراہ کن ہے۔

میں یہاں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہٗ کا کلام پیش کرتا ہوں جس سے توحید، وحدت اور اتحاد کی وضاحت بھی ہوتی ہے اور وحدت پر دلیل سمعی بھی فراہم ہوتی ہے۔وہ رقم طراز ہیں۔یہاں تین چیزیں ہیں: توحید، وحدت اور اتحاد۔توحید مدار ایمان ہے اور اس میں شک کفر اور وحدت وجود حق ہے، قرآن عظیم واحادیث وارشادات

اکابر دین سے ثابت۔اوراس کے قائلوں کو کافر کہنا خود شنیع خبیث کلمۂ کفر ہے۔

رہا اتحاد، وہ بے شک زندقہ والحاد، اوراس کا قائل ضرور کافر۔اتحاد یہ کہ یہ بھی خدا، وہ بھی خدا، سب خدا، ع گر فرقِ مراتب نہ کنی زندیقی۔حاشاللہ! الٰہ، الٰہ ہے اور عبد عبد۔ ہرگز نہ عبد الٰہ ہوسکتا ہے نہ الٰہ عبد۔اور وحدت وجود یہ کہ وہ صرف موجود واحد، باقی سب ظلال وعکوس ہیں۔قرآن کریم میں ہے: "کل شئی ھالك الا وجھه"

صحیح بخاری، وصحیح مسلم، وسنن ابن ماجہ میں ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: اصدق کلمة قالھا الشاعر کلمة لبید ع الا کل شئی ما خلا اللہ باطل ، سب میں زیادہ سچی بات جو کسی شاعر نے کہی، لبید کی بات ہے کہ سن لو! اللہ عزوجل کے سوا ہر چیز اپنی ذات میں محض بے حقیقت ہے۔کتب کثیرہ مفصلہ اصابہ، نیز مسند میں ہے: سواد بن قارب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے عرض کی:

فاشھدان اللہ لاشئی غیرہ وانك مامون علی کل غائب

میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کچھ موجود نہیں اور حضور جمیع غیوب پر امین ہیں۔حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے انکار نہ فرمایا[9]

اب مسئلہ کی قدرے تفصیل اور ایک مثال سے تفہیم بھی ملاحظہ ہو۔اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں:

یہاں فرقے تین ہیں: ایک خشک اہل ظاہر، کہ حق وحقیقت سے بے نصیب محض ہیں۔ یہ وجود کو اللہ ومخلوق میں مشترک سمجھتے ہیں۔دوم اہل حق وحقیقت کہ بمعنی مذکور قائل وحدت وجود ہیں۔سوم اہل زندقہ وضلالت، الہ ومخلوق میں فرق کے منکر، اور ہر شخص وشئی کی الوہیت کے مُقر ہیں۔ان کے خیال واقوال اس تقریبی مثال سے روشن ہوں گے۔



ایک بادشاہ اعلیٰ جاہ آئینہ خانہ میں جلوہ فرما ہے۔جس میں تمام مختلف اقسام واوصاف کے آئینے نصب ہیں۔آئینوں کا تجربہ کرنے والا جانتا ہے کہ ان میں ایک ہی شی کا عکس کس قدر مختلف طوروں پر متجلی ہوتا ہے۔بعض میں صورت خلاف نظر آتی ہے۔بعض میں دھندلی، کسی میں سیدھی، کسی میں الٹی، ایک میں بڑی، ایک میں چھوٹی، بعض میں پتلی، بعض میں چوڑی، کسی میں خوش نما، کسی میں بھونڈی، یہ اختلاف ان کی قابلیت کا ہوتا ہے، ورنہ وہ صورت جس کا اس میں عکس ہے خود واحد ہے، ان میں جو حالتیں پیدا ہوئیں متجلی ان سے منزہ ہے۔ان کے لیے، بھونڈے، دھندلے ہونے سے اس میں کوئی قصور نہیں ہوتا۔وللہ المثل الاعلیٰ۔اب اس آئینہ خانہ کو دیکھنے والے تین قسم ہوئے:

**اول ناسمجھ بچے:**

انہوں نے گمان کیا کہ جس طرح بادشاہ موجود ہے یہ سب عکس بھی موجود ہیں کہ یہ بھی تو ہمیں ایسے ہی نظر آرہے ہیں جیسے وہ۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ یہ اس کے تابع ہیں۔ جب وہ اٹھتا ہے یہ سب کھڑے ہوجاتے ہیں، وہ چلتا ہے یہ سب چلنے لگتے ہیں۔ وہ بیٹھتا ہے یہ سب بیٹھ جاتے ہیں۔تو عین یہ بھی اور وہ بھی۔مگر وہ حاکم ہے یہ محکوم۔اور اپنی نادانی سے نہ سمجھا کہ وہاں تو بادشاہ ہی بادشاہ ہے۔ یہ سب اسی کے عکس ہیں، اگر اس سے حجاب ہوجائے تو یہ سب صفحۂ ہستی سے معدوم محض ہوجائیں گے، ہو کیا جائیں گے اب بھی تو حقیقی وجود سے کوئی حصہ ان میں نہیں۔حقیقتاً بادشاہ ہی موجود ہے، باقی سب پرتو کی نمود ہے۔

**دوم اہل نظر وعقل کامل:**

وہ اس حقیقت کو پہنچے اور اعتقاد بنائے کہ بے شک وجود ایک بادشاہ کے لیے ہے، موجود ایک وہی ہے۔ یہ سب ظل وعکس ہیں کہ اپنی حد ذات میں اصلاً وجود نہیں رکھتے۔اس تجلی سے قطع نظر کر کے دیکھو کہ پھر ان میں کچھ رہتا ہے۔حاشا عدم

محض کے سوا کچھ نہیں اور جب یہ اپنی ذات میں معدوم وفانی ہیں اور بادشاہ موجود، یہ اس نمودِ وجود میں اسی کے محتاج ہیں اور وہ سب سے غنی، یہ ناقص ہیں وہ تام، یہ ایک ذرہ کے بھی مالک نہیں اور وہ سلطنت کا مالک، یہ کوئی کمال نہیں رکھتے، حیات، علم، سمع، بصر، قدرت، ارادہ، کلام سب سے خالی ہیں اور وہ سب کا جامع، تو یہ اس کا عین کیوں کر ہو سکتے ہیں؟ لا جرم یہ نہیں کہ یہ سب وہی ہیں بلکہ وہی وہ ہے اور یہ صرف اس تجلی کی نمود۔ یہی حق وحقیقت ہے اور یہی وحدت الوجود۔

**سوم عقل کے اندھے:**

سمجھ کے اوندھے، ان ناسمجھ بچوں سے بھی گئے گزرے۔ انہوں نے دیکھا کہ جو صورت بادشاہ کی ہے وہی ان کی، جو حرکت وہ کرتا ہے یہ سب بھی، تاج جیسا اس کے سر پر ہے بعینہ ان کے سروں پر بھی۔ انہوں نے عقل ودانش کو پیٹھ دے کر بکنا شروع کیا کہ یہ سب بادشاہ ہیں اور اپنی سفاہت سے وہ تمام عیوب ونقائص جو نقصان قوابل کے باعث ان میں تھے خود بادشاہ کو ان کا مورد کر دیا کہ جب یہ وہی ہیں تو ناقص عاجز محتاج الٹے بھونڈے بدنما دھندلے کا جو عین ہے قطعاً انہیں ذمائم سے متصف ہے۔ تعالیٰ اللہ عما یقول الظالمون علوا کبیرا۔

انسان عکس ڈالنے میں آئینے کا محتاج ہے اور وجود حقیقی، احتیاج سے پاک۔ وہاں جسے آئینہ کہیے وہ خود بھی ایک ظل ہے، پھر آئینے میں انسان کی صرف سطحِ مقابل کا عکس پڑتا ہے جس میں انسان کی صفات مثل کلام وسمع وبصر وعلم وارادہ وحیات وقدرت سے اصلاً نام کو بھی کچھ نہیں آتا لیکن وجود حقیقی عزّ جلالہ کی تجلی نے اپنے بہت ظلال پر نفس ہستی کے سوا، ان صفات کا بھی پرتو ڈالا۔ یہ وجوہ اور بھی ان بچوں کی نافہمی اور ان اندھوں کی گمراہی کی باعث ہوئیں اور جن کو ہدایتِ حق ہوئی وہ سمجھ لیے کہ

یک چراغیست دریں خانہ کہ از پرتو آں
ہر کجا می نگری انجمنے ساختہ اند



انہوں نے ان صفات اور خود وجود کی دو قسمیں کیں: حقیقی ذاتی کہ متجلی کے لیے خاص ہے اور ظلی عطائی کہ ظلال کے لیے ہے اور حاشا یہ تقسیم، اشتراک معنی نہیں بلکہ محض موافقت فی اللفظ۔ یہ ہے حق حقیقت وعین معرفت۔ وللہ الحمد"۔[۱۰]

ایک حدیث طبرانی نے حضرت ام ہانی رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کی، حضور والاصلوات اللہ تعالیٰ وسلامہ علیہ نے فرمایا:

"ان اللہ یجمع الاولین والاخرین فی صعید واحد ثم ینادی مناد من تحت العرش یا اھل التوحید ان اللہ عزوجل قد عفا عنکم فیقوم الناس فیتعلق بعضھم ببعض فی ظلمات، فینادی منادیا اھل التوحید لیعف بعضکم عن بعض وعلیّ الثواب"

یعنی بے شک اللہ عزوجل روز قیامت سب اگلوں پچھلوں کو ایک زمین میں جمع فرمائے گا پھر زیر عرش سے منادی ندا کرے گا اے توحید والو! مولا تعالیٰ نے تمہیں اپنے حقوق معاف فرمائے۔ لوگ کھڑے ہو کر آپس کے مظلموں میں ایک دوسرے سے لپٹیں گے۔ منادی پکارے گا: اے توحید والو! ایک دوسرے کو معاف کر دو اور ثواب دینا میرے ذمہ ہے"۔[۱۱]

یہ اہل توحید کون ہیں جن سے حقوق اللہ بھی معاف ہوں گے اور باہمی حقوق العباد کی بھی معافی کرا کے ثواب کا پروانہ مل جائے گا؟ امام احمد رضا قدس سرہٗ فرماتے ہیں:

"فقیر کے گمان میں حدیث مذکور میں اہل توحید سے یہی محبوبانِ خدا مراد ہیں کہ توحید خالص تام کامل، ہر گونہ شرکِ خفی واخفی سے پاک ومنزہ انہیں کا حصہ ہے۔ بخلاف اہل دنیا جنہیں عبدالدینار، عبدالدرہم، عبدطمع، عبدہویٰ، عبدرغب فرمایا گیا۔ وقال تعالیٰ: "افرأیت من اتخذالٰھہٗ ھواہ" اور بے شک بے حصولِ معرفتِ الٰہی اطاعت ہوائے نفس سے باہر آنا سخت دشوار۔ یہ بندگانِ خدا نہ صرف عبادت بلکہ

طلب واردات بلکہ خود اصل ہستی و وجود میں اپنے رب جل مجدہ کی توحید کرتے ہیں۔ لا الہ الا اللہ کے معنی عوام کے نزدیک لامعبود الا اللہ۔ خواص کے نزدیک لامقصود الا اللہ۔ اہل ہدایت کے نزدیک لامشہود الا اللہ۔ ان اخص الخواص ارباب نہایت کے نزدیک لاموجود الا اللہ۔ تو اہل توحید کا سچا نام انہیں کو زیبا۔ ولہٰذا ان کے علم کو علم توحید کہتے ہیں۔ (جعلنا اللہ تعالیٰ من خدامھم و تراب أقدامھم فی الدنیا والآخرۃ، وغفرلنا بجاھھم عندہ انہ أھل التقویٰ وأھل المغفرۃ۔ آمین۔ ۱۲

## حوالے


۱- امام احمد رضا قادری: کشف حقائق واسرار ودقائق (۱۳۰۸ھ) اشاعت رضا اکیڈمی ممبئی ص ۱۵

۲- علامہ فضل حق خیر آبادی: الروض المجود۔ اشاعت سمنانی کتب خانہ میرٹھ ۱۳۹۷ھ ص ۵-۶ ملتقطا مترجما

۳- ایضا، ص ۷

۴- ایضا، ص ۱۰-۱۱

۵- بحرالعلوم مولانا عبدالعلی فرنگی محلی: وحدۃ الوجود ص ۱۸ تا ۲۱۔ اشاعت شاہ ابو الخیر اکاڈمی دہلی

۶- شاہ ابوالحسین احمد نوری: سراج العوارف فی الوصایا والمعارف۔ ترجمہ ڈاکٹر سید محمد امین برکاتی، ص ۶۴-۱۶۵ اشاعت بمبئی ۱۹۸۶ء

۷- امام احمد رضا اور تصوف: محمد احمد مصباحی، ص ۱۰۲، اشاعت اول المجمع الاسلامی مبارک پور، ۱۴۰۸ھ





۸- الیواقیت والجواہر فی بیان عقائد الاکابر: امام عبدالوہاب شعرانی (۸۹۸ھ-۹۷۳ھ) ج ۱ ص ۶۳-۶۵ بہ تلخیص وترجمہ

۹- فتاوی رضویہ ج ۶، ص ۱۳۲-۱۳۳۔ سنی دارالاشاعت مبارک پور

۱۰- فتاویٰ رضویہ ج ۶، ص ۱۳۳-۱۳۴۔ سنی دارالاشاعت مبارک پور

۱۱- فتاویٰ رضویہ ج ۹، ص ۵۰۔ اشاعت رضا اکیڈمی بمبئی ۱۴۱۵ھ

۱۲- فتاویٰ رضویہ ج ۹، ص ۵۲-۵۳۔ اشاعت رضا اکیڈمی ۱۴۱۵ھ

# بارگاہِ خواجہ غریب نوازؓ میں امام احمد رضا کی حاضری

علامہ یٰسین اختر مصباحی
دارالقلم، ذاکرنگر، نئی دہلی

مزرعِ چشت و بخارا و عراق و اجمیر
کون سی کشت پہ برسا نہیں جھالا تیرا
(رضاؔ بریلوی)

خواجۂ ہند وہ دربار ہے اعلیٰ تیرا
کبھی محروم نہیں مانگنے والا تیرا
(حسنؔ بریلوی)

عاشقِ رسول، فقیہ اسلام، حسانُ الہند، امام اہل سنت حضرت مولانا الشاہ عبدالمصطفیٰ احمد رضا حنفی قادری برکاتی بریلوی قدس سرہ (متولد ۱۲۷۲ھ/ ۱۸۵۶ء۔ متوفی ۱۳۴۰ھ/ ۱۹۲۱ء) متبحر عالم و فاضل اور جامع شریعت و طریقت شیخ کامل تھے۔ آپ کی ذات علم نافع و عملِ صالح کا قابل صدر شک نمونہ تھی۔ اپنے عہد میں آپ مرکزِ فتاویٰ و مرجعِ اَنام تھے۔ آپ کے قلم حقیقت رقم سے نکلی ہوئی تقریباً ایک ہزار چھوٹی بڑی کتب و رسائل اس دعویٰ پر شاہد عدل ہیں۔

تصوف و طریقت کے اسرار و رموز سے آپ بخوبی واقف اور ان کے عارف تھے۔ آپ کے رسائلِ مبارکہ ''کشفِ حقائق و اسرار و دقائق (۱۳۰۸ھ)۔ ''الیاقوتۃ



الواسطہ فی قلب عقد الرابطہ (۱۳۰۹ھ) نقاء السلافۃ فی احکام البیعۃ والخلافۃ (۱۳۱۹ھ) مقال عرفا باعزاز شرع و علما (۱۳۲۷ھ) اور فتاویٰ رضویہ وغیرہ کے اندر دینی و مذہبی اور علمی و عملی ہر لحاظ سے جو ایمان افروز، روح پرور، دل نشیں اور چشم کشا نمونے ملتے ہیں وہ آپ کے روحانی مراتبِ کمال پر دال ہیں، جن سے آپ کے مدارجِ عالیہ کا ہر منصف مزاج شخص کو علم ہی نہیں بلکہ ان کا یقین بھی ہو جاتا ہے۔

امام احمد رضا حنفی قادری برکاتی بریلوی اپنا ایک واقعہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''میں روتا ہوا دوپہر کو سو گیا۔ دیکھا کہ حضرت جد امجد (مولانا رضا علی بریلوی) رضی اللہ عنہ تشریف لائے اور ایک صندوقچی عطا فرمائی۔ اور فرمایا! عنقریب آنے والا ہے وہ شخص جو تمہارے دردِ دل کی دوا کرے گا۔ دوسرے یا تیسرے روز حضرت مولانا عبدالقادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ بدایوں سے تشریف لائے اور اپنے ساتھ مارہرہ شریف لے گئے۔ وہاں جا کر شرفِ بیعت حاصل کیا۔ (ص ۶۳۔ الملفوظ حصہ سوم۔ رضا اکیڈمی ممبئی)

خانقاہِ عالیہ قادریہ برکاتیہ مارہرہ شریف (ضلع ایٹہ، یوپی) سے آپ کی روحانی وابستگی تھی۔ محبّ الرسول تاج الفحول حضرت مولانا عبدالقادر عثمانی قادری برکاتی بدایونی قدس سرہ (متوفی ۱۳۱۹ھ/ ۱۹۰۱ء) کے ایما و مشورہ پر ان کی رفاقت میں آپ ۱۲۹۴ھ/ ۱۸۷۷ء میں مارہرہ شریف حاضر ہوئے۔ اس وقت آپ کی عمر بائیس سال تھی۔ خاتم الاکابر حضرت مولانا سید شاہ آل رسول احمدی قادری برکاتی مارہروی قدس سرہ (متوفی ۱۲۹۶ھ/ ۱۸۷۹ء) کے دست حق پرست پر بیعت ہوئے اور اسی وقت اجازت و خلافت سے بھی نوازے گئے۔ ایک سوال کے جواب میں حضرت خاتم الاکابر مارہروی نے ارشاد فرمایا:

''اور لوگ میلا کچیلا زنگ آلود دل لے کر آتے ہیں جس کے تزکیہ کے لیے

ریاضت ومجاہدہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہ مصفّٰی ومزکّٰی قلب لے کر آئے۔ انھیں ریاضت ومجاہدہ کی کیا ضرورت تھی؟ صرف اتصالِ نسبت کی حاجت تھی جو بیعت کے ساتھ ہی حاصل ہوگیا۔''

مزید فرمایا! ''مجھے بڑی فکر تھی کہ بروزِ حشر اگر احکم الحاکمین نے سوال فرمایا کہ آلِ رسول! تو میرے لیے کیا لایا ہے؟ تو میں کیا پیش کروں گا؟

مگر خدا کا شکر ہے کہ آج وہ فکر دور ہوگئی۔ اس وقت ''احمد رضا'' کو پیش کردوں گا۔ (شمارۂ پنجم تا دہم۔ ترجمان اہل سنت پیلی بھیت۔ ودیگر کتب وروایات)

قارئینِ کرام پر یہ حقیقت بھی واضح رہنی چاہیے کہ امام احمد رضا حنفی قادری برکاتی بریلوی قدس سرہ ہر شیخ ومرشد طریقت کے لیے حسبِ قاعدۂ شریعت وطریقت یہ چار شرطیں لازم قرار دیتے ہیں:

اول: سنی صحیح العقیدہ مطابقِ عقائد علماے حرمین شریفین ہو۔

دوم: اتنا علم رکھتا ہو کہ اپنی ضرورت کے مسائل کتاب سے خود نکال سکے۔

سوم: فاسقِ معلن نہ ہو۔

چہارم: اس کا سلسلہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک متصل ہو۔

(ص ۵۸۸۔ فتاویٰ رضویہ مترجم۔ جلد ۲۱۔ رضا فاؤنڈیشن لاہور)

اور بیعت وارادت کے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں:

''لوگ بیعت بطور رسم ہوتے ہیں۔ بیعت کا معنی نہیں جانتے۔ بیعت اسے کہتے ہیں کہ حضرت یحییٰ منیری کے ایک مرید دریا میں ڈوب رہے تھے کہ حضرت خضر علیہ السلام ظاہر ہوئے اور فرمایا! اپنا ہاتھ مجھے دے کہ تجھے نکال لوں۔ ان مرید نے عرض کیا کہ یہ ہاتھ حضرت یحییٰ منیری کے ہاتھ میں دے چکا ہوں۔ اب دوسرے کو نہ دوں گا۔ حضرت خضر علیہ السلام غائب ہوگئے۔ اور حضرت یحییٰ منیری ظاہر ہوئے اور ان کو نکال لیا۔ (ص ۴۲۔ الملفوظ۔ حصہ دوم۔ رضا اکیڈمی بمبئی)



''بیعت کے معنی بک جانا۔ سبع سنابل شریف میں ہے۔ ایک صاحب کو سزائے موت کا حکم بادشاہ نے دیا۔ جلاد نے تلوار کھینچی۔ یہ اپنے شیخ کے مزار کی طرف رخ کر کے کھڑے ہوگئے۔ جلاد نے کہا۔ اس وقت قبلہ کو منہ کرتے ہیں۔ فرمایا! تو اپنا کام کر۔ میں نے قبلہ کو منہ کرلیا ہے۔

اور ہے بھی یہی بات، کہ کعبہ قبلہ ہے جسم کا اور شیخ قبلہ ہے روح کا۔ اس کا نام ارادت ہے۔ اگر اس طرح صدقِ عقیدت کے ساتھ ایک دروازہ پکڑ لے تو اس کو فیض ضرور آئے گا۔ اور بالفرض وہ بھی نہ سہی تو حضور غوث اعظم رضی اللہ عنہ تو معدنِ فیض ومنبعِ انوار ہیں ان سے فیض آئے گا۔ سلسلہ صحیح اور متصل ہونا چاہیے۔ (ص ۶۵۔ الملفوظ۔ حصہ دوم۔ رضا اکیڈمی بمبئی)

اسی حسنِ عقیدت کا اظہار کرتے ہوئے قصیدۂ غوثیہ (اکسیر اعظم ۱۳۰۲ھ) میں امام احمد رضا بریلوی عرض کرتے ہیں:

سرتوئی، سرورتوئی، سررا سروساماں توئی — جاں توئی، جاناں توئی، جاں راقرارِ جاں توئی

تیری سرکار میں لاتا ہے رضؔا اس کو شفیع — جو مرا غوث ہے اور لاڈلا بیٹا تیرا

حسنِ عقیدت کا یہ والہانہ انداز بھی کتنا روح پرور ہے۔

ترا ذرہ مہِ کامل ہے یا غوث — ترا قطرہ یم سائل ہے یا غوث<br>
کوئی سالک ہے یا واصل ہے یا غوث — وہ کچھ بھی ہو ترا سائل ہے یا غوث<br>
کہا تو نے کہ جو مانگو ملے گا — رضؔا تجھ سے ترا سائل ہے یا غوث

ایک رسالہ ''اَنھارُ الانوار من یمّ صلوٰۃِ الاسرار (۱۳۰۵ھ) میں یہ شیفتگی ووارفتگی، اس رسالہ ہی خود آپ کے حسنِ خاتمہ کا کتنا رشک آفریں نمونہ ہے:

''یہ ہے جو اس گدائے سرکارِ فیض بارِ قادریہ پر برکات ونعماتِ حضور پُر نور غوث اعظم رضی اللہ عنہ سے فائض ہوا۔ ع گر قبول افتد زہے عز وشرف

گدائے بے نوا، فقیرِ ناسزا، اپنے تاج دارِ عظیم الجود عمیم العطا کے لطفِ بے

منت وکرم بے علت سے اس صلے کا طالب کہ عفو وعافیت وحسنِ عاقبت کے ساتھ اس دارِ ناپائدار سے رخصت ہوتے ہوئے مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے عزیز پسر، بتولِ زہرا کے لختِ جگر، علی مرتضیٰ کے نورِ نظر، حسن وحسین کے قرۂ بصر، محی سنتِ ابی بکر وعمر صلی اللہ تعالیٰ علی الحبیب وعلیہم وسلم، یعنی حضور غوثِ صمدانی، قطبِ ربانی، واھبُ الآمال و مُعطی الامانی حضور پُر نور غوث اعظم، قطبِ عالم، محی الدین ابومحمد عبدالقادر حسنی حسینی جیلانی رضی اللّٰہ تعالیٰ عنه و ارضاہ و جعل حرزنا فی الدارین رضاہ کی محبت وعشق وعقیدت واتباع واطاعت پر جائے اور جس دن یوم ندعو کل اناس بـامامهم کا ظہور ہو، یہ سراپا گناہ زیر لوائے بے کس پناہ سرکار قادریت ظلِ الٰہ جگہ پائے۔ فان ذلك علی اللّٰه یسیر۔ ان اللّٰه علی کل شئی قدیر۔ (ص ۵۴۷ و ۵۴۸۔ فتاویٰ رضویہ۔ جلد سوم۔ رضا اکیڈمی بمبئی)

ایک خطبۂ رسالہ کے آخر میں لکھتے ہیں:

قال الفقیر عبد المصطفیٰ احمد رضا المحمدی السنی الحنفی القادری البرکاتی البریلوی، لَمَّ اللّٰه شعثه و تحت اللواء الغوثی بعثه۔ (ص ۳۔ الیاقوتة الواسطة فی قلب عقدِ الرابطة (۱۳۰۹ھ)۔ مطبوعه المجمع الاسلامی مبارك پور ضلع اعظم گڈھ۔ یوپی)

گویا آپ کے ہر بُنِ مو سے یہ صدا آتی تھی کہ:

قادری کر، قادری رکھ، قادریوں میں اٹھا
قدرِ عبدالقادر قدرت نما کے واسطے

سورت، گجرات سے ایک سوال آیا کہ امام اعظم ابوحنیفہ افضل ہیں یا سیدنا الشیخ عبدالقادر جیلانی؟ اس کا جواب دیتے ہوئے امام احمد رضا بریلوی رقم طراز ہیں:

''امام عبدالوہاب شعرانی میزان الشریعة الکبریٰ میں فرماتے ہیں:

الامام ابوحنیفة سئل عن الاسود و العطاء و علقمة ایهم افضل۔



فقال۔ واللّٰه مانحن باھل ان نذکرھم فکیف نفاضل بینھم۔

یعنی ایک روز امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سوال ہوا۔ امام علقمہ وامام اسود شاگردانِ حضرت سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ وامام عطا بن ابی رباح استاذِ امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین میں کون افضل تھا؟ فرمایا! ہم ان کے ذکر کرنے کے قابل نہیں۔ نہ کہ ان میں ایک کو دوسرے سے افضل بتائیں۔

امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ ارشاد تواضعاً تھا اور یہاں قطعاً حقیقتِ امر ہے۔ حاشا لِلّٰہ۔ ہمارے منہ اس قابل نہیں کہ حضور سیدنا امام اعظم یا حضور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا نامِ پاک اپنی زبان سے لیں۔

یہ بھی رحمتِ الٰہیہ ہے کہ اس نے ہمیں اپنے محبوبوں کے ذکر کی اجازت دی ہے۔ ہم کس منہ سے ان میں تفاضل بیان کریں؟ وہ ہماری شریعت کے امام اور یہ ہماری طریقت کے امام مفرد۔

عہدہا بالبِ شیریں دہناں بست خدا
ما ہمہ بندہ و ایں قوم خدا وند انند

اور یہاں اسی میزان میں انھیں امام شعرانی کا یہ قول: اعتقادنا ان اکابر الصحابة و التابعین و الائمة المجتهدین کان مقامهم اکبر من مقام باقی الاولیاء بیقین۔ وارد ہے۔

حضور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ بلاشبہ واصلانِ عین الشریعۃ الکبریٰ کے سرداروں میں سے ہیں۔ اور اس کے واصلوں کو یہی امام شعرانی اسی میزان میں فرماتے ہیں:

مَن اشرفَ علیٰ عینِ الشریعة الاولیٰ یشارك المجتهدین فی الاغتراف من عینِ الشریعة۔ فانه ما ثم احد حق له قدم الولایة المحمدیة اِلا و یصیر یاخذ احکام شرعهٖ صلی اللّٰه تعالیٰ علیه و سلم من حیث

اخذھا المجتھدون و ینفك عنه التقلید لجمیع العلماء اِلا لرسولِ اللّٰہ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیه و سلم۔ ثم نقل عن احد من الاولیاء انه کان شافعیاً او حنفیاً مثلاً فذلك قبل ان یصل مقام الکمال۔

(جو عینِ شریعت کے چشمۂ صافی پر پہنچ جاتا ہے وہ اس نہرِ حقیقت سے چلّو لینے میں مجتہدین کا شریک وسہیم ہو جاتا ہے۔ اور جو شخص ولایتِ محمدیہ کے درجۂ عظمیٰ پر فائز ہو جاتا ہے وہ وہیں سے احکام حاصل کر سکتا ہے جہاں سے ائمۂ مجتہدین رحمہم اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین۔ اس کے لیے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سوا تمام علماے امت کی تقلید سے آزادی ہے۔ اور بعض اولیا کے بارے میں جو یہ آیا ہے کہ حنفی یا شافعی تھے وغیرہ تو یہ ان حضرات کے مقامِ کمال تک پہنچنے سے پہلے کی بات ہے۔)

حضور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ ''محی الدین'' ہیں۔ اِحیاے دین کے لیے قائم کیے گئے۔ اور مذہبِ حنبلی اسلام کا ربع ہے۔ حضور سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سیدنا امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا: جعلتك ربع الاسلام۔ ہم نے تمہیں اسلام کا چہارم کیا۔ یہ مذہب قریبِ اِندراس تھا لہٰذا اس کے اِحیا کے لئے اس پر اِفتا فرماتے۔

ہاں! حضور سیدنا امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لیے حضرات عالیہ امام مالک و امام شافعی و امام احمد و من بعدھم من الائمة الکرام رضی اللّٰہ تعالیٰ عنھم پر فضلِ تابعیت ہے۔ امام تابعی ہیں۔ رأی انساً رضی اللّٰہ تعالیٰ عنه۔ اور باقی حضرات میں اور کوئی تابعی نہیں۔

و ما وقع مِن علیِ القاری فی المرقاۃ من تابعیهِ الامام مالك رضی اللّٰہ تعالیٰ عنه فسھوٌ ظاھرٌ لایلتفت الیه۔

اور ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ سے مرقاۃ میں جو یہ سہو ہوا کہ حضرت امام مالک تابعی ہیں۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قابلِ التفات نہیں۔



گدائے قادری عرض کرتا ہے:

صحابیت ہوئی، پھر تابعیت — بس آگے قادری منزل ہے یا غوث
ہزاروں تابعی سے تو فزوں، ہاں — وہ طبقہ مجملاً فاضل ہے یا غوث

واللّٰہ تعالیٰ اعلم۔ (ص۳۲ و ۳۳۔ فتاویٰ رضویہ۔ جلد یازدہم۔ مطبوعہ رضا اکیڈمی بمبئی)۔

امام احمد رضا حنفی قادری برکاتی بریلوی جملہ صحیح و مستند سلاسلِ طریقت مثل چشتیہ و نقشبندیہ و سہروردیہ و رفاعیہ و شاذلیہ وغیرہ اور ان کے صحیح الاعتقاد سنی مشائخ کرام کو برحق سمجھنے کے ساتھ ان کے عقیدت مند بھی تھے اور جہاں کہیں ان کا ذکر اور ان کا نام آپ کی تحریروں میں ملتا ہے، حسنِ ادب و احترام کے ساتھ ہی ملتا ہے۔ اس کے ساتھ ہی آپ سلسلۂ عالیہ قادریہ کو افضل السلاسل قرار دیتے تھے۔ چنانچہ ایک جگہ تحریر فرماتے ہیں:

''ہمارے نزدیک خاندانِ عالی شان قادری سب خاندانوں سے اعلیٰ و افضل ہے۔ (ص۲۱۴۔ فتاویٰ رضویہ جلد دوازدہم، رضا اکیڈمی بمبئی وص ۵۷۶۔ فتاویٰ رضویہ مترجم۔ جلد ۲۶۔ رضا فاؤنڈیشن لاہور)

دوسری جگہ تحریر فرماتے ہیں:

''سلاسل و اسانید اولیاے کرام کا کیا کہنا۔ خصوصاً سلسلۂ عالیہ حضور پُرنور سیدنا غوث اعظم قطب عالم صلی اللہ تعالیٰ علیٰ جدّہ الکریم و آبائه الکرام و علیه و سلم۔ (ص۴۶۶۔ فتاویٰ رضویہ مترجم۔ جلد ۲۱۔ رضا فاؤنڈیشن لاہور)۔

اولیاے کرام کی ایک دوسرے پر تفضیل کوئی اعتقادی مسئلہ نہیں۔ چنانچہ ایک سوال کہ سیدنا غوث اعظم رضی اللہ عنہ کو دوسرے اکابر اولیاے کرام سے افضل سمجھنے کا عقیدہ رکھنا جائز ہے یا نہیں؟ اس کے جواب میں امام احمد رضا بریلوی لکھتے ہیں:

''عقیدہ وہ چیز ہے جس کا اعتقاد مدارِ سنّیت اور اس کا انکار بلکہ اس میں تردد

گمراہی وضلالت ۔اس قسم کے امور ان مسائل سے نہیں ہوتے ۔الخ (ص۲۲۲۔ فتاویٰ رضویہ۔جلد دوازدہم ،رضا اکیڈمی بمبئی)

آپ کے اوپر قادری رنگ اتنا غالب تھا کہ اپنے قادری مشائخ طریقت ہی کو ذریعۂ فیضان سمجھ کر ان سے ہی ہمہ وقت استمداد کیا کرتے تھے اور ان کی تعریف و توصیف میں رطب اللسان رہا کرتے تھے ۔یہی وجہ ہے کہ آپ کی منظوم منقبتیں صرف مشائخ قادریہ کے اوصاف وکمالات ومحامد ومحاسن پر مشتمل ہیں اور دیگر مشائخ سے عقیدت کے باوجود آپ نے ان میں سے کسی کی منظوم منقبت نہیں لکھی۔

آپ کی تحریر کردہ کوئی منقبت نہ محض شاعرانہ ہے نہ ہی پیشہ ورانہ ، بلکہ سبھی منقبتیں آپ کی قلبی کیفیات و واردات کا آئینہ ہیں ،جن میں اپنے قادری مشائخ کرام بالخصوص قطب ربانی غوث صمدانی محبوب سبحانی حضرت سیدنا عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے انوار وتجلیات کی ضوفشانی ہے ۔جہاں کوئی آورد نہیں آمد ہی آمد ہے اور اس نہاں خانۂ قلب میں کسی طرح کا تکلف وتصنع نہیں بلکہ ہر طرف حسنِ فطرت کی کرشمہ سازی ہے ۔ ہر سمت نوائے حقیقت کا سوز وساز ہے ۔اور ہر چہار جانب صفا ووفا کا پرتوِ جمال اور رعنائیِ خیال ہے ۔

ہاں !اگر آپ نے غیر قادری مشائخ کرام میں سے کچھ کی منقبت لکھی ہوتی اور بعض اہم شخصیات کی منقبتیں نہ ہوتیں تو شاید کسی کے دل میں یہ خیال پیدا ہوتا کہ ایسا کیوں ہوا؟ اگر چہ یہ بھی کوئی قابلِ انگشت نمائی بات نہ ہوتی کیوں کہ جس طرح کوئی عالم ومحقق ومصنف کچھ موضوعات پر دادِ تحقیق دیتا ہے اور بہت سے موضوعات پر خامہ فرسائی کرنے کا وقت نہیں نکال پاتا ہے تو اس کا یہ مطلب ہر گز نہیں ہوتا کہ اسے باقی موضوعات کی اہمیت وعظمت سے کوئی اجتناب واحتراز یا کسی طرح کا انکار ہے ۔ ایسے وساوس واوہام اسی شخص کے دل میں پیدا ہو سکتے ہیں جو بدگمانی کے مرض میں مبتلا اور اس گناہ کے ارتکاب کا عادی ہو ۔یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ اپنی ناسمجھی سے ایسی بات



سوچ رہا ہو اور اس کا بھی احتمال ہے کہ وہ محض شرانگیزی کی نیت سے اس طرح کے شوشے چھوڑ رہا ہو۔

کچھ اسی طرح کی حرکت وہابیہ دیابنہ بار بار کرتے ہیں اور علمائے اہل سنت کو چھیڑنے اور انھیں چڑھانے کے لیے تحریراً وتقریراً یہ شوشہ بازی کرتے رہتے ہیں کہ آپ کے مولانا احمد رضا بریلوی بہت بڑے عاشق رسول بنتے ہیں اور آپ لوگ بھی ان کے عاشق رسول ہونے کا صبح وشام دعویٰ کرتے رہتے ہیں مگر انھیں اس کی توفیق نہ ہوسکی کہ وہ ’’سیرتِ رسول‘‘ پر کوئی کتاب لکھ سکیں ۔ایسے لوگوں کو علمائے اہل سنت بار بار جواب دیتے ہیں کہ امام احمد رضا بریلوی کوئی خاص موضوع منتخب کرکے دیگر مصنفین کی طرح اپنی کتب ورسائل نہیں لکھا کرتے تھے ۔وہ بنیادی طور پر ایک فقیہ و مفتی تھے اور ان کی ساری زندگی فقہ وافتا کی خدمت میں گذری ۔ان کے پاس عرب و عجم سے ہمیشہ سیکڑوں دینی سوالات آتے رہتے تھے جن کے جوابات لکھنے لکھانے ہی میں آپ کا سارا وقت گذر جاتا تھا ۔اور یہ خدمت اس خدمت سے بڑی ہے جو ان کے معاصر مصنفین نے انجام دی ہے ۔آپ تقدیسِ الوہیت وتعظیم نبوت کو اہل ایمان کے دلوں میں راسخ کرنے کی مہم میں تاحیات سرگرمِ عمل رہے ۔سیدالانبیاء والمرسلین خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت وناموس کا تحفظ اور منکرین عظمتِ رسول کا تعاقب کرنے میں اپنی ساری علمی وفکری توانائی آپ نے صرف کردی ۔یہ کارنامہ سیرت رسول پر کوئی کتاب لکھنے سے زیادہ عظیم ہے ۔ وغیرہ وغیرہ ۔مگر ایسے اطمینان بخش جواب کے باوجود وہابیہ دیابنہ پلٹ کر یہی بات بار بار دہراتے رہتے ہیں کہ آخر مولانا احمد رضا بریلوی نے سیرت رسول پر کوئی کتاب کیوں نہیں لکھی؟ ان کی اس حرکت کو سوائے شر پسندی وفتنہ انگیزی کے اور کیا کہا جاسکتا ہے؟

راہِ تصوف اور بابِ مناقب میں امام احمد رضا بریلوی کا طرزِ فکر وعمل سمجھنے کے لیے یہ مستند واقعہ ملاحظہ فرمائیں ۔ایک سوال کے جواب میں آپ تحریر فرماتے ہیں:

''حضور پرنور سیدالاولیاء الکرام امام العرفاء العظام حضرت سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت سیدی علی بن ھیتی قدس سرہ الملکوتی کے یہاں رونق افروز ہوئے۔ حضرت علی بن ھیتی نے اپنے مرید خاص ولیِ با اختصاص سیدی ابوالحسن علی جوسقی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو حکم دیا کہ خدمتِ حضرت غوثیت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ملازمت اختیار کریں۔ اور یہ پہلے فرما چکے تھے کہ میں (علی بن ھیتی) حضور پرنور غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے غلاموں سے ہوں۔

سیدی ابوالحسن قدس سرہ پیر سے یہ کچھ سن کر اس پر رونے لگے اور آستانۂ پیر کو چھوڑنا کسی طرح نہ چاہا۔ حضور غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسے روتا دیکھ کر فرمایا:

ما یحب الا الثدی الذی رضع منه۔ جس پستان سے دودھ پیا ہے، اس کے غیر کو نہیں چاہتا۔

انھیں حکم دیا کہ اپنے پیر کی ملازمت میں رہیں۔ اخرج سیدی الامام نورالدین ابوالحسن علی بن یوسف اللخمی قدس سره فی "بهجة الاسرار و معدن الانوار" بسندٍ صحیح عن سیدی ابی حفص عمر البزار قدس الله تعالیٰ سره۔ (ص ۷۴۷۔ فتاویٰ رضویہ مترجم، جلد ۲۱۔ رضا فاؤنڈیشن لاہور)

اور ایک عرض کے جواب میں امام احمد رضا بریلوی ارشاد فرماتے ہیں۔ عرض وارشاد دونوں ذیل میں ملاحظہ فرمائیں:

عرض: حضرت سیدی احمد زروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ہے: جب کسی کو کوئی تکلیف پہنچے یا زروق کہہ کر ندا کرے۔ میں فوراً اس کی مدد کروں گا۔

ارشاد: مگر میں نے کبھی اس قسم کی مدد نہ طلب کی۔ جب کبھی میں نے استعانت کی یا غوث ہی کہا۔ یک در گیر محکم گیر۔

میری عمر کا تیسواں سال تھا کہ حضرت محبوب الٰہی (خواجہ نظام الدین اولیا چشتی دہلوی) کی درگاہ میں حاضر ہوا۔ احاطہ میں مزامیر وغیرہ کا شور مچا تھا۔ طبیعت



منتشر ہوتی تھی۔ میں نے عرض کیا حضور! میں آپ کے دربار میں حاضر ہوا ہوں، اس شور وشغب سے مجھے نجات ملے۔ جیسے ہی پہلا قدم روضۂ مبارک میں رکھا ہے کہ معلوم ہوا سب ایک دم چپ ہوگئے۔ میں نے سمجھا کہ واقعی سب لوگ خاموش ہوگئے۔ قدم درگاہ شریف سے باہر نکالا پھر وہی شور وغل تھا۔ پھر اندر قدم رکھا پھر وہی خاموشی۔

معلوم ہوا کہ یہ سب حضرت کا تصرف ہے۔ یہ بیّن کرامت دیکھ کر مدد مانگنی چاہی۔ بجائے حضرت محبوب الٰہی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نام مبارک کے یا غوثاہ زبان سے نکلا۔ وہیں میں نے اکسیر اعظم قصیدہ بھی تصنیف کیا۔ (پھر ارشاد فرمایا) ارادت شرطِ اہم ہے۔ بیعت میں بس مرشد کی ذرا سی توجہ درکار ہے اور دوسری طرف اگر ارادت نہیں تو کچھ نہیں ہوسکتا۔

ایک صاحب حضور سیدنا غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے غلاموں میں سے تھے۔ انھوں نے واقعہ میں یعنی سوتے جاگتے میں دیکھا کہ ایک ٹیلہ پر یاقوت کی کرسی بچھی ہے۔ اس پر حضرت سیدنا جنید بغدادی رضی اللہ تعالیٰ عنہ تشریف فرما ہیں اور نیچے ایک مخلوق جمع ہے۔ ہر ایک اپنی اپنی چٹھی دیتا ہے۔ حضرت اس کو بارگاہ رب العزت میں پیش کرتے ہیں۔ یہ چپکے کھڑے رہے۔ جب حضرت نے بہت دیر تک انھیں دیکھا اور انھوں نے کچھ نہ کہا تو خود فرمایا "هاتِ اعرض قصتك" لاؤ کہ میں تمہاری عرضی پیش کروں۔ انھوں نے عرض کیا: او شیخی عزلوه۔ کیا میرے شیخ کو معزول کردیا گیا؟ فرمایا: واللّٰه ماعزلوه و لن یعزلوه۔ خدا کی قسم ان کو معزول نہیں کیا اور نہ کبھی ان کو معزول کریں گے۔ انھوں نے عرض کی: تو بس میرا شیخ کافی ہے۔

آنکھ کھلی، حاضر ہوئے دربار میں سرکار غوثیت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کہ واقعہ عرض کریں۔ قبل اس کے کہ کچھ عرض کریں حضور نے ارشاد فرمایا: هات اعرض قصتك۔ لاؤ کہ تمہاری عرضی پیش کردوں۔

(فرمایا) ارادت یہ ہے۔ ہمہ شیرانِ جہاں بستۂ ایں سلسلہ اند۔

(پھر فرمایا) جب تک مرید یہ اعتقاد نہ رکھے کہ میرا شیخ تمام اولیاے زمانہ سے میرے لیے بہتر ہے، نفع نہ پائے گا۔

علی بن ھیتی نے جو حضور غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خاص خلیفہ ہیں، ایک بار حضور کی دعوت کی۔ ان کے خاص مرید تھے حضرت علی جوسقی رضی اللہ عنہ۔ یہ کھانا لائے۔

خیال کرتے ہیں کہ روٹیاں کس کے سامنے پہلے رکھوں؟ اپنے شیخ کے سامنے رکھتا ہوں تو حضور غوث اعظم رضی اللہ عنہ کی شان کے خلاف ہے اور اگر حضور غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سامنے رکھتا ہوں تو ارادت تقاضا نہیں کرتی۔ انھوں نے اس طرح روٹیاں گھمائیں کہ دونوں کے حضور ایک ساتھ جا کر گریں۔ حضور غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا! یہ مرید تمہارا بہت باادب ہے۔ علی بن ہیتی نے عرض کیا! بہت ترقیاں کر چکا ہے۔ اب اس کو حضور اپنی خدمت میں لیں۔ علی جوسقی یہ سنتے ہی ایک کونہ میں گئے اور رونا شروع کیا۔

حضور نے فرمایا! اس کو اپنے ہی پاس رہنے دو۔ جس پستان کا پلا ہوا ہے اسی سے دودھ پیے گا۔ دوسرے کو نہیں چاہتا۔

(پھر فرمایا) اپنے تمام حوائج میں اپنے شیخ ہی کی طرف رجوع کرے۔

(ص ۵۵ و ۵۶۔ الملفوظ۔ حصہ سوم۔ رضا اکیڈمی بمبئی)

گویا کہ امام احمد رضا بریلوی اپنے ان اشعار کی عملی تصویر اور غیرت وحمیتِ قادریت وجذبۂ احسان شناسی کے پیکر تھے۔

تجھ سے در، در سے ہے سگ، سگ سے ہے مجھ کو نسبت
میری گردن میں بھی ہے دور کا ڈورا تیرا



اس نشانی کے جو سگ ہیں نہیں مارے جاتے
حشر تک میرے گلے میں رہے پٹا تیرا
میری قسمت کی قسم کھائیں سگانِ بغداد
ہند میں بھی ہوں تو دیتا رہا ہوں پہرا تیرا
تیری عزت کے نثار، اے میرے غیرت والے!
آہ صد آہ! کہ یوں خوار ہو بُردہ تیرا

☆

سرتوئی، سرورتوئی، سررا سروساماں توئی
جاں توئی، جاناں توئی، جاں را قرارِ جاں توئی
بہرِ پایت خواجۂ ہنداں شہِ کیواں جناب
بل علیٰ عینی و رأسی گید، آں خاقاں توئی
بندہ ات غیرت بُرد، گر بردرِ غیرت رود
وَر رَود چوں بنگرد ہم شاہِ آں ایواں توئی

امام احمد رضا بریلوی صرف حضور سیدنا غوث اعظم شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ کی دست گیری پر قربان نہیں تھے بلکہ عطاے رسول، سلطان الہند حضور سیدنا معین الملۃ والدین خواجہ غریب نواز اجمیری رضی اللہ عنہ کی شانِ غریب نوازی وفیض رسانی کا بھی آپ اپنی مجلسوں اور تحریروں میں چرچا کیا کرتے تھے۔ چنانچہ ایک استفتا کے جواب میں آپ پورے یقین واذعان کے ساتھ تحریر فرماتے ہیں کہ:

”حضور سیدنا غوثِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ ضرور دست گیر ہیں اور حضرت سلطان الہند معین الحق والدین ضرور غریب نواز۔ (ص ۴۳۔ فتاویٰ رضویہ۔ جلد

یاز دہم۔مطبوعہ رضا اکیڈمی بمبئی)

غلام معین الدین اور اجمیر شریف نہ لکھنے والے کے خلاف آپ کا یہ تیور بھی کتنا پُر جلال و وہابیت کُش اور روح پرور وعقیدت افروز ہے، اسے ذیل کے سوال و جواب میں ملاحظہ فرمائیں۔

مسئلہ: از سرکار اجمیر مقدس، لنگر گلی، مسئولہ حکیم غلام علی صاحب۔ ۶ رشوال ۱۳۳۹ھ۔

اگر کوئی مولوی اپنے مدرسہ کے دروازہ پر، اور خلافت کے بورڈ پر، اور خلافت کی ٹوپی پر، اور خلافت کی رسید پر فقط اجمیر لکھے۔ کیا اجمیر کے ساتھ لفظ شریف نہ لکھنا اور اصلی نام غلام معین الدین پر غلام نہ لکھنا خلافِ عقیدۂ اہل سنت ہے یا نہیں؟ بینوا توجروا۔

الجواب: ''اجمیر شریف کے نام پاک کے ساتھ لفظ شریف نہ لکھنا اور ان تمام مواقع میں اس کا التزام نہ کرنا اگر اس بنا پر ہے کہ حضور سیدنا خواجہ غریب نواز رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جلوہ افروزیِ حیات ظاہری و مزار پُر انوار کو (جس کے سبب مسلمان اجمیر شریف کہتے ہیں) وجہِ شرافت نہیں جانتا تو گمراہ بلکہ عدوُّ اللہ ہے۔

صحیح بخاری شریف میں ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اللہ عزوجل ارشاد فرماتا ہے: من عادیٰ لی ولیاً فقد اذنتہ بالحرب۔

اور اگر یہ ناپاک التزام بربنائے کسل وکوتاہ قلمی ہے تو سخت بے برکتی وفضلِ عظیم وخیرِ جسیم سے محرومی ہے۔ کما افادہ الامام المحقق محی الدین ابو زکریا قدس سرہ فی الترضی۔

اور اگر اس کا مبنیٰ وہابیت ہے تو وہابیت کفر ہے۔ اس کے بعد ایسی باتوں کی کیا شکایت؟ ماعلیٰ مثلہ یعد الخطاء۔

اپنے نام سے غلام کا حذف اگر اس بنا پر ہے کہ حضور خواجۂ خواجگان رضی



اللہ تعالیٰ عنہ کا غلام بننے سے انکار واستکبار رکھتا ہے تو بدستور گمراہ اور بحکمِ حدیث مذکور عدو اللہ ہے۔ اور اس کا ٹھکانہ جہنم ہے۔ قال تعالیٰ: الیس فی جھنم مَثْوی المتکبرین۔

اور اگر بربنائے وہابیت ہے کہ غلامِ اولیائے کرام بننے والوں کو مشرک اور غلام محی الدین اور غلام معین الدین کو شرک جانتا ہے تو وہابیہ خود زندیق، بے دین، کفار ومرتدین ہیں۔ و لِلکفرین عذاب مھین۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ (ص ۱۸۷ و ۱۸۸۔ فتاویٰ رضویہ۔ جلد ششم۔ مطبوعہ رضا اکیڈمی بمبئی)

حضرت سیدنا معین الملۃ والدین خواجہ غریب نواز اجمیری رضی اللہ عنہ کے فیوض وبرکات اور منکرینِ فیضانِ خواجہ غریب نواز کا ذکر کرتے ہوئے ایک مجلس میں امام احمد رضا بریلوی ارشاد فرماتے ہیں:

''حضرت خواجہ کے مزار سے بہت کچھ فیوض وبرکات حاصل ہوتے ہیں۔

مولانا برکات احمد صاحب مرحوم جو میرے پیر بھائی اور میرے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد تھے، انھوں نے مجھ سے بیان کیا کہ

میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ ایک ہندو جس کے سر سے پیر تک پھوڑے تھے۔ اللہ ہی جانتا ہے کہ کس قدر تھے۔ ٹھیک دوپہر کو آتا اور درگاہ شریف کے سامنے گرم کنکروں اور پتھروں پر لوٹتا اور کہتا کہ خواجہ اگن لگی ہے۔ تیسرے روز میں نے دیکھا کہ بالکل اچھا ہوگیا۔

بھاگل پور سے ایک صاحب ہر سال اجمیر شریف حاضر ہوا کرتے تھے۔ ایک وہابی رئیس سے ملاقات تھی۔ اس نے کہا۔ میاں! ہر سال کہاں جایا کرتے ہو؟ بے کار اتنا روپیہ صرف کرتے ہو۔ انھوں نے کہا چلو اور انصاف کی آنکھ سے دیکھو۔ پھر تم کو اختیار ہے۔

خیر! ایک سال وہ ساتھ میں آیا۔ دیکھا کہ ایک فقیر سونٹا لیے روضہ شریف کا

طواف کر رہا ہے۔اور یہ صدا لگا رہا ہے۔خواجہ! پانچ روپے لوں گا۔اور ایک گھنٹہ کے اندر لوں گا۔اور ایک ہی شخص سے لوں گا۔

جب اس وہابی کو خیال ہوا کہ اب بہت وقت گذر گیا۔ایک گھنٹہ ہو گیا ہوگا۔اور اب تک اسے کسی نے کچھ نہ دیا۔جیب سے پانچ روپے نکال کر اس کے ہاتھ پر رکھے اور کہا۔لو میاں! تم خواجہ سے مانگ رہے تھے۔بھلا خواجہ کیا دیں گے؟ لو ہم دیتے ہیں۔

فقیر نے وہ روپے تو جیب میں رکھے اور ایک چکر لگا کے زور سے کہا: خواجہ! تورے بلہاری جاؤں۔دِلوائے بھی تو کس خبیث منکر سے۔(ص۴۴۔الملفوظ۔حصہ سوم۔مطبوعہ رضا اکیڈمی بمبئی)

بارگاہِ سلطان الہند معین الملۃ والدین حضرت خواجہ غریب نواز اجمیری رضی اللہ عنہ میں امام احمد رضا بریلوی کی حاضری بھی ہوا کرتی تھی۔

برہان ملت حضرت مفتی محمد عبدالباقی برہان الحق رضوی جبل پوری (متوفی ۱۴۰۵ھ/ ۱۹۸۴ء) کے والد ماجد حضرت مولانا عبدالسلام جبل پوری (متوفی ۱۳۷۲ھ/ ۱۹۵۲ء) نے امام احمد رضا بریلوی کے دوسرے سفر حج و زیارت (۱۳۲۳ھ/ ۱۹۰۵ء) سے واپسی کے وقت بمبئی میں سفرِ جبل پور کی دعوت دی تو امام احمد رضا بریلوی نے فرمایا کہ ابھی مجھے اجمیر شریف کی حاضری دینی ہے۔چنانچہ اس سلسلے میں حضرت مفتی برہان الحق جبل پوری لکھتے ہیں:

''اعلیٰ حضرت نے بمبئی سے بریلی شریف کا قصد کیا۔والد ماجد نے جبل پور تشریف لے جانے کے لیے عرض کیا۔فرمایا! ابھی تو اجمیر شریف حاضری دیتا ہوا بریلی جاؤں گا۔ان شاء اللہ پھر کبھی جبل پور آؤں گا۔(ص۸۲۔اکرام امام احمد رضا۔مرکزی مجلس رضا لاہور۔۱۴۰۱ھ/ ۱۹۸۱ء)



سفرِ اجمیر شریف کا ایک مستند واقعہ ذیل میں ملاحظہ فرمائیں:

علامہ نور احمد قادری (اسلام آباد، پاکستان) اپنے دادا حاجی عبدالنبی قادری رضوی (متوفی ۱۹۴۹ء در کراچی) کی زبانی سنا ہوا ایک واقعہ بیان کرتے ہیں۔یہ راوی حاجی عبدالنبی امام احمد رضا بریلوی کے مرید تھے۔اور یہ واقعہ امام احمد رضا بریلوی کے آخری ایامِ حیات کا ہے۔علامہ نور احمد قادری لکھتے ہیں:

''ہوا یوں تھا کہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کا سلطان الہند خواجہ غریب نواز معین الدین چشتی اجمیری کی خانقاہ میں عرس غریب نواز کے موقعہ پر وعظ ہوا کرتا تھا اور اس وعظ کا اہتمام خود خانقاہ شریف کے ''دیوان'' صاحب کیا کرتے تھے۔جس میں علما و فضلا دور دور سے آکر وعظ سننے کے لیے شرکت کرتے۔بعض دفعہ دکن کے حکمران نظام دکن میر محبوب علی خان اور میر عثمان علی خاں بھی اس وعظ میں شریک ہوتے رہے۔اعلیٰ حضرت کا وعظ سننے کے لیے بے شمار خلقت وہاں ہوا کرتی۔

اس مرتبہ جب اعلیٰ حضرت بریلی شریف سے اجمیر شریف عرس خواجہ غریب نواز میں حاضری کے لیے جانے لگے تو ان کے ہمراہ دس گیارہ ان کے مریدین بھی تھے۔انھیں میں ایک راقم الحروف کے استاد محترم مولانا شاہ عبدالرحمٰن قادری جے پوری تھے، جو اعلیٰ حضرت کے شاگرد بھی تھے اور خلیفہ بھی۔اور دوسرے خود راقم الحروف کے دادا محترم حضرت حاجی عبدالنبی قادری تھے۔بقیہ اور حضرات تھے۔

دہلی سے اجمیر شریف تک جانے کے لیے ''بی بی اینڈ سی آئی آر'' ریل چلا کرتی تھی۔دورانِ سفر جب یہ ریل گاڑی ''پھلیرہ جنکشن'' پر پہنچتی تو قریب قریب مغرب کا وقت ہو جاتا تھا۔''پھلیرہ'' اس دور کے ہند کا بہت بڑا ریلوے جنکشن ہوا کرتا تھا۔جہاں سانبھر، جودھ پور اور بیکانیر سے آنے والی گاڑیوں کا بھی کراس ہوا کرتا تھا۔ان تمام دوسری لائنوں سے آنے والے مسافر اجمیر شریف جانے کے لیے اسی میل گاڑی کو پکڑتے تھے اس لیے یہ میل گاڑی پھلیرہ اسٹیشن پر تقریباً چالیس منٹ

ٹھہرا کرتی تھی۔ خود راقم الحروف نے بھی پارٹیشن سے قبل کے دور میں اجمیر شریف حاضری دینے کے لیے اسی گاڑی سے کئی بار سفر کیا، اور پھلیرہ جنکشن کا حال دیکھا۔

بہرکیف! جب اعلیٰ حضرت سفر کر رہے تھے تو پھلیرہ جنکشن پر پہنچتے ہی مغرب کی نماز کا وقت ہوگیا۔ اعلیٰ حضرت نے اپنے ساتھ والے مریدین سے فرمایا کہ نماز مغرب کے لیے جماعت پلیٹ فارم پر ہی کر لی جائے۔ چنانچہ چادریں بچھا دی گئیں اور لوگوں میں سے جن کا وضو نہ تھا انھوں نے تازہ وضو کر لیا۔ اعلیٰ حضرت ہر وقت باوضو رہتے، چنانچہ انھوں نے فرمایا کہ میرا وضو ہے، اور امامت کے لیے آگے بڑھے۔ اور پھر فرمایا کہ آپ سب لوگ پورے اطمینان کے ساتھ نماز ادا کریں۔ ان شاء اللہ گاڑی ہرگز اس وقت تک نہ جائے گی جب تک کہ ہم لوگ نماز پورے طور سے ادا نہیں کر لیتے ہیں۔ آپ لوگ قطعاً اس بات کی فکر نہ کریں اور پوری یکسوئی کے ساتھ نماز ادا کریں۔ یہ فرما کر اعلیٰ حضرت نے امامت کرتے ہوئے نماز پڑھنا شروع کر دی۔ مغرب کے فرض کی جب ایک رکعت ختم کر چکے تو اک دم گاڑی نے وِسل (Whistle) دے دی۔ پلیٹ فارم پر دیگر بکھرے ہوئے مسافر تیزی کے ساتھ اپنی اپنی سیٹوں پر گاڑی میں سوار ہوگئے مگر آپ کے پیچھے نمازیوں کی یہ جماعت پورے استغراق کے ساتھ نماز میں اسی طرح برابر مشغول رہی۔ دوسری رکعت مغرب کے فرض کی ہو رہی تھی کہ گاڑی نے اب تیسری اور آخری وسل بھی دے دی مگر ہوا کیا کہ ریل کا انجن آگے کو نہ سرکتا تھا۔ میل (Mail) گاڑی تھی کوئی معمولی پسنجر گاڑی نہ تھی۔ اس لیے ڈرائیور اور گارڈ سب پریشان ہوگئے کہ آخر یہ ہوا کیا کہ گاڑی آگے نہیں جاتی؟ کسی کی سمجھ میں نہیں آیا۔ انجن کو ٹیسٹ کرنے کے لئے ڈرائیور نے گاڑی کو پیچھے کی طرف ڈھکیلا تو گاڑی پیچھے کی سمت چلنے لگی، انجن بالکل ٹھیک تھا، مگر جب ڈرائیور اسی انجن کو آگے کی طرف ڈھکیلتا تو انجن رک جاتا تھا۔



آخر اتنے میں اسٹیشن ماسٹر جو انگریز تھا اپنے کمرہ سے نکل کر پلیٹ فارم پر آیا اور اس نے ڈرائیور سے کہا کہ انجن کو گاڑی سے کاٹ کر دیکھو۔ آیا چلتا ہے یا نہیں؟ چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا۔ انجن کو گاڑی سے کاٹ کر جب چلایا تو بخوبی پوری رفتار سے چلا۔ کوئی خرابی بھی اس میں نظر نہ آئی۔ مگر جب ریل کے ڈبوں کے ساتھ جوڑ کر اسی انجن کو چلایا گیا تو وہ پھر اسی طرح جام ہوگیا، اور ایک انچ بھی آگے کو نہ چلا۔ ریل کا ڈرائیور اور سب لوگ بڑے حیران و پریشان کہ آخر یہ ماجرا کیا ہے کہ انجن ریل کے ساتھ جڑ کر آگے کو نہیں جاتا؟ اسٹیشن ماسٹر نے گارڈ سے پوچھا جو نمازیوں کے قریب ہی کھڑا تھا کہ یہ کیا بات ہے کہ انجن الگ کرو تو چلنے لگتا ہے اور ڈبوں کے ساتھ جوڑو تو بالکل پٹری پر جام ہو کر رہ جاتا ہے؟ وہ گارڈ مسلمان تھا۔ اس کے ذہن میں بات آگئی، اس نے اسٹیشن ماسٹر کو بتایا کہ سمجھ میں یہ آتا ہے کہ یہ بزرگ جو نماز پڑھا رہے ہیں کوئی بہت بڑے ولی اللہ معلوم ہوتے ہیں، یقیناً اس کے علاوہ اور کوئی ٹیکنیکل وجہ نہیں۔ اب جب تک کہ یہ بزرگ اور ان کی جماعت نماز ادا نہیں کر لیتی یہ گاڑی مشکل ہے کہ چلے۔ یہ خدائے تعالیٰ کی طرف سے ان ولی اللہ کی کرامت معلوم ہوتی ہے۔ بس اب ان کے نماز ادا کرنے تک تو انتظار ہی کرنا پڑے گا۔ اسٹیشن ماسٹر کو یہ بات سمجھ میں آگئی اور وہ کہنے لگا کہ بلاشبہ یہی بات معلوم ہوتی ہے۔ چنانچہ وہ نمازیوں کی جماعت کے قریب آکر کھڑا ہوگیا۔ نماز میں اعلیٰ حضرت کا اور ان کے مریدین کا اس قدر استغراق عبادت اور خشوع و خضوع کا یہ روح پرور منظر دیکھ کر بے حد متأثر ہوا۔ انگریزی اس کی مادری زبان تھی مگر وہ اردو اور فارسی کا بھی ماہر تھا اور بے تکلف اردو میں کلام کرتا تھا۔ گارڈ کے ساتھ اس کی یہ ساری گفتگو اردو ہی میں تھی۔

غرض اعلیٰ حضرت عظیم البرکت نے سلام پھیرا اور بآواز بلند درود شریف پڑھ کر دعا مانگنے میں مصروف ہوگئے۔ جب یہ دعا سے فارغ ہوئے تو آگے بڑھ کر نہایت ادب کے ساتھ اسٹیشن ماسٹر (انگریز) نے اردو ہی میں عرض کیا کہ حضرت! ذرا

جلدی فرمائیں، یہ گاڑی آپ ہی کی مصروفیتِ عبادت کے سبب چل نہیں رہی ہے۔ اعلیٰ حضرت نے فرمایا کہ بس ابھی نماز پڑھ کر ہم لوگ تھوڑی دیر میں فارغ ہوں گے اور اِن شاء اللہ پھر گاڑی چلے گی۔ آپ جانتے ہیں کہ یہ نماز کا وقت ہے، کوئی بھی سچا مسلمان نماز قضا نہیں کرسکتا۔ نماز ہر مسلمان پر فرض ہے۔ فرض کو کیسے چھوڑا جائے۔ گاڑی ان شاء اللہ نہیں جائے گی، جب تک ہم لوگ اطمینان کے ساتھ نماز ادا نہیں کر لیتے۔ اسٹیشن ماسٹر پر اسلام کی روحانی ہیبت طاری ہوگئی۔ اعلیٰ حضرت اور ان کے مریدین نے سکون کے ساتھ جب نماز پورے طور پر ادا کر لی اور دعا پڑھ کر فارغ ہوئے تو اعلیٰ حضرت نے پاس ہی کھڑے ہوئے انگریز اسٹیشن ماسٹر سے فرمایا کہ ان شاء اللہ اب گاڑی چلے گی۔ ہم سب لوگ نماز سے فارغ ہوگئے ہیں۔ یہ کہا اور مع اپنے سب ہمراہیوں کے گاڑی میں بیٹھ گئے۔ گاڑی نے سیٹی دی اور چلنے لگی۔ اسٹیشن ماسٹر نے اپنے انداز میں سلام کیا اور آداب بجالایا۔ مگر اس واقعہ کرامت کا اس کے ذہن اور دل پر بڑا گہرا اثر پڑا۔

بہر کیف! گاڑی کے ساتھ اعلیٰ حضرت اور ان کے یہ چند مریدین تو اجمیر شریف روانہ ہوگئے مگر اسٹیشن ماسٹر سوچ میں پڑ گیا۔ رات بھر وہ اسی غور وفکر میں رہا، اس کو نیند نہ آئی۔ صبح اٹھا تو چارج اپنے ڈپٹی کے حوالہ کر کے اپنے افراد خاندان کے ساتھ حاضری کے لیے اجمیر شریف کو چل پڑا، تاکہ وہاں درگاہِ خواجہ غریب نواز میں حاضر ہو کر اعلیٰ حضرت کے دستِ مبارک پر اسلام قبول کرے۔ جب اجمیر شریف پہنچا تو دیکھا کہ درگاہ شریف کی شاہجہانی مسجد میں اعلیٰ حضرت کا ایمان افروز وعظ ہو رہا ہے۔ وہ وعظ میں شریک ہوا۔ بیان سنا، اور جب وعظ ختم ہوا تو قریب پہنچ کر اس نے اعلیٰ حضرت کے ہاتھ چوم لیے، اور عرض کیا کہ جب سے آپ پھلیرہ اسٹیشن سے ادھر روانہ ہوئے ہیں، میں اس قدر بے چین ہوں کہ مجھے سکون نہیں آتا۔ آخر اپنے افرادِ خاندان کے ہمراہ یہاں حاضر ہوگیا ہوں اور اب آپ کے دستِ مبارک پر اسلام قبول



کرنا چاہتا ہوں۔ آپ کی یہ روحانی کرامت دیکھ کر مجھے اسلام کی آسمانی صداقت کا یقین کامل ہوگیا ہے۔ اور مجھے پتہ چل گیا ہے کہ بس اسلام ہی خدائے تعالیٰ کا سچا دین ہے۔

چنانچہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں بریلوی نے ہزار ہا زائرینِ دربار خواجہ غریب نواز کے سامنے اس انگریز کو اور اس کے نو افرادِ خاندان کو وہیں کلمہ پڑھایا اور مسلمان کیا۔ اور خود اس کا اسلامی نام بھی غوث پاک کے نام پر عبدالقادر رکھا۔ اس کا انگریزی نام رابرٹ (Robert) تھا اور وہ رابرٹ صاحب کے نام سے مشہور تھا۔ آپ نے اس کو مسلمان کرنے کے بعد سلسلۂ قادریہ میں اپنا مرید بھی کیا اور پھر ہدایت فرمائی کہ ہمیشہ اتباعِ سنت کا خیال رکھنا۔ نماز کسی وقت نہ چھوڑنا، نماز روزہ کی پابندی بہت ضروری ہے۔ اور جب موقعہ ملے تو حج پہ بھی ضرور جانا اور زکوٰۃ ادا کرنا اور ہمیشہ خدمتِ دین کا خیال رکھنا اس لیے کہ اسلام کا پھیلانا بھی قرآن پاک نے ہر مسلمان کے لیے ضروری قرار دیا ہے۔ اپنے وطن بھی جب جاؤ تو وہاں بھی دین کو پھیلانے کی خدمت انجام دینا۔ یہ بہت بڑی سعادت ہے۔ اب خود بھی قرآن پاک کی تعلیم حاصل کرو اور اپنے تمام افرادِ خاندان کو بھی قرآن پاک کی تعلیم دلواؤ۔ غرض آپ نے اسلام اس کے دل میں اتار دیا۔ اور اپنی عارفانہ جنبشِ نگاہ سے اس کے شیشۂ دل کو عشقِ رسول پاک (صلی اللہ علیہ وسلم) کے عطر سے بھر کر اس کی روح کو مہکا دیا وہ اسلام کا شیدا و وارفتہ ہوگیا۔

اس انگریز کے اس قبول اسلام کا یہ واقعہ اس وقت کا ایک اہم واقعہ تھا، اس لیے کہ یہ انگریز کوئی معمولی درجہ کا انگریز نہ تھا بلکہ ایک ایسے گھرانے کا فرد تھا جس کے بہت سے افراد ہندوستان میں اور اسی طرح انگلستان میں مناصب جلیلہ پر فائز تھے۔ اہل علم اور باوقار لوگ تھے اور عیسائی مشن کی بڑی سرپرستی کیا کرتے تھے۔ اس انگریز کے مع افرادِ خاندان مسلمان ہو جانے کے اس واقعہ سے عیسائی مشنریوں کے جرگہ میں ہل چل پڑ گئی۔ مذہب کے میدان میں ان کی بوئی ہوئی ساری سفید کپاس جل

گئی۔یعنی گورے گھبرا گئے۔ان کے پادری بوکھلا گئے۔یہ کیا کم انقلابی واقعہ تھا۔

پھراس نومسلم انگریز نے جیسا کہ بزرگوں نے بتایا، زندگی بھر اسلام کی بڑی خدمت کی۔وہ قرآن کریم ختم کرنے کے بعد ہندوستان سے وطن واپس لوٹ گیا، اور وہاں جاکر اسلام کی خدمت کے لیے وقف ہوگیا۔اعلیٰ حضرت عظیم البرکت کی روحانی کرامت اور عارفانہ جنبش نگاہ نے اس کی ساری کایا پلٹ دی۔اسے آشنائے عشقِ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کرکے کام کا آدمی بنادیا۔ منزل پر پہنچا دیا اور اس کو ملتِ اسلامیہ کا ایک مستحکم ستون بنادیا۔(ص ۱۵۷ تا ۱۶۱۔سال نامہ معارف رضا کراچی۔مطبوعہ ۱۴۰۴ھ/۱۹۸۳ء۔ازادارہ تحقیقاتِ امام احمد رضا کراچی)

اسی روحانی نسبت وتعلق کا ثمرہ تھا کہ جب امام احمد رضا حنفی قادری برکاتی بریلوی کا وصال ہوا تو ملک کے مختلف شہروں کی طرح سرکارِ اعظم اجمیر معلیٰ میں بھی اہتمام کے ساتھ آپ کی فاتحۂ سوم کی تقریبات منعقد ہوئیں۔چنانچہ حضرت سید غلام علی مرحوم ومغفور خادم درگاہ اجمیر شریف اسی سلسلے میں تحریر فرماتے ہیں کہ:

''۲۵ رصفر مطابق ۲۸ راکتوبر یوم جمعہ (۱۳۴۰ھ/ ۱۹۲۱ء) کو بوقت شب سید حسین علی صاحب ولد سید صدیق علی صاحب وکیلِ جناب نواب صاحب بہادر والیِ ریاست جاورہ و خادمِ درگاہ معلیٰ سرکار اعظم اجمیر شریف کے نام ایک تار مرسلہ حضرت قبلہ مولانا مولوی شاہ محمد حامد رضا خاں صاحب بریلی سے آیا۔جس میں تحریر تھا کہ اعلیٰ حضرت قبلہ کا وصال ہوگیا۔اس حادثہ ہوشربا کو معلوم کرکے تمام مریدین ومعتقدین کو جو اور جتنا رنج والم ہوا اس کا حال تو عالم الغیب ہی خوب جانتا ہے۔

اس حادثہ کی سب احباب کو اطلاع دی گئی اور سید حسین علی صاحب نے فاتحۂ سوم کا انتظام کیا۔اور اول بروز اتوار ۲۷ رصفر کو آستانۂ عالیہ حضور خواجہ خواجگاں سرکار اعظم خواجہ غریب نواز رضی اللہ عنہ کے دروازہ جنوب واقع دالان نواب ارکاٹ



بعد نماز صبح قرآن خوانی ہوئی۔جس میں چند صاحب زادگان و چند مدرسین اور طلبائے مدرسہ معینیہ عثمانیہ و مدرسین معینیہ اسلامیہ ہائی اسکول شریک رہے۔اس کے بعد ڈھائی بجے موافق قاعدۂ صاحبزادگانِ درگاہ معلیٰ ختم فاتحہ سوم کے واسطے شرقی دروازہ صحنِ درگاہ معلیٰ میں آکر ختم کیا گیا۔

اس وقت علاوہ صاحبانِ مذکور کے حضرت جناب میر سید نثار احمد صاحب قبلہ متولی درگاہ اور چند اشخاص مدرسہ حنفیہ صوفیہ ویتامیٰ اجمیر شریف بہ تعدادِ کثیر شریک تھے۔بعد ختم تبرک تقسیم ہوا۔اور اس طرح اعلیٰ حضرت مجدد مأۃ حاضرہ مولانا مولوی شاہ احمد رضا خاں صاحب قبلہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی فاتحۂ سوم سرکارِ اعظمِ اجمیر شریف میں کی گئی۔

(دبدبۂ سکندری رام پور۔مؤرخہ ۷ رنومبر ۱۹۲۱ء)

# خانوادۂ برکاتیہ مارہرہ شریف

## (ایک تعارف)

ڈاکٹر احمد مجتبیٰ صدیقی بدایونی
شعبۂ جغرافیہ، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی

قدیم صوبہ متحدہ کے دار السلطنت اکبر آباد سے ملحق ضلع ایٹہ کے مغربی حصے میں واقع صوفیائے کرام کی مشہور و معروف بستی مارہرہ شریف یعنی حضرت سید شاہ برکت اللہ قدس سرہٗ کے پریم میں ڈوبی ہوئی پریم نگری میں وہ عظیم الشان درگاہ بے کس پناہ برکاتیہ ہے جہاں بڑے بڑوں نے اپنے سرِ عقیدت خم کئے، جس کو اپنے دور کے اساطین طریقت نے اپنا مرکزِ عقیدت بنایا۔ جہاں سے نہ جانے کتنے تشنگانِ معرفت جامِ طریقت پی کر راہِ ہدایت پا گئے۔ یہ خانقاہ شریف آج بھی برصغیر ہند میں لاکھوں عوام اور سیکڑوں علما و مشائخ کا مرکزِ عقیدت ہے۔

یہ درگاہ شریف، درگاہ شاہ برکت اللہ قدس سرہٗ کے نام نامی سے موسوم ہے اور سوادِ اعظم اہلِ سنت و جماعت کا کوئی ذی علم شخص ایسا نہیں جو اس درگاہ اور درگاہ سے وابستہ خانقاہ کے مشائخ کی دینی، علمی اور ملی خدمات کا معترف نہ ہو۔ ہندوستان میں ہی نہیں بلکہ برصغیر ہند و پاک میں قادریہ سلسلہ کی یہ سب سے بڑی خانقاہ ہے وہ اس لئے کہ سلسلہ قادریہ کا اجرا یہاں کے مرشدانِ کرام کے علاوہ یہاں کے خلفائے عظام کے ہاتھوں سب سے زیادہ عمل میں آیا۔



اس خانوادہ کو یہ امتیاز بھی حاصل ہے کہ امام سلسلۂ قادریہ غوث اعظم سیدنا شیخ عبد القادر جیلانی قدس سرہٗ نے بشارت فرمائی کہ اس خانوادۂ برکات میں سات قطب پیدا ہوں گے اور اپنی تسبیح کے سات دانے حضرت بو علی شاہ قلندر پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ کے ذریعہ بھجوا کر اس پر مہر تصدیق لگائی۔

عہدِ شاہجہانی کے مشہور و معروف صوفی شاعر صاحب البرکات سلطان العاشقین حضرت سید شاہ برکت اللہ عشقی و پیمی مارہروی کی اس درگاہ میں اپنے اپنے دور کے وہ جید مشائخ آرام فرما رہے ہیں جن کی ایک نگاہِ التفات نے عام انسانوں کو خاص لوگوں کی صف میں لا کر کھڑا کر دیا۔

خانوادۂ برکاتیہ کے اکابر کی ہندوستان آمد و تاریخی پس منظر کو مؤرخ خاندانِ برکات حضرت تاج العلما سید شاہ اولاد رسول محمد میاں قدس سرہٗ اس طرح بیان فرماتے ہیں:

''ہمارا نسب بواسطۂ حضرت زید شہید رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم تک پہنچتا ہے۔ بادشاہان ظالم کے ظلم سے ہمارے دادا سید علی عراقی رحمۃ اللہ علیہ ترک وطن فرما کر قریۂ واسط میں جو مابین عراق عرب و عراق عجم کے ہے، تشریف لا کر قیام پذیر ہوئے۔ جد سادات مارہرہ و بلگرام حضرت سید محمد صغری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے حسب ایمائے سلطان شمس الدین التمش راجا بلگرام (سری نگر) سے جہاد فرمایا۔ اور ۶۱۴ھ میں فتح پائی اس کی خوشی میں سلطان نے بلگرام آپ کو جاگیر میں دے دیا۔ حضرت نے اس کا نام سری نگر سے بدل کر بلگرام رکھا اور وہاں شعائر و مراسم اسلام کو رواج دیا۔ تا زمانۂ حضرت میر عبد الواحد بلگرامی قدس سرہٗ سبھی افراد خانوادۂ بلگرام میں سکونت پذیر رہے۔ حضرت میر عبد الواحد قدس سرہٗ کے بڑے صاحبزادے حضرت سید شاہ عبد الجلیل قدس سرہٗ (۹۷۲ھ- ۱۰۵۷ھ) عہد جہانگیر میں ۱۰۱۷ھ میں

مارہرہ تشریف لائے اور اس وقت سے اب تک حضرت کی اولاد مارہرہ شریف میں مقیم ہے۔

خانقاہ برکاتیہ کے مشائخ کرام تمام سلاسل طریقت کی اجازت وخلافت عطا فرماتے ہیں۔ راقم الحروف صرف سلسلہ قادریہ قدیمہ اور سلسلہ چشتیہ قدیمہ (آبائی) کے شجرہائے طریقت پیش کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہے۔ خانوادۂ برکات کا سلسلۂ چشتیہ کا شجرہ ذیل میں پیش ہے۔

## شجرہ سلسلہ قادریہ قدیمہ (آبائی)

شاہ برکت اللہ، میر سید اویس، شاہ عبدالجلیل، میر عبدالواحد، شاہ حسین، شاہ صفی، مخدوم سعد بدھن، شیخ محمد مینا لکھنوی، سید راجو مخدوم جہانیاں، شیخ نورالدین علی، شیخ مجذوب صالح، شیخ کمال الدین کوفی، شیخ سعدالدین ابوالفتوح بغدادی، سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی، شیخ احمد اسود دینوری، شیخ ممشاد دینوری، شیخ ابوالعباس نہاوندی، شیخ عبداللہ خفیف، شیخ جنید بغدادی، شیخ سری سقطی، شیخ معروف کرخی، شیخ داؤد طائی، شیخ حبیب عجمی، خواجہ حسن بصری، سیدنا مرتضیٰ علی رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین، حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم۔

## شجرہ سلسلۂ چشتیہ قدیمہ

سید شاہ برکت اللہ، میر سید اویس، شاہ عبدالجلیل، میر عبدالواحد، شاہ حسین، شاہ صفی، مخدوم سعدالدین بدھن، مخدوم شاہ محمد مینا، شیخ سارنگ سید راجو مخدوم



جہانیاں، خواجہ نصیرالدین محمود چراغ دہلوی، حضرت نظام الدین اولیاء، بابا فریدالدین گنج شکر، خواجہ بختیار الدین اوشی کاکی، خواجہ خواجگاں، حضرت معین الدین چشتی، خواجہ عثمان ہارونی، حاجی شریف زندنی، حضرت مودود چشتی، خواجہ ناصرالدین ابویوسف، خواجہ محمد بن احمد، خواجہ ابواحمد ابدال، خواجہ ابواسحاق شامی، خواجہ ممشاد علو دینوری، خواجہ ہبیرہ بصری، حضرت حذیفہ مرعشی، حضرت ابراہیم ادہم، خواجہ فضیل عیاض، خواجہ عبدالواحد زید، خواجہ حسن بصری، امیرالمؤمنین حضرت مرتضیٰ علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین۔ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ۔

امام سلسلۂ برکاتیہ شاہ برکت اللہ قدس سرہٗ کے اوپر سرکار غوثیت مآب کے عشق کا غلبہ تھا اور اسی کے زیر اثر حضور صاحب البرکات قدس سرہٗ، سرکار کالپی حضرت سید شاہ میر فضل اللہ کالپوی قدس سرہٗ العزیز کے پاس حاضر ہوئے۔ سرکار کالپوی نے حضور صاحب البرکات کو گلے لگاتے ہوئے ارشاد فرمایا ''دریا بہ دریا پیوست'' اور تمام سلاسل عالیہ قادریہ کی خلافت اور اجازت سے سرفراز فرمایا اور یہیں سے اس خانوادۂ عالیشان میں سلسلہ قادریہ جدیدہ کا اجراعمل میں آیا۔ حضور صاحب البرکات کے دو صاحبزادے ہوئے۔ سرکار کلاں حضرت سید شاہ آل محمد صاحب (۱۱۱۱ھ-۱۱۶۴ھ) و سرکار خورد حضرت سید شاہ نجات اللہ قدس سرہما۔ سرکار کلاں حضرت سید شاہ آل محمد صاحب ہی کی نسبت سے یہ خانقاہ شریف بڑی سرکار کہی جاتی ہے۔

حضور غوث پاک کی بشارت سے جن اقطاب کی نشاندہی کی گئی ان کے اسمائے گرامی ذیل میں پیش ہیں:

(۱) حضرت سید شاہ برکت اللہ مارہروی (۲) حضرت سید شاہ آل محمد مارہروی (۳) حضرت سید شاہ حمزہ عینی مارہروی (۴) حضرت سید شاہ آل احمد اچھے میاں مارہروی (۵) حضرت سید شاہ ستھرے میاں مارہروی (۶) حضرت سید شاہ آل رسول احمدی (۷) حضرت سید شاہ مہدی حسن صاحب (۸) حضرت سید شاہ

ابوالحسین احمد نوری قدست اسرارہم۔ ان اقطاب کے علاوہ جن مشائخ مارہرہ نے اس سرزمین سے شریعت وطریقت، تصوف ومعرفت اور خدمت خلق کے جام عالم اسلام میں تقسیم کیے ان کے نام ذیل میں پیش ہیں:

(۱) برکات ثانی حضرت سید شاہ حقانی (۲) حضرت سید شاہ اولاد رسول (۳) حضرت سید شاہ غلام محی الدین امیر عالم (۴) حضرت سید شاہ محمد صادق (۵) حضرت سید شاہ اسماعیل حسن شاہ جی میاں (۶) حضرت سید شاہ مہدی حسن صاحب (۷) حضرت سید شاہ اولاد رسول محمد میاں مارہروی (۸) حضرت سید العلما سید شاہ آل مصطفیٰ سید میاں مارہروی (۹) حضرت احسن العلما سید شاہ مصطفیٰ حیدر حسن میاں مارہروی (۱۰) وارث پنجتن حضرت سید شاہ یحییٰ حسن میاں (۱۱) سید ملت حضرت سید آل رسول حسنین میاں نظمی قدست اسرارہم۔

خانقاہ برکاتیہ کی شناخت کرانے کے لیے ہمارے اسلاف کرام قدس سرہم نے الحمدللہ، بہت علمی اور روحانی اثاثہ چھوڑا ہے اور اس خاندانی ورثے سے استفادہ کرکے ان کے اخلاف اس سلسلے کو آگے بڑھانے کی میں کوشاں ہیں۔ مارہرہ شریف کی یہ خانقاہ ہر دور میں اپنی روحانی اقدار کی بنیاد پر پہچانی گئی، مارہرہ اپنی علمی توانائی کی بنیاد پر پہچانا گیا۔ حضرت سید میر عبدالواحد بلگرامی سے قبل کے بزرگوں کا ذکر کرنا اگر شروع کریں تو تعارف کتابچہ کی شکل اختیار کرلے گا۔ لہٰذا بات صاحب سبع سنابل مجدد عصر حضرت سیدنا میر عبدالواحد بلگرامی قدس سرہ السامی سے شروع کرتے ہیں جنھوں نے مسلک اور مشرب دونوں کے تحفظ کے لیے سبع سنابل میں وہ نسخہ تجویز کیا جس سے ایمان کو تازگی اور عقیدہ کو بالیدگی حاصل ہوئی۔ پھر اس قبیلے کے عظیم فرزند حضرت میر سید عبدالجلیل بلگرامی بلگرام سے ہجرت کرکے مارہرہ کی سرزمین پر تشریف لائے، جنھوں نے صدق وصفا کی بساط بچھائی اور گم گشتگان راہ کو ایمانی راحتیں اور قلب کو روحانی مسرتیں عطا فرمائیں۔ زمانہ شاہد ہے کہ سرکار عبدالجلیل کے فیضان



سے راہزنوں کا مارہرہ راہبروں کا مارہرہ ہوگیا، صوفیوں اور عالموں کا مارہرہ ہوگیا۔ انہیں میر سید عبدالجلیل کے گھر سے علم وآگہی اور درویشی کی ایک کرن پھوٹی جسے زمانے نے صاحب البرکات کہہ کر پکارا جو مملکت روحانیت کا تاجدار اور عشق ومحبت کا علم بردار تھا۔ اسی نے پیم نگر برکات نگری کو روحانیت کا منبع بنادیا۔ روحانیت ایسی کہ ہر خواص وعام ان کے آستانے پر جبین عقیدت خم کرتا ہوا نظر آیا۔ صاحب البرکات کی وہ شان ولایت تھی کہ ہر خاص وعام اس کی کشش میں کھچ آئیں اور بڑے بڑے سلاطین وطن باریابی کی اجازت چاہیں اور باریابی نہ ملے۔ صاحب البرکات جب پیم پرکاش کا الکھ جگالیں تو عشق ومحبت کے رموز واسرار منکشف ہوجائیں۔ اپنے پاس بیٹھنے والوں کو مملکت سلوک، فقر ودرویشی زیور سے آراستہ وپیراستہ فرماکر منصب ولایت پر فائز کردیں۔ قلم اٹھالیں تو محققین عصر کہنے لگیں کہ اگر شاہ برکت اللہ کی شعری کاوشوں کو تاریخ اردو ادب میں شامل وشمار نہ کیا جائے تو زبان وادب کے مقدمے نامکمل رہ جائیں، استاذ المحققین شاہ آل محمد جب مصلے پر بیٹھ جائیں تو عبادت وریاضت کے معیار آپ کی عبادت وریاضت سے طے کیے جانے لگیں، برکات ثانی شاہ حقانی جب ترجمہ اور تفسیر کے میدان میں آئیں تو مفسرین زمانہ انگشت بدنداں ہوجائیں۔ اسد العارفین شاہ حمزہ کی سیف یمانی جو بے نیام ہو تو عدو مقابل ہونے سے تھرتھرائے۔ ان کی کاشف الاستار شریف جب منکشف ہونے پہ آئے تو علوم وفنون کے دریا رواں دواں ہونے لگیں۔ شمس مارہرہ حضور سید شاہ آل احمد اچھے میاں صاحب جب منصب نیابت غوثیت پر جلوہ گر ہوں تو قادریت اُن پر ناز کرے۔ خود غوث اعظم اپنے شہزادے کو اپنے لاڈلے مرید اور عاشق کی آغوش تربیت میں روانہ فرمادیں، زمانہ گواہ ہے جب اچھے میاں مارہرہ میں موجود تھے تب اچھے سے اچھا اس بارگاہ میں آکر اچھا بننے کا طالب نظر آتا تھا۔ وہیں حضور اچھے میاں جب علم وفن کو مرتب کرنے کا ارادہ کریں تو ۳۲ جلدوں پر مبنی ''آئین احمدی''

جیسا مختلف علوم وفنون کا انسائیکلو پیڈیا زمانے کو عطا فرمادیں۔ شمس مارہرہ کی ولایت مارہرہ کی گلیوں تک محدود نہ تھی بلکہ چہار دانگ عالم میں شمس دین وملت کا ڈنکا بج رہا تھا۔ سراج المحدثین شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی جیسے شہریار علم وحکمت شمس مارہرہ کی جانب نہ صرف عقیدت اور محبت کے جذبے سے دیکھتے تھے، بلکہ شمس مارہرہ اور ان کے خانوادے کے علم وفضل کا اعتراف بھی فرماتے تھے۔ کبھی حضرت شاہ نیاز بریلوی قدس سرہ قادریت کے اس دریا سے سیراب ہونے کے لیے نیاز مندی کے ساتھ ملتفت ہوتے رہتے تھے۔ شمس مارہرہ کا گھران کے علم وعمل کی روشنی سے ایسا جگمگا رہا تھا کہ علمائے بدایوں نے ایک ہی دفعہ میں اس آفتاب شریعت وطریقت کی روشنی دیکھ کر اپنی صبح وشام مارہرہ کے نام کر دی۔ اللہ اللہ!! وہ آل احمد کی نظر عنایت کہ بدایوں کو اپنی جاگیر کہہ دیں تو اس شہر علم وادب وروحانیت کی قسمت چمک اٹھے۔ اپنے خلیفہ خاص افضل العبید حضرت شاہ عین الحق عبدالمجید عثمانی بدایونی قدس سرہ پر ایسی نگاہ التفات فرمائی کہ ان کے ''مولوی'' کی چوکھٹ علم وفضل کا گہوارہ بن گئی۔ اچھے میاں نے شاہ عین الحق کو اپنا ''مولوی'' کیا کہا کہ پورا محلّہ ہی ''مولوی محلّہ'' ہوگیا۔ کسی کے ہاتھ میں سیف الجبار دی تو کسی کے سر پر علم وفہم وآگہی کا تاج رکھ دیا، کسی کو صاحب اقتدار کیا، کسی مفتی کو نابغۂ روزگار کیا۔ یہ ہے مارہرہ کا فیضان جسے دیکھ کر ہر بدایونی یہی پکارتا نظر آیا۔

بڑی سرکار ہے سرکاروں میں سرکار مارہرہ

انہیں آل احمد کے لخت جگر، نور نظر، خاتم الاکابر سید شاہ آل رسول احمدی جب مسند آل احمدیہ پر جلوہ فگن ہوئے تو زمانہ شاہد ہے کہ دنیائے سنیت کو ایک ایسا نایاب تحفہ دیا جو آل رسولی فیض پا کر نہ صرف خود اعلیٰ ہوا بلکہ پوری جماعت کو اعلیٰ نظریات وافکار سے آشنا کر دیا۔ جب دودمان نبوت کے اس فرزند جلیل نے اس ۲۲ر سالہ نوجوان کے ہاتھ میں غوث اعظم کی امانت سپرد کی تو وہی نوجوان مجدد مأۃ حاضرہ



اور اعلیٰ حضرت جیسے القاب کا حامل اور آفاقی شہرتوں کا مالک ہوتا نظر آیا اور جب انہیں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا سے سوال کرو کہ اے فقیہ العصر، محدث دوراں آپ علم وآگہی اور فکر وفن کی دولت کہاں سے لائے؟ تو ان کی عقیدت اور وابستگی یوں پکار اٹھتی ہے:

کیسے آقاؤں کا بندہ ہوں رضاؔ
بول بالے مری سرکاروں کے



تری نسل پاک میں ہے بچہ بچہ نور کا
تو ہے عین نور تیرا سب گھرانا نور کا

یہی وہ آل رسول احمدی ہیں کہ جن کے علم وفضل کا شہرہ گنگا کی وادیوں سے نکل کر جمنا کی آغوش تک پہنچا تو سرکار مخدوم سمناں رضی اللہ عنہ کے جلیل القدر شہزادے سید شاہ علی حسین اشرفی میاں قدس سرہ محبت آل رسول کی ڈور میں کھنچے چلے آتے ہیں اور ''خاتم الخلفا'' کے لقب سے نوازے گئے۔

تحدیث نعمت کے طور پر کہتا ہوں کہ خانقاہ برکاتیہ کے دامن میں وہ لعل وگوہر ہیں کہ زمانے میں جن کی مثال عنقا ہے۔ برکاتی کارخانۂ سلوک ومعرفت کل بھی متحرک وفعال تھا اور آج بھی طالبان شریعت وطریقت کے لیے ہمہ وقت کھلا ہوا ہے۔ اسی کارخانۂ روحانیت ونورانیت سے اس حسینی اور بتولی بقعۂ نور کا ظہور ہوا۔ جس کا نام بھی نوری اور کردار واطوار بھی نورانیت کا منبع یعنی نور العارفین خاتم اکابر ہند سیدنا شاہ ابوالحسین احمد نوری۔ یہ وہ احمد نوری ہیں جو عارفوں کے قلب کا سرور اور عابدوں کی آنکھوں کے نور ہے۔

الحمد للہ! اس ذات نوری کے سامنے اپنے وقت کے جید علما محدثین ومحققین

محض نسبت کی بنیاد پر سرعقیدت خم نہیں کرتے ہیں بلکہ علمیت کی بنیاد پر، شریعت و طریقت کی پاس داری کی بنیاد پر وہ ذات مرجع خلائق بنتی ہوئی نظر آتی ہے۔ سرکار نور کبھی تعویذ نگاری کو مستقل فن کی شکل دے رہے ہیں تو کبھی تشنہ گان معرفت کو صہبائے قادریت وچشتیت پلا رہے ہیں، طالبان سلوک کو بقا باللہ اور فنا فی اللہ کے رموز واسرار سے آشنا کروا رہے ہیں تو کبھی راہ سلوک میں ذکر اثبات ونفی سے تاریک دلوں کے طاقوں کو روشن کر رہے ہیں۔ وہی تاجدار طریقت جب قلم اٹھاتا ہے تو سلوک وتصوف کا دستور مرتب کر دیتا ہے۔ تشنگان معرفت کے دلوں کی تاریکیوں کو دور کرنے کے لیے ''سراج العوارف فی الوصایا و المعارف'' عطا فرماتا ہے۔ یہ وہ درس گاہ نوری تھی جہاں اپنے وقت کے مجدد ومحدث زانوئے ادب تہہ کیے ہوئے علم جفر سیکھ رہے ہیں اور جب ان کو اس ذات نوری کا عرفان ہوتا ہے تب حقیقی اعتراف کے ساتھ پکار اٹھتے ہیں:

برتر قیاس سے ہے مقام ابوالحسین
سدرہ سے پوچھو رفعت بام ابوالحسین

یہ وہی ذات نوری ہے جو امام احمد رضا فاضل بریلوی کے چھے ماہ کے صاحب زادے منہ میں انگشت ڈال دیں تو وہ صاحبزادے ولایت وبزرگی کے غماز ہو جائیں۔ ایسا مفتی اعظم وعالم اسلام بن جاتا ہے کہ لاکھوں لاکھ بندگان خدا اس توحید و معرفت کے جام پیتے نظر آتے ہیں، اس دور کا کوئی ایسا بڑا عالم وفاضل نہیں جو سرکار نور کی اس نوری کرامت سے فیض یاب نہیں۔ جب اس نوری مرید اور خلیفہ سے پوچھو کہ یہ دولت کہاں سے لائے تو جواب یوں ملتا ہے۔

فقط نسبت کا نوری ہوں حقیقی نوری بن جاؤں
جو دیکھے مجھ کو تو یہ کہہ اٹھے نوری میاں تم ہو

تاریخ شاہد ہے خانقاہ برکاتیہ نے تصوف وسلوک کے پیغام کو عام کرنے



کے ساتھ ساتھ معاشرتی ترقی، سماجی بہبود اور ملت و جماعت کی شیرازہ بندی کے لیے بھی بڑے احسن انداز میں سعی جمیل کی ہے۔ یہ بات بھی مسلم ہے کہ مارہرہ کے مشائخ نے دین کے معاملے میں کسی سے سمجھوتہ نہ کیا اور نہ کبھی شریعت وطریقت کے پیمانے سے تجاوز کیا۔ یہی وجہ ہے کہ آج تک ان کی اولادوں کو لوگ اعتماد کی نظروں سے دیکھتے ہیں۔

مجدد برکاتیت حضرت سید شاہ ابوالقاسم اسماعیل حسن المعروف بہ شاہ جی میاں قدس سرہٗ اور ان کے خلف و جانشین حضرت تاج العلما سید شاہ اولادِ رسول محمد میاں قدس سرہٗ نے علمی، ادبی، روحانی، سماجی، ملی و سیاسی سطح پر خانقاہ کے موقف کو ظاہر فرماتے ہوئے گراں قدر خدمات انجام دیں۔ ان حضرت کرام نے علوم دینیہ کی ترویج و اشاعت، مذہب ومسلک میں تصلب اور استقامت فی الدین کو مقدم رکھتے ہوئے خانقاہ برکاتیہ کے مشائخ کے پیغام کو آگے بڑھایا۔ خانقاہی نظام کو استقلال کے ساتھ نہ صرف رائج کیا بلکہ اس میں خوش گوار اضافے فرمائے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت شاہ جی میاں قدس سرہ کے دور کو خانقاہ برکاتیہ کا نشاۃ ثانیہ تصور کرتے ہیں اور حضرت کی ذات کو مجدد برکاتیت سے تعبیر کرتے ہیں۔

حضرت شاہ جی میاں اور حضرت تاج العلما قدس سرہما نے مراسم دیرینہ کو زندہ وجاوید رکھنے کے لیے مؤثر اقدامات کیے۔ حضرت تاج العلماء قدس سرہ نے اپنے والد ماجد کی سرپرستی میں خانقاہ برکاتیہ میں بڑے زریں اصول وضوابط قائم کیے۔ شریعت مطہرہ کی پابندی کو لازمی امر جانتے ہوئے اس کا نفاذ فرمایا، بہت استقلال کے ساتھ علم کی اہمیت کا احساس کرتے ہوئے لوگوں کو علم حاصل کرنے کی ترغیب دی، کتب خانے کا قائم کیے، مفید دینی کتب جمع کیں، رسائل اور جرائد شائع کیے۔ ان کے دونوں تربیت یافتہ ہمشیرزادے سید العلما واحسن العلما خانقاہ شریف میں دینی تعلیم کے فروغ کے لیے سنجیدہ کوششیں فرماتے رہے، اس دور کے مقتدر علمائے

دین حضرت تاج العلما کے زیر تربیت رہے اور خانقاہ شریف سے مذہب ومسلک کی خدمات انجام دیتے رہے۔ تاج العلماء ایسے ہی تاج العلماء نہیں کہلائے بلکہ علم و عمل، سلوک وتقویٰ کے ساتھ تاریخ خاندان برکات، اصح التواریخ، خیر الکلام فی مسائل الصیام، انسداد قربانی، التحقیقات الشرعیہ، فضائل رمضان، البرہان القوی علی عدم جواز التراویح خلف الصبی، مجموعہ فتاوی وغیرہ جیسی متعدد کتب تصنیف فرما کر اہل خاندان اور وابستگان کو دین پر چلنے اور دین سمجھنے کا سلیقہ عطا کیا۔ آج وہی کاوشیں اس دور میں خانقاہِ برکاتیہ کو دوسری خانقاہوں کے مابین ممتاز کرتی ہیں۔

کبھی کبھی یہ سوال بھی سامنے آجاتا ہے کہ خانوادۂ برکات کی وہ کیا خدمات ہیں جو جماعت اہل سنت کے لیے ماضی وحال میں باعث افتخار ہوں؟ تو اس سلسلے میں عرض ہے کہ آج تو الحمد للہ خانقاہیں اور مدارس بہت ہی اطمینان بخش حالات میں ہیں۔ مسجدوں، مدرسوں اور خانقاہوں کے لیے ہر سمت سے دست تعاون دراز ہے۔ قوم میں وہ زبوں حالی نہیں ہے جو ماضی میں رہ چکی ہے۔ لیکن آزادی سے قبل جب معاملات اتنے منظّم نہ تھے، ملک کا سیاسی نظام کروٹیں بدل رہا تھا۔ اس دور کی سیاست مسلمانوں کو صحیح راستے سے الگ کرنے کے لیے اپنے کہلانے والوں ہی کے ذریعہ گمراہی کے دلدل میں پھینکوا رہی تھی۔ ان حالات میں بھی سادات مارہرہ اپنی تقریر وتحریر کے ذریعہ جماعت کو ایک معتدل موقف دے رہے تھے۔ کیا ہماری جماعت حضور سید العلما مارہروی کی اس قربانی کو فراموش کرسکتی ہے کہ وہ اپنی خانقاہ اور حلقۂ مریدین چھوڑ کر جماعت کی شیرازہ بندی کی خاطر ممبئی کی ایک مسجد کی امامت کو فوقیت دے رہے ہیں۔ حضرت سید العلماء کی محنت رنگ لائی، پورے اہل سنت و جماعت کو آپ ایک پلیٹ فارم پر لے آئے، آل انڈیا سنی جمعیۃ العلما کا قیام عمل میں آیا۔ نتیجتاً جماعت اہل سنت کا قد اونچا ہوا، ہمیں ایک نئی شناخت حاصل ہوئی۔ حکومت کے ایوان ملت اسلامیہ کے سلسلے میں



فیصلہ لینے سے پہلے سید مارہرہ کے موقف کی طرف ضرور دیکھتے تھے، کیوں کہ وہ جانتے تھے کہ یہ ان کا تنہا موقف نہیں ہے بلکہ تمام اہل سنت اس پر متفق ہیں۔ لہٰذا وہی ہوتا اور وہی مانا جاتا تھا جو سید العلما چاہتے تھے۔ دو چار معاملات نہیں بلکہ آزادی کے بعد جتنے بھی مسائل ہماری قوم کے سامنے آئے اُن کے حل کے لیے حضرت اسماعیل حسن شاہ جی میاں قدس سرہٗ سے لے کر آج تک خادمان صاحب البرکات استقامت دین اور مذہب ومسلک میں تصلب کے ساتھ مخلص خدمات انجام دیتے نظر آئے۔ تحریک آزادی، تقسیم ہند کے معاملات، مسلم لیگ کی قیادت کا معاملہ، ترک موالات، خلافت موومینٹ، فرقِ باطلہ کا ردِ بلیغ، تحفظ ناموس رسالت کی مہم، قاضی بل، مسلم پرسنل لا، شاہ بانو کیس یا بابری مسجد کا تحفظ، ہر ایک مسئلے پر خانقاہِ برکاتیہ کا اپنا ایک الگ موقف رہا، اپنی طرف سے ان تمام معاملات پر خانوادۂ برکات نے مفید اقدامات کیے، رب تعالیٰ نے دست گیری کی اور کامیابی سے سرفراز فرمایا۔ فالحمد للہ علی ذلک۔

ممبئی کی سرزمین پر آج جو دین وسنیت کا پرچم لہرا رہا ہے وہ حضور سید العلما کی مسلسل کاوشوں کا نتیجہ ہے۔ آج ہندوستان کے طول وعرض میں جو مدارس اسلامیہ کثیر تعداد میں نظر آتے ہیں ان میں سید العلما اور احسن العلما قدس سرہما کی مشترکہ کاوشوں کا اہم کردار ہے۔ ایک بھائی نے خانقاہ سے باہر رہ کر ملت اور جماعت سازی کا کام کیا۔ تو دوسرے بھائی یعنی حضور احسن العلما قدس سرہ نے بڑی مستقل مزاجی کے ساتھ خانقاہی نظام کے تحفظ میں امتیازی کردار نبھایا۔ انہوں نے قدیم اور جدید اقدار میں ٹکراؤ نہیں ہونے دیا، بلکہ اپنے متوسلین کو نہایت متوازن اور مفید خانقاہی و مذہبی اقدار وروایات سے روشناس کرایا، جو موجودہ زمانے کے حساب سے بالکل درست اور فائدے مند ہیں۔ حضور احسن العلما قدس سرہٗ نے زندگی میں دو چیزوں کو بہت مرغوب رکھا علم اور عالم۔ علم کی ترویج کے لیے ہمیشہ کوشاں رہے اور علما کی خود بھی

توقیر کرتے رہے اور اپنے عمل سے دوسروں کو ان نائبین رسول کی توقیر و تعظیم کا درس دیتے رہے۔ حضور احسن العلماء کے دور میں اگر کہیں بھی اور کسی بھی سنی پلیٹ فارم سے کسی علمی کام کی شروعات ہوتی تو حضرت والا اس علمی کام میں بڑے احسن طریقے سے تعاون فرماتے۔ آج ان کے لائق و فائق فرزندانِ گرامی جن اعلیٰ مناصب پر فائز ہیں اور اپنی ملی خدمات کے حوالے سے ممتاز ہیں وہ انہیں کی دکھائی ہوئی راہ ہے۔ انہیں علم کی دولت دلوائی، اس نصیحت کے ساتھ کہ پیری و مریدی کو کاروبار نہ بنانا۔ الحمدللہ ثم الحمدللہ یہ فرزندان گرامی اپنے والد ماجد کی نصیحت پر قائم ہیں اور رہیں گے۔ نہ جانے کتنے مدارس، دارالعلوم اور عصری علوم کے ادارے وہ ہیں جو ان کی نگاہ خاص سے مستفیض تھے اور آج ان کی دعاؤں سے معروف ہیں۔ موجودہ صاحب سجادہ حضور امین ملت پروفیسر سید شاہ محمد امین میاں صاحب کی سرپرستی میں آج علم وفن کا جو گلستاں علی گڑھ میں ''جامعہ البرکات'' کے نام سے مہک رہا ہے وہ بھی حضور احسن العلما قدس سرہٗ کا ایک خواب تھا، جو ان کے لائق صاحبزادگان نے بفضلہٖ تعالیٰ پورا کیا۔ وہ علوم دینیہ کے ساتھ ساتھ قوم کو عصری علوم کے حوالے سے بھی بہت مضبوط اور مستقبل میں باوقار اور باعظمت مقام پر فائز دیکھنا چاہتے تھے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ ان کی ظاہری حیات میں اور اب بھی ان کی ذات مرجع علما و مشائخ اور مقبول عوام وخواص ہے۔ جب بھی سواد اعظم اہل سنت میں کوئی تنازعہ یا اور کوئی اہم مسئلہ درپیش ہوتا تو علمائے کرام کی مرکز توجہ حضور احسن العلما کی ذات ہوا کرتی تھی اور جب کبھی ایسا ہوا تب انہوں نے اپنے فہم وتدبر سے جماعت کی بڑے احسن طریقے سے رہنمائی فرمائی۔

انہوں نے اپنے اہل خاندان اور متوسلین کو دین کے اُن تمام اقدار سے روشناس کرایا جو ایک اچھے کردار کی نشوونما کرتی ہیں اور پھر عصری علوم کی طرف بھیجا تاکہ دنیا میں کامیابی حاصل ہو اور دوسروں کو ہماری ذات سے فائدہ



پہنچے۔ یہ وہ خصائص ہیں جنہوں نے ان کی ذات کو نہ صرف ممتاز و نمایاں کیا بلکہ اسی بنیاد پر ان سے ملنے اور برتنے والے لوگ ان کو اور ان کی خانقاہ کو اپنے عہد کے مشائخ اور خانقاہوں کی آبرو تصور کرنے لگے۔

ہمارے بزرگ علم دوست اور علم والوں کی توقیر کرنے والے تھے۔ یہاں کے تمام مشائخ صاحب تصانیف کثیرہ تھے۔ جنہوں نے اپنے رشحات قلم سے صحافت اسلامی کو مالا مال کیا۔ اگر ان حضرات کی قلمی نگارشات کو شمار کیا جائے تو ۲۵۰ سے زائد کتابیں مشائخ مارہرہ نے تصنیف فرمائی ہوں گی۔ حضرت رفیق ملت سجادہ نشین آستانہ عالیہ برکاتیہ نے اپنے برادران معظم کی زیر سرپرستی ایک نعرہ بلند کیا۔ **''آدھی روٹی کھایئے۔ بچوں کو پڑھایئے''**۔ اس نعرے کو عملی جامہ پہنانے کے لئے وہ اور ان کے برادران معظم بہت سنجیدہ کوششیں کر رہے ہیں۔ ۱۹۹۵ء میں صاحب سجادہ حضرت امین ملت کی زیر صدارت البرکات ایجوکیشنل سوسائٹی کا علی گڑھ میں قیام کر کے ۱۲۵ ربیگھہ زمین پر عصری علوم کا ادارہ جامعہ البرکات کھولا گیا۔ آج الحمدللہ طلبہ و طالبات کے لئے مع ہاسٹل کی سہولت کے ایک عمدہ CBSE اسکول، ایم. بی. اے. انسٹی ٹیوٹ، بی. ایڈ انسٹی ٹیوٹ، بی. بی. اے اور بی. سی. اے کالج، البرکات اسلامک ریسرچ اینڈ ٹریننگ انسٹی ٹیوٹ، غریب بچوں کے لئے ایک البرکات آفٹر نون اسکول کھولا گیا ہے۔ (جس میں کتابیں و ڈریس سب بنا کسی رقم کے حصول کے مہیا کرائی جاتی ہیں)۔ قوم کے کم تعلیم یافتہ نوجوانوں کے لئے ابھی البرکات کمیونٹی کالج بنایا ہے جس میں Professional Courses شروع ہو چکے ہیں۔ مارہرہ شریف کیب حضرت رفیق ملت کی زیر صدارت مارہرہ ایجوکیشنل سوسائٹی کا قیام عمل میں آیا۔ جس کے زیر اہتمام مارہرہ شریف میں ایک عمدہ CBSE Affliated مارہرہ پبلک اسکول کھولا۔ جو قصبے کے اطراف وجوانب کے لوگوں کو علم سے فیض یاب کر رہا ہے۔ ممبئ اور سورت میں البرکات ایجوکیشنل سوسائٹی کے زیر سرپرستی دو عمدہ اسکول چل رہے

ہیں۔ دینی علوم کی ترویج واشاعت کے لئے مدرسہ قاسم البرکات (قدیم) و جامعہ احسن البرکات قائم کیا تاکہ باوقار علمائے کرام یہاں سے فارغ ہوکر دین کی خدمت انجام دیں۔ حضرت صاحب سجادہ امین ملت پروفیسر سید محمد امین میاں صاحب قبلہ (پروفیسر وسابق صدر شعبۂ اردو، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ) اور ان کے برادران گرامی حضرت سید محمد اشرف صاحب جو Indian Revenue Service میں Chief Income Tax Commissioner ہیں اور دوسرے برادر جناب سید محمد افضل صاحب جو مدھیہ پردیش میں Additional Director General of Police ہیں اور حضرت رفیق ملت سید شاہ نجیب حیدر نوری، سجادہ نشین خانقاہ برکاتیہ ملک گیر پیمانے پر تعلیم کو عام کرنے کی کوشش کررہے ہیں، الحمدللہ۔ خانقاہ برکاتیہ کی جانب سے متعدد رفاہی کام اور اجتماعی شادیوں کا اہتمام ہوتا ہے۔ عوام کے لیے Medical Camps وغیرہ لگائے جاتے ہیں۔ مالی طور سے کمزور طلبہ کی مالی امداد کی جاتی ہیں۔ رب العزت خانقاہ برکاتیہ کے فیض کو چہار دانگ عالم میں عام فرمائے اور امت مسلمہ کو اس روحانی مرکز سے اصلاح اور تربیت کے جام صبح قیامت تک ملتے رہیں۔ (آمین)





# منظوم خراجِ عقیدت

## سید العلماء سید شاہ آل مصطفیٰ مارہروی

تیرے پائے کا کوئی ہم نے نہ پایا خواجہ
تو زمیں والوں پہ اللہ کا سایا خواجہ

ہے قلم رو میں ترے ہند کی پوری اقلیم
ہند کے سارے ولی تیری رعایا خواجہ

مکر شیطاں سے مریدوں کو بچا لیتے ہو
اس لیے پیر تمہیں اپنا بنایا خواجہ

جوشِ مستی میں کئی آئے ہیں ایسے لمحے
میں بہک جاتا مگر تم نے بچایا خواجہ

بے خودی میں، میں خودی کو ہی خدا کہہ دیتا
شکر ہے تم نے مگر یاد دلایا خواجہ

میری کشتی ابھی ساحل سے لگی جاتی ہے
اک ذرا تم نے اگر ہاتھ لگایا خواجہ

بربطِ عشق پہ مضراب عمل سے تم نے
نغمہ توحید کا کیا خوب سنایا خواجہ

سیّد خستہ کو امید حضوری کب تھی
صدقے جاؤں ترے کیا خوب بلایا خواجہ



## داغؔ دہلوی

یا خواجہ معین الدین چشتی سلطان الہند غریب نواز
یا واقف راز خفی و جلی سلطان الہند غریب نواز

لائی ہے مجھے امید کرم، اس خاک کی اور اس در کی قسم
آیا ہوں پۂ حاجت طلبی سلطان الہند غریب نواز

منھ عیش وطرب نے پھیر لیا، دن رات کے غم نے گھیر لیا
سب دور ہوں میرے رنج دلی سلطان الہند غریب نواز

فریاد تمہیں سے ہے میری، تکلیف سہی کیسی کیسی
ہو داد طلب کی دادرسی سلطان الہند غریب نواز

یہ داغؔ کہاں تک رنج سہے، تم سے نہ کہے تو کس سے کہے
تم آل نبی اولاد علی سلطان الہند غریب نواز

## بہادر شاہ ظفرؔ

تم ہوائے خواجہ معینِ سروران حق پرست   تم ہو رمزآ گاہِ کُن اور واقف سرّ اَلست
تم مددگارِ ظفر ہو کیوں ظفر کو ہو شکست   پر فلک کی دیکھ گردش کانپتے پا و دست
یا معین الدین چشتی دستگیری لازم ست

راہِ دنیا ہے بلند و پست اور پُر پیچ وخم   جابجا اس میں گلِ اندیشہ ہے اور لالۂ غم
ہر قدم پر خوف سے کرتا ہے سو لغزش قدم   استقامت کا بہت ہے آپ کا دست کرم
یا معین الدین چشتی دستگیری لازم است

گر رہے ہیں کوہ سے سر پر مرے بارِ گناہ   اور میں عاجز، نحیف و ناتواں مانند کاہ
وقتِ تاریکی ہے اور ہر گام پر تاریک چاہ   ظلمت آبادِ جہاں میں پھرتا ہوں گم کردہ راہ
یا معین الدین چشتی دستگیری لازم ست

خاک پر سے جو کہ ہل سکتا نہ ہو جوں نقشِ پا   تم اٹھاؤ تو وہیں ہو وہ سنبھل کر اُٹھ کھڑا
عیسیٰ جاں بخش ہو تم اور خضر رہنما!   دردمندوں کی دوا ہو ناتوانوں کے عصا
یا معین الدین چشتی دستگیری لازم ست

طواف کرتا ہے تمہارے آستاں کا آسماں   کعبۂ اہلِ صفا ہوٗ قبلہ گاہِ مقبلاں
خواجۂ ہر دو جہاں ہوٗ شاہِ شاہان جہاں   آپ کا دستِ حمایت چھوڑ کر جاؤں کہاں
یا معین الدین چشتی دستگیری لازم ست

وہ تمہارا نور باطن ہے کہ خورشید منیر   روبرو ہے اس کے ذرّہ بلکہ ذرّے سے حقیر
تم پہ روشن ہے کہ میں اے خواجۂ روشن ضمیر   دو جہاں میں جانتا ہوں تم کو اپنا دستگیر
یا معین الدین چشتی دستگیری لازم ست

بحرِ غم میں یہ ظفرؔ جوں موج ہو کر بے قرار   مارتا ہے دست و پا تا ہاتھ آجاوے کنار
پر کنارہ دور ہے اور ہے تلاطم بے شمار   چاہتا ہے دستگیری ہے یہ وقتِ اضطرار
یا معین الدین چشتی دستگیری لازم ست



## استاذِ زمن حضرت علامہ حسن رضا خان بریلوی

خواجۂ ہند وہ دربار ہے اعلیٰ تیرا   کبھی محروم نہیں مانگنے والا تیرا
ہے تری ذات عجب بحرِ حقیقت پیارے   کسی تیراک نے پایا نہ کنارا تیرا
کس قدر جوشِ تحیر کے عیاں ہیں آثار   نظر آیا مگر آئینہ کو تلوا تیرا
گلشنِ ہند ہے شاداب کلیجے ٹھنڈے   واہ اے ابر کرم زور برسنا تیرا
کیا مہک ہے کہ معطر ہے دماغِ عالم   تختۂ گلشنِ فردوس ہے روضہ تیرا
تجھ میں ہیں تربیتِ خضر کے پیدا آثار   بحر و بر میں ہمیں ملتا ہے سہارا تیرا
پھر مجھے اپنا درِ پاک دکھا دے پیارے   آنکھیں پُرنور ہوں پھر دیکھ کے جلوہ تیرا
ظل حق غوث پہ ہے غوث کا سایہ تجھ پر   سایہ گستر سرِ خدّام پہ سایہ تیرا
تجھ کو بغداد سے حاصل ہوئی وہ شانِ رفیع   دنگ رہ جاتے ہیں سب دیکھ کے رتبہ تیرا
کیوں نہ بغداد میں جاری ہو ترا چشمۂ فیض   بحرِ بغداد ہی کی نہر ہے دریا تیرا
جب سے تو نے قدمِ غوث لیا ہے سر پر   اولیا سر پہ قدم لیتے ہیں شاہا تیرا

محی دیں غوث ہیں اور خواجہ معین الدیں ہیں
اے حسنؔ کیوں نہ ہو محفوظ عقیدہ تیرا

## سید شاہ آل رسول حسنین میاں برکاتی

خواجہ جی دل میں مرے کیا گل کھلایا آپ نے
ظلمتوں میں نور کا دیپک جلایا آپ نے

سنت غوث الوریٰ کو آپ نے زندہ رکھا
مکر شیطاں سے مریدوں کو بچایا آپ نے

رہ نمائی آپ کی ہے باعث رحمت ہمیں
راہ حق پر ہم غلاموں کو چلایا آپ نے

آپ نے بخشا تصوف کو کمال جاوداں
خانقاہوں کا چلن کس نے بڑھایا آپ نے

جب شہاب الدین غوری جنگ میں نالاں ہوئے
ان کے ہاتوں فتح کا پرچم تھمایا آپ نے

تا کہ یہ بن جائے ولیوں صوفیوں کی سرزمین
اس لیے بھارت میں ہی ڈیرا لگایا آپ نے

جب مریدوں نے مصیبت میں پکارا آپ کو
ڈوبتی کشتی کو ساحل سے لگایا آپ نے

آزمائش کے لیے یکجا جو جادوگر ہوئے
کلمہ طیب کا تب جادو جگایا آپ نے

بت پرستی میں جو صدیوں سے رہے تھے مبتلا
ان کو اپنے خلق سے مسلم بنایا آپ نے

تھا جو اک اجڑا ہوا سا شہر ریگستان کا
اس کو اجمیر مقدس کہلوایا آپ نے

آپ کے آگے سبھی کے رنگ پھیکے پڑ گئے
ایسا چوکھا رنگ وحدت کا جمایا آپ نے

فیض خواجہ سے چلا ہے آج نظمی کا قلم
مجھ کو کچھ لکھنے کے بھی قابل بنایا آپ نے



## سید محمد اشرف قادری برکاتی

بحرِ ظلمات میں تم ایک جزیرا خواجہ
بیچ منجدھار میں تم میرا کنارا خواجہ

میں نے میراث میں پائی ہے غلامی آقا
تیس پشتوں سے میں نوکر ہوں تمہارا خواجہ

والئ ہند یہاں ہند میں مشکل ہے بہت
فضل ِ ربی سے ہو تم میرا سہارا خواجہ

نہ کوئی پہلے سے منصوبہ، نہ دعوت کوئی
تم نے اجمیر مجھے خوب بلایا خواجہ

ہند میں آپ ہیں سوغاتِ رسولِ عربی
ہر طرف ابرِ کرم آپ کا چھایا خواجہ

آرزو ہے کہ میں پھر چاند رجب کا دیکھوں
پھر بلانے کا کروں تم سے تقاضا خواجہ

اشرفؔ قادری بے زور ہے، بے زعم نہیں
غوثؔ کا ہوں تو تمہارا ہوں، تمہارا خواجہؔ

## سید عابد علی عابدؔ بریلوی

دل میں ولائے خواجہ لب پر صدائے خواجہ
خواجہ کو ڈھونڈھتا ہے عابدؔ گدائے خواجہ

دل ہے نثار خواجہ، جاں ہے فدائے خواجہ
خواجہ ہیں میرے خواجہ، میں ہوں گدائے خواجہ

مژدہ ہومیکشوں کو اجمیر کی طرف سے
وہ جھوم کر اٹھا ہے ابر سخائے خواجہ

افکار دو جہاں سے آزاد ہوگیا ہے
جس رندنے پیا ہے جام ولائے خواجہ

محشر کی آفتوں سے محفوظ ہوگیا وہ
قسمت سے آگیا جو زیر لوائے خواجہ

تاج شہان عالم لے کر میں کیا کروں گا
خواجہ کو چاہتا ہوں میں ہوں گدائے خواجہ

محشر میں یاالٰہی اٹھوں میں اس طرح سے
سر پر لوائے خواجہ، بر میں ادائے خواجہ

دل کے صنم کدے کو رشک حرم بنایا
تنویر مصطفےٰ ہے نور و ضیائے خواجہ

ذات خدا سے واصل، نور خدا میں شامل
حق کی ثنا ہے عابدؔ مدح وثنائے خواجہ



## بیکلؔ اتساہی بلرام پور

حسینی نور، مہِ زرفشاں غریب نواز
زمین ہند کے ہیں آسماں غریب نواز

بساطِ چشتؔ کی عظمت ، نشاطِ ہاروؔنی
ہیں تاجِ والیِ ہندوستاں غریب نواز

وہ جس کو چاہ لیں وہ وقت کا ولی ہوجائے
نگاہِ سرورِ کون و مکاں غریب نواز

ہوکوئی ہندو کہ مسلم کہ سکھ، عیسائی
ہر اک نفس پہ بڑے مہرباں غریب نواز

ہے ایکتا کا یہ اجمیرؔ ایک گھوارہ
سبھی کی بھرتے ہیں جھولی یہاں غریب نواز

میں اُن کی شان میں کیا لکھّوں بے بساط ہوں میں
کہاں گنوار کی بھاشا کہاں غریب نواز

کرم سے اب تو محبت کی روشنی دے دیں
ہے نفرتوں کا دلوں میں دھواں غریب نواز

بِپت میں کس سے کہوں پَت تمہیں بتاؤ تو
نہیں ہے کوئی مرا راز داں غریب نواز

تمہارے در پہ پڑا ہے تمہارا بیکلؔ بھی
کرم ہو اس پہ یہ ہے بے زباں غریب نواز

## اجملؔ سلطان پوری

میرے سرکار خواجۂ اجمیر — میرے مختار خواجۂ اجمیر
ہر مصیبت ہر ایک مشکل میں — ہیں مدد گار خواجۂ اجمیر
غم کا طوفاں ہے اور میری ناؤ — کیجئے پار خواجۂ اجمیر
میرے دامن میں بھی کوئی موتی — اے گہر بار خواجۂ اجمیر
میرے مالک مرے معین الدین — میرے مختار خواجۂ اجمیر
میرے آقا، مرے غریب نواز — میرے سرکار خواجۂ اجمیر
اپنے سائل کو پاس بلوائیں — کاش ہر بار خواجۂ اجمیر
اپنے خادم کو بھی دکھادیتے — اپنا دیدار خواجۂ اجمیر
میرے مشکل کشا معین الدین — میرے غمخوار خواجۂ اجمیر
قلب میں ہے عقیدت چشتی — لب پہ ہر بار خواجۂ اجمیر
جان و سامان میرا، سب تن من — تم پہ بلہار خواجۂ اجمیر
اب دکھادو فقیر کو اپنے — اپنا دربار خواجۂ اجمیر
اپنے اجملؔ پہ بھی نگاہ کرم — اے کرم گار خواجۂ اجمیر

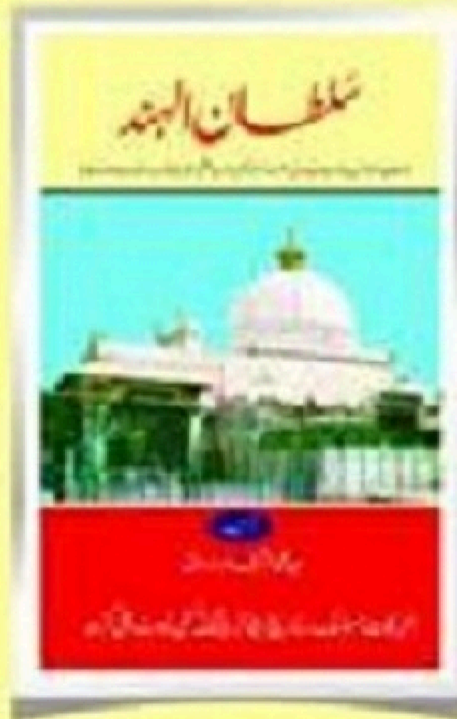


سلطان الہند

## البرکات اسلامک ریسرچ اینڈ ٹریننگ انسٹی ٹیوٹ، علی گڑھ کی

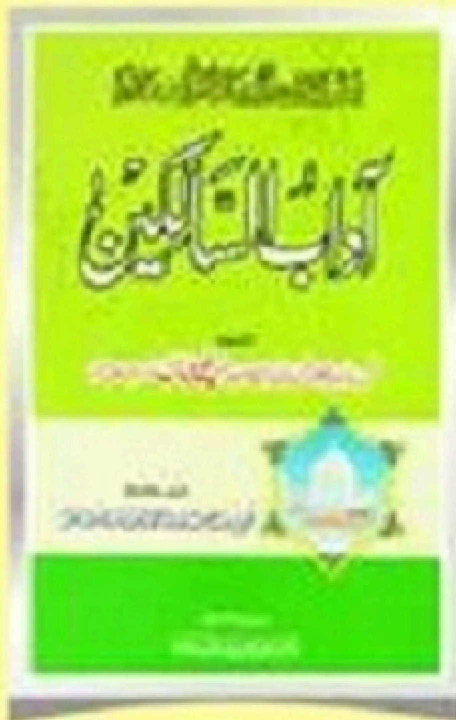
### مطبوعہ کتابیں



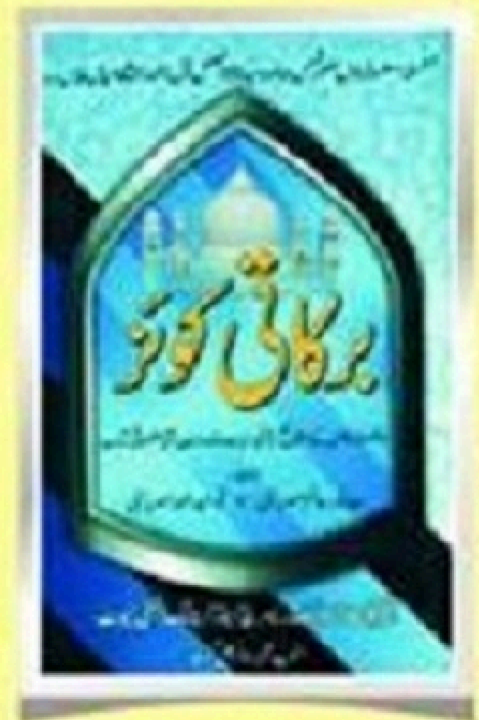












سید محمد اشرف مارہروی

**Publisher**

**Al-Barkaat Islamic Research and Training Institute**

Post C.D.F., Anoopshahr Road, Aligarh-202122 (U.P.)

Ph.: 0571-6500603, Fax: 0571:2720967

E-mail: abirtipublications@gmail.com